قلندر ذات

امجد جاوید

پاکستانی پوائنٹ
اردو ناولز، افسانے، شاعری، کالمز، مضامین
PP
پاکستانی پوائنٹ
ایک رابطہ اپنوں سے
www.pakistanipoint.com

قلندر ذات کا داستان گو

ایک دن اچانک مجھے احساس ہوا کہ امجد جاوید گم ہو گیا ہے۔ پھر پتہ چلا کہ نہیں، وہ گم ہونے جا رہا ہے۔ لیکن ایسا نہیں تھا، وہ تبدیلی کے ایک انہونے عمل سے گذر رہا تھا، جس کا ادراک مجھے اس وقت ہوا جب میں اور فرحت عباس شاہ اس کے شہر حاصل پور میں گئے۔

رات بھر اس کی تان قلندر کے گرد گھومتی رہی، اور فرحت عباس شاہ کے ساتھ اسی موضوع پر گفتگو ہوتی رہی۔ اس وقت اندازہ نہیں تھا کہ وہ کیا سوچ رہے ہیں۔ تقریباً ساڑھے تین برس کے بعد جب قلندر ذات کا پہلا حصہ میرے سامنے آیا تو مجھے اس وقت کا امجد جاوید یاد آ گیا۔ میرا ذاتی مشاہدہ ہے کہ اس کی اپنی ذات میں بھی تبدیلی آئی ہے، یا تو دریا، سمندر کے ساتھ آملا ہے یا پھر سمندر کی تہہ میں کوئی طوفان ہے، یا پھر خاک بسری کا نسخہ اس کے ہاتھ لگ گیا ہے۔

''قلندر ذات'' کا موضوع، سنگلاخ راستے کا سفر اور صحرا میں پیاس کی مانند ہے۔ جیسے کہ اس داستان میں ہے کہ..... '' قلندر دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو شکر گزاری کے اعلیٰ ترین مقام تک پہنچ کر قرب الٰہی حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں، رب تعالیٰ بھی ان کی خواہش کو رد نہیں کرتا۔ دوسرے وہ جو ذات کے قلندر ہوتے ہیں۔ ان کا پیشہ بندر، ریچھ اور کتے نچانا ہوتا ہے۔'' امجد جاوید نے اسے جس طرح نبھایا وہ تو آپ اسے پڑھ کر بخوبی اندازہ کر لیں گے۔ تاہم میں اس داستان کو اسی اعتماد کے ساتھ پیش کر رہا ہوں، جو ان کی کتابوں کی اشاعت کے وقت مجھے ہوتا ہے۔ مجھے آپ کی رائے کا انتظار رہے گا۔

گل فراز احمد

اس کہانی کی کہانی

یہ کہانی مجھے کیسے ملی؟

ہوا یوں کہ مجھے چولستان کے دُور افتادہ علاقوں میں جانے کا اتفاق ہوا۔ اس صحرا نوردی کا مقصد کچھ اور تھا۔ کہانی یا اس سے متعلق کسی دوسری معلومات کی تلاش میں سرگرداں ہرگز نہیں تھا۔ اسی صحرا نوردی میں وہ جگہ ہمارے راستے میں آئی تھی۔ ایک چھوٹی سی بستی سے ذرا ہٹ کر درختوں کا جھنڈ تھا۔ اس کے ساتھ ہی گوپا (مقامی انداز کی جھونپڑی) جس کے آگے کچے تھڑے پر خس کی صفیں پڑی ہوئی تھیں۔ درختوں کے نیچے چارپائیاں دھری ہوئیں تھیں۔ قریب ہی ایک کنواں تھا۔ اچھی خاصی صاف ستھری جگہ تھی، جیسے صحرا میں کوئی نخلستان ہو۔ صحرا میں یہ نظارہ دلفریب تو تھا ہی لیکن سراب کے جیسی حیرت انگیز بات یہ تھی کہ وہاں دو مہنگی فور وہیل جیپیں، تین چار کاریں اور چند موٹر سائیکل کھڑے تھے۔ اس ماحول کو دیکھ کر ہمارے گائیڈ نے صلاح دی

''کیا خیال ہے کچھ دیر آرام کرنا چاہئیں گے؟''

''یہاں.....؟'' میرے دوست نے جواب دینے کی بجائے سوال کر دیا۔

''جی.....اور اس کے ساتھ ساتھ میں آپ کو ایک ایسے بندے سے ملواؤں جو اپنی ذات میں بہت عجیب شے ہے۔'' گائیڈ نے مسکراتے ہوئے کہا

''کون ہے وہ بندہ؟'' مجھے تجسس ہوا

''سمجھیں اس چولستان کا تحفہ ہے۔ باقی آپ مل کر ہی اندازہ لگا سکیں گے..... اگر اس کے پاس وقت ہوا مہر اللہ یار نام ہے اس کا۔'' گائیڈ نے میرے تجسس کو مزید ہوا دے دی۔ میں نے اقرار میں سر ہلا دیا۔ گائیڈ نے گاڑی رکوا دی۔ کچھ دیر بعد ہم اس گوپے کے اندر تھے۔

وہ اُدھیڑ عمر کے تنومند انسان تھے۔ گہرا سانولا رنگ، سفید کُرتا، نیلی دھوتی، سفید رنگ کا پگڑ۔ گلے میں نسواری رنگ کا پرنا، خشخشی داڑھی، بھاری مونچھیں اور بڑی بڑی نشیلی آنکھیں۔ انہوں نے ہماری طرف گہری نگاہوں سے دیکھا۔ گائیڈ نے ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تعارف کرایا۔

"آپ ہیں مہر اللہ یار خان....."

وہ بہت تپاک سے ملے۔ میں نے محسوس کیا کہ ہم ان کی باتوں میں مخل ہوئے ہیں۔ تبھی انہوں نے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔

"آپ چند منٹ بیٹھو، میں ان سے اپنی بات مکمل کرلوں تو گپ شپ کرتے ہیں۔"

ہم باہر درختوں کے جھنڈ میں آکر بیٹھ گئے۔ زیادہ سے زیادہ دس منٹ کے بعد مہر اللہ یار خان ہماری پاس آگئے۔ وہ ہمیں لے کر کوپے میں چلے گئے۔ تعارف، تمہیدی باتوں اور جدید مشروبات سے تواضع کرنے بعد انہوں نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا

"آپ کوئی بات پوچھنا چاہتے ہیں؟"

میں ان کے چہرہ پڑھنے کی صلاحیت کا معترف ہوگیا کیونکہ میرے اندر ایک نہیں کئی سوال "اُبل" رہے تھے۔ میں نے ان سے یہ سوال کیا

"اس دور افتادہ علاقے میں، جنگل اور بیابانوں میں دو طرح کے لوگوں کا ڈیرہ ہوتا ہے۔ وہ یا تو چور ہوتے ہیں یا پھر درویش.....آپ کیا ہیں؟ جو اس طرح کے لوگ آپ کے پاس....."

وہ کھلکھلا کر ہنس دیئے پھر چند لمحے بعد بولے۔

"بیٹا، میں نہیں جانتا کہ میں کون ہوں چور یا سادھ، ہاں مگر اتنا جانتا ہوں کہ کس ریچھ کو کہاں سے پکڑنا ہے، کس بندر کو کیا اشارہ دینا ہے اور کس کتے کو کیا ڈالنا ہے۔"

"مطلب آپ جانور....." میں نے سمجھنے کے پوچھا تو وہ سنجیدگی سے بولے

"نہیں بیٹا۔! انسان بھی ایسے جانوروں والی خصلت رکھتے ہیں، جیسے منافق سانپ سے بھی زہریلا ہوتا ہے۔ جیسے کتا ایک دفعہ کسی در سے کھالے تو وہ وفا نبھاتا ہے، مگر بعض آدمی برس ہا برس ایک جگہ کھاتے رہنے کے بعد بھی کسی انسان کو کاٹ لیتے ہیں، وہ انسان کتوں سے بھی بدتر ہوتے ہیں۔"

"مہر صاحب یہ کیا بات کر رہے ہیں آپ، انسان تو اشرف المخلوقات ہے اور اسی کو آپ ایسے کہہ رہے ہیں؟"

"وہ سنا ہے بابا جی بلھے شاہ نے، کتے تیتھوں اُتے، یا پھر میاں محمد بخش نے کہا، کیکر تے انگور چڑھایا" یہی کہہ کر وہ چند لمحے خاموش رہے پھر بولے۔ "سورۃ التین کو سمجھا ہے آپ نے۔"

"آپ اسے سمجھا سکتے ہیں ذرا تفصیل سے؟" میں نے دھیمے لہجے میں کہا

"ہاں، مگر اس کم وقت میں نہیں۔"، یہ کہہ کر وہ لمحہ بھر کو رُکے پھر بولے "آج رات میرے مہمان بن جاؤ، ساری بات سمجھ میں آجائے گی۔ پھر جب تک تمہارا دل چاہے رہو ادھر"

اور میں رات وہاں پر رہا۔ کہانی تو مجھے مل گئی۔ لیکن میں پہلی بار اس "قلندر ذات" سے متعارف ہوا، جس نے میری سوچ ہی کو نہیں، خیالات میں بھی تلاطم برپا کردیا۔ میں "قلندر" کے بارے جاننے کے لئے تین سال تک سرگرداں رہا ہوں۔ ہر اس جگہ حاضری دی جہاں سے مجھے اس بارے علم کی ذرا سی بھی امید تھی۔ الحمد اللہ میری مراد پوری ہوئی۔ اب اس کی کیا کیا تفصیلات ہیں، میرے سوال کا جواب کیا ملا۔ یہی "قلندر ذات" کا موضوع ہے۔

میں شکر گذار ہوں جناب حافظ محمد عباس صاحب کا کہ انہوں نے میری توجہ اس موضوع کی طرف دلائی اور اس ا ے کافی حوصلہ دیا۔

میں شکر گذار ہوں اپنی بہن محترمہ رخسانہ بشیر صاحبہ کا، جو محترم جناب سید سرفراز احمد شاہ صاحب تک رسائی کا ا ا بنیں۔ جنہوں نے بہت سارے عقدے حل کئے۔

میں شکر گذار ہوں جناب عمران احمد قریشی صاحب کا، کہ انہوں نے اس داستان میں بھرپور دلچسپی لی اور اپنے ا ار جریدے "نئے اُفق" میں اہتمام سے شائع کیا۔

میں شکر گذار ہوں اپنے مربی، دوست اور بھائی جناب گل فراز احمد صاحب جنہوں نے "قلندر ذات" کو کتابی ورت میں شائع کر کے اس سلسلے کو نئی زندگی دی۔

میں شکر گذار ہوں، ملک محمد حسین صاحب کا جنہوں نے اس سلسلے کو لکھنے اور لکھتے رہنے کے لئے مہمیز کا کام ا یا۔ جناب حکیم اقبال کا جنہوں نے تصور سے حقیقت کے سفر کا ادراک دیا۔ جناب فرحت عباس شاہ کا، جن کے ذریعے ے مجھے اک "خاک نشین" سے ملنے کا موقع ملا۔ حافظ محمد اصغر کا، جس سے خاصی بحث رہی۔ اپنے بچوں سمن فاطمہ، مد ہلال، احمد جمال اور عائزہ فاطمہ کا جن کا وقت بھی میں نے اس داستان کو دیا۔

اگر آپ کو اس داستان سے کچھ بھی اچھا لگے، تو عرض ہے، میرے لئے دل سے دعا کر دیجئے گا۔ رَبّ تعالیٰ ہم ب کا حامی و ناصر ہو۔

امجد جاوید

وہ میلے کی آخری رات تھی۔ میں نے مسافر شاہ کی تھڑے کی چار دیواری کے ساتھ اپنی بائیک روک کر بند کر دی۔ وہاں کافی اندھیرا تھا لیکن مسافر شاہ کے تھڑے کی نکڑ پر روشن دیوں کی روشنی، اس اندھیرے کو چیر رہی تھی۔ رات کی سیاہ تاریکی میں وہ ٹمٹماتے ہوئے دیے زندگی کی علامت معلوم ہو رہے تھے۔ میرے دائیں جانب وہ کھلا میدان تھا، جہاں میلہ اب اُجڑ چکا تھا۔ وہاں لگی ہوئی عارضی دکانیں ختم ہو چکی تھیں۔ کچھ سمیٹ لی گئی تھیں اور کچھ سمیٹی جا رہی تھیں۔ کافی فاصلے پر سینکڑوں لوگوں کا مجمع لگا ہوا تھا۔ جہاں سے تیز روشنی کے ساتھ جا بجا نصب اسپیکروں سے فلمی گیت کی آواز ہر جانب پھیلی ہوئی تھی۔ میں جانتا تھا کہ اس مجمع کے پنڈال میں طوائفیں رقص کر رہی ہیں۔ میں نے بائیک کو لاک نہیں کیا، ویسے ہی دیوار کے ساتھ لگا کر اُتر آیا۔ میں نے لاشعوری طور پر اپنی ''ڈَبّ'' میں موجود پسٹل کو ہاتھ سے محسوس کیا اور ایک سنسنی خیز لہر کے ساتھ اس مجمع کی جانب بڑھ گیا۔

اگرچہ ان طوائفوں کا ناچ دیکھنے علاقے کا کوئی بھی بندہ جا سکتا تھا لیکن میں اپنے گاؤں کے سردار شاہ دین کے اکلوتے بیٹے شاہ زیب کی خصوصی دعوت پر وہاں گیا تھا۔ میں اچھی طرح جانتا تھا کہ اس نے مجھے وہاں کیوں بلوایا ہے۔ میں مجمع کو چیرتا ہوا پنڈال میں جا پہنچا جو لوگوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔

وہاں عام لوگ تو تھے ہی، لیکن علاقے کے امیر زادے اپنی انفرادیت' کروفر اور طمطراق کے ساتھ وہاں موجود تھے۔ انہوں نے اپنی انفرادیت جتانے کے لیے خاص اہتمام کیا ہوا تھا۔ شامیانے میں کرسیاں قطاروں میں بچھی ہوئی تھیں۔ وہاں سبھی اپنے لاؤ لشکر اور مصاحبوں کے ساتھ آئے ہوئے تھے۔ ایک طرف جہاں اپنی طاقت کا اظہار تھا تو دوسری طرف کسی بھی ناگہانی افتاد سے نپٹا جا سکتا تھا۔ میں ایک ہی نگاہ میں سارے پنڈال کا جائزہ لے کر اس جانب بڑھ گیا جدھر شاہ زیب بیٹھا ہوا تھا۔ میری آمد پر اس نے مجھے چونک کر دیکھا، جیسے میرے وہاں آ جانے کا یقین کر رہا ہو۔ اس کے لبوں فاتحانہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ تبھی اس نے اپنے ایک مصاحب کو اشارہ کیا۔ وہ فوراً ہی کرسی چھوڑ کر اٹھ گیا تو میں وہاں جا بیٹھا۔ ہم دونوں میں محض مسکراہٹ کا تبادلہ ہوا۔ کیونکہ ہم دونوں ہی اپنی وہاں پر موجودگی کے بارے میں جانتے تھے۔ اس نے آنکھوں ہی آنکھوں میں میری آمد پر شکریے کا اظہار کیا پھر ان طوائفوں پر نوٹ برسانے لگا۔ جو وہاں ان کے سامنے محو رقص تھیں۔ دوسرے امیر زادے بھی ایسے ہی شغل میں مصروف تھے۔ یوں لگ رہا تھا کہ جیسے ان امیر زادوں کے درمیان نوٹ برسانے کا مقابلہ چل رہا ہے۔ اطمینان سے بیٹھنے کے بعد میں اپنے جگری یار اشفاق عرف چھاکا کو دیکھنے کی کوشش کرنے لگا۔ جلد ہی وہ مجھے اپنی مخصوص منڈلی کے ساتھ دکھائی دے گیا۔ وہ میری طرف ہی دیکھ رہا تھا اور میری توقع کے مطابق اس کے چہرے پر حیرانی پھیل گئی تھی۔ بلاشبہ وہ میری آمد پر حیران تھا۔ اس نے ہاتھ ہلا کر اپنے جذبات کا احساس دلایا تو میں سکون سے محفل کی طرف متوجہ ہو گیا، جواب گرم ہو چکی تھی۔

وہاں کافی طوائفیں ناچ رہی تھیں۔ سبھی ایک سے بڑھ کر ایک تھیں۔ تاہم میری نگاہ ایک سرو قد طوائف پر جم کر رہ گئی۔ سیاہ لباس میں ملبوس وہ تیز روشنی میں دمک رہی تھی۔ جوانی تو جیسے اس پر ٹوٹ کر آئی تھی۔ سیندور ملا گورا بدن اس کے لباس میں سے چھلک رہا تھا۔ بہت حد تک عیاں اور تھوڑا بہت نہاں گورا بدن تراشا ہوا لگ رہا تھا۔ کھلے ہوئے گیسوؤں میں وہاں چہرہ چمکتے چمکتے' کافی حد تک پسینے میں بھیگی ہوئی۔ سب سے بے نیاز' فلمی گیت کی لے پر جنونی انداز میں ناچ رہی تھی۔ شاید مجھے اس میں انفرادیت اس لیے دکھائی دے رہی تھی کہ وہ بس محو رقص تھی۔ خود ساختہ ادائیں نہیں دکھا رہی تھی۔ وہ مجھ سے ذرا فاصلے پر تھی۔ میں نے اس کے چہرے کے نقوش دیکھے مگر اس کے حسن کو محسوس نہ کر سکا۔ جیسے اس کے بدن کی نشیب و فراز وادیاں میرے سامنے تھیں لیکن وہ ساری بھول بھلیاں ابھی اوجھل تھیں جن میں کوئی گم ہو کر رہ جاتا ہے۔ میری نگاہ اس پر ٹک کر رہ گئی۔ فقط میں ہی نہیں وہاں پر موجود زیادہ تر لوگوں کی نگاہیں اس پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ عورت جو کچھ ڈھکی اور کچھ عیاں ہو' جس کے بدن کا جادو سر چڑھ کر بول رہا ہو' اتنے بڑے ہجوم میں اعتماد اور بے نیازی سے اپنے فن میں ڈوبی ہوئی ہو' ایسی حسینہ کسی بھی مرد کے دل میں اُتر جائے تو یہ ایک فطری سی بات ہوتی ہے۔ اس وقت وہ سرو قد طوائف زادی آسمان سے اتری ہوئی پری ہی دکھائی دے رہی تھی۔ خود میں نے اپنے من میں اس کی کشش کے بارے میں لہر اٹھتی ہوئی محسوس کی تھی۔

رات جس قدر گہری ہوتی جا رہی تھی، پنڈال میں اسی قدر جوش و مستی چھا رہی تھی۔ امیر زادے اپنی امارت کے نشے میں مخمور نوٹ برساتے چلے جا رہے تھے۔ میں ان امیر زادوں کو ذاتی طور پر جانتا تھا۔ وہ سب ان محو رقص طوائفوں کے اشارے پر ناچ رہے تھے۔ زمین کے اس ٹکڑے پر یہ محفل گرم تھی جبکہ آسمان پر چاند پوری آب و تاب سے چاندنی کی ٹھنڈک لٹا رہا تھا۔ تین دن اور تین راتیں لگنے والا یہ میلہ بڑا ہی رنگین ہوا کرتا تھا۔ اس میلے میں شرکت کے لیے پورا علاقہ سال بھر انتظار کرتا تھا بلکہ اس کے لیے بھرپور تیاریاں بھی کی جاتی تھیں۔ تقریباً پچاس گاؤں اور ان کے درمیان چھوٹی بڑی بستیوں کے نوجوان مختلف کھیلوں کے لیے تیار ہوا کرتے تھے۔ انہی نوجوانوں کے درمیان مقابلے ہوتے جو جیت جاتا وہ اپنا انعام پانے کے لیے مزید محنت کرتا اور جو ہار جاتے وہ جیتنے کی خواہش میں سخت سے سخت محنت سے گزرتے۔ یوں پورا علاقہ پندرہ دھڑوں میں تقسیم ہو گیا تھا اور ہر دھڑے کی سرپرستی کوئی نہ کوئی امیر زادہ کرتا۔ سبھی اپنے اپنے نوجوانوں اور شہہ زوروں پر خصوصی توجہ دیا کرتے تھے۔ اس لیے علاقے میں بہت سارے گبھرو اور شہہ زور جوان نکلا کرتے تھے۔ اس کے ساتھ مقابلے کروانے کے لیے علاقے کی ایک انجمن بنی ہوئی تھی جو نہ صرف امن و امان برقرار رکھتی بلکہ انعام و اکرام کی ذمہ داری بھی اٹھاتی تھی۔ یہ انجمن خاصے مضبوط لوگوں کی تھی، سبھی ان کا حکم مانتے تھے۔

پاکستان بننے سے بھی کہیں پہلے اس میلے کی ابتدا نجانے کب ہوئی تھی۔ اس بارے میں کوئی نہیں جانتا بس ایک بات سنی تھی کہ ایک بزرگ جسے لوگ مسافر شاہ کے نام سے جانتے تھے وہ اس میلے والے میدان کے ایک کونے میں کچھ عرصہ رہے تھے۔ جہاں اب ایک پختہ تھڑا بنا ہوا تھا۔ وہیں ایک برگد کا درخت تھا۔ جس پر معلوم نہیں کتنے برس گزر چکے تھے۔ وہاں ان کی بات یہ تھی کہ اس پورے علاقے میں کہیں کوئی برگد کا درخت نہیں تھا۔ میلے والے میدان میں جنگلی جھاڑیاں اور کیکر تھے۔ نجانے کب اس جگہ کے بارے میں مشہور ہو گیا کہ اگر کوئی وہاں منت مان لے تو اس کی مراد پوری ہو جاتی ہے۔ مسافر شاہ نے اپنے قیام کے دوران بہت سارے لوگوں کو فیض یاب کیا تھا۔ عوام اس برگد کے درخت کو بڑے تبرک سمجھتے تھے۔ ان کے خیال میں وہ درخت مسافر شاہ نے لگایا تھا۔ لوگ اس درخت پر منت کا رنگین دھاگہ باندھتے تھے۔ پہلے پہل وہ تھڑا کچا تھا۔ مجھے جہاں تک معلوم تھا اس تھڑے کو شاہ زیب کے پڑدادا نے پختہ کروایا تھا۔ اس کے ساتھ ایک کنواں بھی کھدوایا اور اس تھڑے کے اردگرد چار دیواری کا حصار بھی بنا دیا۔ عمومی طور پر سارا سال وہ میدان

وہ میلے کی آخری رات تھی۔ میں نے مسافر شاہ کی تھڑے کی چار دیواری کے ساتھ اپنی بائیک روک کر بند کر دی۔ وہاں کافی اندھیرا تھا لیکن مسافر شاہ کے تھڑے کی نکڑ پر روشن دیّوں کی روشنی، اس اندھیرے کو چیر رہی تھی۔ رات کی سیاہ تاریکی میں وہ ٹمٹماتے ہوئے دیّے زندگی کی علامت معلوم ہو رہے تھے۔ میرے دائیں جانب وہ کھلا میدان تھا، جہاں میلہ اب اُجڑ چکا تھا۔ وہاں لگی ہوئی عارضی دکانیں ختم ہو چکی تھیں۔ کچھ سمیٹ لی گئی تھیں اور کچھ سمیٹی جا رہی تھیں۔ کافی فاصلے پر سینکڑوں لوگوں کا مجمع لگا ہوا تھا۔ جہاں سے تیز روشنی کے ساتھ جا بجا نصب اسپیکروں سے فلمی گیت کی آواز ہر جانب پھیلی ہوئی تھی۔ میں جانتا تھا کہ اس مجمع کے پنڈال میں طوائفیں رقص کر رہی ہیں۔ میں نے بائیک کو لاک نہیں کیا، ویسے ہی دیوار کے ساتھ لگا کر اُتر آیا۔ میں نے لاشعوری طور پر اپنی ''ڈَب'' میں موجود پسٹل کو ہاتھ سے محسوس کیا اور ایک سنسنی خیز لہر کے ساتھ اس مجمع کی جانب بڑھ گیا۔

اگرچہ ان طوائفوں کا ناچ دیکھنے علاقے کا کوئی بھی بندہ جا سکتا تھا لیکن میں اپنے گاؤں کے سردار شاہ دین کے اکلوتے بیٹے شاہ زیب کی خصوصی دعوت پر وہاں گیا تھا۔ میں اچھی طرح جانتا تھا کہ اس نے مجھے وہاں کیوں بلوایا ہے۔ میں مجمع کو چیرتا ہوا پنڈال میں جا پہنچا جو لوگوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔

وہاں عام لوگ تو تھے ہی، لیکن علاقے کے امیر زادے اپنی انفرادیت' کروفر اور طمطراق کے ساتھ وہاں موجود تھے۔ انہوں نے اپنی انفرادیت جتانے کے لیے خاص اہتمام کیا ہوا تھا۔ شامیانے میں کرسیاں قطاروں میں بچھی ہوئی تھیں۔ وہاں سبھی اپنے لاؤ لشکر اور مصاحبوں کے ساتھ آئے ہوئے تھے۔ ایک طرف جہاں اپنی طاقت کا اظہار تھا تو دوسری طرف کسی بھی ناگہانی افتاد سے نپٹا جا سکتا تھا۔ میں ایک ہی نگاہ میں سارے پنڈال کا جائزہ لے کر اس جانب بڑھ گیا جدھر شاہ زیب بیٹھا ہوا تھا۔ میری آمد پر اس نے مجھے چونک کر دیکھا، جیسے میرے وہاں آ جانے کا یقین کر رہا ہو۔ اس کے لبوں فاتحانہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ تبھی اس نے اپنے ایک مصاحب کو اشارہ کیا۔ وہ فوراً ہی کرسی چھوڑ کر اٹھ گیا تو میں وہاں جا بیٹھا۔ ہم دونوں میں محض مسکراہٹ کا تبادلہ ہوا۔ کیونکہ ہم دونوں ہی اپنی وہاں پر موجودگی کے بارے میں جانتے تھے۔ اس نے آنکھوں ہی آنکھوں میں میری آمد پر شکریے کا اظہار کیا پھر ان طوائفوں پر نوٹ برسانے لگا۔ جو وہاں ان کے سامنے محو رقص تھیں۔ دوسرے امیر زادے بھی ایسے ہی شغل میں مصروف تھے۔ یوں لگ رہا تھا کہ جیسے ان امیر زادوں کے درمیان نوٹ برسانے کا مقابلہ چل رہا ہے۔ اطمینان سے بیٹھنے کے بعد میں اپنے جگری یار اشفاق عرف چھا کا کو دیکھنے کی کوشش کرنے لگا۔ جلد ہی وہ مجھے اپنی مخصوص منڈلی کے ساتھ دکھائی دے گیا۔ وہ میری طرف ہی دیکھ رہا تھا اور میری توقع کے مطابق اس کے چہرے پر حیرانی پھیل گئی تھی۔ بلاشبہ وہ میری آمد پر حیران تھا۔ اس نے ہاتھ ہلا کر اپنے جذبات کا احساس دلایا تو میں سکون سے محفل کی طرف متوجہ ہو گیا، جو اب گرم ہو چکی تھی۔

وہاں کافی طوائفیں ناچ رہی تھیں۔ سبھی ایک سے بڑھ کر ایک تھیں۔ تاہم میری نگاہ ایک سرو قد طوائف پر جم کر رہ گئی۔ سیاہ لباس میں ملبوس وہ تیز روشنی میں دمک رہی تھی۔ جوانی تو جیسے اس پر ٹوٹ کر آئی تھی۔ سیندور ملا گورا بدن اس کے لباس میں سے چھلک رہا تھا۔ بہت حد تک عیاں اور تھوڑا بہت نہاں گورا بدن تراشا ہوا لگ رہا تھا۔ کھلے ہوئے گیسوؤں میں گلابی چہرہ چمکتے چمکتے' کافی حد تک پسینے میں بھیگی ہوئی۔ سب سے بے نیاز' فلمی گیت کی لے پر جنونی انداز میں ناچ رہی تھی۔ شاید مجھے اس میں انفرادیت اس لیے دکھائی دے رہی تھی کہ وہ بس محو رقص تھی۔ خود ساختہ ادائیں نہیں دکھا رہی تھی۔ وہ مجھ سے ذرا فاصلے پر تھی۔ میں نے اس کے چہرے کے نقوش دیکھے مگر اس کے حسن کو محسوس نہ کر سکا۔ جیسے اس کے بدن کی تمام تر وادیاں میرے سامنے تھیں لیکن وہ ساری بھول بھلیاں ابھی اوجھل تھیں جن میں کوئی گم ہو کر رہ جاتا ہے۔ میری نگاہ وہاں پر ٹک کر رہ گئی۔ فقط میں ہی نہیں وہاں پر موجود زیادہ تر لوگوں کی نگاہیں اس پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ عورت جو کچھ ڈھکی اور زیادہ عیاں ہو' جس کے بدن کا جادو سر چڑھ کر بول رہا ہو' اتنے بڑے ہجوم میں اعتماد اور بے نیازی سے اپنے فن میں ڈوبی ہوئی ہو' ایسی حسینہ کسی بھی مرد کے دل میں اُتر جائے تو یہ ایک فطری سی بات ہوتی ہے۔ اس وقت وہ سرو قد طوائف زادی آسمان سے اتری ہوئی پَری ہی دکھائی دے رہی تھی۔ خود میں نے اپنے من میں اس کی کشش کے بارے میں لہر اٹھتی ہوئی محسوس کی تھی۔

رات جس قدر گہری ہوتی جا رہی تھی، پنڈال میں اسی قدر جوش و مستی چھا رہی تھی۔ امیر زادے اپنی امارت کے نشے میں مخمور نوٹ برساتے چلے جا رہے تھے۔ میں ان امیر زادوں کو ذاتی طور پر جانتا تھا۔ وہ سب ان محو رقص طوائفوں کے ساتھ مست تھے۔ زمین کے اس ٹکڑے پر یہ محفل گرم تھی جبکہ آسمان پر چاند پوری آب و تاب سے چاندنی کی ٹھنڈک لٹا رہا تھا۔ تین دن اور تین راتیں لگنے والا یہ میلہ بڑا ہی رنگین ہوا کرتا تھا۔ اس میلے میں شرکت کے لیے پورا علاقہ سال بھر انتظار کیا کرتا تھا بلکہ اس کے لیے بھرپور تیاریاں بھی کی جاتی تھیں۔ تقریباً پچاس گاؤں اور ان کے درمیان چھوٹی بڑی بستیوں کے کئی نوجوان مختلف کھیلوں کے لیے تیار ہوا کرتے تھے۔ انہی نوجوانوں کے درمیان مقابلے ہوتے جو جیت جاتا وہ اپنا وقار بچانے کے لیے مزید محنت کرتا اور جو ہار جاتے وہ جیتنے کی خواہش میں سخت سے سخت محنت سے گزرتے۔ یوں پورا علاقہ چند دھڑوں میں تقسیم ہو گیا تھا اور ہر دھڑے کی سرپرستی کوئی نہ کوئی امیر زادہ کرتا۔ سبھی اپنے اپنے نوجوانوں اور شہسواروں پر خصوصی توجہ دیا کرتے تھے۔ اس لیے علاقے میں بہت سارے گبھرو اور شہسوار زور جوان نکلا کرتے تھے۔ اس کے درمیان مقابلے کروانے کے لیے علاقے کی ایک انجمن بنی ہوئی تھی جو نہ صرف امن و امان برقرار رکھتی بلکہ انعام و اکرام سے بھی نوازتی تھی۔ یہ انجمن خاصے مضبوط لوگوں کی تھی، سبھی ان کا حکم مانتے تھے۔

پاکستان بننے سے بھی کہیں پہلے اس میلے کی ابتدا نجانے کب ہوئی تھی۔ اس بارے میں کوئی نہیں جانتا بس ایک روایت تھی کہ ایک بزرگ جسے لوگ مسافر شاہ کے نام سے جانتے تھے وہ اس میلے والے میدان کے ایک کونے میں کچھ عرصہ ٹھہرے تھے۔ جہاں اب ایک پختہ تھڑا بنا ہوا تھا۔ وہیں ایک برگد کا درخت تھا۔ جس پر معلوم نہیں کتنے برس گزر چکے تھے۔ حیران کن بات یہ تھی کہ اس پورے علاقے میں کہیں کوئی برگد کا درخت نہیں تھا۔ میلے والے میدان میں جنگلی جھاڑیاں اُگا کرتی تھیں۔ نجانے کب اس جگہ کے بارے میں مشہور ہو گیا کہ اگر کوئی وہاں منّت مان لے تو اس کی مراد پوری ہو جاتی ہے۔ کیونکہ مسافر شاہ نے اپنے قیام کے دوران بہت سارے لوگوں کو فیض یاب کیا تھا۔ عوام اس برگد کے درخت کو بڑے احترام سے دیکھتے تھے۔ ان کے خیال میں وہ درخت مسافر شاہ نے لگایا تھا۔ لوگ اس درخت پر منّت کا رنگین دھاگہ باندھتے تھے۔ پہلے پہل وہ تھڑا کچا تھا۔ مجھے جہاں تک معلوم تھا اس تھڑے کو شاہ زیب کے پڑدادا نے پختہ کروایا تھا۔ اس کے ساتھ ایک کنواں بھی کھدوایا اور اس تھڑے کے اردگرد چار دیواری کا حصار بھی بنا دیا۔ عمومی طور پر سارا سال وہ میدان

خالی رہتا۔ راہ چلتے مسافر اس برگد کے درخت تلے کچھ دیر آرام کرتے۔ کنویں سے پانی پی کر اپنی پیاس بجھاتے اور اپنی راہ لیتے۔ اردگرد کے غریب لوگ جنگلی جھاڑیاں کاٹ کر لے جاتے۔ یہ عجیب اتفاق تھا کہ اتنے بڑے میدان پر کسی جاگیردار یا سردار کا قبضہ نہیں ہوا تھا۔ میلہ شروع ہونے سے چند دن قبل کھمبیوں کی مانند رونق ابھرنے لگتی۔ پہلے دکانیں سجنے لگتیں پھر دور و نزدیک سے اپنے اپنے فن کا مظاہرہ کرنے والے فنکار جمع ہونا شروع ہو جاتے۔ تھیٹر' موت کا کنواں' بازی گر' نٹ باز' بہروپیے' جادوگری اور شعبدہ بازی کے کمالات دکھانے والے سنیاسی' حکیم' پتھر بیچنے والے' عورتوں کے ہار سنگھار اور بچوں کے کھلونے فروخت کرنے والے اور نجانے کون کون سے حلوائی آ جاتے۔ ہر کوئی اپنے فن کا مظاہرہ کرتا اور داد حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ اچھی خاصی رقم کما لے جاتا۔

اس میلے میں ایک بڑا میدان مختلف مقابلوں کے لیے مختص تھا۔ میلے کے دنوں سے پہلے ہی امیر' امراء اپنے اپنے شہ زوروں' فنکاروں اور نوجوانوں کے ساتھ وہاں ڈیرے ڈال لیتے۔ مختلف مقابلے ہوتے' شرطیں لگتیں' انعامات ملتے' جیتنے ہارنے کے نجانے کتنے منظر دیکھنے کو ملتے اور پھر آخری رات اس میدان میں طوائفیں آ جاتیں۔ تب رنگین مزاج لوگ اس ماحول کو رنگین تر کر دیتے۔ رات کے آخری پہر تک سماں بندھا رہتا۔ امیر زادوں میں نوٹ برسانے کا مقابلہ چلتا۔ جس کے پاس نوٹ ختم ہو جاتے یا وہ حوصلہ ہار جاتا وہ چپکے سے اپنی ہار تسلیم کرتے ہوئے نکل جاتا۔ محفل کے اختتام تک نوٹ لٹانے والے کی واہ واہ پورا سال علاقے بھر میں گونجتی رہتی۔

یہ ایک عجیب اتفاق تھا کہ وہاں پر آنے والی طوائفیں ایک ہی خاندان سے ہوتی تھیں۔ یہ تو کسی کو بھی معلوم نہیں تھا کہ ان کی پشت میں سے کون سی طوائف پہلے یہاں آئی تھی۔ یہ بات بھی روایت کی طرح مشہور تھی کہ جب مسافر شاہ کا یہاں قیام تھا ان دنوں ایک طوائف کا گزر یہاں سے ہوا تھا۔ وہ بڑی بے بس اور غریب تھی۔ نہ اس کے پاس خوب صورتی تھی اور نہ دولت' وہ جب یہاں سے پلٹ کر گئی تو اس کی قسمت ہی بدل گئی۔ دوبارہ جب وہ یہاں آئی تو مسافر شاہ نہیں تھے۔ وہ رات بھر یہاں ناچتی رہی۔ پھر اس کے خاندان سے طوائفیں یہاں آنے لگیں۔ ان کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ یہیں ایک رات یہاں مجرا کرتی تھیں۔ پھر اس کے بعد سال بھر وہ کہیں بھی کوئی محفل نہیں سجاتی تھیں۔ اب یہ بات درست تھی یا غلط' کسی نے بھی تحقیق نہیں کی تھی۔ میلے کی آخری شام ڈھلتے ہی وہ لوگ آ جاتے۔ رات بھر محفل رنگین کرتے اور صبح سورج نکلنے سے پہلے ہی واپس لوٹ جاتے۔ وہ لوگ کبھی کسی کے مہمان نہیں رہے تھے۔ بچپن سے میں یہی سنتا آیا تھا۔ پہلے میں ہر سال میلہ دیکھنے آتا تھا لیکن چند سال ہوئے ادھر نہیں آیا تھا۔ اس بار شاہ زیب کی خصوصی دعوت پر چلا آیا تھا۔ وہ اگر دعوت نہ بھی دیتا تو میں نے اس بار میلے میں ضرور آنا تھا۔

اس وقت رات گہری ہو گئی تھی۔ وہ سروقد طوائف زادی پسینے میں شرابور تھی۔ اس کا سیاہ لباس بھیگ کر بدن سے چپک گیا تھا۔ جس قدر اس کا پسینہ بہہ رہا تھا۔ تماش بین اسی قدر نوٹوں کی بارش کر رہے تھے۔ مجھ سے ذرا فاصلہ پر شاہ زیب بھی اپنے سامنے نوٹوں سے بھرا تھیلا رکھے ہوئے تھا۔

اس دفعہ اس کا خمار ہی عجیب تھا۔ میلے کے ان تین دنوں میں اس کی سرپرستی میں نوجوانوں نے سب سے زیادہ انعام جیتے تھے۔ ان شہہ زوروں' محافظوں' نوجوانوں اور گاؤں کے لوگوں کے درمیان وہ کھل کر ان طوائف زادیوں کو داد و تحسین سے نواز رہا تھا۔ کچھ طوائفیں تھک ہار کر بیٹھ گئی تھیں۔ جس طرح کچھ امیر زادے اپنی ہار تسلیم کر کے وہاں سے چلے گئے تھے اس وقت شاہ زیب کے سامنے ایک اکیلا پیرزادہ فیروز کا بیٹا' پیرزادہ وقاص ہی ڈٹا ہوا تھا۔ یہی دکھائی دے رہا تھا کہ اس کے پاس نوٹ ختم ہی نہیں ہو رہے ہیں۔ ان دونوں کے درمیان کافی فاصلہ تھا۔ باقی بچی ہوئی طوائفیں انہی دونوں کے درمیان بٹ کر رہ گئی تھیں۔ لاشعوری طور پر یہی وہ فیصلہ کن لمحات تھے۔ جو بھی طوائفوں کو اپنے سامنے ناچنے پر مجبور

کر دے وہی یہ مقابلہ جیت جائے جاتا، ورنہ سامنے والے کے نوٹ ختم ہو جانے تک یہ مقابلہ جاری رہنا تھا۔

میں اس سروقد طوائف زادی میں کھویا ہوا تھا جو ہمارے سامنے ناچ رہی تھی۔ یوں دکھائی دے رہا تھا کہ جیسے اسے اپنا ہوش ہی نہیں ہے۔ وہ مست الست حالت میں تھی۔ اس کے ساتھ دوسری چند طوائفیں بھی تھیں مگر اس کا جنون بالکل منفرد تھا۔ اسے کوئی ہوش ہی نہیں تھا کہ وہ کہاں ہے؟ وہ شاہ زیب کے سامنے سے ہٹی ہی نہیں تھی چند طوائفیں پیرزادہ وقاص کے سامنے تھیں۔ مگر لوگوں کی توجہ ان پر نہیں تھی۔ یوں پورا پنڈال اس سروقد حسینہ کی طرف متوجہ تھا۔ شاہ زیب نے اس کی مستی اور جنونی کیفیت کے پیش نظر اپنے دونوں ہاتھوں میں نوٹ پکڑے اور اٹھ کر نوٹ وارنے لگا۔ جس پر پنڈال میں ہاؤ ہو کا شور مچ گیا۔ پیرزادہ وقاص کے سامنے ناچنے والی طوائفوں کو ہر کوئی بھول گیا۔ مجمع سمٹ کر اس سروقد طوائف زادی کے اردگرد جمع ہونے لگا۔ یہ پیرزادہ وقاص کے لیے بڑی ہتک کی بات تھی۔ یک بارگی اس کی طرف سے ایک نوجوان اٹھا اور بڑی تیزی سے آ کر اس سروقد طوائف زادی پر نوٹ برسانے لگا۔ کوشش یہی تھی کہ وہ اس حسینہ کو اپنی جانب متوجہ کر لے یا پھر اسے مائل کر کے اپنی طرف لے جائے۔ شاید اس طرح ہاتھ سے جاتا ہوا میدان وہ مار لیں۔ مگر وہ سروقد حسینہ ٹس سے مس نہیں ہو رہی تھی۔ اسی جنونی انداز سے ناچتی رہی کہ جیسے اسے اپنے اردگرد کا ہوش ہی نہیں ہے۔ اس نوجوان کو جب اپنی کوشش رائیگاں جاتی ہوئی دکھائی دی جو بلاشبہ شرمندگی کا باعث تھی۔ تب اس نوجوان نے سروقد طوائف زادی کا بازو پکڑ لیا۔ وہ اسے اس جانب لے جانے کی کوشش کرنے لگا جس طرف سے وہ آیا تھا۔ ایسا کبھی نہیں ہوا تھا کوئی طوائف کو ہاتھ لگائے۔ یہی وہ لمحات تھے جب میرے دماغ میں خطرے کی گھنٹی بج اٹھی۔ مجھے محسوس ہونے لگا کہ جس مقصد کے لیے شاہ زیب نے مجھے دعوت دی تھی یا پھر یہاں آنے کا نادیدہ بلاوا تھا، وہ وقت آن پہنچا ہے۔

بلاشبہ میرے لیے امتحان کی گھڑی آن پہنچی تھی۔ کیونکہ شاہ زیب کے حواری اور مصاحب اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ چلتا ہوا گیت اچانک رک گیا تو ہر طرف سناٹا چھا گیا۔ جس کے ساتھ ہی اس سروقد طوائف زادی کو ہوش آ گیا۔ اس نے پھٹی پھٹی نگاہوں سے اپنے اردگرد دیکھا پھر حیرت اور غصے سے اس نوجوان سے اپنا بازو ایک جھٹکے سے چھڑا لیا۔ تبھی شاہ زیب کی آواز گونجی۔

''اونوجوان! ایسا نہ کرو..... مقابلہ کرو مقابلہ..... نوٹ اگر کم پڑ گئے ہیں تو مجھ سے لے لو' لیکن مقابلہ کرو' یہ جو تم کر رہے ہو میں تمہیں ایسا نہیں کرنے دوں گا۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی گڈیاں اس نوجوان کی طرف پھینکتے ہوئے کہا۔ ''یہ لو' صبح ہونے کا انتظار کرو اور مقابلہ کرو۔''

شاہ زیب کی آواز کیا گونجی پورے پنڈال میں سناٹا چھا گیا۔ جبکہ میرے بدن میں وہی سنسناہٹ ہونے لگی تھی جو بھوکے شیر کو اپنا شکار مل جانے پر ہوتی ہے۔ میرے جبڑے بھنچ گئے تھے پھر وہی ہوا جو میں سوچ رہا تھا۔ پیرزادہ وقاص کی طرف سے چند لوگ اٹھے وہ انتہائی غیظ و غضب میں تھے۔ ان کے پیچھے بہت سارے لوگ بڑھے چلے آ رہے تھے۔ وہ میدان جہاں چند منٹ پہلے تک طوائفیں ناز و انداز کے ساتھ محو رقص تھیں۔ وہی اب میدان کارزار بن گیا تھا۔ ایک ہجوم ایک دوسرے کے ساتھ گتھم گتھا ہو گیا۔ اسی دوران پیرزادہ وقاص کی طرف سے کسی نے ہوائی فائر کر دیا۔ فائر کی آواز نے سب کے اعصاب کے تار ہلا دیے۔ ممکن ہے اس کا مقصد یہی رہا ہو کہ لوگ ڈر جائیں اور خوف زدہ ہو کر بھاگ جائیں۔ تبھی میرے قریب کھڑے شاہ زیب نے میری جانب دیکھا اور کہا۔

''جمال! جس کے پاس بھی اسلحہ ہو وہ یہاں سے بچ کر نہ جائے۔ باقی میں سنبھال لیتا ہوں۔''

جیسے ہی اس کے لفظ میرے کانوں میں پڑے اس لمحے میرا پسٹل میرے ہاتھوں میں تھا اور میں اس کا سیفٹی کیچ ہٹا رہا تھا۔ وہاں کسی کو قتل کرنا مقصد نہیں تھا بلکہ جو بھی اسلحہ چلانے کی کوشش کرتا اسے اس طرح زخمی کر دیا جائے کہ وہ اسلحہ نہ

چلا سکے۔ اب یہ کڑے امتحان والی بات تھی کہ اتنے بڑے ہجوم میں فائر اس طرح کیا جائے کہ سامنے والا محض زخمی ہو۔ شاہ زیب کو معلوم تھا کہ میرا نشانہ کس طرح ''سچا'' ہے اور مجھے بھی اپنے فن پر ناز تھا۔ اس لیے میں نے پہلا نشانہ ہی اس بندے کا لیا جس نے ہوائی فائر کیا تھا اور اس فائر کا ردعمل دیکھ رہا تھا۔ ایک دھماکے کے ساتھ پیرزادہ وقاص کے پاس ایک چیخ ابھری۔ تب تک میں اپنی جگہ تبدیل کر کے نسبتاً اندھیرے میں اونچی جگہ پر پہنچ چکا تھا۔ میں نے یکے بعد دیگرے دو مزید بندوں کا نشانہ لیا اور وہاں سے ہٹ گیا۔ وہاں ہلچل مچ گئی۔ کچھ دیر پہلے جہاں جوش بھرے نعرے اور جوانی سے بھرپور رنگین فقرے بازی ہو رہی تھی اب وہاں خوف میں لپٹی ہوئی چیخیں اور جان بچانے کی فکر میں لوگوں کی بھگدڑ تھی۔ دونوں حریفوں کے لوگ گتھم گتھا تھے جبکہ میں یہی دیکھتے ہوئے اندھیرے میں ہو گیا کہ مخالف فریق میں سے اسلحہ کس کس کے پاس ہے۔ مجھے اس سے کوئی غرض نہیں تھی کہ کس حریف کا پلہ بھاری پڑ رہا ہے۔ مجھے تو اپنا کام کرنا تھا۔

پیرزادہ وقاص کے اردگرد چند محافظ تھے۔ ان کے پاس مختلف ماڈل کی گنیں تھیں۔ میں اگر انہیں ہی نشانہ بنا لیتا تو نہ صرف پیرزادہ کی ہوا نکل جاتی بلکہ وہ فائر بھی نہیں کر سکتے تھے۔ یہ جتنی جلدی ہو جاتا اتنا ہی فائدہ مند تھا۔ دشمن کے بارے میں جب یہ یقین ہو جائے کہ وہ وار کرے گا تب ایک لمحہ ضائع کیے بغیر اس پر وار کر دو ورنہ اس نے تو وار کرنا ہی ہے۔ دشمن کو موقع دینا اپنی موت کو دعوت دینے کے مترادف ہوتا ہے۔ پیرزادہ وقاص کے حصار کو خوف زدہ کر دینا صرف اور صرف سچے اور سچے نشانے ہی سے ممکن تھا۔ میری پہلی نگاہ میں وہ شخص آیا جو اپنی گن کو بولٹ مار چکا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ فائر کرتا' میں نے اس پر فائر جھونک دیا اگلے ہی لمحے وہ چیخ مار کر ڈھیر ہو گیا۔ گولی اس کے کندھے کو چیر گئی تھی۔ پھر میں نے یہ نہیں دیکھا کہ ان کے چہروں پر حیرت کس قدر ہے۔ وہ گولی کی سمت ہی متعین کرتے رہ گئے اور میں نے اس کے حصار پر اپنا میگزین خالی کر دیا۔ یکے بعد دیگرے کئی فائر ہوئے تھے اس لیے انہیں سمت کا اندازہ ہو گیا۔ تبھی ایک گولی سنسناتی ہوئی آئی اور میرے قریب سے گزر گئی۔ اگر میں نے عادت کے مطابق جگہ تبدیل نہ کی ہوتی تو بلاشبہ وہ گولی میرے بدن میں پیوست ہو جاتی۔ میں نے میگزین بدلا اور جگہ بدل کر فائر کرنے لگا۔ ان دیکھی موت کا خوف زیادہ ہوتا ہے۔ یکے بعد دیگرے کئی اسلحہ بردار ڈھیر ہو گئے تو ان میں مقابلے کی سکت نہ رہی۔ ان دیکھی گولیوں کا شکار وہیں گر کر تڑپنے لگے تو پیرزادہ وقاص میں دم نہیں رہا۔ میں نے دیکھا وہ تیزی سے لوگوں کے درمیان میں سے نکلتا چلا جا رہا ہے۔ میں نے اس کا نشانہ لیا اور چاہا کہ اسے زخمی کر دوں مگر نجانے کیا سوچ کر اس کے قریب کھڑے بندے پر فائر جھونک دیا۔ وہ بندہ چیخ مارتے ہی الٹ گیا۔ تبھی اس کا خوف دیدنی تھا۔ اگلے ہی لمحے اس کا پتا ہی نہ چلا کہ وہ کدھر گیا۔ میرا مقصد پورا ہو چکا تھا۔ میرا پورا دھیان اس طرف تھا کہ گولی کسی کو بھی ایسی جگہ نہ لگے جس سے وہ مر جائے صرف انہیں زخمی کر کے دہشت زدہ کرنا تھا اور وہ ہو گئے۔ پیرزادہ وقاص کو میں خوف زدہ کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اپنے سردار کو وہاں سے بھاگتے ہوئے دیکھ کر اس کے حواری بھی تتر بتر ہونے لگے۔ جس کے جس طرف سینگ سمائے وہ اس طرف نکل گیا۔ خوف کی اس فضا میں دونوں طرف سے ہی لوگ زخمیوں کو اٹھا کر بھاگنے لگے۔ گاڑیاں اسٹارٹ ہونے لگیں اور اندھیرے میں لوگ بھاگنے لگے۔ تقریباً پندرہ منٹ کے دورانیے میں وہ میدان ایک الم ناک انجام کا منظر پیش کر رہا تھا۔ بس چیخ و پکار' خوف و ہراس اور زخمیوں کی کراہیں تھیں۔ میں نہیں جانتا تھا کہ ان میں سے کوئی مر گیا ہے یا نہیں لیکن یہ میدان بھی ہمارے گاؤں کے لوگوں نے مار لیا تھا۔ میں دور کھڑا شاہ زیب کے چہرے پر پھیلی عجیب سی فاتحانہ مسکراہٹ دیکھ رہا تھا۔ لوگ اپنے اپنے زخمیوں کو اٹھا کر لے جا رہے تھے۔ اب میرا وہاں کوئی کام نہیں تھا۔ میں تیز قدموں کے ساتھ اندھیرے میں اس سمت بڑھ گیا جدھر میری بائیک کھڑی تھی۔ وہ ابھی تک وہیں کھڑی تھی۔ کوئی اسے اٹھا کر نہیں لے گیا تھا۔ میں نے پسٹل اپنی ڈب میں رکھنے سے پہلے اس کا میگزین دیکھا اسے نکال کر دوسرا لگایا۔ پھر اُڑس کر بائیک نکال کر وہاں سے چل دیا۔ اندھیرے

میں ذرا فاصلے پر بائیک کی روشنی میں برگد کا درخت مسافر شاہ کا تھڑا اور اس کے قریب کھڑے چند لوگ ایک لمحہ کے لیے میری نگاہوں میں آئے اور پھر میں اپنے گاؤں جانے والے راستے پر ہو لیا۔

میلے والے میدان سے میرا گاؤں ''نورنگر'' دو کلومیٹر کے فاصلے پر تھا۔ تمام راستا کچا تھا۔ راستے میں کھیت پڑتے تھے۔ کچھ تھوڑا سا چٹیل میدان تھا۔ پھر نہر کا پل' اس سے آگے پکی سڑک پر تقریباً ایک میٹر دور میرا گاؤں تھا۔ گاؤں کے وہ لوگ جو سواری پر تھے وہ نکل چکے تھے۔ جو پیدل تھے وہ اس راستے سے گاؤں جا رہے تھے۔ جتنے زخمی تھے وہ سب لے جائے جا چکے تھے۔ میں ان سب لوگوں کی نگاہوں میں نہیں آنا چاہتا تھا۔ میں نے ایک پگڈنڈی والا راستا اپنایا تاکہ کسی کی بھی نگاہوں میں آئے بغیر گاؤں پہنچ جاؤں۔ یہ محض احتیاط تھی میرے راستے میں کوئی بھی دشمن گھات لگا کر بیٹھا ہو سکتا تھا۔ یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ میدان میں بہت سارے لوگوں نے مجھے فائر کرتے ہوئے نہ دیکھا ہو۔ یہ تو صبح ہی معلوم ہونا تھا کہ کس کا کتنا نقصان ہوا ہے۔ میں پوری توجہ سے پگڈنڈی پر بائیک لیے جا رہا تھا۔ چاندنی میں ہر شے واضح دکھائی دے رہی تھی۔ میں پوری طرح محتاط تھا۔ جو راستا میں نے اپنایا تھا ممکن ہے اس پر بھی کوئی دشمن حملہ آور ہو سکتا تھا۔ میں نے ہیڈ لائٹ بند کی ہوئی تھی اور چاندنی ہی میں اندازے سے بائیک لیے جا رہا تھا۔ ورنہ دور ہی سے پتا چل جاتا کہ کوئی بائیک لیے جا رہا ہے۔ میرے سارے حواس جاگ رہے تھے۔ اچانک میری نگاہ ایک ہیولے پر پڑی جو ذرا فاصلے پر تیزی سے ایک کھیت میں گھس گیا۔ وہ جو کوئی بھی تھا میری نگاہوں سے بچنا چاہتا تھا یا میری تاک میں تھا جو جتنا محتاط ہوتا ہے اس کا لاشعور اسے اتنا ہی دھوکہ دیتا ہے۔ لمحہ بھر میں کئی سوال میرے ذہن میں در آئے میرے بدن میں سنسنی دوڑ گئی۔ یہ کون ہو سکتا ہے؟ میری توجہ بٹ گئی۔ ایک طرف مجھے پگڈنڈی کا خیال کرنا تھا تو دوسری جانب مجھے اس ہیولے پر بھی نگاہ رکھنی تھی۔ میں اس کے قریب سے بھی گزر کر اس کے وار سے نہیں بچ سکتا تھا۔ ممکن ہے وہ ایک سے زیادہ لوگ ہوں۔ میں نے اچانک بائیک روکی اور کھال میں کھڑی کر دی۔ پھر تیزی سے اتر کر اس جگہ فصل میں گھس گیا جہاں میں نے ہیولہ دیکھا تھا۔ میں فصل میں گھستے ہی دم سادھ کر بیٹھ گیا۔ وہاں جو کوئی بھی مجھ پر نگاہ رکھے ہوئے ہوتا وہ ردعمل میں ضرور کچھ نہ کچھ کرتا۔ میں نے پسٹل نکال کر اپنے ہاتھ میں مضبوطی سے پکڑ لیا کسی بھی متوقع آہٹ کو سننے کے لیے بے تاب ہو گیا۔ چند لمحوں تک کچھ نہ ہوا۔ ویسا ہی سناٹا رہا۔ تبھی میں سوچنے لگا کہ کہیں یہ میری نگاہوں کا دھوکا تو نہیں ہے۔ میں اس پر غور کر ہی رہا تھا کہ مجھے خود سے چند قدم کے فاصلے پر ایک لمحے سے بھی کم وقت میں لشکارا محسوس ہوا۔ یوں جیسے کوئی جگنو چمکا ہو۔ پھر یہ چمک بار بار ہونے لگی۔ میں سرکتا ہوا آگے بڑھنے لگا تاکہ جان سکوں کہ یہ لشکارا کس کا ہے؟ پھر اچانک میں ٹھٹک گیا۔ وہ کوئی عورت تھی۔ بکھری ہوئی زلفیں شانوں پر پھیلی ہوئی تھیں۔ سیاہ لباس اور سفید گردن کے پاس زلفوں کے درمیان کان میں پڑا جھمکا چاندنی میں جگنو کی طرح ٹمٹما رہا تھا۔ میں نے مزید غور سے دیکھا تو خوش گوار حیرت میرے اندر پھیل گئی۔ وہ سرو قد طوائف زادی تھی۔ وہی جو کچھ دیر پہلے پنڈال میں جنونی انداز سے محو رقص تھی۔ وہ یہاں چھپی ہوئی تھی۔ بھگدڑ میں جس کا منہ جدھر آیا وہ اس طرف نکل گیا۔ وہ بھی اس طرف نکل آئی ہو گی۔ میں نے اس کے یہاں ہونے پر مزید غور نہیں کیا بلکہ سرکتا ہوا محتاط انداز میں کوئی آواز نکالے بغیر اس کے سر پر پہنچ گیا۔ ڈر یہی تھا کہ وہ مجھے دیکھتے ہی چلانے نہ لگ جائے۔ میں نے ایک دم سے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ وہ اس اُفتاد پر مچھلی کی مانند میرے ہاتھوں میں تڑپی اور پھسلنے کے لیے بے تحاشا مچلنے لگی۔ میں نے اسے اپنے ساتھ لگا کر مضبوطی سے جکڑ لیا۔ وہ گھوم کر میرے سینے سے آ لگی۔ تب مجھے احساس ہوا کہ اس کا دل کتنی زور سے دھڑک رہا ہے۔ وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے میرے چہرے کو دیکھنے لگی۔ پھر اس کی نگاہ میرے ہاتھوں میں سیاہ پسٹل پر پڑی۔ تب اس کی ساری زور آزمائی دم توڑ گئی۔

''ڈرو مت' میں تمہارا دشمن نہیں ہوں تم محفوظ ہاتھوں میں ہو۔'' میرے کہنے پر وہ ایک دم سے ساکت ہو گئی۔

میں نے اس کے منہ پر سے اپنا ہاتھ ہٹایا تو وہ گھگھیائے ہوئے انداز میں بولی۔

''ک..... کک..... کون ہو تم.....؟''

''میں اگر تمہیں اپنا تعارف کرا بھی دوں تو کیا تم مجھے پہچان لوگی۔ ہاں یہ جان لو کہ میں تمہارا دشمن نہیں ہوں۔''

''لیکن..... دوست..... بھی تو نہیں ہو.....!'' اس نے خوف زدہ لہجے میں کہا۔

''چاہو تو میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں۔ یہاں کیوں چھپی ہوئی ہو؟'' میں نے نرم لہجے میں پوچھا۔

''مجھے میرے لوگوں تک پہنچا دو، وہ مجھے تلاش کر رہے ہوں گے۔'' اس نے کافی حد تک خود پر قابو پاتے ہوئے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

''وہاں میدان میں تو اب کوئی بھی نہیں ہے۔ جس کا جدھر منہ ہوا وہ ادھر نکل گیا ہے، جیسے تم یہاں پر ہو اگر میری بات کا یقین نہ آئے تو چلتے ہیں، خود ہی دیکھ لو۔'' میں نے چاندنی میں اس وحشت زدہ ہرنی کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ میرے ساتھ لگی دھیرے دھیرے کانپ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں ضرورت سے زیادہ پھیلی ہوئی تھیں۔ اس کے لبوں پر لگی لپ اسٹک اس کے دائیں گال تک پھیل گئی تھی۔ اس کا سینہ دھونکنی کی مانند چل رہا تھا۔ تبھی اسے احساس ہوا کہ وہ میرے کس قدر قریب ہے۔ اس لیے ذرا سا کسمسا کر وہ مجھ سے الگ ہوگئی۔ میں نے بھی اسے چھوڑ دیا۔ مگر اس کے بدن کی ملائمت میرے بدن سے لپٹ گئی۔ کافی حد تک عیاں اور تھوڑا بہت نہاں چاندنی میں نہایا ہوا بھیگا بدن میرے سامنے تھا۔ مجھے یوں دیکھتا ہوا پا کر وہ خود میں سمٹنے کی ناکام کوشش کرنے لگی۔ تب میں نے اس کا دھیان بٹانے کے لیے پوچھا۔

''یہیں کھڑی سوچتی رہو گی یا چلو گی میرے ساتھ۔''

''تم خود ہی تو کہہ رہے ہو کہ میدان میں کوئی نہیں ہے۔'' اس نے بے یقینی سے کہا۔

''تو پھر چلو میرے ساتھ گاؤں، صبح دیکھیں گے تمہارے ساتھی کہاں ہیں؟'' میں نے کہا اور اس کا ردعمل اس کے وحشت زدہ چہرے پر دیکھا۔ جہاں بے یقینی کے بادل چھائے ہوئے تھے۔ میں نے چند لمحے اس کا انتظار کیا۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا تو میں نے اپنا پسٹل واپس ڈب میں رکھا اور کچھ کہے بنا پلٹ کر فصل سے باہر آ گیا۔ میں نے ایک طرف گری ہوئی بائیک کو اٹھایا۔ میں نے لمحے میں فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر وہ میرے ساتھ جانا چاہتی ہے تو ٹھیک اگر نہیں تو کون سا میرا اس کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ اسے چھوڑ کر اپنی راہ لوں گا۔ میں اس کی وجہ سے اپنی راہ کھوٹی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میں نے بائیک اسٹارٹ کر کے اس کی جانب دیکھا۔ وہ بت بنی وہیں ساکت کھڑی تھی۔

''اگر آنا ہے تو آ جاؤ، میں جا رہا ہوں۔'' یہ کہتے ہوئے میں نے گیئر لگا دیا۔ اس نے پھر بھی حرکت نہ کی تھی۔ میں نے اس کی پروا نہیں کی اور بائیک بڑھا دی۔ اگرچہ یہ غلط حرکت تھی کہ میں اس کو یوں ویرانے میں تنہا چھوڑ کر چلا جاتا مگر وہ مجھ پر اعتماد کرتی تبھی نا، اب میں اس کی منت سماجت کرنے سے تو رہا، بھاڑ میں جائے مجھے کیا۔ میں ابھی چند گز کے فاصلے پر گیا ہوں گا کہ وہ چیختے ہوئے بولی۔

''ٹھہرو..... ٹھہرو، خدا کے لیے ٹھہرو.....!'' اس نے خوف بھری ہذیانی صدا لگائی تھی۔ میں رک گیا تو وہ بھاگتی ہوئی میرے قریب آئی اور بائیک پر پیچھے بیٹھ گئی۔ میں نے گیئر لگا کر بائیک بڑھا دی۔ وہ میرے ساتھ چپک کر یوں بیٹھ گئی کہ اس کے بدن میں ہونے والی لرزش کو میں بخوبی محسوس کر سکتا تھا۔ تب میں نے پوچھا۔

''اب کیا ہوا.....؟''

''بس تم چلو۔'' اس نے خوف زدہ لہجے میں کہا تو میں استہزائیہ انداز میں بولا۔

''تو پھر یوں کرو کہ مجھے مضبوطی سے پکڑ لو۔ راستا بہت دشوار ہے۔''

''اب اس سے زیادہ کیا مضبوطی سے پکڑوں۔'' اس نے تلخ انداز میں کہا تو میرا قہقہہ نکل گیا۔ اس کا بدن گیلا تھا۔ ایک عجیب لذت انگیز مہک تھی جو مجھے مدہوش کرنے کی پوری کوشش کر رہی تھی۔ میں چند لمحے تو اس کے سحر میں رہا۔ پھر سر جھٹک کر راستا دیکھنے لگا۔ وہ خوف سے لرزتا ہوا بدن لیے مجھ سے چمٹی ہوئی تھی اور میں گاؤں تک پہنچ جانے کے لیے بے تاب تھا۔ جب میں نہر کا پل پار کر کے پکی سڑک پر آیا تب بھی وہ مجھ سے یونہی چپکی رہی۔ میرے ذہن میں سوال ٹھوکریں مارنے لگا کہ وہ اتنی ہی خوف زدہ ہوگئی ہے کہ اب تک اس کا خوف دور نہیں ہوا یا محض میرا امتحان لے رہی ہے۔ دونوں صورتوں میں ''کیوں'' میرے دماغ میں چپک کر رہ گیا۔

میں نے اپنے گھر کے سامنے بائیک روک دی۔ لوہے کا بیرونی گیٹ اندر سے بند تھا۔ میں نے ہارن دیا تبھی اس نے بڑے اعتماد سے پوچھا۔

''ہم کہاں آ گئے ہیں؟''

''یہ میرا گھر ہے اور یہاں میرے علاوہ فقط میری ماں رہتی ہے۔'' میں نے کہا تو اس نے مزید کوئی سوال نہیں کیا۔ کھیت سے گھر تک کے سفر میں اس نے کوئی بات نہیں کی تھی۔ پھر گاؤں میں آ جانے کے باعث اس کا اعتماد بحال ہو جانا فطری بات تھی۔ جن کے پاس سواری تھی، وہ بہت پہلے آ چکے تھے اور پیدل آنے والے ابھی تک آ رہے تھے۔ گاؤں کے لوگ بھی زخمی ہوئے تھے۔ اس باعث گاؤں میں تھوڑی بہت ہلچل بھی تھی۔ چوک سے گزرا تو وہاں بھی کافی لوگ جمع تھے۔ پورے علاقے کے لیے میرے خیال میں یہ رات بھاری تھی۔ جس کسی کا زخمی نہیں ہوا ہوگا وہ سوچتا ضرور ہوگا۔ میں انہی خیالوں میں کھویا ہوا تھا کہ اندر سے بولٹ کھلنے کی آواز آئی اس کے ساتھ ہی گیٹ کھل گیا۔ ماں نے پہلے مجھے دیکھا پھر جیسے ہی اس کی نگاہ میرے پیچھے بیٹھی اس سروقد طوائف زادی پر پڑی تو اس کی آنکھوں میں حیرت کے ساتھ ساتھ استعجاب اتر آیا۔

''کون ہے یہ؟'' اماں نے خشمگیں نگاہوں سے گھورتے ہوئے کڑک انداز میں پوچھا۔ اماں کا اس طرح پوچھنا بنتا تھا۔ اس حسینہ کا لباس میری اماں کی نگاہوں میں نہیں جچنے والا تھا۔

''اماں! یہ ایک ناچنے والی طوائف ہے۔ اپنی جان بچانے کے لیے چھپ رہی تھی۔ میں اسے تحفظ دے کر یہاں لے آیا ہوں۔ صبح ہوتے ہی چلی جائے گی۔'' میں نے صاف لفظوں میں ساری صورت حال بتا دی کیونکہ میری ماں ہی وہ دنیا کی واحد ہستی تھی جس کے سامنے میں کبھی جھوٹ نہیں بول سکتا تھا اور نہ ہی میں نے جھوٹ بولنے کی کبھی کوشش کی تھی۔ میں نے سچ بتا کر اماں کی طرف دیکھا۔ اماں اس سروقد طوائف کو سر سے پاؤں تک دیکھ رہی تھی۔ پھر نجانے اس کے من میں کیا آیا اس نے گیٹ کا ایک پٹ وا کرتے ہوئے کہا۔

''چل، آ جا اندر۔''

میں بائیک لیے اندر چلا گیا۔ وہاں میں نے بائیک روک کر بند کر دی تو وہ نیچے اتر آئی۔ دو سیڑھیاں چڑھنے کے بعد بڑا سارا صحن تھا اور پھر اس سے آگے دالان تھا۔ اماں ہمارے پاس سے گزر کر اندر کی جانب بڑھ چکی تھیں۔ میں دالان میں گیا تو وہ بھی میرے پیچھے پیچھے آ گئی۔ تبھی اماں کمرے میں سے نکلی اس کے ہاتھوں میں ایک زنانہ جوڑا تھا جو وہ اس طوائف زادی کی جانب بڑھاتے ہوئے بولیں۔

''جاؤ، پہلے نہا کر یہ کپڑے پہنو پھر کوئی بات کرتے ہیں۔''

تبھی میں نے اسے غور سے دیکھا۔ اس کا سیاہ لباس کہیں کہیں سے پھٹ چکا تھا۔ پاؤں میں جوتا بھی نہیں تھا۔ اس کی گوری پنڈلیوں پر پڑی خراشوں سے خون رس کر سوکھ چکا تھا۔ وہ جوڑا پکڑ کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگی تو اماں نے دیوار کے

ساتھ پڑے اپنے سلیپروں کی جانب اشارہ کیا تو وہ انہیں پہن کر اس جانب بڑھ گئی جدھر غسل خانہ تھا۔ تبھی میں نے اماں کی توجہ بٹانے کے لیے کہا۔

''اماں، بڑی سخت بھوک لگی ہوئی ہے۔''

''کھانا موجود ہے جب تک وہ نکلتی ہے میں گرم کر دیتی ہوں۔ تُو بھی اپنا حلیہ ٹھیک کر جا کے، لگتا ہے اس بار میلے میں کچھ ٹھیک نہیں ہوا۔'' آخری فقرہ اس نے بڑبڑاتے ہوئے کہا تھا۔

''ہاں اماں، لڑائی ہوگئی تھی کافی بندے زخمی ہوگئے ہیں۔ اصل میں یہ پھڈا.....!''

''تم نے کتنے بندوں کو زخمی کیا ہے، کوئی مرا تو نہیں؟'' اس نے تشویش زدہ لہجے میں پوچھا۔

''پتا نہیں، صبح پتا چلے گا۔'' میں نے گول مول بات کرنا چاہی۔ ''وہ شاہ زیب کی جان کو آئے تھے میں نہ ہوتا تو شاید وہ آج زندہ نہیں بچتا.....بس اسی وجہ.....!''

''تجھے معلوم ہے نا کہ تو مجھ سے جھوٹ نہیں بول سکتا۔'' اماں نے میرے چہرے پر دیکھتے ہوئے کہا۔

''تو اماں پھر مت پوچھو، جو ہونا تھا وہ ہوگیا۔'' میں نے سر کھجاتے ہوئے آہستگی سے کہا تو وہ میری طرف چند لمحے دیکھتی رہیں پھر کچن کی جانب بڑھ گئیں۔ میں نے سکون کا سانس لیا اور گیٹ بند کرنے کے لیے چلا گیا۔ صحن کے کونے میں بنے باتھ روم میں نہانے کی آواز چھن کر باہر آ رہی تھیں۔ میں نے ان پر توجہ نہیں دی بلکہ باہر والے کمرے میں چلا گیا۔

میں تازہ دم ہو کر آیا تو دالان میں پڑی چارپائیوں پر اماں نے کھانا رکھ دیا تھا۔ وہ سرو قد طوائف زادی ایک دوسری چارپائی پر ٹانگیں لٹکائے بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے بدن پر دیہاتی عورتوں کا لباس خوب جچ رہا تھا۔ بلب کی پیلی روشنی میں وہ بھیگی بھیگی ہوئی خاصی پرکشش لگ رہی تھی۔

''تمہارا نام کیا ہے؟'' میں نے اس کے پاس دھری دوسری چارپائی پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

''نام تو میرا سوہنی ہے اب تم جس نام سے چاہو پکار لو۔'' اس نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے آہستگی سے کہا۔ تو ایک لمحے کے لیے اس کا سادہ سادہ سا بغیر میک اپ کا چہرہ مجھے پرکشش لگا۔ دل چاہا کہ اسے غور سے دیکھوں لیکن اماں کا احساس کرتے ہوئے میں نے جلدی سے ایک روٹی نکال کے چنگیر میں رکھی، اس پر ذرا سا سالن رکھا اور اطمینان سے کھانے لگا۔ جی بھر کے کھانے کے بعد میں نے کچن کی طرف دیکھا۔ اماں پیالوں میں چائے ڈال رہی تھیں۔ چند لمحوں بعد وہ چائے لے کر آ گئیں۔

''اے لڑکی، کھانا کھا لیا تو نے؟'' اماں نے سوہنی کے سامنے پڑی خالی چنگیر کی طرف دیکھتے ہوئے ہولے سے پوچھا۔

جی۔'' وہ سر ہلاتے ہوئے دھیرے سے منمنائی تو اماں نے اپنے کمرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''لے یہ چائے پی اور وہاں اس کمرے میں میرے ساتھ آ کر سو جانا۔ جو باتیں بھی کرنا ہوں وہ صبح کر لینا۔''

''جی اچھا۔'' اس نے پھر منمنانے والے انداز میں کہا اور پیالہ پکڑ لیا۔ میں اسے بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس دوران اماں اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ میری نگاہوں سے پنڈال میں ناچنے والی وہ طوائف زادی گم ہو چکی تھی۔ جس کے نقوش دیکھنے کی خواہش میرے دل میں اٹھی تھی۔ اب وہ مجھ سے چند فٹ کے فاصلے پر موجود تھی۔ اس وقت وہ ایک دیہاتی الہڑ مٹیار دکھائی دے رہی تھی۔ بھیگے ہوئے سیاہ گیسو، بڑی بڑی کاجل بھری زندگی سے بھرپور آنکھیں، بھرے بھرے گال، ستواں ناک میں سونے کی ہلکی سی تار تھی۔ رس بھرے گلابی ہونٹ، جن کی ہلکی ہلکی لکیریں دور ہی سے دکھائی دے رہی تھیں۔ شفاف گردن، بھاری سینہ اور پتلی سی کمر، دفعتاً مجھے خیال آیا کہ اس کی پنڈلیاں زخمی تھیں۔

''اماں نے دوا دی تھی وہ لگا لی تھی میں نے.....!'' وہ اچانک بولی تو میں حیران رہ گیا۔ اس نے تو میری نگاہیں

پڑھ لیں میں ابھی اس حیرت سے نکلا نہیں تھا کہ وہ بولی۔ ''لڑکپن سے جوانی تک یہی سیکھا ہے کون کس نگاہ سے ہمیں دیکھتا ہے۔'' اس کے لہجے میں اعتماد اور چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ تبھی میں نے خوش گوار انداز میں پوچھا۔

''اچھا ہے، تم نے مجھے بتا دیا خیر۔ اب جاؤ اور جا کر اماں کے پاس سو جاؤ۔''

''دل تو چاہتا ہے کہ ابھی جا کر سکون سے سو جاؤں مگر مجھے نیند نہیں آئے گی۔'' اس نے دھیمے سے کہا۔

''ہاں اجنبی جگہ پر ایسا ہوتا ہے۔ مگر تم اماں کے پاس جا کر لیٹو گی تو نیند آ جائے گی۔ اب تم میرے گھر میں ہو کسی بھی قسم کا خوف نہیں ہونا چاہیے تمہیں۔'' میں نے اسے سمجھانے والے انداز میں کہا۔

''بات یہ نہیں ہے، میرے ساتھ کے لوگ نجانے کہاں ہوں گے۔ ان کے ساتھ کیا بیتی؟ وہ مجھے تلاش کر رہے ہوں گے۔ پتا نہیں وہ لوگ اس وقت کہاں ہوں گے؟'' وہ ایک ہی سانس میں تیزی سے کہہ گئی۔

''صبح ہونے میں چند گھنٹے ہیں۔ تم آرام کرو، دن نکلتے ہی سب معلوم ہو جائے گا۔ میں تمہیں خود ان کے پاس چھوڑ آؤں گا۔'' میں نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ میری چائے ختم ہو چکی تھی۔ اس لیے خالی پیالی وہیں رکھ کر اٹھ گیا۔ اٹھتے ہوئے جب میں نے اس کی طرف دیکھا تو اس کی نگاہوں میں ایسا بہت کچھ تھا جس کے بہت زیادہ مفہوم نکالے جا سکتے تھے۔ مگر میں کوئی ان پڑھ دیہاتی نوجوان تو نہیں تھا جو اس کی نگاہوں کو نہ سمجھ پاتا۔ وہ انہی اداؤں ہی سے تو دوسروں کو لوٹ لینے کا ہنر جانتی تھی۔ میں نے ایک ہلکی سی مسکان کے ساتھ اس کی نگاہ کا سحر خود پر سے توڑا اور باہر والے کمرے میں جا کر لمبی تان کر سو گیا۔

مجھے یہی لگا کہ جیسے ایک جھپکی سی آئی ہے، آنکھ کھلی تو صبح کا ملگجا اجالا ہر طرف پھیلا ہوا تھا۔ سورج ابھرنے میں ابھی وقت تھا۔ دالان کے پاس اماں جائے نماز بچھائے نماز پڑھ رہی تھی اور سوہنی اماں والے کمرے میں چارپائی پر بے سدھ پڑی سو رہی تھی۔ میں نے منہ ہاتھ دھویا اور معمول کے مطابق ڈیرے پر جانے کے لیے تیار ہو گیا۔ دعا مانگتے ہوئے اماں نے ایک نظر مجھے دیکھا اور پھر دعا مانگنے لگی۔ میں نے بائیک اٹھائی اور ڈیرے کی جانب چل دیا۔ جہاں بھیدہ اپنے کام میں مصروف تھا۔

بھیدہ چاہے میرا ملازم تھا لیکن میں نے اسے ڈیرے کا مالک بنایا ہوا تھا کہ وہ جو چاہے سو کرے۔ وہ میرے بچپن کا دوست تھا۔ پرائمری تک میرے ساتھ پڑھا تھا۔ پھر غربت کی وجہ سے نہ پڑھ سکا اور نہ کچھ کر سکا۔ اب جبکہ وہ جوان ہو گیا تو میں نے اس کے معاملات کی ذمہ داری لے لی۔ وہ ہی نہیں میں بھی بے فکر ہو گیا تھا۔ ہم اپنے کاموں میں مصروف تھے کہ ڈیرے پر حویلی کا خاص ملازم فخرو آ گیا۔

''بولو، کیا بات ہے؟'' میں نے ڈیرے کے صحن میں پڑی چارپائی پر اسے بٹھا کر اس کے پاس بیٹھ کر پوچھا۔

''تمہیں سردار شاہ دین نے حویلی بلایا ہے۔'' اس نے اپنا پیغام دے دیا۔

''اتنی صبح صبح، خیریت تو ہے نا۔'' میں نے پوچھا۔

''سردار جی تو ساری رات سوئے ہی نہیں ہے۔ ابھی کچھ دیر پہلے مجھے پیغام دینے کا کہہ کر گئے ہیں شاید ان کا یہ خیال ہو کہ تم کسی اور طرف نہ نکل جاؤ، دن چڑھے آ جانا۔'' اس نے تفصیل سے سمجھا دیا۔

''اچھا ٹھیک ہے میں یہاں سے گھر جاتے ہوئے آ جاؤں گا۔'' یہ کہہ کر میں اپنے کام میں لگ گیا۔

پیغام دے کر فخرو چلا گیا۔ مجھے امید تھی کہ بھیدہ کوئی تبصرہ کرے گا مگر خلاف معمول اس نے کوئی بات نہیں کی بلکہ اپنے کام میں مگن رہا۔ جبکہ میں دھیرے سے زیر لب ہنس دیا۔ میں نے ایک رات پہلے خواب دیکھا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ یہ اسی خواب کی تعبیر کی شروعات ہیں۔ شاہ دین جیسے بندے کا مجھے بلانا، انتہائی معنی خیز تھا۔ میں نے خواب میں دیکھا تھا کہ

میں ایک جنگل میں ہوں۔ ہر طرف سے خوف ناک آوازیں آ رہی ہیں۔ یکا یک مختلف جانور میرے سامنے آ گئے۔ ان میں سے کئی مجھ پر حملہ کرنے لگے۔ میں ان سے لڑتا رہا۔ یہاں تک کہ میں لہولہان ہو گیا۔ اچانک جنگل جلنے لگا۔ وہ سب جانور ڈر کے مارے بھاگنے لگے کچھ میرے پیچھے لگ گئے۔ میں جنگل سے نکلنے کی کوشش میں لہولہان ہو رہا تھا۔ پھر اچانک میں جنگل سے باہر آ گیا۔ سبھی جانور جنگل ہی میں رک گئے۔ تبھی میری آنکھ کھل گئی تھی۔ اس خواب کا ایک ایک لمحہ میرے ذہن میں نقش ہو گیا تھا۔ میں چند لمحے اس کے سحر میں رہا اور پھر اٹھ کر اپنے کام میں لگ گیا۔

☆.....☆.....☆

صبح کی تیز چمکتی ہوئی دھوپ میں امرتسر کے راجہ ساہنسی ایئرپورٹ پر ایئر انڈیا کا سفید اور سرخ رنگ کا طیارہ لینڈ ہو چکا تھا۔ مسافر سیڑھی کے ذریعے اتر رہے تھے۔ ان میں جسپال سنگھ عرف جسی بھی شامل تھا۔ جیسے ہی اس نے بھارت کی سرزمین پر قدم پڑے، اس کے اندر نفرت کا الاؤ دہکنے لگا۔ اس دہکتی ہوئی نفرت نے ایک بار تو اسے ہلا کر رکھ دیا۔ اٹھائیس برس پہلے جو چنگاری اس کے بدن میں آن پڑی تھی، وقت نے اسے الاؤ بنا دیا تھا۔ وینکوور سے امرتسر تک کے طویل سفر نے اسے تھکا کر رکھ دیا تھا۔ اس کے ذہن میں خنجر کی مانند پیوست یہ سوال اسے لہولہو کر رہا تھا کہ اس کا دیس کون سا ہے؟ بھارت کا پنجاب جہاں وہ پیدا ہوا تھا یا پھر کینیڈا کا وینکوور جہاں اس نے ہوش سنبھالا تھا۔ اس کی فضاؤں میں پرورش ہوئی اور ایک سنہرا مستقبل اس کا منتظر تھا یا پھر دونوں جگہیں ہی اس کا دیس نہیں ہیں اور وہ محض ایک بے وطن مسافر ہے۔

امیگریشن کے مراحل سے گزرنے کے بعد جب وہ اپنے مختصر سے سامان کے ساتھ باہر آیا تو بھارت کی ہواؤں میں اس نے پہلا طویل سانس لیا۔ یہ ہوا جو اس کے سینے میں اتری تو اسے اپنے اندر مزید آگ بھڑکتی ہوئی محسوس ہونے لگی۔ وہ ان ہواؤں میں اپنے اجداد کے لہو کی مہک محسوس کر رہا تھا۔ اس کا دوران خون بڑھ گیا۔ غصہ دماغ میں ٹھوکریں مارنے لگا۔ اسے یوں لگا جیسے کچھ دیر اس کی یہی حالت رہی تو دھماکے سے پھٹ جائے گا۔ اس نے خود پر قابو پانے کے لیے آنکھیں بند کر لیں اور خود کو پرسکون کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ انہی لمحات میں اس کے کانوں میں آواز گونجی۔

''جسپال سنگھ جسی جی' ست سری اکال' کہاں کھوئے ہوئے ہو۔''

اس نے فوراً ہی اپنی آنکھیں کھول دیں۔ اس کے سامنے خوبرو نوجوان انوجیت سنگھ ڈھلوں کھڑا مسکرا رہا تھا۔ اس کے سر پر گہرے نیلے رنگ کی پگڑی' چیک دار شرٹ اور سیاہ پتلون کے ساتھ تلّے والا سنہری کھسّہ پہنا ہوا تھا۔ جسپال سنگھ نے اسے صرف تصویروں ہی میں دیکھا تھا اور ایسا ہی انوجیت کے ساتھ بھی تھا۔ دونوں ہی پہلی بار مل رہے تھے جبکہ بہت پہلے وہ ذہنی طور پر ایک دوسرے کے بہت قریب آ چکے تھے۔ ان کی ملاقات کا ذریعہ کمپیوٹر بنا تھا۔ پھر فون پر رابطے نے ان کے درمیان گہرا ہی نہیں اٹوٹ تعلق قائم کر دیا تھا۔

''ست سری اکال انوجیت۔'' اس نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا مگر اپنی لرزتی ہوئی آواز پر قابو نہ رکھ پایا۔ جسے انوجیت نے محسوس کرتے ہوئے پریشان لہجے میں پوچھا۔

''کیا بات ہے جسپال' تو بہت جذباتی ہو رہا ہے۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے جسپال کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیے۔

''ہاں انوجیت' میں واقعی ہی جذباتی ہو رہا ہوں۔ تم میرے محسوسات کا اندازہ نہیں کر سکتے شاید۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے بڑے اعتماد کے ساتھ اپنے ہاتھ چھڑا لیے۔

''چل' چلتے ہیں ہمارے پاس بہت وقت ہے باتیں کرنے کے لیے۔'' انوجیت نے اس کا سوٹ کیس اور بیگ لیے اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ دونوں پارکنگ میں گئے کچھ ہی دیر بعد وہ نئے ماڈل کی فور وہیل جیپ میں ائرپورٹ کے

احاطے سے نکلتے ہوئے امرتسر شہر کی جانب چل پڑے۔

''اچھا بتا پہلے بریک فاسٹ شکھے گا یا.....!'' انوجیت نے جان بوجھ کر فقرہ ادھورا چھوڑ دیا۔ تاکہ جسپال خود ہی بتا دے کہ اس کا پروگرام کیا ہے۔

''ابھی کچھ دیر پہلے جہاز میں ناشتا کیا ہے ابھی کچھ بھی کھانے کو جی نہیں کر رہا ہے۔ تو سیدھا' شری دربار صاحب لے چل پھر اس کے بعد سب کچھ دیکھتے ہیں۔'' جسپال سنگھ نے اس قدر اعتماد سے کہا کہ انوجیت نے چونک کر اس کی جانب دیکھا۔ وہ چند لمحے پہلے والا جسپال نہیں تھا۔ اس کے چہرے پر سختی کی بجائے فطری نرماہٹ تھی۔ اس کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اور اس نے اپنا سارا دھیان ڈرائیونگ پر لگا دیا۔

ہوٹل کے سامنے پارکنگ میں گاڑی لگانے کے بعد وہ دونوں بائیں طرف سے دربار صاحب کی جانب بڑھنے لگے۔ اس طرف کا داخلی دروازہ پار کرتے ہی سامنے پرکرما (مقدس راستا جو تالاب کے اردگرد ہے) سرودو (مقدس تالاب) اور ہرمندر صاحب تھا۔ دائیں جانب اکال تخت اپنی پوری آب و تاب سے دکھائی دے رہا تھا۔ چمکتی ہوئی دھوپ میں ہر وہ منظر واضح دکھائی دے رہا تھا جو اس نے فلموں اور تصویروں ہی میں دیکھا تھا۔ اس وقت وہ سارا منظر اس کی آنکھوں کے سامنے تھا۔ بسنتی رنگ کا جھنڈا صاحب نیلے آسمان میں لہرا دیا تھا۔ وہ اس سارے منظر کو محسوس کرتے ہوئے اپنے اندر اتارنے کی کوشش میں تھا۔ کیونکہ سکھ پنتھ کے مطابق یہی وہ مقام ہے جسے وہ اپنا روحانی مرکز مانتے ہیں اور روح کی غذا یہیں سے لیتے ہیں۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ یہاں آ کر وہ روحانی سکون محسوس کرتا' جس کی وہ توقع کر رہا تھا لیکن بجائے شانت ہو جانے کے اس کے اندر موجود الاؤ کے بھڑکنے کی آواز مزید بڑھ گئی۔ وہ چونک کر اپنے آپ پر حیران ہونے لگا کہ اس کے ساتھ یہ کیا ہونے لگا ہے؟ اس نے گھوم کر اپنے اردگرد دیکھا۔ اسے ہر طرف سکون دکھائی دے رہا تھا۔ مگر اس کے اندر یہ نہ سمجھ میں آنے والی منفرد بے چینی کیوں در آئی ہے؟ سامنے تالاب کا نیلا چمکتا ہوا پانی' ہرمندر صاحب کا طلائی رنگ اور اکال تخت کا سفید اور زرد رنگ چمک رہا تھا۔ لوگ آ جا رہے تھے۔ کچھ تالاب میں نہا رہے تھے۔ ہر طرف سکون تھا لیکن اس کے اندر جوار بھاٹا کیوں اٹھا، کیوں اس کے اندر آگ بھڑکنے لگی تھی۔

وہ ہرمندر صاحب کی جانب رخ کیے ہاتھ جوڑے کھڑا تھا۔ اس نے خود کو پرسکون کرنے کے لیے آنکھیں بند کر لیں تبھی اس کے کانوں میں گولیاں چلنے کی تڑتڑاہٹ گونجی' اس نے فوراً ہی گھبرا کر آنکھیں کھولیں اور پاگلوں کی مانند ارد گرد دیکھنے لگا۔ مگر وہاں تو کچھ بھی نہیں تھا۔ ہر طرف ویسا ہی سکون تھا، گولیوں کی تڑتڑاہٹ بھی نہیں ہو رہی تھی۔ وہ بے چین ہو گیا کہ اس کے ساتھ کیا ہونے لگا ہے۔ اس نے پھر اسی کیفیت کو محسوس کرنے کے لئے دوبارہ آنکھیں بند کی تو نہ صرف گولیاں چلنے کی آوازیں آنے لگیں بلکہ لوگوں کی ہذیانی انداز میں چیخ و پکار بھی سنائی دینے لگی۔ ایک ایسے کہرام کی آواز جس میں بے گناہ لوگوں کو قتل کیا جا رہا تھا۔ اس نے آنکھیں نہیں کھولیں بلکہ کانوں میں پڑنے والی آوازوں پر دھیان دینے لگا۔ گولیوں کی تڑتڑاہٹ چیختے چلاتے لوگ' عورتوں اور بچوں کی کراہیں' توپوں سے گولے داغنے اور پھٹنے کی آوازیں۔ اچانک اس کی بند آنکھوں کے سامنے جو اندھیرا تھا وہ ہٹ گیا اس کی جگہ منظر ابھر آیا۔ پرکرما پر گری ہوئی لاشیں' موت کے منہ میں جاتے ہوئے سسکتے' سڑتے مچلتے جسم' خون ہی خون' وہ پرکرما جو دودھ سے دھویا جاتا ہے، وہ خون سے سرخ ہو گیا تھا۔ شفاف تالاب کا پانی خون سے گدلا ہو چکا تھا' مچھلیاں حیران تھی کہ انسانی لاشیں کیسے تیر رہی ہیں؟

یکم جون، بیساکھی کے تہوار کا دن، گورو گوبند سنگھ کے خالصہ کا دن' جس دن اس نے سکھ پنتھ کو حتمی صورت دی تھی۔ ہر سکھ کو سنگھ اور ہر سکھنی کو کور کا خطاب دیا تھا۔ یہ اجتماع اس دن کی یاد میں تھا۔ اس دن سکھوں کا سب سے بڑا اجتماع دربار صاحب میں ہوتا تھا۔ بھارت کے علاوہ پوری دنیا سے سکھ آتے تھے۔ ان کے ساتھ ان کی عورتیں اور بچے بھی مذہبی

عقیدے کے لیے آتے۔ ساری قیام گاہیں بھر جاتیں' ہزاروں کی تعداد میں لوگ موجود تھے۔ جبکہ یہ منظر تین جون انیس سو چوراسی کے بعد کا تھا۔ سکھ پنتھ کے پانچویں گرو ارجن کی شہادت کا دن، جب اندرا گاندھی حکومت نے دربار صاحب پر فوج کشی کی تھی۔ ہر طرح کی دستیاب گنوں' آرٹلری آرمڈ فوج' توپ خانہ اور ٹینک تک چڑھا دیے۔ نیوی کے غوطہ خوروں کے ساتھ ایسے ٹروپس کو بھی آزمایا گیا جو بے رحمی سے قتل کرنے میں مہارت رکھتے تھے۔ اپنی مذہبی رسومات ادا کرنے ان بے گناہ سکھوں پر جے ہند کے نعرے لگاتے بھارتی فوجیوں نے برہمنی ذہنیت کا ثبوت دیتے ہوئے اپنی بربریت کا وہ مظاہرہ کیا جو پہلے کبھی دیکھنے میں نہیں آیا تھا اور اسی اجتماع میں جسپال سنگھ کا باپو سردار کلوندر سنگھ بھی آیا ہوا تھا۔ پھر وہ کبھی لوٹ کر واپس نہیں گیا۔ نہ اس کی لاش ملی اور نہ ہی کوئی اتا پتا ملا۔ کیونکہ دربار صاحب کے جاں بحق بے جان لاشوں کو کچرے کی مانند کسی انجان ویرانے میں لے جا کر آگ لگا دی گئی تھی۔ یہ خیال آتے ہی جسپال کے دماغ میں نفرت کا الاؤ تڑتڑانے لگا۔ وہ اس قدر بے چین ہو گیا کہ اس کا وہاں کھڑا رہنا مشکل ہو گیا۔ نجانے کیوں اسے سکون ملنے کی بجائے نفرت کی آگ مزید بھڑک اٹھی تھی۔

''جسپال' تُو خیریت سے تو ہے نا۔'' انوجیت کی بھنبھناہٹ بھری آواز اسے کہیں دور سے آتی ہوئی سنائی دی۔ اسے بات سمجھنے میں چند لمحے لگے۔ تبھی اس نے تھرتھرائی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

''ہاں' میں ٹھیک ہوں انوجیت۔''

''تو پھر یہ تمہاری حالت ایسی کیوں'' اس نے الجھتے ہوئے پوچھا تو جسپال نے کہا۔

''کچھ نہیں ہوا ہے' چل انوجیت..... آ..... چلیں واپس.....!'' اس نے اضراری انداز میں انوجیت کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔

''واپس؟'' انوجیت کو ایک جھٹکا لگا۔ اس نے شدید حیرت سے پوچھا۔ ''یار' ابھی تو آئے ہو' ابھی تو ادھر اکال تخت..... اور اِدھر لنگر خانہ..... ہرمندر صاحب..... ان سب کی.....''

''نہیں نا' ابھی نہیں..... تم چلو واپس' پھر کبھی سہی..... چلو۔'' اس نے سختی سے یوں کہا کہ ایک لمحے کو انوجیت کو لگا کہ جسپال سنگھ ڈر گیا ہے یا پھر وہ خوف زدہ ہو گیا ہے۔ اس وقت وہ دونوں پرکرما پر کھڑے تھے۔ انوجیت کو برا تو لگا لیکن اس کا اظہار نہ کر پایا۔ جسپال نے پلٹ کر اسی دروازے کا رخ کر لیا تھا جدھر سے وہ آئے تھے۔ انوجیت نے ایک لفظ نہیں کہا مگر اس کے چہرے پر جو تاثر پھیلا ہوا تھا اس میں کئی سوالوں کی بُنت موجود تھی۔ وہ ایسا کیوں کر رہا ہے؟ کہیں وہ ہرمندر صاحب کا اپمان تو نہیں کر رہا ہے۔ جسپال نے قدم بڑھا دیے تھے۔ اس لیے انوجیت کو بھی واپس پلٹنا پڑا۔ وہ دونوں خاموشی سے پارکنگ تک آئے۔ گاڑی لی اور اس میں بیٹھ گئے انوجیت نے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے پوچھا۔

''اب بتاؤ' کہاں جانا ہے؟'' اس کے لہجے میں غصہ چھلک رہا تھا۔ اس کے ساتھ ہی نرم سی آواز میں انجن جاگ اٹھا۔

''سیدھے پنڈ جانا ہے۔'' اس نے بڑبڑانے والے انداز میں کہا۔

''ٹھیک ہے۔'' یہ کہہ کر اس نے گاڑی بڑھا دی۔ وہ آہستہ روی سے رش والے علاقے سے گاڑی لے کر چلا۔ امرتسر شہر سے نکلتے ہوئے ان کے درمیان خاموشی رہی۔ تاہم شہر کے کنارے تک آ جانے پر اس نے پوچھا۔

''جسپال گاؤں جانے کے لیے دو راستے ہیں۔ ایک ترن تارن اور نکودر کی طرف سے اور دوسرا جالندھر کی طرف سے بتا کس طرف سے چلیں۔''

''یار' ہمیں اپنے پنڈ اوگی جانا ہے۔ جس طرح سے بھی چلو' راستا تو تم ہی جانتے ہو۔'' جسپال کو انوجیت کی بات

کرنا اچھا لگا تھا۔ اسے خود پر چھائی ہوئی حالت خاصی کم ہوتی ہوئی محسوس ہوئی۔

''یار وقت تو دونوں طرف سے ایک جیسا ہی لگے گا۔'' اس نے عام سے لہجے میں جواب دیا۔ جسپال چاہتا تھا کہ وہ مزید باتیں کرے اس لیے پوچھا۔

''تو بتا یہ دونوں راستے کیسے ہیں' پھر ان میں سے کوئی ایک چن لیں گے۔'' اس پر انوجیت نے لمبا ہنکارا بھرتے ہوئے کہا۔

''یہاں سے جالندھر تک بہت اچھی سڑک ہے کارپٹ روڈ' سفر تھوڑا زیادہ ہے یہی کوئی پچاسی کلومیٹر کے لگ بھگ لیکن سکون سے پہنچ جائیں گے۔ پھر جالندھر سے مغرب کی طرف سیدھی سڑک اوگی کو جاتی ہے لیکن وہ اتنی اچھی نہیں یعنی جالندھر سے اوگی تک کا سفر۔''

''اور دوسرا راستا؟'' اس نے تیزی سے کہا۔

''ترن تارن تک سڑک ٹھیک ہے پھر ذیلی سڑکوں سے تلونڈی چوہدریاں کے قریب نہر پار کر کے بابا جوگی روڈ' پھر وہاں سے کھتوان روڈ سے.....!''

''یار' وہ پہلے والا سیدھا راستا ٹھیک ہے۔ چاہے اس میں زیادہ وقت لگ جائے گا۔ مگر یقین تو ہے نا کہ ہم پہنچ آسانی سے جائیں گے۔'' جسپال کے لہجے میں تازگی ابھر آئی تھی۔

''ہاں' یہ تو ہے خیر' سناؤ..... پرشادے بارے کیا خیال ہے؟'' انوجیت نے گاڑی جالندھر کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔

''یار کسی بھی ڈھابے پر روک لینا۔'' جسپال نے کہا اور سکون سے اپنا سر سیٹ کی پشت سے لگا دیا۔ کچھ دیر بعد وہ جالندھر ہائی وے پر چڑھ گئے۔ کارپٹ روڈ کے باعث انجن کی آواز مدہم تھی۔ تبھی انوجیت نے پوچھا۔

''جسپال' ایک بات پوچھوں۔''

اس کے یوں کہنے پر وہ چند لمحے خاموش رہا پھر اس کی جانب دیکھ کر گمبھیر لہجے میں بولا۔

''انوجیت' ایک بات نہیں' تم ہر وہ بات پوچھو جو تمہارے ذہن میں ہے۔ مجھے تیری بڑی ضرورت ہے اس لیے میں نہیں چاہتا کہ میرے بارے میں تمہارے ذہن میں کوئی بھی الجھن رہے۔''

''شاید میرے ذہن میں کوئی سوال نہ آتا جسپال مگر دربار صاحب میں جو تمہارا رویہ تھا نا اس نے وہ سارا تاثر ختم کر دیا جو میرے ذہن میں تمہارے لیے تھا۔ تم وہ نہیں ہو جس کی دوستی میرے ساتھ نیٹ پر ہوئی تھی۔'' اس کے لہجے میں کافی حد تک جذباتی پن تھا۔

''نہیں انوجیت میں وہی ہوں اور جتنا میں نے تمہیں بتایا ہوا ہے وہ جھوٹ نہیں حقیقت ہے۔ اب سنو میں نے تمہیں یہی بتایا ہے نا کہ میرا تعلق اوگی سے ہے لیکن یہ اب تک نہیں بتایا کہ میرا تعلق کس خاندان سے ہے۔ میرا سارا خاندان انیس سو چوراسی کے سکھ ہولوکاسٹ میں تباہ و برباد ہو گیا تھا۔ تم یہ جانتے ہو کہ میں پہلی بار بھارت آیا ہوں۔ لیکن تمہارے اوگی پنڈ میں میری حویلی' میری زمینیں اب بھی میری راہ تک رہی ہیں کہ میں ہی اپنے خاندان کا آخری فرد بچا ہوا ہوں۔''

''تم پیدا تو یہیں اوگی میں ہوئے..... تو.....!'' انوجیت نے جان بوجھ کر فقرہ ادھورا چھوڑ دیا۔

''ہاں' میں یہیں اوگی میں پیدا ہوا لیکن میں نے شعور ونکوور میں سنبھالا۔'' یہ کہہ کر جسپال چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔ ''میں تمہیں شروع سے بتاتا ہوں۔ ممکن ہے اس میں تمہارے لیے کوئی نئی بات ہو جہاں بھی تمہیں لگے کہ یہاں

الجھن ہے تو مجھ سے پوچھ لینا۔''

''ٹھیک ہے کہو۔'' اس نے سڑک پر نگاہیں جمائے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''جب شری دربار صاحب پر اندرا حکومت نے فوج کشی کی تھی' میرے باپو میری پیدائش پر مانی گئی منت اُتارنے سیوا کار کے لیے وہیں دربار میں موجود تھے لیکن ساکا (سانحہ) چوراسی میں ہی میرے دو تائے' ایک چاچا ان کی بیویاں بچے اور میری ایک پھوپھو سمیت سب کو تہہ تیغ کر دیا گیا۔ اس گاؤں اوگی میں انہیں مارا گیا اور انہیں جلایا گیا۔ میری ایک پھوپھو بچ گئی تھی جو ساتھ والے گاؤں میں بیاہی ہوئی تھی۔ اس نے آ کر مجھے سنبھالا۔ میں اس وقت محض ایک سال کا تھا شاید گوشت کا ایک بے ضرر لوتھڑا سمجھ کر نظر انداز کر دیا گیا تھا۔ پھوپھو اپنے شوہر کے ساتھ مجھے وینکوور لے گئی۔ وہیں نے میں شعور سنبھالا۔''

''تمہاری پھوپھو نے کبھی یہ نہیں بتایا کہ وہ سب کیسے ہوا؟'' انوجیت نے پوچھا۔

''اس نے ہمیشہ یہی کہا کہ بھارتی فوج اور اندرا حکومت نے مل کر سکھ قوم کو صفحہ ہستی سے مٹانے کا منصوبہ بنایا ہوا تھا۔ جس طرح انگریزوں نے مسلمانوں کو مذہبی طور پر نقصان پہنچانے کے لیے ''مرزائی'' تخلیق کیے تھے۔ بالکل اسی طرح سکھوں کو ختم کرنے کے لیے مذہبی طور پر ''نرنکاری'' سکھ تخلیق کیے۔ جنہیں چانکیہ سیاست امرت دھاری سکھوں پر مسلط کر رہی تھی۔ دوسری جانب امرت دھاریوں کو ختم کرنے کے لیے طاقت کا استعمال کیا گیا۔ انہیں کاٹ کاٹ کر پھینکا گیا' انہیں زندہ جلایا گیا۔''

''کیا تم سمجھتے ہو کہ ایسا ہی تھا؟ یا فقط تمہاری پھوپھو ہی کا خیال تھا۔'' انوجیت نے چمکتی آنکھوں سے پوچھا۔

''اب تک میں نے جو بھی ذرائع ابلاغ میں پڑھا۔ معلومات لیں تیرے جیسے نیٹ دوستوں سے گپ شپ کی۔ اس سے میں سمجھتا ہوں کہ ایسا ہی ہوا ہوگا لیکن انوجیت' صرف ہمارے خاندان کے ساتھ ایسا کیوں ہوا؟ اوگی میں اور کوئی پورا خاندان اس قدر بے رحمی سے نہیں مارا گیا۔ ہمارا خاندان ہی کیوں؟ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے میری پھوپھو نگاہیں چرائیں اس لیے میرے دماغ میں یہ بات نوجوانی ہی سے تھی کہ میں اس حقیقت سے پردہ چاک کروں گا۔ میری پھوپھو نے مجھے کبھی یہاں بھارت آنے کی اجازت نہیں دی' مگر اب وہ ''پوری'' ہوگئی ہیں۔'' یہ کہہ کر وہ ایک لمحے کے لیے خاموش ہوگیا۔

''اوہ! بہت افسوس ہوا۔'' انوجیت کے لہجے میں بھی دکھ تھا۔

''ہاں' انوجیت وہ میری پھوپھو ہی نہیں میری ماں بھی تھیں میرا باپ بھی وہی' میری دوست' میری محسن میرا سب کچھ تھیں۔'' جسپال نے گلوگیر لہجے میں کہا۔

''ان کی کوئی اولاد ہوئی۔'' اس نے پوچھا۔

''ہاں' دو بیٹے اور ایک بیٹی مجھے بڑا بھائی مانتے ہیں۔ اپنا سارا کاروبار انہی کے سپرد کر کے آیا ہوں۔'' یہ کہہ کر اس نے چند لمحے خاموشی اختیار کرنے کے بعد کہا۔ ''میں نے وینکوور میں پڑھا۔ اپنا بزنس شروع کیا اور آج پچیس سال بعد ایک مضبوط بزنس انہیں دے کر یہاں آ گیا ہوں انوجیت' میری ہمیشہ سے یہ خواہش رہی کہ مجھے کوئی ایسا بندہ مل جائے جو اوگی پنڈ کا ہو۔ وہاں تو مجھے کوئی نہیں ملا۔ صرف تم میرے نیٹ فرینڈ بنے جو اوگی سے تعلق رکھتا تھا۔''

''اور تمہاری مجھ پر نوازشات کی وجہ یہی تھی کہ تم یہاں پر.....!'' اس نے کہنا چاہا مگر جسپال نے بات کاٹتے ہوئے کہا۔

''میں جھوٹ نہیں بولوں گا انوجیت' میں نہیں چاہتا تھا کہ تم میری نگاہوں سے اوجھل ہو جاؤ' میں نے جو کچھ بھی

کیا تمہیں اپنا دوست بنانے کے لیے کیا۔ یہ تم پر کوئی احسان نہیں بلکہ میری مجبوری تھی۔ اب تم اسے جو سمجھو۔'' اس کے لہجے میں شرمندگی کی ہلکی سی بھی رمق نہیں تھی بلکہ ایک طرح سے اعتماد تھا۔

''مجھے اچھا لگا جسپال کہ تم نے صاف صاف کہہ دیا۔ اب یہ یقین رکھنا کہ میں تمہارا دوست ہوں۔ جتنا چاہے مجھ پر اعتماد کر لینا۔''

''میں شکریہ نہیں کہوں گا انوجیت۔'' جسپال نے مسکرا کر اس کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

''کہنا بھی نہیں چاہیے۔'' وہ دھیرے سے بولا' پھر تیزی سے پوچھا۔ تم اب اوگی میں کیا کرنا چاہتے ہو۔''

''سچ پوچھو تو مجھے خود نہیں معلوم میں نے کیا کرنا ہے' کیا نہیں کرنا۔ اب یہ حالات ہی بتائیں گے۔'' وہ ایسے بولا جیسے اس کی آواز کسی گہرے کنویں سے آ رہی ہو۔ اسے دربار صاحب میں اپنی کیفیات یاد آنے لگیں۔ اسے یہ باور تو ہو گیا تھا کہ اس نے کیا کرنا ہے لیکن یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا تھا کہ کن حالات میں اس نے کیا کرنا ہوگا۔ دربار صاحب سے اسے اشارہ مل گیا تھا۔ انہیں امرتسر سے نکلے تقریباً پون گھنٹہ ہو گیا تھا۔ تبھی سڑک کنارے ایک ڈھابے کی طرف گاڑی موڑتے ہوئے انوجیت نے کہا۔

''چل یار پرشاد تو شکھیں' پھر دیکھی جائے گی۔'' جسپال سنگھ مسکرا کر رہ گیا۔

☆.....☆.....☆

تارکول کی سیاہ سڑک نے گاؤں اور حویلی کے درمیان حد فاصل قائم کر دی تھی۔ یہ سردار شاہ دین کی حویلی اور زمینیں الگ الگ دکھائی پڑتے تھے۔ سڑک کے دائیں جانب آبادی والے گاؤں میں زندگی کی جدید سہولتیں میسر آنا شروع ہو گئی تھیں۔ سڑک کے بائیں جانب کافی آگے جا کر حویلی تھی۔ تارکول کی بڑی ساری سڑک تقریباً ڈیڑھ فرلانگ فاصلہ طے کر کے حویلی تک پہنچاتی تھی۔ آٹھ ایکڑ رقبے پر حویلی کی چار دیواری تھی۔ جبکہ رہائشی حصہ چار ایکڑ پر تھا۔ جس کے اردگرد ہرا لہلہاتے باغ اور ملازمین کے رہائشی کوارٹر تھے۔ ایک طرف اصطبل تھا جو اب جدید ماڈل کی گاڑیوں کا گیراج بن چکا تھا۔ میں نے درمیانی سڑک سے حویلی والی سڑک پر بائیک موڑی تو سفید پینٹ کی ہوئی حویلی مجھے دھوپ میں چمکتی ہوئی دکھائی دی۔ آہنی گیٹ بالکل سیاہ تھا۔ جو کسی قلعے کا گیٹ ہونے کا تاثر دے رہا تھا۔ میں نے گیٹ کے پاس بائیک روکی تو چوکیدار نے مجھے دیکھتے ہی گیٹ کھول دیا۔ میں بائیک سمیت اندر چلا گیا۔

حویلی کے عقب میں سبز لان کے ایک کونے میں بڑی ساری چھتری تلے سردار شاہ دین کے ساتھ شاہ زیب بیٹھا ہوا تھا۔ ان کے سامنے دھری میز پر چائے کے نفیس برتن تھے۔ میرے اور ان کے درمیان پتھر کی ایک روش تھی۔ وہاں پر میں نے ایک طرف بائیک کھڑی کی اور ان کی جانب بڑھ گیا۔ وہ دونوں بڑے غور سے میری طرف دیکھ رہے تھے۔ جس سے نجانے مجھے کیوں یہ احساس ہوا کہ وہ میرے منتظر تھے۔ میں نے قریب جا کر سلام کیا اور بڑے مودب انداز میں کھڑا ہو گیا۔ تب سردار شاہ دین نے میرے سلام کا جواب دیتے ہوئے نرم لہجے میں کہا۔

''بیٹھو۔'' اس کا اشارہ قریب رکھی کرسیوں میں سے ایک کی طرف تھا جو مجھ سے دو فٹ کے فاصلے پر رکھی ہوئی تھی۔ ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا تھا کہ سردار مجھے اپنے برابر بیٹھنے کے لیے کہے۔ اس لیے میں نے بڑے مودب انداز میں کہا۔

''نہیں سردار جی' میں ایسے ہی ٹھیک ہوں، آپ حکم کریں۔''

''جب میں تمہیں کرسی پر بیٹھنے کے لیے کہہ رہا ہوں تو بیٹھ جاؤ۔'' اس نے قدرے الجھتے ہوئے کہا۔

''سردار جی اس کرسی پر بیٹھنا بہت آسان ہے مگر بیٹھ کر اٹھنا بہت مشکل ہے۔ وہ تھوڑی دیر جو میں اس کرسی پر گزاروں گا، اس کی لذت میرا دماغ خراب کر دے گی۔ میں ایسے ہی ٹھیک ہوں۔'' میں نے اسی ادب سے کہا تو وہ

مسکراتے ہوئے خوش گوار لہجے میں بولا۔

''جمال' میں جانتا ہوں کہ وقت نے تجھے ڈھال کر تلوار بنا دیا ہے۔ تم چمک بھی گئے ہو لیکن ابھی تیز دھار ہونے میں تمہیں کچھ وقت لگے گا۔''

''میں جانتا ہوں سردار جی' جہاں تلوار بن گیا ہوں وہاں دھار لگنے میں اب کتنا وقت لگے گا۔ خیر آپ حکم کیجیے۔'' میں نے اپنے لہجے کو باادب ہی رکھنے کی بھرپور کوشش کی تھی۔ وہ چند لمحوں بعد بولا۔

''یہ تو تمہیں معلوم ہے نا جمال کہ میں نے ہمیشہ فنکاروں کی قدر کی ہے۔ نٹ بازوں سے لے کر تیرے جیسے ماہر نشانہ بازوں تک نے اس حویلی سے ہمیشہ قدر پائی ہے۔ رات میلے والا معاملہ سن کر مجھے بہت خوشی ہوئی کہ میرے گاؤں کا لڑکا بھی اتنا بڑا فنکار ہے۔'' یہ کہہ کر اس نے اپنی جیکٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالا اور پانچ سو روپے والے نوٹوں کی ایک گڈی میز پر برتنوں کے ساتھ رکھ دی۔

''یہ لو' یہ تمہارا انعام ہے اٹھا لو۔''

اس کے یوں کہنے پر میرے اندر ایک بگولا اٹھا۔ جس سے مجھے توہین کا احساس ہوا۔ میں انعام اور معاوضے کے درمیان فرق کو سمجھتا تھا لیکن سامنے پڑی ہوئی نوٹوں کی گڈی نہ انعام اور نہ معاوضہ، یہ وہ چارہ تھا جو کسی کو ذہنی غلام بنانے کے لیے ڈالا جاتا ہے۔ میں سردار شاہ دین کو اچھی طرح جانتا تھا۔ اس لیے خود پر قابو پاتے ہوئے پوچھا۔

''سردار جی اتنی بڑی رقم؟''

''نہیں' یہ کوئی اتنی بڑی رقم نہیں ہے۔ تمہارے شایان شان تو اس سے بھی زیادہ ہونی چاہیے۔ یہ گڈی اٹھا کر جیب میں ڈالو' پھر میں تم سے وہ کچھ کہوں جو میں نے تمہارے بارے میں سوچا ہے۔'' وہ بہت کائیاں تھا۔ قدم بہ قدم آگے بڑھنا چاہتا تھا۔ میرا ردعمل ہی اسے آگے بڑھنے میں مدد دیتا۔ اس سے میں نے اندازہ لگا لیا کہ ضرور کوئی ڈیل کرنا چاہتا ہے۔ ورنہ میرے جیسے بے اوقات بندے کے لیے تو اس کے پاس سوچنے کی بھی فرصت نہیں تھی۔ میں نے ایک لمحے میں سوچا اور آگے بڑھ کر گڈی اٹھا لی۔ پھر ادب سے بولا۔

''جی سردار جی حکم۔''

''تجھے معلوم ہی ہے کہ شاہ زیب نے چودہ جماعتیں پڑھ لی ہیں۔ تم دونوں ایک ساتھ ہی تو کالج پڑھتے رہے ہو۔ میں چاہتا ہوں کہ اسے اب لاہور یونیورسٹی بھیج دوں۔ تم بھی اس کے ساتھ پڑھنے کے لیے وہیں داخلہ لے لو' سارا خرچہ حویلی ہی سے ہوگا۔ وہاں تم اس کے ساتھ رہو گے۔ اس کے لیے معقول ماہانہ رقم بھی ملے گی جاؤ' تیاری کر لو' کل تم لوگوں نے یہاں سے نکلنا ہے۔'' اس نے بڑے سکون سے اپنا خیال ظاہر کر دیا۔ تبھی میں خود پر قابو پاتے ہوئے پرسکون لہجے میں بولا۔

''مطلب' مجھے وہاں شاہ زیب کا باڈی گارڈ بن کر رہنا ہوگا۔''

''ہاں' ایک تو ہماری دشمن داری بہت ہے، یہ تجھے معلوم ہے' دوسرا یہ وہاں فقط پڑھنے ہی نہیں جا رہا بلکہ میں اسے وہاں سے سیاسی طور پر ابھارنا بھی چاہتا ہوں۔ جیسے ہی یہ یونیورسٹی پڑھ لے تب تک کم از کم صوبے کے لوگ تو اسے جانتے ہوں۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے مجھے سر سے پاؤں تک دیکھا اور بڑے خنک لہجے میں کہا۔ ''پھر.....! تجھے بھی تو ابھی تیز دھار بننا ہے۔ تمہارے لیے بھی یہ سنہری موقع ثابت ہوگا۔''

''گویا مجھے وہاں پر شاہ زیب کا ملازم بن کر رہنا ہوگا جس کے عوض اتنی نوازشات مجھ پر کی جا رہی ہیں۔'' اس بار میرے لہجے میں تلخی کی ہلکی سی رمق در آئی تھی۔ اس پر سردار نے چونک کر میری طرف دیکھا اور پھر بڑے ٹھہرے ہوئے

انداز میں کہا۔

''تم اسے جو مرضی نام دے لو۔'' یہ کہتے ہوئے وہ طنزیہ انداز میں مسکرا دیا تھا۔ اس کی مسکراہٹ نے جلتی پر تیل کا کام کر دیا۔ میں نے بڑے سکون سے وہ گڈی دوبارہ میز پر رکھ دی اور بولا۔

''یہ تو قدرت کی تقسیم ہے نا سردار جی کہ آپ کے پاس دولت کا شمار نہیں لیکن مجھے جو میرے رب نے دیا ہے وہ آپ کے پاس نہیں۔ آپ شاہ زیب کے لیے اپنی دولت سے نجانے کتنے باڈی گارڈ خرید سکتے ہیں۔ میرا فن اس جیسے گھٹیا لوگوں کے لیے نہیں ہے۔ مجھے اپنے فن کی قدر کرنا آتا ہے اور باقی رہی میرے تیز دھار ہونے کی بات تو وقت سب کچھ بنا دیتا ہے اور کوئی حکم ہے میرے لیے؟'' اس بار میں نے سردار کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کی تو وہ مسکرا دیا اور بڑے تحمل سے بولا۔

''تم میں سب سے بڑی کمزوری یہی ہے کہ تمہارا خون بہت گرم ہے۔ یہ تجھے کچھ بھی نہیں سوچنے دیتا۔ جاؤ' آج سارا دن میری آفر پر ٹھنڈے دماغ سے غور کرنا۔ بات سمجھ میں آ جائے تو حویلی آ جانا اپنی تیاری کر کے.....!''

اس سے پہلے کہ میں فوری طور پر انکار کر دینے کے لب کھولتا اچانک شاہ زیب نے تیزی سے کہا۔

''یہ کیسی باتیں چل پڑی ہیں۔'' پھر میری طرف دیکھ کر بولا۔ ''یار کیا تم نے مزید آگے نہیں پڑھنا۔ ہم کل تک کالج پڑھتے آئے ہیں اگر اب ایک ساتھ داخلہ لے لیں گے اور ساتھ میں رہیں گے تو اس میں برائی کیا ہے۔ تم نہ بننا میرا باڈی گارڈ، دوست بن کر رہ سکتے ہو میرے ساتھ۔ دوسرے لوگ تھوڑے ہیں اس کام کے لیے۔''

''شاہ زیب' چھری خربوزے پر گرے یا خربوزہ چھری پر..... بات تو ایک ہی ہے۔ سنو' میں سردار صاحب کی آفر سے انکار کرتا ہوں۔''

''برخوردار' تم بہت بڑی آفر ٹھکرا کر محض کنویں کے مینڈک رہنا چاہتے ہو جبکہ میں تجھے آسمان تک پہنچانے کی بات کر رہا ہوں۔'' سردار نے طنزیہ لہجے میں کہا تو میں مسکراتے ہوئے بولا۔

''سردار جی' مجھے ابھی آسمان پر نہیں جانا' ابھی زمین پر بہت سارے کام ہیں اللہ حافظ۔'' میں نے ان دونوں پر ایک نگاہ ڈالی جو میری طرف ہی دیکھ رہے تھے میں نے مزید کچھ سنے بغیر اپنے قدم واپسی کے لیے بڑھا دیے۔ رہائش گاہ کی طرف آتے ہوئے راستے میں میری بائیک کھڑی تھی۔ میں نے وہ اسٹارٹ کی تو اس کی آواز نے خاموشی کو چیر دیا۔ میں اپنے آپ کو پرسکون کرتا ہوا وہاں سے نکلتا چلا گیا۔

گھر میں داخل ہوتے ہی ماں نے میرا چہرہ پڑھ لیا۔ وہ اس وقت صحن میں لگے نیم کے درخت تلے بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے سامنے سبزی کی ٹوکری تھی۔ اس کے ساتھ ہی دوسری چارپائی پر سوہنی بیٹھی ہوئی تھی۔ میں بائیک کھڑی کر کے اندر جانے لگا تو ماں نے کہا۔

''اوئے جمالے' ادھر بات سن' تجھے خیریت تو ہے نا۔''

میں رک گیا اور وہیں کھڑے کھڑے بولا۔

''کوئی بات نہیں ماں سب ٹھیک ہے تو مجھے ناشتا دے بعد میں اس کے ساتھیوں کا اتا پتا معلوم کرنے جاؤں' ان کا پتا چل گیا تو ٹھیک ورنہ اسے شہر کے بس اڈے پر چھوڑ دیتا ہوں خود چلی جائے گی۔''

''حویلی والوں نے تجھے کیوں بلایا تھا۔'' اماں نے میرے چہرے پر دیکھتے ہوئے پوچھا تو میں اماں کے پاس جا بیٹھا اور وہاں کی ساری روداد سنا دی۔ وہ چند لمحے میری طرف دیکھتی رہی پھر بولی۔

''اچھا کیا تو نے سردار کو انکار کر دیا۔'' یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گئیں۔

''ماں' کیا تجھے میرا انکار کرنا اچھا نہیں لگا۔'' میں نے الجھتے ہوئے پوچھا تو وہ تڑپ کر بولیں۔

''دیکھ جمالے' میں نے تجھے اس وقت بھی نہیں ڈرایا تھا جب تو میری چھاتی سے لگ کر دودھ پیتا تھا۔ تو جانتا ہے کہ میں نے آج تک نہ تجھے ڈرایا ہے اور نہ کبھی تیرا حوصلہ توڑا ہے لیکن ابھی' ان سرداروں کے ساتھ تیری دشمنی سے تیری زندگی اجیرن ہو جائے گی۔'' ماں نے کہا تو سوہنی نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔

''ان کی دوستی کون سا سکون لینے دے گی ماں، کیا تجھے اپنے بیٹے پر بھروسا نہیں تو بیوہ ہو کر بھی میری پرورش کرتی رہی اور میں تجھے ناامید کر دوں گا۔'' میں نے جذباتی ہوتے ہوئے کہا۔

''مجھے بس تیری فکر ہے کیونکہ یہ دنیا بڑی ظالم ہے پتر۔'' ماں نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''ماں جب تک تیری دعا ہے نا مجھ پر کوئی آنچ نہیں آ سکتی۔ چاہے ساری دنیا میری مخالف ہو جائے اور تو نے مجھے جو بنانا تھا بنا دیا۔ اب میں جانتا ہوں کہ مجھے کیا بننا ہے اور کیا کرنا ہے۔ بچپن سے لے کر آج تک یہی ایک سبق تو سیکھا ہے میں نے۔'' میں نے حتمی انداز میں کہا تو ماں نے دلار سے کہا۔

''میرے لعل' میں تجھے بہت بڑا آدمی دیکھنا چاہتی ہوں۔'' ان کے لہجے میں ممتا گھلی ہوئی تھی۔

''اس کے لیے ضروری نہیں ہے کہ میں کسی کی نوکری کروں یا کسی کا غلام بن جاؤں۔ یہ سردار تو انسان پر انسان کی حکومت چاہتے ہیں۔ جسے میرا ضمیر کبھی قبول نہیں کر سکتا۔ میری قسمت میں جو ہوگا میں بن جاؤں گا۔ چل چھوڑ اس قصے کو۔ مجھے ناشتا دے بہت بھوک لگ رہی ہے۔'' میں نے اکتائے ہوئے انداز میں کہا تو اماں اٹھ گئیں۔ سوہنی ایک ٹک مجھے دیکھے چلی جا رہی تھی۔ تبھی میں نے اس سے پوچھا۔

''ایک بات کی مجھے سمجھ نہیں آ رہی ہے سوہنی۔ تیرے ساتھ کوئی بھی نہیں تھا۔ تُو اس طرف کیسے آ گئی۔''

''میں.....!'' اس نے سوچتے ہوئے کہا جیسے یاد کر رہی ہو پھر بولی۔ ''میں اس وقت تم لوگوں کے قریب تھی جب فائرنگ شروع ہوئی۔ اسی بھگدڑ میں کسی نے مجھے بازو سے پکڑا اور ایک طرف لے کر نکل کھڑا ہوا۔ وہ کوئی دیہاتی بندہ تھا۔ اس کے پیچھے چند لوگ تھے۔ شاید وہ مجھے مال غنیمت سمجھ رہے تھے یا..... پتا نہیں کچھ ایسا تھا کہ مجھے خوف آ گیا۔ میں پوری قوت لگا کر اس سے اپنا بازو چھڑایا اور جدھر منہ آیا اِدھر بھاگ کھڑی ہوئی۔ وہ کچھ دور تک میرے پیچھے آئے تھے۔ میں اندھا دھند بھاگتی ہوئی فصلوں میں چھپ گئی۔ مجھے ان کا تو پتا نہیں کدھر گئے لیکن اتنی دیر میں تم آ گئے۔'' اس نے اپنی بات کہی تو میں نے پوچھا۔

''تجھے مجھ پر اعتبار آ گیا یا مجبوری میں ڈر کر.....!''

''میں نے اگر تمہیں وہاں پنڈال میں فائر کرتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو کبھی تیرے ساتھ نہ آتی۔ اس وقت مجھ کسی پناہ کی ضرورت تھی۔ سو میں تمہارے ساتھ یہاں آ گئی۔'' وہ حتمی لہجے میں بولی تو میں نے کہا۔

''اچھا تو ایسے کر' اپنی تیاری پکڑ میں ناشتا کر لوں تو تجھے چھوڑ آؤں۔''

''کہاں..... کہاں چھوڑ کے آؤ گے..... میرے ساتھی مل گئے ہیں؟'' اس نے تیزی سے پوچھا۔

''پتا کرتے ہیں مل گئے تو ٹھیک ورنہ تجھے شہر کے بس اڈے پر چھوڑ دیتا ہوں کسی بس میں بیٹھ کر چلی جانا۔''

''کیا تو مجھے دو چار دن ماں جی کے ساتھ نہیں رہنے دے گا۔ آخر میں نے چلے ہی جانا ہے آج نہیں تو چند دن بعد.....!'' اس نے حسرت آمیز لہجے میں کہا تو میں مسکرا دیا اور عام سے لہجے میں بولا۔

''چل زیادہ فلمی ڈائیلاگ مت مار' میں خوامخواہ کی کوئی الجھن نہیں پالنا چاہتا۔ چل اٹھ جا۔'' میں نے کہا تو اٹھ گئی۔

اس وقت اماں نے میرے سامنے ناشتا رکھ دیا تھا، جب چھا کا گیٹ سے اندر آتا ہوا دکھائی دیا۔ اس کا چہرہ اترا ہوا تھا۔ وہ میرے قریب پڑی چارپائی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

''پتا ہے رات کتنے بندے زخمی ہوئے ہیں۔ دونوں طرف سے لگ بھگ اٹھارہ بندے شدید زخمی ہیں۔ اب شاید ان میں دو چار بندے مر بھی جائیں۔'' اس نے خبر سنائی اور بڑے سکون سے ناشتے کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔

''یہ مرنے والے بندے کن کے ہیں؟'' میں نے پوچھا۔

''پیر زادہ وقاص کے' اپنے بندے تو بہت کم زخمی ہوئے ہیں۔'' اس نے نوالا منہ میں ڈالتے ہوئے کہا۔

''اچھا تو ناشتا کر کے تیار ہو جا شہر چلتے ہیں وہاں زخمیوں کا بھی پتا کر لیں گے اور اس کو بھی چھوڑ دیں گے۔'' میں نے دالان میں کھڑی سوہنی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''یار' رات تو بڑی خوب صورت لگ رہی تھی یہ..... اسے بلانا پاس' ذرا قریب سے دیکھوں۔'' اس نے مذاق اڑاتے ہوئے کہا۔

''ابھی تیرے ساتھ بٹھا دوں گا، دیکھتے رہنا اسے، چل تو ناشتے کی طرف دھیان دے۔'' میں نے مکھن پراٹھے کھاتے ہوئے کہا تو وہ دھیرے سے مسکرا کر رہ گیا۔

اس وقت ہم ناشتا کر کے چائے پی رہے تھے کہ سوہنی دھیمی چال سے چلتی ہوئی ہمارے قریب آئی اور بڑے اداس سے لہجے میں بولی۔

''یہاں گاؤں میں کوئی فون ہے' کہیں سے میں کال کر سکتی ہوں؟''

''ہاں' چوک میں ہے اچھو کریانے والے کے پاس' کیوں کسے کرنا ہے فون؟'' میں نے جواب دیتے ہوئے پوچھا۔

''یہ تیرا معاملہ نہیں ہے جمال' اب میں چلی جاؤں گی، تجھے فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' اس نے تیزی سے کہا تو میں نے چھاکے کی طرف دیکھا۔ وہ بالکل اجنبی بن کر ہماری بات سن رہا تھا۔ تب میں نے کہا۔

''چل بول کیا ہے تمہارا نمبر میں وہاں فون کر دیتا ہوں' ہاں تجھے چوک میں نہیں لے جا سکتا؟''

''میں ابھی لکھ دیتی ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ الٹے قدموں اندر کی طرف چلی گئی جبکہ چھاکا کچھ سنے بغیر واپس چلا گیا۔ میں سمجھ چکا تھا کہ میں نے اسے اب ہر حال میں یہاں سے بھیج دینا ہے اور پھر ہمیں شہر بھی تو جانا تھا، وہیں کسی بس میں بٹھا کر اس سے جان چھڑوا لینا تھی۔

میں گلی میں نکل کر پیدل ہی چوک کی طرف جا رہا تھا۔ میں نے ابھی چند قدم ہی بڑھا تھا کہ سامنے سے ایک سفید رنگ کی کھلی چھت والی جیپ آناً فاناً گلی میں داخل ہوئی۔ اگلے چند لمحوں میں وہ میرے پاس آن رکی۔ جس سے دھول کا ایک مرغولا اٹھا۔ اس سے پہلے کہ وہ دھول ہٹتی کسی نے زور سے پکارا۔

''اوئے' جمال تو ہی ہے نا۔''

جیپ میں چھ لوگ سوار تھے۔ ان کی شکلیں میرے لیے بالکل اجنبی تھیں۔ ان کا یوں میرا راستا روکنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ میری نگاہوں میں سردار شاہ دین کو کیا گیا انکار گھوم گیا۔ سردار یہ کب چاہتے ہیں کہ ایک ایسا آدمی جس نے یتیمی میں پرورش پائی ہو' غریب ہو' دولت اس کے منہ پر مار کر اس کے حکم سے سرتابی کرے۔ سردار سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ گاؤں میں رہنے والے اس کے زیر تسلط لوگ اس کے حکم سے انحراف کر دیں۔ میں نے بغاوت کی تھی۔ اب اس کی سزا تو ملنی تھی۔ اس وقت تک دھول کی دھند چھٹ چکی تھی کہ ایک کالے بھجنگ شخص نے دوبارہ پوچھا جو پسنجر سیٹ پر بیٹھا ہوا ان کا لیڈر دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے لہجے اور انداز میں جو اکھڑپن تھا وہ مجھے بہت برا لگا۔ اس لیے میں نے بھی ٹیڑھے انداز

میں پوچھا۔

''اُوئے، تجھے کس جمال کی تلاش ہے۔''

''جو رات میلے سے لڑکی اٹھا کر لایا ہے اور میں جانتا ہوں کہ وہ تو ہے۔ چل۔! وہ لڑکی ہمیں دے دے ہم تمہیں کچھ نہیں کہیں گے۔'' اس نے اپنے پیلے دانتوں کی نمائش کرتے ہوئے اسی اکھڑ پن سے حکم صادر کیا۔

اس وقت فوراً ہی میرے ذہن نے سوچا کہ اسے کیسے معلوم کہ لڑکی میرے پاس ہے۔ میں نے پہلے کبھی اسے یہاں نہیں دیکھا۔ بارہ گھنٹے سے زیادہ وقت ہو گیا تھا۔ سوہنی نے گھر سے باہر قدم نہیں نکالا۔ پھر یہ کون ہے؟

''کون..... کیسی لڑکی..... تو ہوش میں تو ہے کیا بک رہا ہے؟'' میں نے تیز لہجے میں کہا تو وہ اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھ کر بولا۔

''یہ ایسے نہیں مانے گا' چل اس کے گھر چل' وہاں سے لڑکی لے آتے ہیں۔ دیکھتے ہیں یہ سورما کیا کرتا ہے؟''

اگلے ہی لمحے ڈرائیور نے جیپ بڑھا دی۔ وہ میرے گھر سے چند قدم کے فاصلے پر تھے۔ چند لمحوں میں وہ میرے گھر کے سامنے تھے۔ میں تیزی سے مڑ کر ان کی جیپ کے سامنے آ گیا۔ مگر ان میں سے کوئی اُترا نہیں تھا۔ میں نے اونچی آواز میں پوچھا۔

''اوئے رکو' کیا چاہتے ہو تم لوگ؟''

''بڑا بے وقوف ہے تو' ابھی تجھے بتایا ہے..... خیر..... چل جلدی سے لڑکی نکال لا باہر ورنہ پھر ہم تو نکال ہی لائیں گے اسے۔'' اس کے لیڈر نے استہزائیہ انداز میں کہا تو خون میرے دماغ میں ٹھوکریں مارنے لگا۔ میں نے خود پر قابو رکھتے ہوئے تحمل سے پوچھا۔

''تو میرے ہی گھر کے سامنے کھڑا مجھے دھمکی دے رہا ہے۔ تمہاری خیر اسی میں ہے کہ تو جدھر سے آیا ہے ادھر ہی واپس چلا جا۔ میں نہیں جانتا کہ تو کس کا کتا ہے جیسے ہی مجھے معلوم ہوا میں خود جا کر اس گھٹیا حرکت کے بارے میں پوچھ لوں گا۔''

میرے یوں کہنے پر اس نے زوردار قہقہہ لگایا۔ پھر تضحیک آمیز انداز میں میری طرف دیکھ کر دوبارہ قہقہہ لگایا۔ پھر چند لمحے میری طرف دیکھتے رہنے کے بعد وہ جیپ سے اترنے لگا۔ مگر میں اسے کب موقع دیتا اس سے پہلے کہ اس کا پاؤں زمین پر پڑتا۔ میں نے چشم زدن میں پسٹل نکالا اور اس کی پنڈلی پر فائر کر دیا۔ میں نے اپنی جگہ تبدیل کی اور دوسری طرف پہلو میں آ کر اس کے کاندھے میں فائر جھونک دیا۔ اس سے پہلے کہ دوسرے اپنا اسلحہ سیدھا کرتے میں نے پورا میگزین ان پر خالی کر دیا۔ یہ سب آدھے منٹ کے دورانیے میں ہوا۔ مجھے میگزین بدلنا تھا۔ میں اچانک ہی سامنے والے گھر میں داخل ہو گیا۔ میں نے تیزی سے میگزین نکالا اور بدلتے ہی دیوار پر چڑھنے لگا چند لمحوں میں دیوار کے اوپر سے باہر دیکھا۔ ان کی حالت نازک تھی۔

''جس نے بھی حرکت کی وہ اپنی زندگی سے جائے گا سر پر ہاتھ رکھ کر جیپ سے نیچے اتر آؤ۔''

جس وقت میں یہ کہہ رہا تھا، ان میں سے ایک سیانے نے اپنا دایاں ہاتھ قریب پڑی گن کی طرف بڑھایا۔ میں نے اس کے ہاتھ کا نشانہ لیا اور فائر کر دیا۔ وہ چیخ مار کر الٹ گیا وہ سبھی سہم گئے۔ شاید انہیں اس قدر فائر ہونے کی توقع نہیں تھی۔ وقت سے پہلے ہو جانے والا اندازہ ہی انسان کو یا تو فتح سے ہمکنار کر دیتا ہے یا مات اس کے مقدر میں ہوتی ہے۔ ان کا اندازہ غلط ہو گیا تھا۔ ممکن ہے انہوں نے یہی خیال کیا ہو کہ وہ ایک چیونٹی کو مسلنے کے لیے جا رہے ہیں۔ وہ لیڈر بھی میری جانب پھٹی پھٹی مگر دردناک نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ اس کے کاندھے پر رکھا ہوا ہاتھ خون سے تر ہو چکا تھا۔ فائرنگ کی

آواز سے گلی کے دروازے کھل کر بند ہو گئے تھے۔ میں نے پسٹل کی نال سے انہیں جیپ سے اترنے کا اشارہ کیا۔

''اب بتاؤ' تم میں سے پہلے کس نے مرنا ہے؟''

میرے یوں کہنے پر دوسروں کے تو چہروں پر رنگ آ کر گزر گئے مگر ان کا لیڈر اپنے حواس میں تھا اس نے پینترا بدلتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے جمال' تو بھاری پڑ گیا ہے، ہمیں جانے دے۔''

''ٹھیک ہے' یہ بتا دو کہ تمہیں کس نے بھیجا ہے میں تجھے جانے دوں گا۔'' میں نے سرد لہجے میں پوچھا تو وہ چند لمحے تذبذب میں پھر اپنی پشت پر موجود ساتھیوں کی آہ بکا سن کر بولا۔

''پیرزادہ وقاص نے.....!'' اس نے کہا تو میں ایک دم سے چونک گیا۔ اسے کیسے معلوم ہوا کہ سوہنی میرے پاس ہے۔ یہی سوال میں نے اس سے کیا تو وہ بولا۔

''یہیں اس گاؤں سے پتا چلا ہے اس لڑکی کے ساتھ والے پیرزادہ کے پاس ہیں۔'' اس نے دردناک لہجے میں کہا۔ اس کی آواز اب ڈوبنے لگی تھی یا وہ ڈراما کر رہا تھا۔

''ٹھیک ہے تم لوگ جاؤ' اسے کہنا کہ لڑکیوں کے ساتھیوں کو یہاں بھیج دے میں لڑکی انہیں دے دوں گا اور ہاں، اسے بتا دینا میں نے لڑکی کو اغوا نہیں کیا بلکہ وہ میرے ساتھ خود آئی ہے۔'' یہ کہتے ہوئے مجھے شدید غلطی کا احساس ہوا۔ وہ کچھ دور جا کر اسلحے کے بل بوتے پر کچھ بھی کر سکتے تھے۔ میں نے ان کے ہر بندے کو زخمی کیا تھا۔ میں اگر اس وقت ان پر رحم کرتا تو ممکن تھا کہ وہ مجھے جان سے مار دیتے۔ وہ فطری طور پر سیدھے ہوئے ہی تھے کہ میں نے کہا۔

''جیپ چھوڑو پیدل جاؤ یہاں سے۔ دس تک گنتی گنوں گا..... پھر جو بھی نشانے پر چڑھا میں اسے مار دوں گا..... ایک.....!'' میں نے کچھ ایسے انداز میں کہا تھا کہ فوراً ہی ان میں ہلچل مچ گئی۔ میرے پسٹل تاننے کی دیر تھی۔ وہ طوعاً کرہاً جیپ سے اترے اور تیزی سے واپس گلی میں چل دیے۔ حالانکہ ایک سے چلا نہیں جا رہا تھا۔ میں جان بوجھ کو دھیرے دھیرے گن رہا تھا۔ سات' آٹھ تک پہنچا تھا کہ وہ گلی سے نکل گئے۔ میں جب تک دیوار سے نیچے آیا گلی میں سے کئی مرد اور عورتیں نکل آئے۔ میں نے کسی کے سوال کا جواب نہیں دیا بلکہ میرا ذہن اس وقت تیزی سے یہی سوچ رہا تھا کہ پیرزادہ وقاص تک سوہنی کے بارے میں معلومات کیسے پہنچیں؟ کیا گاؤں میں اس کا کوئی مخبر ہے یا پھر مخبری پر کسی کو مامور کر دیا گیا ہے؟ ان سوالوں کے جواب کا یہ وقت نہیں تھا۔ اس وقت میں شدید خطرے میں تھا۔ پیرزادہ وقاص کو دہری چوٹ دے چکا تھا۔ ان بارہ گھنٹوں میں اس کے کئی بندے زخمی کر دیے تھے۔ وہ ایسا بے وقوف بھی نہیں تھا کہ خاموش بیٹھا رہتا۔ اب اس کا حملہ ایسا نہیں ہونا تھا کہ جسے میں روک سکتا۔ میں نے تیزی سے جیپ کی تلاشی لی' سارا اسلحہ ایک جگہ اکٹھا کیا پھر اسے اٹھا کر گھر کی جانب پلٹا ہی تھا کہ گیٹ کی جھری سے سوہنی دکھائی دی جو مجھے دیکھ رہی تھی۔ گلی میں موجود کسی بھی مرد یا خاتون نے مجھ سے کوئی سوال نہیں کیا۔ میں نے پاؤں کی ٹھوکر سے گیٹ کھولنا چاہا مگر اس سے پہلے سوہنی نے کھول دیا۔

''مجھے لینے آئے تھے وہ.....؟'' اس کے لہجے میں خوف سے زیادہ تجسس تھا۔ جبکہ کچھ فاصلے پہ کھڑی اماں دکھ بھرے چہرے کے ساتھ مجھے دیکھ رہی تھی۔

''ہاں' تجھے لینے..... تیرے سارے سنگی ساتھی ان کے پاس ہیں۔'' میں نے اسے جواب دیا اور تیزی سے سیڑھیاں چڑھتا چلا گیا۔ میں نے اوپر والے کمرے پر پڑے تالے کو مخصوص انداز میں دبایا تو وہ کھل گیا۔ یہ میری خاص تکنیک تھی۔ اس تالے کی چابی نہیں تھی۔ دروازہ کھول کر میں نے اسلحہ ایک طرف رکھا۔ دروازہ بند کیا اور نیچے آ گیا۔ اماں اب افسردہ اور حیرت زدہ سی چارپائی پر بیٹھی ہوئی تھی۔

''تو کیا سمجھتا ہے کہ یہ پیرزادے تھے..... سردار شاہ دین کی چال بھی تو ہو سکتی ہے۔'' ماں نے دھیرے سے کہا۔ اس سے پہلے کہ میں جواب دیتا سوہنی نے خوف زدہ لہجے میں کہا۔

''دیکھو میری وجہ سے خون خرابہ ہو سکتا ہے۔ وہ اب بھرپور حملہ کر سکتے ہیں۔ مجھے بتا دو کہ وہ پیرزادہ کدھر رہتا ہے میں خود چلی جاتی ہوں وہاں۔''

''بکواس مت کرو۔'' میں نے انتہائی غصے سے کہا تو اس نے چونک کر میری طرف دیکھا۔ ''یہ میرے مزاج کے خلاف ہے کہ کوئی زبردستی مجھ سے کچھ چھین لے' یا جو میں نے کہا ہے ویسا نہ ہو۔ میں نے انہیں کہہ دیا ہے کہ وہ تجھے یہاں سے آ کر لے جائیں تو لے جائیں۔''

''اس کا مطلب ہے میں اب تمہاری قیدی ہوں؟'' اس کے لہجے میں خوف کے ساتھ تشویش جھلک رہی تھی۔ وہ میری بات کے کچھ اور ہی معنی لے بیٹھی تھی۔ تب میں نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''کوئی یوں دھونس جما کر تمہیں مجھ سے لے جائے' ایسا ممکن نہیں، تیرے سنگی ساتھی آ جائیں تو لے جائیں تمہیں..... مجھے کوئی اعتراض نہیں۔''

''پتر! میرا من نہیں مانتا کہ پیرزادہ ایسا کر سکتا ہے تم ایسے کرو' جاؤ اور اس سے رابطہ کرو تم پر سارا معاملہ کھل جائے گا۔''

ماں کا کہنا میرے لیے حکم کا درجہ رکھتا تھا۔ میں نے سوہنی سے کوئی بات نہیں کی اور باہر نکل گیا۔ میرا رخ پھر سے اچھو کریانے والے کی دکان کی طرف تھا۔ میں نے جاتے ہی پیرزادہ وقاص کا نمبر ملانے کے لیے کہا۔ وہ علاقے کا معروف آدمی تھا۔ ایسے سارے لوگوں کے نمبر اس کے پاس ہوتے تھے۔ اس نے نمبر ڈائل کر کے ریسیور مجھے تھما دیا۔ دوسری جانب رنگ بجنے لگی۔ چند گھنٹیوں کے بعد فون ریسیو کر لیا گیا۔

''ہیلو۔'' دوسری جانب سے پیرزادہ وقاص کی آواز ابھری تو میں نے بڑے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

''میں نور نگر گاؤں کا جمال بات کر رہا ہوں۔ ابھی کچھ بندے بھیجے تھے میری طرف تو نے کیا وہ واپس پہنچ گئے ہیں تیرے پاس؟''

''ابھی تک تو میں نے کوئی بندہ نہیں بھیجا تیری طرف۔ اگر بھیجتا تو وہ تجھے لے کر میرے پاس آ جاتے، تم یوں فون پر بات نہ کرتے۔ ویسے ابھی مجھے پتا چلا ہے کہ ایک طوائف تیرے پاس ہے۔ تصدیق ہوتے ہی بھیج دوں گا بندے۔ اچھا کیا تو نے فون کر لیا۔ بتا وہ ہے تیرے پاس؟''

''ہاں وہ میرے پاس ہے جو بندے تو نے بھیجے تھے میں نے انہیں زخمی کر کے واپس تیرے پاس بھیج دیے ہیں۔ جھوٹ کیوں بولتا ہے مرد ہے تو سچ بول۔'' میں نے تیزی سے کہا۔

''کہا نا میں نے نہیں بھیجے اگر میں اپنے بندے بھیج دیتا نا وہ لڑکی لے کر ہی آتے۔ یہ تم اچھی طرح جانتے ہو۔'' اس نے غراتے ہوئے کہا۔

''تو پھر تجھے کیسے پتا چلا؟ انہوں نے تو یہ بتایا ہے کہ اس لڑکی کے سنگی ساتھی تیرے پاس ہیں اور باقی رہی بندے بھیجنے کی بات تو اپنا یہ شوق بھی پورا کر لے۔ میں تیرے انتظار میں ہوں۔ خود آ نا ان کے ساتھ۔'' میں نے بھی اسی لہجے میں جواب دیا تو اس نے کافی حد تک تحمل بھرے لہجے میں کہا۔

''دیکھ جمال' میں تیرے جیسے ہیرے کی قدر کرتا ہوں لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ تو میرے ساتھ اونچی آواز میں بات کرے۔ تیرے جیسے کئی فنکار میرے ڈیرے پر پڑے ہوئے ہیں لیکن میں اسے شہہ زوری نہیں مانتا۔ وقت جس

کے ہاتھ میں ہو، وہی شہہ زور ہوتا ہے اور وہی طاقت ور..... میرے ساتھ دھیمے لہجے میں بات کر بتا اصل بات کیا ہے؟''

''وہی جو میں تم سے پوچھ رہا ہوں۔'' میں نے سکون سے کہا تو وہ نرم لہجے میں بولا۔

''تو سن اس لڑکی کے سارے ساتھی میرے ڈیرے پر پڑے ہوئے ہیں۔ اس لڑکی کے انتظار میں، مجھے کہا گیا ہے کہ دوپہر سے پہلے وہ ان تک پہنچ جائے گی۔ اب یہ مجھے نہیں معلوم کہ کیسے، لیکن یہ غلط بات ہے کہ میں نے کوئی بندے تمہارے طرف بھیجے ہیں۔''

''تو پھر تو بھی سن' تیرا نام لے کر چھ بندے میرے گھر پر حملہ کرنے آئے تھے۔ تاکہ اس لڑکی کو اٹھا کر لے جائیں۔ میں نے تم سے اس لیے پوچھا ہے کہ سازش کرنے والے نامردوں والا کام کب سے کرنا شروع کر دیا ہے'' میرے لہجے میں انتہائی درجے کی تلخی گھلی ہوئی تھی۔

''اچھا کیا' اچھا کیا تو نے مجھے بتا دیا۔ میرے بندے مر تو جاتے لیکن لڑکی ضرور لاتے۔ تم نے اپنی باتوں میں خود ہی اشارہ دے دیا ہے کہ سازش کرنے والا نامرد کون ہے۔ میں اسے خود دیکھ لوں گا۔ اب تو دیکھ تجھے کیا کرنا ہے۔'' یہ کہہ کر وہ دھیرے سے ہنس دیا تو میں بھی قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

''وقت جس کے ہاتھ میں ہو گا فیصلہ اسی کے حق میں ہو جائے گا۔ وہ لڑکی میرے پاس ہے اس کے ساتھی بھیج دو' میں لڑکی انہیں دے دوں گا۔ حملہ آوروں کی جیپ میرے گھر کے باہر کھڑی ہے، دیکھتا ہوں وہ جیپ کون لے کر جاتا ہے۔''

''چلو طے ہوا لڑکی کے ساتھی تیرے پاس آ جاتے ہیں لیکن انہیں ان کے ٹھکانے تک بحفاظت پہنچانا اب تیری ذمہ داری ہو گی۔ ہے تم میں اتنا دم؟''

اس نے بڑا خوب صورت پینترا بدلا تھا۔ اس نے اتنے اچھے انداز میں مجھے دھمکی دی کہ میں ایک بار تو جھوم اٹھا اس نے میرے حوصلے کو چیلنج کر دیا تھا۔

''میں یہ ذمہ داری قبول کرتا ہوں پیرزادہ وقاص.....!''

''مجھے تم سے یہی امید تھی لو پھر کرو انتظار' بھجوا رہا ہوں انہیں۔ رب راکھا۔'' اس نے جوش سے کہا اور فون بند کر دیا۔ میرے ہاتھ میں ریسیور میں ٹوں ٹوں کے سوا کچھ نہیں تھا۔ میں نے بے دھیانی میں ریسیور رکھا اور سوچ میں پڑ گیا وہ کیا کھیل کھیلنا چاہتا تھا۔

☆.....☆.....☆

جالندھر شہر کے باہر ہی انوجیت نے گاڑی ایک ذیلی سڑک پر موڑ دی۔ اس کا سارا دھیان ڈرائیونگ پر تھا۔ دوپہر ڈھل رہی تھی۔ جب انوجیت نے اپنی جیپ میں سے سیل فون نکالا اور نمبر تلاش کر کے پش کر دیا۔ لمحوں بعد رابطہ ہو گیا تو اس نے کہا۔

''جی ہم جالندھر سے اوگی کے راستے پر ہیں۔۔۔ بس آپ دیکھ لیں کتنی دیر لگے گی۔۔۔ ہاں۔۔۔ بس پہنچ کر اطلاع دیتا ہوں۔''

اتنا کہہ کر اس نے فون بند کر کے پھر جیب میں ڈال لیا۔ جس پر جسپال نے کوئی دلچسپی ظاہر نہیں کی۔ حالانکہ اندر سے تجسس ابھرا تھا۔ چاہے گاؤں اس کا اپنا تھا لیکن وہاں پر اس کا کوئی جاننے والا نہیں تھا اور اس انوجیت سے بھی تو وہ آج ہی ملا تھا۔ چاہے پچھلے دو برسوں سے رابطہ تھا۔ آگے حالات کیا ہوتے ہیں۔ اس کا اسے خوف نہیں تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ اتنا حوصلہ کر کے وینکوور ہی سے نہ آتا۔ ان دونوں کے درمیان خاموشی طویل ہو گئی۔ چونکہ انوجیت کا یہ رستا دیکھا بھالا تھا۔ اس لیے وہ تیز رفتاری سے گاڑی بھگائے جا رہا تھا اور اس کی ساری توجہ سڑک پر تھی۔ یوں جسپال نے بھی اسے باتوں میں لگانا

مناسب نہیں سمجھا۔ دوپہر ڈھل رہی تھی جب انوجیت نے اپنی طویل خاموشی توڑتے ہوئے کہا۔

''لے بھئی جسپال سنگھ جی، وہ سامنے جو گاؤں نظر آ رہا ہے نا، وہی تیری منزل ہے۔ تیرا پنڈ اوگی۔''

اس نے دیکھا' ہرے بھرے کھیتوں کے سرے پر سے آبادی شروع ہوتی تھی لیکن اس کا دوسرا کنارہ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اس کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔

''ارے یہ تو کافی بڑا گاؤں ہے۔''

''او یار' تقسیم ہند کے وقت اس پنڈ کی تین نمبرداریاں تھیں اور تین پنچوں پر ایک سرپنچ تھا۔ اب تو اتنی آبادی ہوگئی ہے چاہے اس پنڈ کو تحصیل کا درجہ دے دو۔ تم خود دیکھ لینا۔'' اس کے لہجے میں کافی حد تک تفاخر تھا۔

''ہاں' وہ تو دیکھوں گا سب کو ہی دیکھوں گا۔'' اس نے ایک طویل سانس لیتے ہوئے کہا۔ شاید انوجیت نے اس کی بات پر دھیان نہیں دیا تھا۔ ورنہ وہ اس کے لہجے پر چونکتا ضرور۔ اس وقت انوجیت نے گاڑی سڑک کنارے کھڑی کردی تھی۔ جبکہ گاؤں ابھی فرلانگ بھر کے فاصلے پر تھا۔ اس سے پہلے کہ جسپال اس سے رکنے کی وجہ پوچھتا وہ خود ہی اپنی طرف سڑک کے دائیں جانب ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

''وہ دیکھو' وہ بڑی ساری کوٹھی' کھیتوں کے درمیان۔''

''ہاں' دیکھ رہا ہوں۔'' جسپال نے سرخ اور سفید دو منزلہ خوب صورت کوٹھی کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔ ایک پختہ راستا سڑک سے کوٹھی تک جا رہا تھا۔ سبز کھیتوں کے درمیان چمکتی ہوئی دھوپ میں وہ گھر بہت خوب صورت لگ رہا تھا۔ تبھی انوجیت نے کہا۔

''یہ وہ گھر ہے جہاں میں رہتا ہوں۔''

''اچھا ہے۔'' جسپال سنگھ نے دل سے تعریف کی۔

''اب بتا پہلے گھر جانا ہے یا سیدھے وہاں جاؤ گے جہاں تمہارا آبائی گھر تھا' بولو۔'' اس نے اس قدر اعتماد سے کہا کہ جسپال چند لمحوں کے لیے حیران رہ گیا۔ تبھی اس نے پوچھا۔

''تو میرے آبائی گھر کے بارے میں کیسے جانتا ہے جبکہ میں نے تجھے کبھی نہیں بتایا۔''

''یہ سب کچھ میں نہیں میری بے بے بتائے گی۔ بس تو اپنے دماغ پر بوجھ نہ ڈال۔ تجھے سب پتا چل جائے گا۔'' انوجیت نے اس قدر اپنائیت سے کہا کہ وہ مزید سوال نہ کرسکا۔ اس لیے بڑے سکون سے بولا۔

''تو پھر انوجیت جیسے تمہاری مرضی۔''

''ٹھیک ہے۔'' اس کا عندیہ پاتے ہی انوجیت نے اپنا سیل فون نکالا اور نمبر پش کرکے رابطہ ہوجانے کا انتظار کرنے لگا۔ پھر کچھ لمحوں بعد بولا۔

''جی' ہم پہنچ گئے ہیں اور حویلی کی طرف جائیں گے پہلے، پھر واپس آ کر باتیں ہوتی رہیں گی۔''

اس پر جسپال کچھ نہیں بولا اس نے طے کرلیا تھا کہ دیکھیں انوجیت کیا کرتا ہے۔ کچھ ہی دیر بعد انوجیت نے وہ فرلانگ بھر فاصلہ طے کیا اور گاڑی گاؤں کے داخلی راستے پر ڈال دی۔ مختلف گلیوں سے ہوتا ہوا وہ ایک چوراہے میں آ گیا، جو کافی کشادہ تھا۔ چوراہے کے درمیان میں ایک برگد کا درخت تھا۔ جس کے اردگرد گول پختہ تھڑا بنا ہوا تھا اور وہاں پر کافی سارے مختلف عمر کے لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ یہ گاؤں کی ''ستھ'' (چوپال) تھی۔ ان لوگوں سے کچھ فاصلے پر انوجیت نے گاڑی روک دی۔ پھر اترتے ہوئے بولا۔

''اس گاؤں میں ایسی چھ اور ستھ ہیں لیکن سب سے پرانی یہی ہے۔ یہیں سارا دن یہ بوڑھے اور فارغ لوگ اپنا

وقت گزارتے ہیں دیکھو۔! کوئی تاش کھیل رہا ہے، کوئی کنتوری اور کچھ۔۔۔''

''مطلب یہ گاؤں کا کلب ہے۔'' جسپال نے کہا اور دوسری جانب سے اتر گیا۔ دوسری بار اس گاؤں کی مٹی اس کے پاؤں تلے آئی تھی۔ اس کے لیے یہ سب نیا تھا' بالکل انوکھا۔ بھارتی پنجاب کا حقیقی رنگ۔ وہ رنگ جو اس نے پہلے اس نے کبھی فلموں یا تصویروں میں بھی نہیں دیکھا تھا۔ اس نے سنا ہی تھا کہ پنجاب کا علاقہ بہت امیر ہے اور یہ حقیقت ہے کہ چاہے بھارتی پنجاب ہو یا پاکستانی پنجاب، علاقہ امیر ہے لیکن وہاں کے بیشتر سے زیادہ لوگ غریب ہیں۔ اس کی وجہ صرف اور صرف وہی لوگ ہیں جو سیاسی اور معاشی طور پر مضبوط ہیں اور دوسرے لوگوں کا حق غصب کر جاتے ہیں۔ یہ سیاست بھی بڑا بے غیرتانہ کھیل ہے۔ جس کھیل کی بنیاد ہی منافقت ہو۔ اس میں انسانی فلاح کا پہلو کہاں سے آ سکتا ہے۔ اب معلوم نہیں اس نے یہاں کے اور کتنے رنگ دیکھنا تھے۔ یہ تو قسمت اور زندگی پر منحصر تھا کہ وہ اس کا ساتھ دیتی بھی یا نہیں۔ وہ ان لوگوں کو غور سے دیکھ رہا تھا جبکہ وہ سارے جو کچھ بھی کر رہے تھے سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اس کی طرف متوجہ ہوگئے تھے۔ اس نے دور ہی سے ہاتھ جوڑ کر سب کو فتح بلائی اور انوجیت کی طرف متوجہ ہوگیا۔ جو اس کی پشت کی جانب ایستادہ بڑی ساری حویلی کو دیکھ رہا تھا۔

''یہ ہے تمہاری آبائی حویلی جسپال۔! اٹھائیس برس سے یہ ویسی کی ویسی ہے۔'' انوجیت نے کہا تو جسپال کے دل پر ایک گھونسہ لگا۔ اس نے اپنی ڈبڈبائی آنکھوں سے اس بدقسمت حویلی کو دیکھا جس کے سارے مکین اٹھائیس سال پہلے قتل کرکے جلا دیے گئے تھے۔ اس حویلی کی حالت اپنی خاموش زبان سے خود ہی بتا رہی تھی کہ اس پر اور اس کے مکینوں پر کیا قیامت گزری ہوگی۔ اٹھائیس برس پہلے اٹھنے والے دھویں سے جو سیاہی آئی تھی وقت نے اسے مزید سیاہ کردیا تھا۔ نجانے کتنے ساون اور کتنی بارشیں ہوئی ہوں گی۔ مگر اس حویلی کی قسمت میں سیاہی ہی رہی۔ جلا ہوا پھاٹک بند تھا۔ شاید لوگوں نے پانی ڈال کر آگ بجھائی ہوگی۔ لوہے' پیتل کے کنڈوں کے درمیان میں سے اندر کا بھیانک پن دکھائی دے رہا تھا۔ تبھی اس نے بھیگتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''انوجیت' کیا کبھی کوئی اس حویلی کے اندر نہیں گیا؟''

''نہیں جسپال سچ پوچھو تو لوگ اس حویلی کے اندر جانے سے ڈرتے ہیں۔'' انوجیت نے دکھی لہجے میں کہا۔ تب اس نے حیرت سے پوچھا۔

''وہ کیوں؟''

''یہ حویلی سن چوراسی کے مئی میں مکمل ہوئی تھی اور اسی مہینے سب لوگ اس میں آ کر رہنے لگے تھے۔ جولائی میں یہ سانحہ ہوگیا اور لوگ اس حویلی کو منحوس خیال کرنے لگے اور اب تک کرتے ہیں۔''

یہ سن کر جسپال مزید کچھ نہیں بولا بلکہ اسے خود پر قابو پانے میں کئی لمحے لگ گئے۔ پھر اس نے اپنی ہمت جمع کی اور دھکیل کر پھاٹک کو کھولا۔ ذرا سی چرچراہٹ کے بعد وہ کھلتا چلا گیا۔ ڈیوڑھی میں گند بھرا پڑا تھا۔ وہ چلتا چلا گیا۔ آگے صحن میں بھی حالت ویسی ہی تھی۔ صرف ایک سرسبز درخت کھڑا تھا۔ نیم کا سرسبز درخت' جس کے پتے اٹھائیس برس سے گر رہے تھے اور ان سے صحن میں سرانڈ بسی ہوئی تھی۔ وہ صحن پار کرکے طویل برآمدے میں آ گیا۔ سیاہ کمرے اس کی آنکھوں کے سامنے تھے۔ پھر اس کی آنکھوں کے سارے منظر ڈوب گئے۔ یہیں اس حویلی میں یہاں' صحن' برآمدے اور ان کمروں میں اس کا باپو' ماں' تائے' تائیاں' چاچا' چاچی ان کے بچے' اور پھوپھی..... سب زندہ رہے تھے اور اب..... ایک دم سے کہرام زدہ چیخ و پکار اس کے کانوں میں گونجنے لگی۔ ہوائیں بین کرنے لگیں۔ دیواریں ماتم کناں ہونے لگیں۔ اس آہ و بکا میں وہ جی کڑا کرکے وہیں کھڑا رہا۔ اس کے اندر نفرت کا الاؤ پوری قوت سے تڑتڑانے لگا تھا اور وہ لمحات کسی تیل کی مانند اسے

مزید بھڑکا رہے تھے۔ رگوں میں دوڑتے ہوئے خون میں ہر خلیہ نفرت میں بھیگا ہوا تھا۔ جس میں انتقام رچ بس گیا تھا۔ نفرت اور انتقام دونوں مل کر اس کا جسم پھاڑ دینے کو تھے اور وہ خود کو ٹوٹ جانے سے بچا کر اپنے آپ پر قابو پا رہا تھا۔ ان لمحات میں اگر وہ خود پر قابو نہ رکھ پاتا تو ساری زندگی کی ریاضت ضائع ہو جانے والی تھی۔ ایسے وقت میں جبکہ وہ خود کو سنبھال رہا تھا۔ اس کی پشت پر ایک نرم سا ہاتھ آن ٹھہرا۔ اسے لگا جیسے بھڑکتی ہوئی آگ پر ساون کی رم جھم پھوار پڑنے لگی ہے۔ وہ چونک گیا اس نے آہستگی سے مڑ کر دیکھا۔ نگاہوں میں ممتا' چہرے پر موٹے نقوش' کھلتے ہوئے رنگ میں سے جھلکتا خلوص' سر پر موتیا رنگ کا آنچل لیے فربہ مائل بزرگ سی خاتون اسے پرشوق نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

''پتر جسپال' میں انوجیت کی بے بے ہوں، تیری پھوپھو سکھ جیت کور کی گہری سہیلی کلجیت کور۔''

''کلجیت کور.....! آپ۔'' جسپال سنگھ نے حیرت سے اس کے چہرے پر دیکھتے ہوئے کہا۔ یہ نام اس نے اپنی پھوپھو سے بارہا سنا تھا۔

''ہاں پتر! تو چل میرے ساتھ گھر وہیں چل کر باتیں کرتے ہیں۔ میں اس لیے یہاں آئی ہوں تو جتنی دیر یہاں ٹھہرے گا اتنا ہی.....!'' یہ کہتے ہوئے کلجیت کور کا اپنا گلا رندھ گیا۔

جسپال نے چند لمحے کلجیت کور کے چہرے پر دیکھا جو شدت جذبات سے سرخ ہو گیا تھا۔ پھر وہ اس کے گلے لگ گیا۔ اسے یوں لگا جیسے وہ بہت دنوں کے بعد اپنی پھوپھو سے مل رہا ہو۔ ایک دوسرے سے جدا ہوئے تو جسپال نے اس کا ہاتھ پکڑ کر باہری جانب چل دیے۔ صحن میں پھیلے ہوئے نیم کے درخت طرف دیکھتے ہوئے کلجیت کور نے کہا۔

''صرف یہی بچا ہے' تیری طرح..... تیری اور اس کی عمر ایک جتنی ہے غور کر پتر جسپال۔ اس درخت کو پالنے والا دنیا میں کوئی شخص نہیں ہے، پر رب تو ہے پالنے والا' دیکھ جسے کوئی نہیں پالتا رب اس کو پھل دینے والا بنا دیتا ہے۔ اسے کسی نے نہیں تراشا، پر رب نے اس کو کس قدر سبز و شاداب کر دیا ہے۔ میری یہ بات پلے باندھ لے پتر۔''

ان جذباتی لمحوں میں جسپال نے کلجیت کور کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے کہا۔

''پھوپھو وعدہ کریں آپ مجھے وہ سب کچھ سچ بتا دیں گی جو میں نہیں جانتا۔''

''ہاں پتر میں سب کچھ بتا دوں گی مگر ایک وعدہ تم نے بھی مجھ سے کرنا ہے۔''

''ایسا کوئی وعدہ مت لینا پھوپھو جسے میں پورا نہ کر سکوں۔'' جسپال نے سوچتے ہوئے کہا۔

''چل پھر چھوڑ' بعد میں بات کریں گے آؤ چلیں۔'' وہ مایوسی بھرے لہجے میں بولیں اور باہر کی جانب چل دیں۔ وہ اس کے ساتھ ساتھ چلتا ہوا باہر تک آ گیا۔

باہر لوگوں کا ٹھٹ لگ چکا تھا۔ ہر کسی کو یہ معلوم ہو چکا تھا کہ کلوندر سنگھ کا پتر اور اس حویلی کا مالک آ گیا ہے۔ وہ سب اسے دیکھنے کے مشتاق تھے۔ جسپال سنگھ رک کر ان سب کو دیکھنے لگا۔ وہ سب مختلف عمر کے مرد اور عورتیں' جوان' لڑکے لڑکیاں تھیں۔ تب انوجیت نے اپنی بے بے سے کہا۔

''بے بے تم چلو' میں جسپال کے ساتھ تھانے سے ہو کر آتا ہوں۔''

''تھانے' مگر کیوں؟'' جسپال نے پوچھا۔

''کیا تم نہیں جانتے کہ تم غیر ملکی پاسپورٹ پر ویزا لگوا کر بھارت آئے ہو پھر سکھ بھی ہو۔ تھانے میں رپورٹ تو کرنا ہو گی۔ کیونکہ تم غیر ملکی ہو۔ شاید تمہیں اس ملک کا شہری بھی تصور نہ کیا جائے کہ تمہارے پاس اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ تمہارا تعلق اس ملک سے ہے۔'' انوجیت کے لہجے میں طنز کی کاٹ تھی۔ جیسے وہ اس کے بارے میں نہ کہہ رہا ہو بلکہ اپنی قوم کا نوحہ پڑھ رہا ہو۔ اس پر جسپال نے طویل سانس لی اور سکون سے کہا۔

''ٹھیک ہے۔''

جیسے ہی کلجیت کور اپنی سفید کار میں ڈرائیور کے ساتھ واپس چلی گئیں۔ انوجیت اپنی جیپ کی طرف بڑھا۔ جسپال اس کے ساتھ والی نشست پر بیٹھ گیا تو اس نے جیپ بڑھا دی۔ ان کا رخ تھانے کی طرف تھا۔

☆.....☆.....☆

میں بے چینی سے پیرزادہ وقاص کا انتظار کر رہا تھا۔ اب تک اس کی طرف سے آنے والے لوگوں کو آ جانا چاہیے تھا۔ چھا کا تیار ہو کر آیا تو اسے بدلی ہوئی صورت حال کے بارے میں معلوم ہوا۔ اس نے فوراً ہی اپنے چند دوستوں کو اکٹھا کر لیا۔ وہ سب گھر کے باہر مختلف جگہوں پر پھیل گئے تاکہ کسی بھی ناگہانی صورت حال سے نمٹا جا سکے۔ جبکہ میں صحن میں ٹہلنے لگا۔ اماں اور سوہنی بھی صورت حال سے آگاہ تھیں۔ انہوں نے مجھ سے کوئی سوال نہیں کیا۔ میں دو تین بار چھت پر سے ہو کر آ گیا۔ میرے گھر کی چھت سے دور تک سڑک صاف دکھائی دیتی تھی۔ اس بار جب میں چھت پر گیا تو مجھے ایک ہائی ایس وین آتی ہوئی دکھائی دی۔ مجھے اس پر شک ہوا۔ ایسی ویگنیں ہمارے علاقے میں نہیں چلتی تھیں۔ میں نے تیزی سے اپنے ساتھی کو اشارہ کیا۔ پھر خود ہی اتر کر گلی میں آ گیا جہاں میری بائیک پہلے ہی سے کھڑی تھی۔ چھا کے وغیرہ نے گلی میں کھڑی ہوئی جیپ کو دھکا لگا کر گلی کے کنارے لگا دیا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ ہائی ایس گلی میں داخل ہوئی اور پھر میرے دروازے کے سامنے آن رکی۔ اس میں کافی ساری عورتیں اور مرد تھے۔ ان عورتوں کے چہرے شناسا تھے۔ ایک موٹا سا شخص باہر نکلا اور بڑے مودب لہجے میں بولا۔

''وہ..... جی..... سوہنی..... آپ کے پاس.....!''

''وہیں ٹھہرو' ابھی بلاتا ہوں۔'' میں نے کہا اور پلٹ کر گیٹ میں آ گیا۔ سوہنی نیم کے درخت تلے اماں کے ساتھ کھڑی تھی۔ میں نے وہیں سے ہانک لگاتے ہوئے کہا۔ ''آ جاؤ' سوہنی تمہارے لوگ تجھے لینے کے لیے آ گئے ہیں۔''

میرے یوں کہنے پر وہ اماں کے گلے لگ گئی۔ پھر اپنے آنسو پونچھتی ہوئی باہر کی جانب چل پڑی تب میں نے اسے روکتے ہوئے کہا۔

''رک جاؤ۔'' وہ ٹھٹک کر کھڑی ہو گئی۔ میں نے اماں سے کہا۔

''اماں اس کے وہ کپڑے جو یہ پہن کر یہاں آئی تھی وہ تو دے دو اسے۔''

اماں کو جیسے ہوش آ گیا وہ پلٹی اور چند منٹوں میں ایک بڑا سا رشاپنگ بیگ لا کر سوہنی کو دے دیا۔ اس نے اماں کی طرف دیکھا اور پھر تیزی سے میری جانب لپکی۔ اس پر نگاہ پڑتے ہی ویگن میں موجود لوگوں کی جان میں جان آ گئی۔ سوہنی میرے سامنے کھڑی میرے چہرے پر دیکھ رہی تھی۔ اس کا انداز یوں تھا کہ جیسے میرا چہرہ اپنی آنکھوں میں جذب کر رہی ہو۔ پھر آہستگی سے بولی۔

''جمال میں تجھے ہمیشہ یاد رکھوں گی اور تیرا انتظار کروں گی جب چاہے آزما لینا۔''

میں اسے کہنا چاہتا تھا کہ ''جاؤ' یہ ڈائیلاگ بازی مت کرو جانے والے کہاں پلٹ کر دیکھتے ہیں۔'' مگر وہ میرا رد عمل دیکھے اور میری بات سنے بغیر ویگن کی طرف بڑھی اور اس میں سوار ہو گئی۔ جب تک وہ موٹا شخص میرے قریب ہوا اور مودب لہجے میں بولا۔

''پیرزادہ صاحب کا پیغام ہے کہ آپ انہیں فون کر لیں۔''

میں نے اسے کوئی جواب نہیں دیا تو وہ پلٹ کر پسنجر سیٹ پر جا بیٹھا۔ تب تک میں بھی اپنی بائیک پر بیٹھ چکا تھا۔ ان کے بڑھتے ہی میں نے اپنی بائیک بڑھا دی۔ پھر جس وقت وہ چوک پار کر رہے تھے تب تک چھ موٹر سائیکلیں ویگن

کے اردگرد چل پڑی تھیں۔ ہر موٹر سائیکل پر دو دو بندے تھے اور وہ سب اسلحہ سے لیس تھے۔ اگر کچھ ہونا ہوتا تو یہیں ہونا تھا کیونکہ گاؤں کی گلیوں سے نکلتا ہوا یہ قافلہ سڑک پر آ گیا تھا اور سامنے سردار شاہ دین کی حویلی تھی۔ میں پوری طرح چوکنا تھا۔ ویگن نے سڑک پر چڑھ کر شہر کی طرف رخ کر لیا۔ چند کلومیٹر تک ہم ان کے ساتھ گئے پھر پلٹ آئے۔ اس دوران میں نے سوہنی کی جھلک کئی بار دیکھی۔ جب بھی میری نگاہ اس پر پڑی وہ میری طرف ہی دیکھ رہی تھی۔ چھاکے نے انہیں شہر تک چھوڑ کر آنا تھا۔ وہ ان کے ساتھ بڑھ گیا۔ ان کے ساتھ ایک موٹر سائیکل پر دو لوگ تھے۔ میں سمجھ گیا تھا کہ سردار شاہ دین نے مجھے دھمکانے کی کوشش کی تھی جو ناکام ہو گئی۔ میں کسی ایسے ہی وقت کا انتظار کر رہا تھا، جب سردار میرے ساتھ دشمنی کا آغاز کرے اور میرے خیال میں وہ ایسا کر چکا تھا۔ شاید میرا وہ خواب مجھے یہی بتانے کے لئے تھا کہ جس جنگ کی میں بچپن سے خواہش کر رہا تھا، وہ شروع ہونے والی ہے۔

مجھے پیرزادے کو فون کرنا تھا۔ میں نے چوک میں جا کر اسے فون کیا۔ وہ گھر پر نہیں تھا۔ سو میں ڈیرے کی طرف چل دیا۔ اس وقت سہ پہر ہو چکی تھی اور میں ڈنگروں کو چارہ ڈال کر بیٹھا ہی تھا۔ بھیدہ دودھ دوہنے کی تیاری کرنے کے لیے برتن میں پانی بھرنے گیا ہوا تھا۔ اس دن ہمیں دیر ہو گئی تھی۔ میں اور بھیدہ مغرب تک مصروف رہتے۔ ابھی کچھ دیر بعد گوالوں نے آ جانا تھا۔ جو ہم سے دودھ خریدتے تھے۔ اگرچہ دیر ہو جانے کی وجہ سے مجھے بھیدے کا ہاتھ بٹانا تھا مگر میرا ذہن کام کی طرف نہیں تھا۔ بلکہ میں بہت کچھ سوچ رہا تھا۔

پچھلے کئی گھنٹوں میں جو میرے ساتھ پے در پے واقعات پیش آئے تھے۔ مجھے ان کا سرا نہیں مل رہا تھا۔ میرا دماغ بھی میرا ساتھ نہیں دے رہا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ میرا خواب اور یہ واقعات، ان میں کوئی تعلق ہے؟ انہی لمحات میں ڈیرے کی جانب آنے والے کچے راستے پر سفید کرولا آتی ہوئی دکھائی دی۔ اس کے پیچھے دھول اُڑ رہی تھی۔ جس میں دو تین اور بھی گاڑیاں آتی ہوئی دکھائی دیں۔ میں پہچان گیا کہ وہ شاہ زیب کی گاڑی تھی۔ میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ کیونکہ پیرزادہ وقاص کے ساتھ بات کر کے میرا اندازہ تھا کہ وہ میرے پاس ضرور آئے گا۔ اس نے باہر والے پھاٹک پر ہی گاڑی روک دی تو باقی گاڑیاں بھی وہیں رک گئیں۔ وہ اپنی گاڑی سے نکلا اور بڑی بے تکلفی سے تنہا پھاٹک کھول کر اندر ڈیرے میں آ گیا۔ باقی لوگ باہر ہی کھڑے رہے۔ علیک سلیک کے ساتھ وہ چارپائی پر پھیل کر بیٹھ گیا۔ میں اس کے سامنے والی چارپائی پر بیٹھا تو چند لمحے خاموش رہنے کے بعد بولا۔

''پیرزادہ وقاص نے بڑی گہری سازش کر کے مات والا بدلہ لے لیا۔ تم شاید نہ سمجھو لیکن میں جانتا ہوں کہ اس نے میرا بہت بڑا نقصان کر دیا ہے۔''

''کون سا نقصان..... اور کتنا..... سردار شاہ زیب۔'' میں نے کہا تو باوجود کوشش کے طنز کو اپنے لہجے سے الگ نہیں کر پایا۔ تبھی وہ تاسف سے بولا۔

''یہ نقصان روپے پیسے کا نہیں ہے جمال، اس نے جو میرے خلاف تیرے دل میں شک کا زہر اتار دیا ہے نا یہ بہت بڑا نقصان ہے..... یہ نوٹوں سے پورا کرنا بھی ناممکن ہے۔''

''میں سمجھتا ہو سردار جی..... کون کیا کر رہا ہے۔ اتنی عقل ہے مجھ میں۔'' میں نے اس کے چہرے پر دیکھتے ہوئے کہا جہاں افسوس بھرا تاثر پھیلا ہوا تھا۔ میری بات سن کر وہ دھیمے لہجے میں بولا۔

''عقل ہی تو نہیں ہے تجھے، ورنہ تو بھی وقت کے ساتھ چلتا۔ آج تیرا شمار اکھڑ اور بدمزاج لوگوں میں نہ ہوتا۔ تو نے پتا نہیں اپنے لیے کیا معیار بنایا ہوا ہے کہ تجھے کوئی بندہ پسند ہی نہیں آتا۔ مصلحت سے کام ہی نہیں لیتے ہو۔''

''ایک مصلحت ہی تو نہیں آتی مجھے، میں کیوں ایسے بندے کو پسند کروں جو مجھے اچھا نہیں لگتا اور جہاں تک وقت

لی نزاکت کا خیال ہے نا شاہ زیب..... جو حملہ آور میرے گھر پر چڑھ دوڑے تھے۔ انہیں اگر لمحوں کا وقت بھی دے دیتا نا تو وہ مجھے مار کر وہیں پھاٹک پر پھینک جاتے، جہاں ابھی تک ان کی جیپ کھڑی ہوئی ہے۔''

''انہی بندوں کا تو پتا نہیں چل رہا کہ وہ کون تھے۔ ہمیشہ ادھوری بات ہی الجھن پیدا کرتی ہے جمال، کوئی ایک بھی ان کا پکڑ لیتے نا تم، تو آج یہاں آ کر تم سے بات نہ کرنا پڑتی۔ تجھ پر سارا کچھ خود بخود کھل جاتا۔ تیرے اندر جو شک کا ناگ پھنکارنے لگا ہے نا ایسا نا ہوتا.....!'' وہ اس طرح تشویش سے بول رہا تھا کہ جیسے واقعتاً بہت بڑا نقصان ہو گیا ہو۔

''سوچنے والی بات یہ ہے میں نے تم سے کوئی بات نہیں کی، کوئی گلہ، کوئی شکوہ نہ کوئی شکایت اور شاہ زیب نہ ہی کوئی۔'' میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے تجسس سے پوچھا تو وہ غصے سے بولا۔

''ساری کہانی مجھے پیرزادہ وقاص نے فون پر بتائی ہے۔ اس نے یہ بھی کہا ہے کہ رات ہونے سے پہلے پہلے اس نے اپنا بدلہ لے لیا ہے۔ اس نے مجھے اس پوزیشن میں لا کھڑا کیا ہے کہ میں تجھے اپنی صفائی بھی نہیں دے سکتا اور نہ تجھے باور کرا سکتا ہوں کہ یہ سارا کچھ اسی کا کیا دھرا ہے۔ اس نے سازش کی ہے میرے خلاف، تجھے بھڑکانے کے لیے۔ میں اعتراف کرتا ہوں جمال کہ وہ اس میں کامیاب ہے۔''

''ٹھیک ہے مان لیا سردار جی کہ ایسا ہی ہو گا لیکن اس وقت میرے لیے کیا حکم ہے۔'' میں نے پرسکون لہجے میں پوچھا۔

''صرف اتنا کہ میری طرف سے یا پھر حویلی والوں کی طرف سے اپنا دماغ مت خراب کرنا۔ سچ یہ ہے کہ اس نے اپنے غنڈے بھجوائے، وہ اگر کامیاب ہو جاتے تو بھی وہ اپنا بدلہ لے لیتا کہ ہماری ''جو'' (علاقے) سے لڑکی اٹھا کر لے گیا ہے اور اب ناکام ہوا تو ہم نے اپنے ہاتھوں سے لڑکی اسے دی، اپنی حفاظت میں لڑکی کو شہر تک چھوڑا، غور کرو، اس کی سازش کامیاب ہے۔'' وہ تاسف سے بولا۔

''تمہیں معلوم ہے شاہ زیب کہ میں اپنے دماغ سے سوچتا ہوں۔ وہ میں نے سوچ لیا ہے۔ ہاں اس کامیاب سازش کو اگر نا کام کرنا چاہتے ہو تو اب بھی وقت ہے کر سکتے ہو۔ ورنہ میں نے تو وہی کرنا ہے نا جو میں نے سوچا ہے۔''

''وہ کیا؟'' اس نے چونکتے ہوئے کہا۔

''میرے گھر کے سامنے کھڑی ہوئی جیپ، یہ پکی بات ہے کہ وہ چوری کی ہو گی۔ سردار شاہ دین ایم این اے کی پارٹی میں بڑا اثر و رسوخ ہے۔ پولیس والے ان کے اشاروں پر ناچتے ہیں۔ پتا کروا لیں یہ کس نے چوری کی ہے۔ معاملہ صاف ہو جائے گا۔'' میں نے کہا تو وہ سوچ میں پڑ گیا۔ پھر وہ ایک دم سے تن گیا جیسے بات اس کی سمجھ میں آ گئی ہو۔

''ٹھیک ہے اب مجھے صفائی دینے کی ضرورت نہیں، سارا معاملہ پولیس حل کر دے گی۔'' یہ کہہ کر وہ تیزی سے اٹھا اور مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ میں روایتی طریقے سے دونوں ہاتھوں کے ساتھ اس کے ساتھ مصافحہ کیا۔ اس نے اپنی نگاہ میرے چہرے پر ڈالی اور واپس پلٹ گیا۔ میں اسے اس وقت تک دیکھتا رہا۔ جب تک وہ اپنے ساتھ آئے لوگوں کے ساتھ کچے راستے پر گاڑیاں دوڑاتے ہوئے نگاہوں سے اوجھل نہیں ہو گئے۔ میں دھیرے سے ہنس دیا۔ مجھے اپنی انگلی پکڑانے والے اب خود ناچنے لگے تھے۔

مغرب سے ذرا قبل میں نے گھر لے جانے کے لیے دودھ کا برتن بائیک کے پیچھے رکھا اور چل دیا۔ گوالے کب دودھ لے جا چکے تھے۔ ڈیرے سے گھر کا فاصلہ تقریباً اڑھائی کلومیٹر تھا جو سارے کا سارا کچا تھا۔ میں گاؤں میں داخل ہو کر چوک تک آیا تو فضل کمہار نے مجھے روک لیا پھر جلدی سے بولا۔

''ابھی اپنی گلی میں مت جاؤ' ادھر پولیس آئی ہوئی ہے۔ تیرے گھر کے سامنے کھڑی ہے نا وہ جیپ۔''

''پولیس مگر وہ کیوں؟'' میں نے تجسس سے پوچھا، حالانکہ میرے لاشعور میں کہیں تھا کہ ایسا ہی ہونے والا ہے۔ وہ جب بھی بنی، میرے گلے میں پھندا بننے کی وجہ بنے گی۔ اب وہ پھندا بنتی ہے یا نہیں لیکن اس سے یہ تصدیق ہو جاتی تھی کہ حملہ آوروں کا تعلق کن سے تھا، پیرزادہ وقاص' یا سردار شاہ دین؟

''پتا نہیں وہ جیپ کو گھیرے کھڑے ہیں۔ تیری اماں نے تو کہا ہے کہ وہ آئے گا تو اس سے پوچھ لیں۔ وہ آنے والا ہی ہے۔ میں یہاں تیرے انتظار میں کھڑا تھا کہ تجھے بتا دوں۔'' اس نے احسان جتانے والے انداز میں کہا تو میں نے اسے جواب نہیں دیا بلکہ آگے بڑھ گیا۔ میں بھی شدت سے یہ جاننا چاہتا تھا کہ وہ جیپ کس کی ہے۔

گلی میں پولیس والے کھڑے تھے دو پولیس وین ایک جیپ اور جدید ماڈل کی دو کاریں بھی تھیں۔ میں نے بے دھڑک اپنی بائیک ان کے پاس روک دی۔ مجھے دیکھتے ہی وہ الرٹ ہو گئے۔ میں نے دودھ کا برتن اتارا ہی تھا کہ مجھے لگا جیسے وہ میرے گرد گھیرا تنگ کر رہے ہیں۔ تبھی ایک ادھیڑ عمر ایس ایچ او نے مجھے سر سے پاؤں تک دیکھا۔ میں نے اس دوران اس کے سینے پر لگے بیج پر اس کا نام افضل رندھاوا پڑھ لیا تھا۔ اس کا لہجہ کرخت تھا۔

''تم جمال ہو اور یہ گھر تمہارا ہے۔''

''ہاں میں ہی جمال ہوں اور یہ میرا ہی گھر ہے' خیریت.....!'' میں نے پرسکون لہجے میں کہا

''ہم تجھے گرفتار کرنے کے لیے آئے ہیں' چلو ہمارے ساتھ.....!'' وہ بڑے رعب سے بولا۔

''کیوں؟ مجھے گرفتار کرنا ہے؟'' میں نے تجسس سے پوچھا۔ ابھی لفظ میرے منہ میں ہی تھے کہ پشت سے میری گردن پر زوردار گھونسہ پڑا۔ ایک لمحے کے لیے میری آنکھوں کے سامنے تارے ناچ گئے۔ میں ایک دم سے بھنا گیا۔ لاشعوری طور پر جو دودھ والا برتن میرے ہاتھ میں تھا میں نے گھما کر اندازے سے ایک بندے کے سر پر دے مارا۔ اگلے ہی لمحے گنیں اور رائفلیں میری طرف سیدھی ہو گئیں۔ افضل رندھاوا نے انتہائی سرعت سے اپنا ریوالور نکال لیا۔

''خبردار' حرکت مت کرنا۔ ورنہ گولی مار دوں گا۔''

اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ کئی پولیس والے مجھ پر ٹوٹ پڑے۔ دودھ والا برتن میرے ہاتھ سے نکل گیا۔ مجھے نہیں معلوم کہ وہ کتنے لوگ تھے۔ میں مزاحمت میں فقط اتنا بچاؤ کر رہا تھا کہ کوئی ضرب نازک جگہ پر نہ لگے۔ پتا نہیں کتنا وقت گزر گیا، وہ نجانے کتنے تھے جو مجھے پیٹتے رہے۔ میں بے دم سا ہونے لگا۔ مجھے کچھ بھی سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ ایسے میں مجھے کسی نے کمر سے پکڑ کر زمین سے اٹھایا۔ اگلے ہی لمحے کئی ہاتھ میری طرف بڑھے۔ انہوں نے کسی بوری کی مانند پولیس وین میں مجھے پھینک دیا۔ تب مجھے اپنے سر پر شدید چوٹ کا احساس ہوا۔ پھر میں دنیا و مافیہا سے بے خبر ہوتا چلا گیا۔

☆.....☆.....☆

''نام؟''

پولیس چوکی میں تعینات موٹے سکھ آفیسر نے اپنے سامنے کھڑے جسپال کے چہرے پر دیکھتے ہوئے طنز آمیز لہجے میں پوچھا۔

''جسپال سنگھ۔'' اس نے پرسکون لہجے میں کہا۔

''باپ کا نام.....؟'' اس نے یوں تحقیر آمیز لہجے میں پوچھا جیسے باہر سے آنے والے کسی سکھ کے باپ کا کوئی نام نہیں ہوتا۔

''آنجہانی.....کلوندر سنگھ.....'' اس بار پھر اس نے لہجے کو پرسکون رکھا تھا۔

''یہاں کس کے پاس آئے ہو اور کیوں؟'' اس بار پولیس آفیسر کے لہجے میں شک کا زہر گھلا ہوا تھا۔

''میں یہاں اپنے گھر آیا ہوں۔ اس گاؤں میں میرے آباؤ اجداد کا گھر ہے۔ جو، اب بھی موجود ہے۔ میں یہاں پیدا ہوا ہوں اور اب.....'' جسپال نے جذباتی لہجے میں کہنا چاہا تو اس کی بات کاٹ کر آفیسر بولا۔

''لیکن یہ سب تیرے ان کاغذات میں نہیں لکھا ہوا اور نہ ہی یہ میرے سوال کا جواب ہے۔ میں نے جو پوچھا وہ بتاؤ.....'' موٹے آفیسر نے انتہائی حقارت اور ہتک آمیز لہجے میں اُکتاتے ہوئے کہا۔ اس پر جسپال نے گہری سانس لی اور سمجھوتہ کرنے والے انداز میں بولا۔

''میں انوجیت سنگھ کے پاس آیا ہوں۔ یہ میرا دوست ہے۔'' اس نے ذرا فاصلے پر بیٹھے انوجیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ جسپال کے لہجے میں نہ چاہتے ہوئے بھی سرد پن اُتر آیا تھا۔

''کتنے دن کا پروگرام ہے؟'' آفیسر نے یوں کہا جیسے اس کی پہلے والی بات کوئی اہمیت نہ رکھتی ہو۔

''جتنے دن کا ویزہ ہے اور جس کی مدت میں جب چاہے بڑھا سکتا ہوں۔ یہ بات میرے کاغذات میں درج ہے۔'' اس بار لہجے میں سرد پن کے ساتھ طنز بھی اُتر آیا تھا۔ موٹے آفیسر نے ذرا سی آنکھیں موند کر اس کی جانب دیکھا اور سخت لہجے میں بولا۔

''ٹھیک ہے' مگر تمہاری جتنی بھی موومنٹ ہو گی اس کی اطلاع یہاں تھانے میں ہونی چاہیے۔''

''مطلب' میں اس آزاد ملک میں بھی آزاد نہیں ہوں؟'' وہ آفیسر کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

''آزادی ہمیشہ پابندیوں کے ساتھ ملتی ہے مسٹر جسپال سنگھ۔ ہر ملک کے قانون کی پاسداری کرنا پڑتی ہے اور ہم قانون کی حکمرانی ہی کے لیے یہاں بیٹھے ہوئے ہیں۔ اب تمہارے ماتھے پر تو نہیں لکھا ہوا کہ تم.....دہشت گرد نہیں ہو۔ جس قدر یہ چانس ہے کہ تم یہاں امن و امان سے رہ کر واپس چلے جاؤ گے' اتنے ہی چانس یہ بھی ہیں کہ تم کسی دشمن ملک کی سرگرمیوں میں بھی ملوث ہو۔'' سکھ آفیسر نے حقارت' طنز اور اکتاہٹ بھرے انداز میں کہا۔

''آپ ٹھیک کہتے ہو آفیسر' ہر قوم' ہر ملک' ہر محکمہ اور ہر بندے کا اپنا ایک تاثر بھی ہوتا ہے۔ اس کی اپنی قومی روایات بھی ہوتی ہیں۔ اس کے اپنے آباؤ اجداد کا ورثہ بھی ہوتا ہے۔ جس سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ وہ کیسا ہے؟ آپ جبکہ مجھے ایک غیر ملکی اور مشکوک آدمی بنانے پر تُل ہی گئے ہیں تو سنو.....آپ سے ملنے کے بعد بھارت' پنجاب اور خصوصاً سکھ قوم کے بارے میں جو میرا تاثر تھا وہ ختم ہو کر رہ گیا ہے۔'' اس کے لہجے میں بھی نفرت عود کر آئی تھی۔

''کیا مطلب' تم کہنا کیا چاہتے ہو؟'' وہ ایک دم ہتھے ہی سے اکھڑ گیا۔ اس لیے وہ اسی ہی کے لہجے میں بولا۔

''وہی جو تم سمجھ گئے ہو۔ نیا سوال بولو۔'' اس بار جسپال سنگھ باوجود کوشش کے اپنے غصے پر قابو نہ رکھ سکا۔ اس نے صاف لفظوں میں وہی کہہ دیا جو اس کی سمجھ میں آیا تھا۔ پولیس آفیسر چند لمحے سوچتی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر اس نے طنز آمیز لہجے میں اس کے کاغذات سمیٹ کر واپس دیتے ہوئے ایک جانب اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

''نہیں کوئی سوال نہیں' ادھر جاؤ میرے اسسٹنٹ ست پال کے پاس' اس کے پاس جا کر فارم پُر کرو اور اس پر دستخط لے کر چلے جاؤ۔ مگر.....! میری ہدایت کو ذہن میں رکھنا' اب جاؤ۔''

جسپال نے بمشکل خود پر قابو رکھا' اپنے کاغذ پکڑے اور اپنی جانب دیکھتے ایک پولیس کانسٹیبل کی طرف دیکھا' اس کی طرف آفیسر نے اشارہ کیا تھا۔ اس کے پاس انوجیت بیٹھا ہوا تھا۔ وہ اس کے پاس چلا گیا' کانسٹیبل ست پال نے ایک خالی کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''بیٹھیے۔''

''شکریہ۔'' اس نے کہا اور انوجیت کے ساتھ پڑی کرسی پر بیٹھ گیا۔ تب تک ست پال نے دراز میں سے ایک فارم نکال کر اس کے سامنے رکھا اور بڑے آرام سے بولا۔

''آپ پریشان نہ ہوں۔ ہمارے اس آفیسر کا سوبھا (مزاج) ہی ایسا ہے۔ طبیعت کا کچھ گرم ہے ویسے یہ اندر سے بہت اچھا آدمی ہے۔ آپ یہاں ضروری معلومات لکھ کر دستخط کر دیں۔''

جسپال سنگھ نے ایک نگاہ میں وہ معلومات پڑھیں اور پھر جلدی جلدی سب لکھ کر اپنے دستخط کر دیئے۔ دوبارہ ایک نگاہ ڈال کر اُسے دیتے ہوئے بولا۔

''یہ لیں۔''

کانسٹیبل نے ایک نگاہ فارم پر ڈالی اور پھر واپس رکھتے ہوئے ہنس کر بولا۔

''آپ اپنے ساتھ سکاچ وہسکی تو لائے ہوں گے۔''

''نہیں' میں نہیں لایا' مگر تم کیوں پوچھ رہے ہو؟'' جسپال سنگھ نے چونک کر کہا تو انوجیت بولا۔

''وہ میں تمہیں بتا دوں گا۔'' پھر کانسٹیبل سے مخاطب ہو کر بولا۔ ''تم آؤ ذرا میرے ساتھ باہر۔'' یہ کہہ کر وہ اٹھ گیا۔ اس کے ساتھ ہی جسپال سنگھ بھی باہر جانے کے لیے لپکا تو کانسٹیبل بھی ان کے پیچھے ہی آ گیا۔ انوجیت نے اپنی جیب سے کچھ بڑے نوٹ نکال کر اسے دیتے ہوئے کہا۔ ''اپنے آفیسر کو سمجھا دینا کہ ہمارے ساتھ اور ہمارے مہمانوں کے ساتھ بات ذرا تمیز سے کیا کرے۔ اگر نہیں سمجھتا تو اسے بات کرنا سکھا دیں گے ہم..... اب جاؤ۔''

کانسٹیبل نے نوٹ جیب میں ڈالے اور واپس پلٹ گیا۔ انوجیت نے آنکھوں ہی آنکھوں میں جسپال کو سمجھایا تو دونوں گاڑی کی جانب بڑھ گئے۔

''یار مجھے بہت غصہ آ رہا ہے اس پر.....'' جسپال سنگھ نے کہا۔ جب وہ تھانے کی حدود سے باہر نکل رہے تھے۔ پھر جب گاڑی میں بیٹھ چکے تو انوجیت نے ڈرائیونگ پر توجہ مرکوز رکھتے ہوئے تلخی سے کہا۔

''تیرا کیا مطلب ہے' مجھے اس پر پیار آ رہا ہے۔''

''تو پھر انہیں رشوت دینے کی کیا ضرورت تھی؟'' اس نے پوچھا۔

''رشوت' میں نے کون سی رشوت دی ہے' میں نے کون سا کوئی ناجائز کام کروایا ہے۔ تم سمجھو جسپال' یہاں جائز کام کے لیے بھی رقم دینا پڑتی ہے۔ سمجھ لو یہ بھی غنڈہ ٹیکس ہے۔ یا بھتہ' ورنہ یہ جائز کام کو بھی اتنا مشکل بنا دیتے ہیں کہ بس.....'' انوجیت نے اکتائے ہوئے انداز میں کہا۔

''آئندہ.....! تم نے کسی بھی معاملے میں یوں رقم ضائع نہیں کرنی' میں خود چاہوں گا کہ یہ میرے کام کو مشکل بنائیں۔'' جسپال سنگھ نے سوچتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''وہ کیوں؟'' انوجیت نے پوچھا۔

''یہ میں تمہیں وقت آنے پر بتاؤں گا۔'' جسپال سنگھ نے کہا اور سامنے دیکھنے لگا۔ اس پر انوجیت خاموش ہو گیا۔

اس وقت سورج غروب ہونے میں تھوڑا ہی وقت تھا' جب وہ پولیس چوکی سے نکلے۔

❁.....✿.....❁

میرے حواس بیدار ہوئے تو میں ایک اندھیرے کمرے میں تھا۔ پھر کچھ دیر بعد مجھے روشنی کا احساس ہونے لگا۔ مجھے اپنے گرد و پیش کا احساس ہوا تو دیکھا کہ کچھ پولیس والے کھڑے تھے اور میں فرش پر چت لیٹا ہوا تھا۔ ایک پولیس والے کے ہاتھوں میں پانی کی بوتل تھی جس سے وہ پانی میرے چہرے پر پھینک رہا تھا۔ باوجود خواہش کے میں اپنے

ہاتھوں کو حرکت نہیں دے سکا۔ میں نے اپنی طرف سے چیخ کر کہا تھا کہ مجھ پر پانی مت پھینکو..... لیکن میرے لبوں سے ایک لفظ تک ادا نہیں ہو پایا۔ مجھے یوں لگا کہ جیسے میں پتھر کا بن گیا ہوں۔ پھر آہستہ آہستہ مجھے ہوش آنے لگا۔ یہاں تک کہ مجھے اردگرد کی آوازیں صاف سنائی دینے لگیں۔

''اوئے ہوش نہیں آیا..... اس بہن.....'' کسی نے کرخت انداز میں پوچھتے ہوئے نہایت غلیظ انداز میں گالی دی۔ تبھی میرے قریب ہی سے آواز آئی۔

''بس آ ہی گیا ہے جی۔''

''تو لے آؤ پھر اسے.....'' اتنا کہنے کے بعد گالیوں کی ایک لمبی فہرست تھی جسے برداشت کرنا انتہائی ناممکن تھا۔ میرے بدن میں آگ بھڑک گئی۔ میرے ہوش کرنے پر انہوں نے مجھے زبردستی اٹھایا اور چند قدم کے فاصلے پر بیٹھے ہوئے افضل رندھاوا کے سامنے پیش کر دیا۔ اس نے میری طرف دیکھا اور کرسی کی ٹیک چھوڑ کر بولا۔

''اوئے (.....گالی) اب جلدی سے بک دے ڈکیتی کا مال کدھر ہے؟''

میں اس وقت تک پورے حواس میں آ گیا تھا' اس لیے اپنا آپ چھڑواتے ہوئے بولا۔

''تیری بہن کے گھر پڑا ہے' جہیز کی کمی تھی' وہ پوری کی ہے۔''

میرے اس طرح کہنے پر وہ بری طرح چونک گیا۔ حیرت سے چند لمحے میری طرف دیکھتا رہا پھر بجائے بھڑکنے کے اسی کرخت لہجے میں یوں بولا جیسے میں نے کچھ بھی نہ کہا ہو۔

''جب تیرے گھر کے باہر سے برآمد ہو گئی ہے یہ میرے سامنے چوہدری حفیظ بیٹھے ہوئے ہیں۔ ان کے بیٹے کی گاڑی چھینی گئی تھی۔ جو مال.....'' اس نے کہنا چاہا مگر میں نے ٹوکتے ہوئے کہا۔

''اگر کوئی تیری بیوی میرے گھر کے سامنے لا کر چھوڑ دے تو کیا اسے بھی میں نے اغوا کیا ہے؟''

''اوئے زیادہ سیانا نہ بن' اور اپنی زبان قابو میں رکھ۔ ورنہ تیرے بدن کا ہر سوراخ بولے گا کہ مال کہاں ہے لیکن تیری عبرت.....'' اس نے غصے میں سرخ ہوتے ہوئے کہا۔ میں رُخ پھیر کر اس چوہدری حفیظ کو دیکھنے لگا جو بڑے ٹھسے سے کرسی پر براجمان تھا۔ میں نے پہلی بار اسے دیکھا تھا۔ یہ کون ہے؟ اور میرے گھر سے باہر جیپ تک کیسے پہنچا؟ یہ سوال میرے ذہن میں گونج کر رہ گئے۔ تب تک افضل رندھاوا نے کہا ''اتنی ٹھکائی کے بعد تجھے عقل آ جانی چاہیے ورنہ رات بھر میں تیرے جسم کے ریشے تک اُدھڑ جائیں گے۔''

''اُوئے سن اُوئے رندھاوے..... اس جیپ پر چھ حملہ آور' اسلحہ سمیت مجھے قتل کرنے کے لیے آئے تھے۔ میں نے ان بزدلوں کو مار بھگایا۔ یہ جیپ ان لوگوں نے وہاں چھوڑی اور بھاگ گئے۔ مجھے نہ کسی ڈکیتی کا پتا ہے اور نہ میں کسی مال کے بارے میں جانتا ہوں۔ یہی سچ ہے اور یہی میرا بیان ہے۔ اب تو جو چاہے کر لے' میرا بیان یہی رہنا ہے لیکن یاد رکھ اپنی اتنی ہی اوقات دکھانا جتنی تو بعد میں برداشت کر سکے۔'' میں اتنا کہہ کر خاموش ہو گیا۔ وہ حیرت سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ میں اس کی آنکھوں میں غصے اور حیرت کی ملی جلی کیفیت دیکھ رہا تھا۔ چند لمحے یونہی گزر گئے' تب وہ انتہائی غضب میں بولا۔

''تو بول کہاں سے رہا ہے' مجھے تو اتنا بے وقوف نہیں لگتا کہ تجھے یہ معلوم ہی نہ ہو تو کہاں کھڑا اور کس سے بات کر رہا ہے۔ تو میری اوقات دیکھنا چاہتا ہے تو پھر دیکھ میں دکھاتا ہوں تجھے اپنی اوقات۔'' یہ کہہ کر اس نے چوہدری حفیظ کی طرف دیکھا۔ ''چوہدری صاحب! آج آپ جائیں' میں ذرا اسے بات کرنا سکھا لوں' کل آپ تشریف لائیں' میں جیپ آپ کے حوالے کر دوں گا۔''

''جی بہتر.....!'' وہ اٹھتے ہوئے بولا' تبھی اس نے دوسرے کمرے میں موجود اپنے ساتھیوں کو چلنے کا اشارہ کیا اور تھانے سے نکلتا چلا گیا۔ تبھی افضل رندھاوا نے اپنے قریب کھڑے پولیس والوں سے کہا۔

''اُوئے' لے جاؤ اِسے' اور چھترول کر کے سمجھاؤ کہ بولتے کیسے ہیں۔ آج رات کوئی ڈکیتی' کوئی مال برآمد کروانے کی ضرورت نہیں ہے' مرتا ہے تو مر جائے..... میں سنبھال لوں گا۔''

''کیوں' تمہارے ہاں مُردوں کے ساتھ رشتہ جوڑتے ہیں۔ کون سا رشتہ دے گا مجھے؟'' میں نے انتہائی نفرت سے طنزیہ انداز میں کہا تو وہ غصے میں پاگل ہو گیا۔ میں اسے جس قدر غصہ دلانے کی کوشش کر رہا تھا' میری ہر کوشش بے کار جا رہی تھی۔ وہ میرا ارادہ بھانپ گیا تھا یا قدرتی طور پر وہ کچھ نہیں کر رہا تھا جو میں چاہ رہا تھا۔ اس بار جو میں نے کہا تو واقعتاً غصے میں اپنے حواس کھو بیٹھا اور پوری قوت سے مجھے تھپڑ مارنے کے لیے لپکا' یہی وہ موقع تھا جس کے لیے میں کوشش کر رہا تھا۔ اس کا دائیں ہاتھ اوپر اٹھا ہوا تھا' بائیں ہاتھ کی بھینچی ہوئی مٹھی کمر کے پیچھے تھی' وہی ایک لمحہ تھا' میں نے آگے بڑھ کر اس کے ریوالور پر ہاتھ ڈال دیا' دوسرا ہاتھ اس کی مٹھی والے بازو پر ڈالا اور چشم زدن میں گھوم کر اس کی گردن میں بازو حمائل کر دیا۔ وہ ایک دم سے ٹھٹک گیا اور پھر وہیں ساکت ہو گیا۔ میں نے ریوالور کے وزن سے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ خالی نہیں ہے۔ بس سیفٹی کیچ نہیں ہٹا ہوا تھا۔ میں نے اس کی آنکھوں کے سامنے ریوالور لا کر سیفٹی کیچ ہٹایا اور سرد لہجے میں بولا۔

''یہ ہے تیری اوقات.....! اب چل وہیں لے چل جہاں سے تو مجھے لایا تھا' ورنہ تُو تو مرے گا ہی باقی کا مجھے پتا نہیں۔''

''دیکھ گولی نہیں چلانا' میں..... تجھے لے چلتا ہوں..... چل.....'' اس نے تیزی سے کہا اور باہر جانے کو تیار ہو گیا۔ قریب کھڑے سپاہی اس صورت حال سے حواس باختہ ہو گئے تھے۔ ان میں سے ایک تیزی سے باہر کی جانب بھاگا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ وہ کیا سوچ کر بھاگا تھا۔ چاہے انتہائی غصے میں ہی سہی' مگر میں خواہ مخواہ خود کو مجرم ثابت کر رہا تھا۔ میرا لاشعور مجھے ایسی حرکت کرنے سے باز رکھ رہا تھا۔ مگر وہ وقت ایسا نہیں تھا کہ میں ذرا سی بھی کمزوری دکھاؤں۔ بعد میں جو ہوتا وہ میں بھگت لیتا۔ اس وقت جو انہوں نے مجھے ذلیل کر کے پکڑا تھا' اس نے میرا دماغ گھما کے رکھ دیا تھا۔ میں رندھاوا کو قابو کیے جب اندرونی کمرے سے باہر برآمدے میں آیا تو پورے تھانے میں لوگ ہم دونوں کا تماشا کر رہے تھے۔ ان میں پولیس والے بھی تھے اور سویلین بھی۔ کچھ جذباتی پولیس والوں نے اپنی گنیں سیدھی کیں اور کچھ غیر ارادی طور پر ہماری جانب لپکے مگر افضل رندھاوا نے ہاتھ کے اشارے سے منع کر دیا۔ اس سے پہلے کہ میں برآمدے کی دو چار سیڑھیاں اتر کر صحن عبور کرتا اور پھر باہر نکل جاتا' تھانے میں آگے پیچھے دو گاڑیاں تیزی سے آن رکیں۔

سفید رنگ کی کار میں سے شاہ زیب باہر نکلا۔ وہ میری جانب حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ میری توجہ بٹی اور شاید اس پر افضل رندھاوا نے میری گرفت کو ڈھیلی محسوس کیا۔ اس لیے میرا بازو اپنی گردن سے ہٹانے کی تیزی سے کوشش کی۔ میں نے اسے مزید دبا دیا۔ یہاں تک کہ اس کی آنکھیں باہر ابل پڑیں۔ یہ لمحوں میں ہوا تھا۔ دوسری گاڑی فور وہیل جیپ تھی جس کے شیشے کالے تھے۔ اس میں سے پیرزادہ وقاص باہر نکلا۔ وہ میری طرف انتہائی دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر ایک استہزائیہ مسکراہٹ تھی۔ تبھی شاہ زیب نے اونچی آواز میں کہا۔

''چھوڑ دے جمال اسے..... میں آ گیا ہوں..... اب یہ تجھے ہاتھ بھی نہیں لگا سکتے۔''

میں نے افضل رندھاوا کو چھوڑنے میں ذرا سا توقف کیا تھا۔ شاید اس لیے پیرزادہ وقار پرسکون مگر بھاری لہجے میں بولا۔

''اب چھوڑ بھی دے یار' یہ رندھاوا اپنا ہی بندہ ہے۔''

میں نے ایک دم سے اسے چھوڑا تو وہ کھانسنے لگا۔ میں نے ریوالور کے چیمبر میں سے گولیاں نکالیں اور خالی ہوا اور اس کے ہولسٹر میں ڈالنے کی بجائے اس کی جانب بڑھا دیا۔ جسے اس نے آرام سے پکڑ لیا' اس کے انداز میں شرمندگی کا بھرپور تاثر تھا۔ میں باہر کی جانب نہیں لپکا بلکہ واپس مڑا اور ایس ایچ او کے کمرے میں جا کر ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ میرے پیچھے پیچھے وہ بھی آ گئے۔ اس بار رندھاوے کی جرات نہیں ہوئی کہ وہ میری جانب ٹیڑھی آنکھ سے بھی دیکھے۔ میرے دائیں جانب پیرزادہ وقاص اور بائیں طرف شاہ زیب آ کر بیٹھ گئے۔

''کیوں پکڑ کر لائے ہو اسے؟'' شاہ زیب نے بظاہر سکون سے پوچھا تھا لیکن اس کے لہجے میں سے غصہ چھلک رہا تھا۔

''گاڑی برآمد ہوئی تھی اس سے' چند دن پہلے ڈکیتی ہوئی تھی اور اس.....'' رندھاوا نے کہنا چاہا مگر اس کی بات کاٹتے ہوئے پیرزادہ وقاص نے پوچھا۔

''یہ بتایا کس نے کہ گاڑی اس کے گھر کی سامنے کھڑی ہے.....؟''

''وہ چوہدری حفیظ..... ابھی کچھ دیر پہلے یہاں تھا۔ اس نے بتایا تو میں نے چھاپہ مارا' اور گاڑی مل گئی۔'' رندھاوے نے پورے اعتماد سے کہا۔ وہ اس وقت تک کافی حوصلہ پکڑ چکا تھا۔

''یہ تصدیق کیے بغیر کہ گاڑی اس نے چرائی ہے یا نہیں' تم اسے پکڑ کر یہاں تھانے میں لے آئے ہو' اور وہ بھی اس قدر ذلیل کر کے..... کیوں..... اس کا جواب دو.....'' شاہ زیب نے غصے میں کہا۔

''سچ کیا ہے وہ بولو انسپکٹر..... یہ بچوں جیسی باتیں مت کرو' ورنہ مجھے اور شاہ زیب کو یہاں دیکھ کر تمہیں سمجھ جانا چاہیے کہ یہ علاقہ تمہارے لیے عذاب بن جائے گا۔'' پیرزادہ وقاص نے سخت لہجے میں کہا تو وہ چند لمحے خاموش رہا پھر اٹکتے ہوئے بولا۔

''دیکھئے' ابھی آپ اسے لے جائیں۔ میں آپ کو بعد میں بتا دوں گا۔''

رندھاوے نے یہ لفظ بہت مشکل سے کہے تھے۔ شاید اس کے اندر ہی اندر کچھ اور لاوا پک رہا تھا یا پھر وہ اس کے باعث بات نہیں کر پا رہا تھا۔ کچھ ایسا تھا' جس کی وجہ سے وہ اذیت محسوس کر رہا تھا' میں نے اس کی اذیت میں اضافہ کرنے کی خاطر کہا۔

''دراصل' یہ جو ہمارا سسٹم ہے نا' اس میں بے چارے پولیس والے بھی کیا کریں جاگیرداروں' وڈیروں' سیاسی لیڈروں اور سرکاری افسروں کی حفاظت کرتے کرتے' ان میں غلامی کی عادت آ چکی ہے۔ یہ طاقت کی زبان سمجھتے ہیں یا طاقت کی' انہیں صرف غریبوں پر تشدد اور مظلوموں پر ظلم کرنا آتا ہے..... ورنہ یہ مجھے میرے گھر کے سامنے سے یوں ذلیل کر کے نہ لاتا' پتا نہیں اس نے کس کی غلامی کی ہے' رندھاوے بول دے' کس کی غلامی کی ہے تو نے.....؟'' میرے لہجے میں طنز کی کاٹ کچھ زیادہ ہی آ گئی تھی۔ میرا اُگلا ہوا زہر برداشت کرتے ہوئے اس نے تحمل سے کہا۔

''تیری طرح جو خواہ مخواہ اپنی جرات دکھاتے پھرتے ہیں نا' جب ان کی چمڑی اُدھڑتی ہے تو پہچانے نہیں جاتے۔ ان دو معزز لوگوں کی وجہ سے میں تمہیں چھوڑ رہا ہوں۔ اب اپنی زبان کو لگام دے۔'' افضل رندھاوے اپنی مزید بات برداشت نہیں کر سکا' تبھی پیرزادہ وقاص بولا۔

''میرے سوال کا جواب نہیں دیا انسپکٹر' تم نہیں جانتے' تیری خاموشی سے علاقے میں کتنی بڑی الجھن پیدا ہو سکتی ہے۔ تم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔'' اس کے یوں کہنے پر رندھاوے نے خود پر قابو پاتے ہوئے پیرزادہ وقاص کی

آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''آپ مجھ پر یقین کریں گے؟''

''کروں گا۔'' اس نے ایک دم سے کہا۔

''تو پھر سنیں.....! مجھے میرے اعلیٰ آفیسر کا فون ملا۔ یہ جیپ جو اس کے گھر کے سامنے سے ملی ہے' یہ ملک سجاد کے بیٹے کی ہے۔ وہی ملک سجاد جو اس وقت وفاقی وزیر ہے۔ چوہدری حفیظ اس کا بھیجا ہوا بندہ تھا۔ اب میں نہیں جانتا کہ کیا ہوا' کیا نہیں۔ میں نے افسر کا حکم مانا ہے۔ چند دن پہلے ڈکیتی میں یہ گاڑی چھینی گئی تھی' جو میں نے برآمد کی ہے۔ درمیان کی کہانی کیا ہے' میں نہیں جانتا۔'' وہ تذبذب بھرے انداز میں بولتا چلا گیا تھا جس پر شاہ زیب بولا۔

''تو پھر اپنے اس اعلیٰ افسر کو رپورٹ کرو اور اس سے پوری کہانی سمجھاؤ' کیونکہ اس گاڑی پر چھ مسلح افراد اس پر قاتلانہ حملہ کرنے آئے تھے اور دوسری بات..... اپنے اعلیٰ افسر کو یہ سمجھا دو..... جمال کو ہاتھ لگانے سے پہلے حویلی سے اجازت لینا ہوگی.....'' یہ کہہ کر وہ اٹھ گیا۔ تبھی پیرزادہ وقاص بھی اٹھ گیا۔ ہم تینوں باہر صحن میں آ گئے۔ میری حالت خاصی خراب تھی۔

''چلو' ہسپتال چلتے ہیں۔'' پیرزادہ نے کہا۔

''نہیں' میں گھر جاؤں گا۔ میں اپنی چوٹوں کا علاج خود کر لوں گا۔'' میں نے کہا تو شاہ زیب نے کار کا گیٹ کھول دیا۔ تبھی پیرزادہ بولا۔

''شاہ زیب..... مجھ پر کسی قسم کا شک مت کرنا' میں منافقوں کی طرح سیاست نہیں کرتا۔ یہ ان لوگوں کا کام ہے جن کی ولدیت میں کچھ شک ہوتا ہے۔ میں میدان کا بندہ ہوں۔ ہار جیت اپنی جگہ' زندگی رہی تو تیرے ساتھ مقابلہ کرتا رہوں گا۔ مگر جمال کے بارے میں میری کوئی سازش نہیں ہے۔ یہ ذہن میں رکھنا۔''

''میں تم پر یقین کرتا ہوں وقاص' بس یہ جیپ والے معاملے میں تعاون کرو' ورنہ میں جمال کا شک دور نہیں کر پاؤں گا۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھا دیا۔ پورے تھانے کے لوگ یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ اس وقت میرے بدن میں ٹیسیں اٹھ رہی تھیں اور میں جلد از جلد گھر پہنچ جانا چاہ رہا تھا۔ رات تیزی سے سر پر آ رہی تھی اور میرا ذہن تیزی سے سوچ رہا تھا کہ اگر یہ دونوں نہیں ہیں تو پھر تیسرا کون ہے؟

❁.....❁.....❁

وہ پھر وہیں پر آ گئے' جہاں سے انوجیت نے اپنا گھر دکھایا تھا۔ گاڑی پکی سڑک سے اتر کر پختہ راستے پر چل پڑی' کچھ ہی فاصلے پر وہ سرخ اور سفید حویلی نما کوٹھی دکھائی دے رہی تھی' جسپال سنگھ کا دماغ ابھی تک گرم تھا۔ اسے پولیس چوکی میں آفیسر کی باتیں بہت بری لگی تھیں مگر' اس کے ساتھ ہی لاشعوری طور پر اس کے دماغ میں بہت سارے سوال جنم لینے لگے تھے۔ یہ ایک طرح سے اچھا ہی ہوا تھا کہ اسے اس نہج پر سوچنے کا موقع مل گیا کہ یہاں بھارت میں اس کی حیثیت کیا ہے؟ ہر سوال اپنی توجہ چاہ رہا تھا لیکن وہ وقت نہیں تھا کہ اس پر سوچ سکتا۔ وہ پوری توجہ سے اس پر غور کرنا چاہ رہا تھا۔ گھر بہت قریب آ گیا تھا۔ جیسے ہی گاڑی گیٹ کے سامنے رکی چوکیدار نے گیٹ کھول دیا۔

''اوئے تو نے ہارن تو دیا نہیں اور.....'' جسپال سنگھ نے یونہی کہا۔

''یار' اندر ہمارا انتظار ہو رہا ہے اور جس راستے سے ہم آئے ہیں وہ چھت سے صاف دکھائی دیتا ہے۔''

''اوہ..... تبھی کہوں.....'' جسپال کے چہرے پر بشاشت اتر آئی تھی۔

کوٹھی کے اندر بڑا سا لان تھا جس کے گرد ایک سیاہ سڑک بڑے سارے پورچ سے ہو کر دوسرے گیٹ تک

گئی تھی۔ انوجیت نے گاڑی پورچ میں روکی تو سیاہ داخلی دروازہ کھل گیا' جس کے درمیان کلجیت کور کھڑی تھی۔ اس کے ہاتھ میں ایک بڑا سا تھال تھا۔ وہ گاڑی سے اتر کر ان کی جانب بڑھا' کلجیت کور نے کٹوری میں پڑا تیل دروازے کے دونوں جانب ڈالا' اس کی نذر اتاری اور پھر تھال قریب کھڑی لڑکی کو تھما کر جسپال کو گلے لگا لیا۔

''آ پتر.....! دھن بھاگ ہمارے کہ تو نے اس گھر میں اپنا قدم رکھا۔''

پھر وہ راہداری کی جانب چل پڑے۔ ڈرائنگ روم میں کچھ لوگ موجود تھے۔ جن میں کچھ مرد اور زیادہ خواتین تھیں۔ وہ سب بڑی عمر کے تھے۔ اس نے سب کو ہاتھ جوڑ کر فتح بلائی' جس کا سبھی نے جواب دیا۔ پھر اس نے مرد حضرات سے ہاتھ ملایا' خواتین سے پیار لیا' تبھی کلجیت کور نے کہا۔

''ادھر آ پتر..... ادھر بیٹھ میرے پاس.....'' ایک صوفے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے وہ خود بھی بیٹھ گئی تھی۔ اس کے بیٹھتے ہی کلجیت کور نے کہا۔ ''یہ سب تیری آمد کا سن کر بہت خوش ہوئے تھے۔ یہ سب تیرے باپو اور ماں کے ملنے والے ہیں۔ شاید اس ملاقات میں تو ان کے نام بھی یاد نہ رکھ سکے مگر یہ تیرے لیے یہاں پر ہیں۔ ہم سب تیری آمد پر بہت خوش ہیں۔ ایک خواب تھا جو پورا ہوتا ہوا لگتا ہے۔''

''بہت شکریہ جی آپ سب کا۔ آپ سب میرے والدین کے ملنے والوں میں سے ہیں تو میرے لیے اتنے ہی محترم ہیں' جتنے میرے والدین۔ اس عزت افزائی پر میں آپ کا احسان مانتا ہوں۔'' جسپال سنگھ نے پھر سے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔ تبھی ایک بزرگ سے شخص نے کہا۔

''اور دیکھ بھئی کاکا.....! تو نے ونکوور سے بھارت تک کا ایک طویل سفر کیا اور صبح امرتسر پہنچا پھر یہاں تک تو نے ایک لمبا سفر کیا۔ تو ایسے کر فریش ہو جا' پھر کھانا کھا کر آرام کرنا۔ تو بھی یہاں اور ہم بھی یہاں' ملتے رہیں گے۔ باتیں ہوتی رہیں گی۔''

سبھی نے اس کی بات سے اتفاق کیا۔ انہی لمحات میں اندر کی جانب سے ایک لڑکی نمودار ہوئی۔ دراز قد' کومل سی گلابی گورا رنگ' جس پر ہلکے کاسنی رنگ کے شلوار اور ہاف سلیو قمیص خوب جچ رہی تھی۔ کھلے گلے میں لمبا سا مہین آنچل دونوں جانب ڈھلکا ہوا تھا۔ سیاہ دراز گیسو اس کی کمر تک پھیلے ہوئے تھے۔ سفید نازک سا جوتا پہنے وہ بڑے انداز سے چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی' ہاتھ میں ٹرے پکڑے چلتی چلی آ رہی تھی۔ جسپال ایک لمحے کے لیے اسے دیکھ کر مبہوت ہو کر رہ گیا۔ کیا بھرپور حسن تھا۔ اگرچہ اس مہ جبیں کے نقوش تیکھے تھے مگر اس کے بدن کی طرح ہر خط اس طرح مناسب تھا کہ حسن خود بخود چھلک رہا تھا۔ پنجاب کا حسن' موٹی آنکھیں' جو کاجل کی مانند سیاہ بھنورا تھیں' بھاری پلکیں' تیکھی تلوار ناک' پتلے رسیلے ہونٹ اور دائیں گال میں ڈمپل' وہ اسے دیکھتا رہ گیا۔ اس نے ٹرے میز پر رکھی تو جدید پرفیوم کی مہک نے ایک دم سے اسے فریش کر دیا۔ وہ اسے اتنے قریب سے دیکھ کر نہال ہو گیا تھا۔

''یہ لسی جی' آپ کے لیے۔'' اس نے آہستگی سے کہا تو جسپال کو ہوش آ گیا۔ اس نے سامنے پڑے ہوئے بڑے سارے پیتل کے گلاس کو دیکھا جو لبالب لسی سے بھرا ہوا تھا۔ اس نے یوں اٹھایا جیسے حکم مان رہا ہو۔ پھر گلاس ہونٹوں سے لگا کر اس وقت الگ کیا جب خالی ہو گیا۔

''یہ ہرپریت کور ہے..... اپنے انوجیت سے کچھ ہی سال چھوٹی۔'' کلجیت کور نے تعارف کرایا۔ جسپال کو احساس تھا کہ سبھی نگاہیں اسے دیکھ رہی ہیں تبھی ہرپریت نے کہا۔

''آئیں..... میں آپ کو آپ کا کمرہ دکھا دوں.....''

''چلو.....'' جسپال سنگھ نے اٹھتے ہوئے کہا۔ وہ آگے آگے جا رہی تھی اور جسپال کے ذہن میں نجانے کیوں صحرا

میں پھرنے والی ہرنی کا تصور ابھر رہا تھا۔ چنچل سی ہر پریت کور اس کے من میں ایک دم سے سما گئی تھی۔ وہ سیڑھیاں چڑھ کر دوسری منزل تک گئے اور پھر ایک کمرے میں داخل ہو کر ہر پریت بولی۔

''لو جی، جسّی سنگھ جی، یہ ہے آپ کا کمرہ، فی الحال فریش ہو جائیں۔ ضرورت کی ہر چیز یہاں موجود ہے۔ پھر بھی اگر ضرورت محسوس ہو تو بہت سارے نوکر ہیں، یہاں پر آواز دے لیں۔''

''تمہیں..... تمہیں آواز دے لوں، تم ان کی ہیڈ ہو۔'' جسپال سنگھ نے شرارت سے کہا۔

''اوہ، ہمیں اپنا نوکر ہی سمجھ لیں تو بڑی بات ہی جی، آپ آواز دے کر تو دیکھیں جی۔'' ہر پریت نے ہونٹوں پر مسکراہٹ لاتے ہوئے کہا تو جسپال ایک دم سے ٹھٹک گیا۔ ہر پریت اسے بڑی ذہین اور متمل مزاج لگی تھی۔ اسے لگا کہ شاید اسے مذاق نہیں کرنا چاہیے تھا تب وہ بولا۔

''سوری، ہر پریت، میں تو مذاق میں.....''

''اُونہ جی جسّی جی، ہمیں آپ کا مذاق بھی اچھا لگتا ہے۔ آپ فریش ہو جائیں، باتوں کے لیے بڑا وقت ہے جی، میں چلی، آپ جلدی آ جائیں، مہمان کھانے پر آپ کا انتظار کریں گے۔''

یہ کہہ کر وہ مزید کوئی بات سنے بغیر کمرے سے نکلتی چلی گئی۔ جبکہ جسپال کافی دیر تک اس کی سادگی پر اس کے بات کرنے کے انداز میں معصومیت اور اس کے حسن میں کھویا رہا۔

کھانے کا اہتمام کوٹھی کے بائیں لان میں کیا گیا تھا، جو کافی بڑا تھا۔ اس کے ساتھ ایک سیدھا راستہ جاتا تھا جس کے ایک جانب سوئمنگ پول اور دوسری جانب لان ٹینس کورٹ تھا۔ آگے پھر ایک لان اور اس کے بعد ملازمین کے کمرے تھے، جسے ایک دیوار کے ساتھ الگ کیا ہوا تھا۔ کھانے پر زیادہ گفتگو نہیں ہوئی۔ بس اس کے سفر اور رونیکور کے بارے میں باتیں ہوتی رہیں۔ ہر بندے نے اپنا تعارف کرایا اور اپنے ہاں آنے کی بصد شوق دعوت دی۔ کھانے کے بعد گھر میں سناٹا چھا گیا۔ انوجیت مہمانوں کے ساتھ مصروف رہا اور یہی حال ہر پریت کور کا تھا۔ آخری مہمان کے رخصت ہوتے ہی کلجیت کور اسے لے کر ڈرائنگ روم میں آ گئی۔

''چل پتر.....! اب جا اپنے کمرے میں اور سکون سے جا کر سو جا۔ تو بہت تھک گیا ہو گا نا، آرام کر۔'' وہ بڑے خلوص اور مامتا بھرے لہجے میں بولی۔

''نہیں پھوپھو جی، مجھے ابھی نیند نہیں آئے گی۔ ہم ابھی کچھ دیر بیٹھتے ہیں۔ باتیں کرتے ہیں۔'' اس نے کلجیت کور کے چہرے پر دیکھتے ہوئے کہا۔ اتنے میں ہر پریت اور انوجیت دونوں وہیں آ گئے۔ شاید انہوں نے جسپال کی بات سن لی تھی۔ اس لیے ہر پریت بولی۔

''چلیں بیٹھیں، میں آپ کے لیے چائے بنا کر لاتی ہوں۔''

''ابھی تو اتنے ملازم تھے یہاں۔'' جسپال نے بے ساختہ کہا۔

''لیکن خاص مہمانوں کے لیے، خاص سیوا اپنے ہاتھوں سے کی جاتی ہے۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

''تو چلو، مجھے یہ تو معلوم ہوا کہ میں خود کو اس گھر کا فرد نہیں، بس مہمان ہی سمجھوں۔'' اگرچہ یہ بات جسپال نے یونہی مذاق میں کہی تھی لیکن کلجیت کور نے تڑپ کر کہا۔

''نہ پتر.....! نہ ایسے نہ کہو۔ تو اس گھر کا فرد ہی نہیں، بلکہ اس گھر کا مالک بھی ہے۔ یہاں بیٹھ، میں تجھے سمجھا دوں۔''

''پھوپھو جی، یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟'' جسپال نے تجسس سے پوچھا اور وہیں صوفے پر بیٹھ گیا۔

''ہر پریت تو جا اور جُوتی سے چائے لانے کو کہہ دے۔'' کلجیت کور نے کہا جس پر وہ بولی۔

''جی، ابھی کہہ آتی ہوں۔''

یہ کہہ کر وہ پلٹ گئی، کلجیت کور چند لمحے جسپال کے چہرے پر پھر انوجیت کی طرف دیکھ کر بولی۔

''یہ تقریباً تیرا ہم عمر ہے۔ کوئی چند ماہ زیادہ ہو گی، تیری پھوپھو سکھ جیت کور اور میں دونوں ایک ہی آنگن میں کھیلتی رہیں۔ کبھی وہ ہمارے گھر ہوتی یا میں اس کے گھر، سارا دن یونہی گزر جاتا، پھر ایک دن میرے باپو نے ہم دونوں کو پکڑا اور اس پنڈ اُوگی کے اسکول میں چھوڑ دیا، جہاں اور بہت سارے بچے پڑھتے تھے۔ وقت گزرتا گیا اور ہم نے جوانی میں قدم رکھا۔''

''یہ آپ دونوں کے آنگن کہاں تھے.....؟'' جسپال نے پوچھا۔

''وہی، جس حویلی میں تُو ابھی گیا تھا، یہ پہلے کچا گھر ہوتا تھا، تیرے دادا کے زمانے میں، اور اس کے ساتھ والا گھر ہمارا تھا، پھر میرے باپو نے گاؤں سے باہر نیا گھر بنوایا تو ہم نے وہ گھر تیرے دادا کو دے دیا تھا تاکہ گاؤں میں کھلی اور اچھی حویلی بن جائے۔'' کلجیت نے بتایا۔

''اچھا تو پھر.....!'' جسپال نے پوچھا۔

''پھر.....'' وہ کہتے کہتے رک گئی، جیسے حوصلہ جمع کر رہی ہو۔ چند لمحے یونہی خاموش رہنے کے بعد بولی۔ ''سن پتر.....! وہ باتیں بھی سن لیں جو تو نہیں جانتا۔''

''ہاں پھوپو.....! تو آج ہی بتا دے مجھے.....'' وہ تیزی سے بولا۔

''وہ بڑا کالا دن تھا، جب ہم دونوں، میں اور سکھ جیت کھیتوں کی طرف سے واپس آ رہی تھیں۔ اس دن سرپنچ کا بیٹا رویندر سنگھ اپنی کار پر شہر کی طرف جا رہا تھا، وہ بہت عرصے سے چندی گڑھ میں رہ رہا تھا، وہیں پڑھتا تھا، چھٹیوں میں ہی یہاں آتا تھا۔ اس نے ہمیں دیکھ کر اپنی کار روک لی، ہمارے تو ذہن میں بھی نہیں تھا کہ یہ کار ہمارے لیے بھی رُک سکتی ہے۔ جیسے ہی ہم قریب گئیں، وہ اپنی کار سے باہر نکل آیا، اور بڑے بُرے انداز میں سکھ جیت کو دیکھنے لگا۔ ہم چپ چاپ وہاں سے گزر جانا چاہتی تھیں کہ اس نے سکھ جیت کا بازو پکڑ لیا اور ساتھ ہی اس نے کوئی فضول بات کی، جسے سکھ جیت برداشت نہیں کر سکی۔ اس نے گھما کے تھپڑ اس کے منہ پر دے مارا۔ شاید اس کے ذہن میں بھی نہیں تھا کہ سرپنچ کے بیٹے کو ایسے ردعمل کا سامنا بھی ہو سکتا ہے۔ وہ غصے میں پاگل ہو گیا۔ اس نے دست درازی کرنا چاہی، لیکن سکھ جیت اس کے قابو کہاں آنے والی تھی، اور پھر میں اس کے ساتھ تھی، ہمارے شور مچانے اور مزاحمت کی وجہ سے اردگرد کے قریب کھیتوں میں کام کرنے والے لوگ ہماری جانب دوڑے، لیکن تب تک رویندر وہاں سے کار میں بیٹھ کر چلا گیا۔ شاید معاملہ وہیں رفع دفع ہو جاتا اگر دو باتیں نہ ہوتیں۔

''کون سی؟'' جسپال نے تیزی سے پوچھا۔ اس دوران ہر پریت وہاں آ کر انوجیت کے ساتھ بیٹھ چکی تھی۔

''ایک تو اردگرد لوگوں کو معلوم ہو گیا تھا، اور دوسرا بازو کے قریب سے سکھ جیت کور کے کپڑے پھٹ گئے تھے۔ لازمی طور پر گھر میں پوچھ گچھ تو ہونی تھی کہ یہ کیا ہوا؟ تب سکھ جیت نے گھر جاتے ہی ساری بات اپنے باپو کو بتا دی۔ وہ شدید غصے میں آ گیا مگر اس نے خود پر قابو رکھا، اور بات کرنے سرپنچ کے پاس چلا گیا۔ اب بھائیوں کو بھی معلوم ہو گیا تھا لیکن باپو انہیں روک کر گیا تھا کہ میرے آنے تک کوئی کچھ نہ کرے۔ پھر دوپہر ڈھل گئی۔ باپو واپس نہ آیا تو بھائیوں کو اس کی فکر ہوئی۔ تیرا باپ کلوندر سنگھ اس کا پتا کرنے کے لیے گھر سے نکلا، مگر جلد ہی دونوں باپ بیٹا واپس آتے ہی دکھائی دیے۔'' کلجیت کور سانس لینے کے لیے رک گئی تو جسپال مضطرب ہو کر رہ گیا۔ تبھی وہ پھر بولی۔ ''سرپنچ نے باپو کی بات ماننے

کی بجائے انہیں بے عزت کر دیا تھا کہ تو میرے پتر پر الزام لگاتا ہے۔ شام تک پورے گاؤں میں یہ بات پھیل گئی۔ کچھ لوگوں نے سرپنچ کو بتا بھی دیا کہ رویندر نے غلط کیا ہے' مگر اس نے اپنے پتر کو برا نہیں کہا بلکہ یہ کہہ دیا کہ سکھ جیت ہی غلط تھی' جس نے خواہ مخواہ الزام لگایا۔''

''سکھ جیت کے بھائیوں نے کچھ نہیں کیا۔'' جسپال نے حیرت سے پوچھا۔

''نہیں پتر.....! وہ تو چاہ رہے تھے کہ ابھی کے ابھی جائیں اور رویندر سمیت سرپنچ کو بھی مار دیں لیکن باپو نے عقل مندی کی اور انہیں اندر بیٹھ کر انہیں سمجھایا۔ وہ خاموش ہو گئے۔'' یہ کہتے ہوئے وہ سانس لینے کے لئے رُکی۔

''وہ کیوں خاموش ہو گئے' پھوپھو.....'' وہ تڑپ اٹھا۔ اس دوران جُوتی چائے لے کر آ گئی تھی۔

''بتا رہی ہوں پتر!'' یہ کہتے ہوئے اس نے جُوتی کی جانب دیکھ کر کہا۔ ''تم جاؤ' اور جلدی سے کام سمیٹ لو' چائے ہر پریت بنا لے گی۔''

''جی ٹھیک ہے۔'' جُوتی نے ادب سے کہا اور الٹے قدموں واپس پلٹ گئی۔ جسپال سمجھ گیا کہ وہ اس کے سامنے بات نہیں کرنا چاہ رہی تھی۔

''باپو اگلے دن ہی صبح ساتھ والے گاؤں چلا گیا۔ تاکہ سکھ جیت کی جہاں منگنی ہو گئی تھی' انہیں کہہ دے کہ وہ سکھ جیت کو بیاہ لے جائیں۔ ان کا لڑکا جالندھر میں سرکاری نوکری کرتا تھا۔ انہوں نے چند دن ہی میں سکھ جیت کو بیاہا اور وہ اپنے گھر کی ہو گئی۔ اب سارے بھائی انتظار کرنے لگے کہ کب رویندر گاؤں میں آتا ہے' سکھ جیت سے دست درازی کرنے کے ٹھیک دو ماہ بعد رویندر گاؤں آیا تو سارے بھائیوں نے مل کر رویندر کو پکڑ لیا۔ مجھے بھی ساتھ لیا اور اس جگہ چلے گئے جہاں رویندر نے دست درازی کی کوشش کی تھی۔ وہاں لے کر انہوں نے رویندر کو اتنا مارا' اتنا مارا کہ اس کے جسم کی ہڈیاں ٹوٹ گئیں۔ دونوں ہاتھ توڑ دیئے۔ پھر اسے لے جا کر گاؤں کے چوراہے پر پھینک دیا۔''

''سرپنچ نے کوئی ردعمل.....؟'' اس نے پوچھتے ہوئے اپنے سامنے پڑا چائے کا مگ اٹھا لیا۔

''اس نے اپنے بندے بھیجنے کی بجائے پولیس بھیج دی تھی۔ مگر اس سے پہلے ہی تیرا باپو کلوندر سنگھ تھانے چلا گیا۔ اس نے وہاں جا کر یہ قبول کیا کہ رویندر کو اس نے مارا ہے۔ سرپنچ نے اپنے اثر و رسوخ کی وجہ سے پولیس بھیجی لیکن وہ کسی کو پکڑے بغیر واپس چلی گئی۔ تیرے دادا نے تو سب کچھ پہلے ہی سوچا ہوا تھا۔ ایک دن بعد تیرے باپو کی ضمانت ہو گئی وہ گھر آ گیا۔ اب عدالت میں مقدمہ ہی چلنا تھا۔ دوسری طرف دادا نے سرپنچ کو دھمکی لگا دی تھی کہ اب اس کی باری ہے' اسے یونہی مارنا ہے اور گاؤں کے چوراہے میں اپاہج کر کے پھینکنا ہے۔ بات بڑھ گئی' گاؤں کا گاؤں دادا جی کی طرف ہو گیا۔ یہاں تک کہ سرپنچ کو مقدمہ واپس لے کر معافی مانگنا پڑی اور معاملہ وقتی طور پر دب گیا۔ بہرحال رویندر کو اپاہجوں کی طرح بنا کر انہوں نے اپنا بدلہ لے لیا تھا۔''

''پھر کیا ہوا۔'' اس نے پوچھا۔

''تقریباً ایک سال تک کوئی بات نہیں ہوئی اور سن چوراسی کی بیساکھی آ گئی۔ میری شادی بھی ہو گئی تھی اور میں اس گاؤں میں رہ رہی تھی۔ تیرے باپو کی شادی بھی ہو چکی تھی اور تو پیدا ہو چکا تھا۔ اس برس تیرا باپ دربار صاحب تیری منت اتارنے گیا تھا اور پھر لوٹ کر واپس نہیں آیا۔ اندرا حکومت نے بہت بڑا ظلم کر دیا تھا۔ تیرے سارے گھر والے تیرے باپ کی تلاش میں تھے' کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کیا جائے۔ سکھ نوجوانوں کو پر پکڑ کر مارا جا رہا تھا۔ کوئی اس ڈر سے بھی باہر نہیں نکلتا تھا کہ پتا نہیں واپسی ہو بھی یا نہیں۔ یہاں تک کہ اندرا گاندھی کا قتل ہو گیا۔ پھر جو سکھوں پر بھاری آئی' وہ یاد کر کے ہی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔''

''کیا بھاری پڑی؟'' اس نے تجسس سے پوچھا

''ہم سن رہے تھے کہ گھر گھر تلاشیاں لی جا رہی ہیں۔ لوگوں کی پکڑ دھکڑ ہو رہی ہے۔ انہی دنوں میں اچانک ایک رات اس گاؤں کو بھی فوج نے گھیر لیا۔ مجھے اس وقت یقین ہوا جب وہ ہمارے گھر میں داخل ہوئے اور انوجیت کے باپو کو پکڑ کر لے گئے۔ اس وقت انوجیت اس دنیا میں آنے والا تھا۔ میری حالت اتنی ٹھیک نہیں تھی۔ مگر میں ہمت کر کے باہر نکلی تاکہ اپنے باپو کو بتا دوں۔ وہاں جا کر پتا چلا کہ میرے باپو اور بھائیوں سمیت سب کو پکڑ کر لے گئے ہیں۔ پھر میں تم لوگوں کے گھر کی طرف گئی تاکہ تیرے دادا سے مدد لوں۔ مگر وہاں بھی سارے گھر کے مردوں کو پکڑ کر لے گئے تھے۔ تیری ماں' چاچی' تائیاں رو رہی تھیں۔ اچانک گاؤں کے باہر سے فائرنگ کی آوازیں آنے لگیں۔ ہم تڑپ اٹھیں کہ نجانے کیا ہو گیا ہے۔ تیری ماں اور تائی تیار ہو گئیں کہ جا کر معلوم کرتی ہیں۔ اس نے تجھے میری گود میں دیا اور وہ دونوں پتہ کرنے چل پڑیں۔ ہم تینوں ابھی دالان پار کر کے باہر والے پھاٹک سے نکلی ہی تھیں کہ سامنے سے ایک جتھہ آتا ہوا دکھائی دیا۔ ہم فوری طور پر تو نہ سمجھ سکیں لیکن وہ تیرے باپ اور دادا کو غلیظ گالیاں نکال رہے تھے۔ اس وقت نجانے کیوں مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ حویلی پر حملہ آور ہوں گے۔ میں تجھے لے کر سامنے والے گھر میں گھس گئی۔ تیری ماں اور تائی واپس پلٹ کر پھاٹک بند کرنے لگی تھیں' لیکن نہ کر سکی۔ فائرنگ ہوئی اور دونوں وہیں ڈھیر ہو گئیں پھر میں دیکھ تو کچھ نہ سکی لیکن حویلی سے فائرنگ کی آوازیں' چیخ و پکار ابھرتی رہی۔ پھر حویلی کو آگ لگا دی گئی۔ مردوں کے علاوہ عورتیں اور بچے اندر تھے سب کو جلا دیا گیا' حویلی کو آگ لگے سب نے دیکھی لیکن کسی نے آگ بجھانے کی ہمت نہیں کی۔ میں پریشان تھی' تو بلک رہا تھا' میں واپس گھر چلی گئی۔ وہیں تمہیں اپنی گود میں سمیٹ کر واہ گرو کو یاد کرتی رہی۔ اس سے مدد مانگتی رہی۔''

''پھر کیا ہوا!'' جسپال نے ہولے سے پوچھا۔

''ہونا کیا تھا' گاؤں سے جتنے بھی مرد پکڑ کر وہ لے گئے تھے' انہیں گاؤں سے باہر سڑک پر لے جا کر گولی مار دی تھی۔ ان پر دہشت گرد ہونے کا شک تھا۔ اس میں انوجیت کے باپو بھی.....'' کلجیت کور کہتے کہتے رک گئی' پھر کافی دیر تک اس سے بولا نہیں گیا۔

''سوری پھوپھو.....!'' جسپال نے مگ میز پر رکھتے ہوئے کہا۔ اس دوران کلجیت کور نے خود پر قابو پا لیا تھا۔ اس لیے خود کو سنبھال کر بولی۔

''وہ رات قیامت کی رات تھی' میرے گھر کے صحن میں میرے شوہر کی لاش رکھی ہوئی تھی۔ میری گود میں انجانا بچہ اور خود میں' میری ماں کے گھر میرے باپو اور بھائیوں کی لاشیں' حویلی جل کر دھواں دے رہی تھی' وہاں سب ختم ہو چکے تھے۔ گاؤں کے کئی گھروں میں یہی قیامت ٹوٹی تھی۔ کون کس کو سنبھالتا' صبح ہوئی تو گاؤں کے لوگ آنا شروع ہو گئے۔ مجھے یاد رہا تو بس سکھ جیت کور کا چہرہ' وہ آئی تو اس نے سب کچھ سنبھال لیا۔ اس کا شوہر بہت سمجھدار بندہ تھا۔ اس نے سب کی آخری رسومات ادا کیں' اور تجھے لے کر اپنے گاؤں چلے گئے۔'' اس وقت کلجیت کور یوں ہو گئی جیسے اب اس سے بولنا بہت مشکل ہو جائے گا۔ اس کی آنکھیں بھیگ گئی تھیں۔ تبھی انوجیت بولا۔

''بے بے..... آگے بتاؤ نا' اب جسپال کے سارے سوالوں کا جواب دو۔''

''بتاتی ہوں پتر.....!'' اس نے یوں کہا جیسے اپنے اندر کی ساری ہمتیں جمع کر رہی ہو۔ ''پھر سکھ جیت کور اپنے شوہر کے ساتھ چند دن بعد آئی۔ اس نے مجھے بتایا کہ وہ کینیڈا جا رہے ہیں اور پھر میرا ان سے بہت عرصے تک رابطہ نہ ہوا۔ لیکن سکھ جیت کور کے سسر نے میری بڑی دیکھ بھال کی' اس نے مجھے اپنی بیٹی بنا لیا' میں رہی تو یہیں اُوگی پنڈ میں لیکن میرا خیال وہی کرتے رہے۔''

''پھر پھوپھو سکھ جیت کور سے آپ کا رابطہ کب ہوا؟'' جسپال نے بہت سوچ کر سوال کیا۔

''کوئی تین چار سال بعد' وہ خود تو یہاں نہیں آنا چاہتی تھی لیکن اپنی ساری زمین اور جائیداد میرے نام کرنا چاہتی تھی' ہمارے درمیان یہ تکرار سال بھر چلتی رہی۔ میں نے اس کا جو کچھ تھا یہاں پہلے ہی سنبھالا ہوتھا' اس میں سکھ جیت کے سسر نے میری بہت مدد کی' چند سال پہلے ان کا دیہانت ہوگیا ہے۔'' کلجیت کور کافی حد تک سنبھل گئی تھی۔

''لیکن انہوں نے مجھ سے کبھی ذکر نہیں کیا تھا۔'' جسپال سنگھ نے کہا۔

''وہ نہیں چاہتی تھی کہ تم کبھی بھی بھارت واپس آؤ۔ وہ تم سے یہ سب کچھ چھپا کر رکھنا چاہتی تھی۔ ادھر میری کوشش بھی تھی کہ جس کی امانت ہی' اسے مل جائے۔ پتر.....! یہ گھر' یہ زمینیں تمہاری ہیں۔ تم ان کے مالک ہو۔ ہم تو محض امانت سنبھالے بیٹھے ہیں۔ میں نے ہی انو جیت سے کہا تھا کہ وہ کسی طرح تم سے رابطہ کرے۔ یہ اس رابطے کا نتیجہ ہے کہ تم یہاں پر ہو۔''

یہ سب سن کر جسپال سنگھ کچھ دیر خاموش رہا' پھر بڑے ہی ٹھہرے ہوئے انداز میں بولا۔

''ایک سوال ہے پھوپھو.....! فوج نے گاؤں کے مرد مارے' وہ سمجھتے تھے کہ یہ خالصتان کے حامی ہیں اور فوج کے نزدیک دہشت گرد ہیں۔ لیکن گاؤں کے دوسرے گھروں کو جلایا نہیں گیا۔ اس بے دردی سے ان کے گھروں کو تباہ نہیں کیا گیا۔ ان کی عورتوں اور بچوں کو نہیں مارا گیا۔ ہمارے ساتھ ہی ایسا کیوں؟''

''سرپنچ کی وجہ سے۔'' انہوں نے سکون سے کہا۔ ''ساکا چوراسی کے بعد لوگوں نے اپنی دشمنیاں بہت نکالیں۔ سرپنچ نے فوج کو گاؤں میں موجود ان لوگوں کے نام بتا دیئے جو کسی نہ کسی حوالے سے خالصتان تحریک کے حامی تھے۔ یہ فوج اور حکومت کا سرپنچوں پر دباؤ بھی تھا۔ لہٰذا جہاں انہوں نے خالصتان کے حامی سکھوں کے نام بتائے' وہاں ان لوگوں کے نام بھی بتا دیئے جن سے وہ کسی نہ کسی حوالے سے دشمنی رکھتے تھے۔ گاؤں کے گاؤں اجڑ گئے۔ حکومت نے وقتی طور پر تو قابو پالیا مگر سکھ نسل کو کچل کر رکھ دیا۔ یہ اب تک سنبھل نہیں پائے ہیں۔''

''میں سمجھ گیا پھوپھو.....! اب آپ آرام کریں۔ باقی باتیں صبح ہوں گی۔'' اچانک ہی جسپال اٹھ گیا تو باقی سب بھی اٹھ گئے۔ اس وقت جسپال کو خود پر قابو پانا بہت مشکل ہو رہا تھا۔

❁.....✿.....❁

ساری رات میرے بدن سے ٹیسیں اٹھتی رہیں۔ رات گئے بدن ٹھنڈا ہونے پر کئی جگہوں سے درد اُگ آیا تھا۔ میری ماں دیسی ٹوٹکے آزماتی چلی جا رہی تھی۔ درد کی ہر اٹھتی ہوئی ٹیس کے ساتھ میرے اندر نفرت ابلتی جا رہی تھی۔ شاید میں اپنے غصے پر قابو پانے میں ناکام ہو جاتا۔ اگر مجھے یہ معلوم ہو جاتا کہ میں کس کی منافقت کا شکار ہوا ہوں۔ پیرزادہ وقاص' تباہ زیب یا پھر ملک سجاد؟ میرے سامنے تکون تھی اور میں سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ ان تینوں میں سے کون ہو سکتا ہے۔ پہلے دو کے بارے میں تو پھر بھی سوچا جا سکتا تھا' لیکن یہ تیسرا کون ہے؟ کیا وہ کوئی بلا شخص ہے کہ سامنے آئے بغیر ہی اتنا کچھ میرے ساتھ ہو گیا۔ مگر سوال یہ تھا کہ میری اس کے ساتھ کیا دشمنی ہو سکتی ہے؟ پھر ایک سوچ اور بھی تھی کہ کیا یہ ملی بھگت سے گھڑی ہوئی کوئی کہانی تو نہیں؟ وہ منافقین جن کے بارے میں شک ہوتا ہے وہ ایسی ہی سازشیں کرتے ہیں۔ نجانے کتنے سوال تھے جو مجھے ذہنی اذیت دے رہے تھے۔ اور یہی ذہنی اذیت میری قوت بنتی چلی جا رہی تھی۔ میرے اندر ایسا آتش فشاں اکھٹا ہو رہا تھا کہ جس پر پھٹتا' وہاں تباہی لازمی تھی۔ چاہے میں نہ رہتا یا پھر سامنے والا ختم ہو جاتا۔ ہمارے گاؤں کا واحد ڈسپنسر کرم علی مجھے کچھ دوائیاں دے گیا تھا۔ جن سے مجھے تھوڑا فرق پڑا تھا۔ صبح دن چڑھے وہ شہر سے اعلیٰ قسم کے انجکشن اور دوائیاں لے کر آیا۔ اس نے جلدی جلدی مجھے لگائے تو بہت زیادہ سکون محسوس ہوا۔ ساری رات کا جاگا ہوا اور کچھ

دوائیوں کا اثر تھا' میری آنکھ لگ گئی۔

میری آنکھ کھلی تو شام کے سائے ڈھل چکے تھے۔ مجھے شدید بھوک کا احساس ہوا۔ میری ماں میرے سرہانے ہی بیٹھی ہوئی تھی۔ میں نے کچھ کھانے کو مانگا تو وہ کچن میں چلی گئی اور میں منہ ہاتھ دھو کر واپس چارپائی پر آ بیٹھا۔ میں کھانا کھا چکا تو ذہن کو ذرا سکون ملا' تب پھر وہی تکون میرے ذہن پر حاوی ہونے لگی' جسے میں نے جھٹک دیا۔ خواہ مخواہ دماغ کھپانے کا فائدہ نہیں تھا۔ جب تک ان تک پہنچنے کا کوئی راستہ نہیں ملتا' میں اندھیرے ہی میں تھا۔ میں ٹامک ٹوئیاں مارنا نہیں چاہتا تھا۔ انہی لمحات میں سوہنی چھم سے میرے خیالوں میں اتر آئی۔ اس کے چہرے کے نقوش' بولتی ہوئی آنکھیں' لفظوں کو مٹھاس بخش دینے والے رسیلے ہونٹ اور جذبات کو گدگدا دینے والا تراشیدہ بدن' میری نگاہوں میں گھوم گیا۔ وہ چند دن مزید یہاں رہنا چاہتی تھی مگر کیوں.....؟ یہ احساس جسم میں ایک لذت آگہی لہر دوڑا دینے کے لیے ہی کافی تھا۔ میں سوہنی کے خیالوں میں گم تھا کہ کسی کے آنے کی آہٹ پر میں نے دیکھا۔ دروازے کی چوکھٹ میں اشفاق عرف چھا کا کھڑا تھا۔ وہ میری جانب عجیب سی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

''اوئے آچھا کے.....ادھر کیوں کھڑا ہے' ادھر آ بیٹھ۔'' میں نے اس کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔ وہ خاموشی سے میرے پاس بیڈ پر ہی آ کر بیٹھ گیا۔ وہ یک ٹک میری طرف دیکھے چلا جا رہا تھا۔ تب میں نے پوچھا۔ ''ایسے کیا دیکھ رہا ہے؟''

''میں یہ دیکھ رہا ہوں جمال کہ تو کن چکروں میں پڑ گیا ہے۔ زندگی میں پہلی بار پولیس تیرے گھر پر آئی اور تجھے پکڑ کر لے گئی۔ یہ کیسا عجیب اتفاق ہے' اس دن تو نے بندے زخمی کر کے بھگائے' وہ سوہنی تیرے گھر میں تھی۔ یہ اتنا سب کچھ ایک ہی دن میں ہو گیا۔ یہ کیا ہے سب.....؟''

''یار تیرے سامنے ہی ہے سب کچھ.....'' میں نے عام سے لہجے میں کہا تو وہ بڑے گھمبیر لہجے میں بولا۔

''نہیں..... میں مانتا ہی نہیں..... کوئی ایسا چکر ہے' جسے تو ہمیں بتانا ہی نہیں چاہتا۔ تو اب اتنا خودسر ہو گیا ہے کہ دوستوں کو بھی نظر انداز کر دیا؟'' وہ ایک ہی سانس میں گلے شکوے کر گیا تو مجھے بڑا عجیب سا لگا۔ یہ چھا کا تو ایسا نہیں تھا۔ یہ مجھ سے کیوں بدظن ہو رہا ہے؟ میں نے چند لمحے اس کے چہرے پر دیکھا اور پھر مسکراتے ہوئے بولا۔

''اُوئے نہیں اُوئے چھا کے.....! تجھے بتائے بغیر تو میں کچھ بھی نہیں کرتا' یقین جانو' مجھے خود سمجھ نہیں آ رہی کہ سب ہو کیا رہا ہے؟''

''نہیں سمجھ آتی تو کسی سیانے بندے سے بات کر لیتے ہیں۔ کسی دیوار ہی سے مشورہ کر لیتے ہیں۔ کوئی نہ کوئی عقل کی بات آ جاتی ہے دماغ میں۔'' اس نے آہستگی سے کہا تو میں ہنستے ہوئے بولا۔

''اب تجھ سے زیادہ سیانا بندہ دوسرا کون ہے میری جان۔ لیکن کیا کروں' بات کرنے کا وقت ہی نہیں دیا ظالموں نے۔''

''میں تو اتنا جانتا ہوں جمالے' بچپن سے لے کر اب تک' پہلی بار تو نے مجھ سے ہٹ کر' مجھے بتائے بغیر کچھ کیا ہے اور تو اس حال کو پہنچ گیا ہے۔ میں کچھ نہ کچھ تو کرتا نا تیرے لیے۔'' اس نے چند لفظوں میں میری اوقات میرے سامنے رکھ دی۔ بچپن سے لے کر اب تک کے نجانے کتنے واقعات چشم زدن میں میری نگاہوں میں گھوم گئے۔ جب چھا کے نے میرے لیے اپنی جان کی بازی تک لگا دی تھی۔ میں چند لمحے خاموش رہا پھر آہستہ آہستہ اختصار کے ساتھ اسے ساری بات بتا دی۔

''اب بتا' میں تجھے کس وقت یہ ساری باتیں بتاتا۔''

''تیری سب سے بڑی غلطی یہ ہے کہ تو شاہ زیب کی دعوت پر کسی کو بتائے بغیر اکیلا گیا۔ کیا تو نہیں جانتا کہ اس دفعہ پہلی بار میلے میں لڑائی ہوئی ہے' مطلب شاہ زیب کے دماغ میں کچھ تھا' جو وہ اپنا لشکر تیار کر کے وہاں گیا۔ مجھے بھی دعوت دی گئی تھی۔ میں تو ان کے ساتھ نہیں گیا۔ مجھے ضرورت ہی نہیں ان کی چاکری کرنے کی۔ میں حیران ہوں کہ تو نے کس مقصد کے لیے اس کی دعوت قبول کی۔'' چھاکے کے لہجے میں دبا دبا غصہ تھا۔

اس کی حیرت بجا تھی۔ میرا شاہ زیب کی دعوت قبول کر لینے میں اپنا مقصد تھا۔ مگر میری مجبوری یہ تھی کہ میں اپنا مقصد چھاکے ہی کو کیا' اپنے سائے کو بھی نہیں بتا سکتا تھا۔ میرے مقصد کی کامیابی' اسے راز ہی میں رکھنے سے تھی۔ یہی میری قوت تھی اور یہی مجھے بنانے سنوارنے اور میری تربیت کر دینے والی ان دیکھی طاقت تھی۔

''بس یونہی یار! اس نے مجھ سے کہا اور میں نے ہاں کر دی۔ پھر میں چلا گیا۔ اب دیکھو' اگلے ہی دن ان کا مقصد سامنے آ گیا۔'' میں نے چھاکے کو مطمئن کرنے کی کوشش کی۔

''یار جس طرح پولیس والوں کے بارے میں مشہور ہے نا کہ ان کی دوستی بھی بری اور ان کی دشمنی بھی بری۔ اس طرح ان جاگیرداروں' وڈیروں اور سیاست دانوں کی دوستی دشمنی دونوں ہی بری ہیں۔ یہ انسان کھا جاتے ہیں۔ ووٹوں کی سیاست کرتے کرتے یہ انسانوں کی قسمت سے کھیلنے لگتے ہیں۔ کیا تجھے نہیں پتا۔'' اس نے کافی حد تک جذباتی ہوتے ہوئے کہا۔ تب میں نے اسے تھوڑا ٹھنڈا کرنے کے لیے کہا۔

''چل یار غلطی ہو گئی۔ معاف کر دے۔ اب بتا باقی کدھر ہیں۔ آئے نہیں۔'' میں نے اس سے دوستوں کے بارے پوچھا۔

''اب نہیں آئیں گے وہ۔ ابھی کچھ دیر پہلے ہی اپنے اپنے گھروں کو گئے ہیں۔ تب سبھی باری باری کئی چکر تیرے گھر کے لگا چکے ہیں۔'' اس نے کہا اور پھر تکیہ اپنی رانوں میں دبا کر بولا۔ ''جمال.....! غور کیا ہے تو نے' وہ جیپ لے کر آنے والے بندے کون تھے؟''

''مجھے تو سردار شاہ دین پر شک ہے۔ اس نے باہر سے بلوا کر یہ بندے' مجھے ڈرانے دھمکانے کی کوشش کی ہے۔ تاکہ میں ان کی بات مان لوں اور شاہ زیب کے ساتھ اس کا باڈی گارڈ بن کر لاہور چلا جاؤں۔'' میں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

''مگر میرا دل نہیں مانتا۔'' یہ کہہ کر وہ چند لمحے میری طرف دیکھتا رہا۔ پھر مجھے خاموش پا کر وہ کہتا چلا گیا۔ ''میں یہ مانتا ہوں کہ سردار شاہ دین ایک منافق سیاست دان ہے۔ اس سے کچھ بھی توقع کی جا سکتی ہے۔ وہ گھٹیا سے گھٹیا کام بھی کر سکتا ہے لیکن اپنی ہی جُوہ میں اور کم از کم تیرے ساتھ ایسی دشمنی نہیں کر سکتا۔''

''کیوں ایسا نہیں کر سکتا؟ وہ سیاست دان ہی نہیں ہوتا جو اپنے مخالفین کو جڑ سے نہ اکھاڑ پھینکے۔ اس نے میری صلاحیتوں کو استعمال کرنے کی ناکامی پر سوچا ہو گا کہ یہ کسی دن اس کے خلاف بھی استعمال ہو سکتی ہیں۔ سو اس نے فوراً ہی.....''

''تم غلط ٹریک پر سوچ رہے ہو..... تمہاری بندے پر رکھنے کی صلاحیت کدھر گئی یار' کیا تم نہیں جانتے ہو کہ سردار شاہ دین اس وقت تک مخالف کو کچھ نہیں کہتا' جب تک وہ اسے نقصان پہنچانے کے درپے نہ ہو جائے' اس کی یہ خوبی ہے' جسے ماننا چاہیے' آج نہیں تو کل' آنے والا وقت بتا دے گا کہ یہ حملہ شاہ دین نے نہیں کروایا۔'' اس نے تیزی سے سمجھانے والے انداز میں کہا۔ تب میں نے تجسس سے پوچھا۔

''تو پھر اور کون ہو سکتا ہے؟''

''سوچ.....! اور جتنا چاہے سوچ لے' اس حملے کے پیچھے نہ سردار شاہ دین ہے اور نہ ہی پیرزادے ہیں' تیسرا اگر

کوئی ہے تو اس کا سرا پتا میلے کے اس پنڈال میں ہے چونکہ یہ سب میرے دھیان میں نہیں تھا۔ اس لیے میں بھی تمہاری طرح اندھیرے میں ہوں۔ تو سوچ اور وہ سرا تلاش کر..... پھر اس تیسرے تک پہنچ جانا مشکل نہیں ہو گا۔'' چھاکے نے گہری سنجیدگی سے کہا تو میں چونک گیا۔ اس کی بات سو فیصد درست تھی۔ میرے دل کو لگی تھی۔ پہلے میرا دھیان اس طرف گیا ہی نہیں تھا۔ ایک دم سے وہ میلہ' اس میں سجا ہوا پنڈال میری نگاہوں کے سامنے واضح ہو گیا۔ چند لمحے غور کرتے رہنے کے باوجود مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ تب میں نے الجھتے ہوئے کہا۔

''یار' مجھے نہیں لگتا کہ وہاں کچھ ہو۔ یہ جو ہنگامہ وہاں پر ہوا ہے اس میں کسی کی کیا منصوبہ بندی تھی۔ شاہ زیب اگر اپنا لاؤ لشکر بنا کر لے گیا تھا تو یہ کون سا نئی یا انوکھی بات تھی۔ ہر سال ایسے ہی ہوتا ہے۔ اس بار اس نے مجھے دعوت دی اور.....''

''اور تیری وجہ ہی سے وہ وہاں سے بچ کر نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ کیا تجھے معلوم ہے کہ وہ وہاں سے کب نکلا' زخمی کون اٹھا کر لایا' تجھے تو یہ تک معلوم نہیں کہ بندے کتنے زخمی ہوئے ہیں۔'' اس نے بھڑکتے ہوئے کہا پھر ایک طویل سانس لے کر بولا۔ ''خیر.....! میں نہیں کہتا کہ تو ابھی اپنے دماغ پر بوجھ ڈال' سکون سے' تنہائی میں بیٹھ کر ایسے کسی تیسرے کے بارے میں سوچ۔ یہ ہنگامہ وہاں سے شروع ہوا ہے تو ان حملہ آوروں کا سراغ بھی تجھے وہیں سے ملے گا۔'' چھاکے نے مجھے سمجھانے والے انداز میں کہا پھر بات بدل کر وہ تھانے میں ہونے والے واقعہ کے بارے میں کرید کرید کر پوچھتا رہا' ہم کافی دیر تک باتیں کرتے رہے یہاں تک کہ کرم علی ڈسپنسر آ گیا۔ اس نے میری طبیعت پوچھی۔ میں نے اسے بتایا تو بولا۔

''ابھی تیرے صرف ایک انجکشن مزید لگنا ہے۔ دوائی کھا کر وہ انجکشن لگوا لے۔ صبح تک تو بہت بہتر ہو جائے گا۔ باقی یہ اندرونی چوٹیں ہیں۔ پوری طرح ٹھیک ہونے میں چند دن تو لگیں گے۔''

''چل پھر لگا دے انجکشن، دوائی میں کھا چکا ہوں۔'' میں نے کہا تو وہ دانت نکالتے ہوئے بولا۔

''اندر چل' وہاں لگاتا ہوں۔ انجکشن لگنے کے بعد تجھے نیند آ جائے گی۔''

''تو بے فکر ہو جا' میں ادھر ہی ہوں۔ دروازے لگا کر چھت پر سو جاؤں گا۔ تو جا اندر۔'' چھاکے نے کہا تو میں اٹھ کر اندر چلا گیا۔ میں واقعتاً بے فکر ہو گیا تھا۔ مجھے یہ اچھی طرح معلوم تھا کہ وہ چھت پر سوئے گا نہیں بلکہ پوری رات جاگ کر پہرا دے گا۔

صبح جب میں بیدار ہوا تو ابھی سورج نہیں نکلا تھا۔ حسب معمول اماں جائے نماز پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ پرندے چہچہا رہے تھے۔ گاؤں میں صبح سویرے ہونے والی روایتی معمولات کی دھیمی دھیمی آوازیں آ رہی تھیں۔ میں اٹھ کر صحن میں ٹہلنے لگا۔ تبھی اماں جائے نماز پر سے اٹھ گئیں۔ میں چارپائی پر بیٹھ گیا۔ ذرا سی دیر میں ماں نے لسّی کا گلاس مجھے تھمایا اور بولیں۔

''چل اٹھ کر نہا لے' میں تیرے کپڑے نکال دیتی ہوں تازہ دم ہو کر ناشتہ کرنا۔''

''چھاکا.....؟'' میں نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

''وہ ابھی تھوڑی دیر پہلے اپنے گھر چلا گیا ہے۔'' ماں نے کہا اور کچن کی طرف پلٹ گئیں۔ میں نے سکون سے لسّی پی اور تازہ دم ہونے کے لیے باتھ روم میں گھس گیا۔

اس وقت میں تیار ہو کر ناشتے کے انتظار میں تھا جب پھاٹک کے باہر بھاری جیپ رکی۔ اس کے ساتھ ہی ایک جیپ رکنے کی آواز آئی۔ میں چونک گیا۔ یہ کون ہو سکتے ہیں؟ میں نے سرہانے پڑا اپنا پسٹل ٹٹولا اور اسے نیفے میں اُڑس

لیا۔ پھر اٹھ کر پھاٹک کی طرف بڑھا۔ ابھی میں پھاٹک سے چند قدم کی دوری پر تھا کہ پھاٹک کھلا اور سوہنی اندر آ گئی۔ میں اسے پہلی نگاہ میں پہچان ہی نہیں سکا تھا۔ اس کے تھکے تھکے حسین چہرے پر دھیمی سی مسکراہٹ تھی۔ جیسے کسی سنسان معبد میں لوبان سلگ رہا ہو۔ اس نے زلفوں کو کس کر باندھا ہوا تھا۔ پتلون پر ڈھیلا ڈھالا چیک دار کرتا' پاؤں میں نازک سے لیدر سلیپر' میک اپ سے بے نیاز چہرہ' اور میری جانب دلچسپی سے دیکھتی ہوئی گہری آنکھیں۔

''تم.....؟'' میں نے کافی حد تک حیرت سے پوچھا۔

''کیوں' میں نہیں آ سکتی کیا؟ خیر.....! یہ بحث بعد میں کر لینا' لیکن میرے ساتھ کچھ لوگ ہیں' انہیں باہر والے کمرے میں بٹھاؤ۔''

اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ ایک اور جواں سال لڑکی اندر داخل ہوئی۔ اس کی مجھ پر نگاہ پڑی اور پھر دلچسپی سے دیکھتی چلی گئی۔ اس کے ہاتھوں میں کافی سارے شاپنگ بیگ پکڑے ہوئے تھے۔ میں نے اس سے تعارف کی زحمت نہیں کی۔ کیونکہ اس وقت میرا ایک دوست طیفا نمودار ہوا۔ وہ پھاٹک میں کھڑا میری طرف دیکھ رہا تھا۔ میں نے اسے باہر والا کمرہ کھولنے کو کہا۔ وہ ادھر چلا گیا تھا تو میں دالان میں آ گیا۔ وہاں سوہنی اماں سے مخاطب تھی۔

''اماں' آپ بس ادھر میرے پاس بیٹھیں۔ یہ فری ہے نا' سب کچھ بنا لے گی' آپ فکر نہیں کرو۔''

''اسے کیا پتا کون سی چیز کہاں رکھی ہے؟'' ماں نے کہا لیکن اس دوران فری کچن کی جانب چلی گئی تھی۔

''وہ دیکھ لے گی.....! آپ میرے پاس بیٹھو۔'' اس نے اماں کو کاندھوں سے پکڑا اور اپنے قریب چارپائی پر بٹھا کر خود بھی بیٹھ گئی۔ تبھی میں نے اس سے بڑے تحمل سے پوچھا۔

''یہ تم..... یہاں واپس کیوں آئی ہو؟''

''میں پھر یہی کہوں گی کہ کیوں' میں نہیں آ سکتی ہوں کیا؟'' وہ دھیمی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی تو میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''آ تو سکتی ہو' مگر اس قدر جلدی پلٹ آنے میں کوئی نہ کوئی بات تو ہوگی۔ میرے خیال میں تو ابھی تک تیری تھکن بھی نہیں اتری ہوگی۔''

''یہ سچ ہے کہ ابھی تک میری تھکن نہیں اتری' مگر میں آ گئی۔ میں کیوں آئی ہوں۔ یہ بھی میں تمہیں بتا دوں گی لیکن پہلے تم دو کام کرو' ایک تو یہ کہ گاؤں سے چند مزدور منگواؤ' جو ٹرک میں سے سامان اتار کر یہاں رکھیں۔ دوسرا ان لوگوں کو ناشتہ وشتہ کروا کر فارغ کر دو' پھر سہولت سے بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔'' اس نے تیز تیز انداز میں کہا تو میں نے اکتائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''یہ ڈرامہ کیا کر رہی ہے تم..... سیدھی بات بتا' اور یہ ٹرک میں سے سامان اتارنے والی وجہ کیا ہے؟ کس کا سامان ہے یہ..... یہاں کیوں لائی ہو تم؟''

''او سرکار! اتنا غصہ کیوں ہوتے ہو۔ میں یہ سامان اپنی ماں کے لیے تحفے کے طور پر لائی ہوں۔ تمہیں اس سے کوئی غرض نہیں ہونی چاہیے۔ اگر تم مزدور نہیں لا سکتے تو نہ سہی' میں خود ڈھونڈ لاؤں گی اور میں تمہیں یہ بھی نہیں کہوں گی کہ مجھے کسی گاڑی میں اڈے تک چھوڑ آؤ' میں اپنی گاڑی میں آئی ہوں اور میرا ڈرائیور میرے ساتھ ہے۔ دوپہر ہونے سے پہلے میں واپس پلٹ جاؤں گی۔ اب کوئی ہے تمہیں اعتراض؟'' تبھی مجھے ایک دم سے ہی اس پر غصہ آ گیا۔ اس نے ہمیں سمجھا کیا ہے؟ میں نے بھنا کر کہا۔

''اُوئے..... اُوئے سوہنی..... تمہیں ہمارے گھر میں کسی شے کی کمی نظر آتی ہے' ہم سادہ زندگی گزارنے والے

لوگ ہیں' پھر بھی اس گھر میں ہر سہولت میسر ہے۔ اور پھر تیرے تحفے ہم کیوں قبول کریں۔ لے جاؤ' واپس لے جاؤ اپنا یہ ٹرک' ہمیں تیرے تحفوں کی ضرورت نہیں ہے۔''

''تمہیں ضرورت ہے یا نہیں' میں نہیں جانتی' کیونکہ میں تیرے لیے نہیں' ایک ماں کے لیے لے کر آئی ہوں اور تم مجھے اس سے نہیں روک سکتے۔ اگر اب بھی تمہیں اعتراض ہے تو میں سامان گلی میں اُتروا دوں گی۔ تم اسے آگ لگا دینا' اگر تم میں ہمت ہوئی تو.....'' اس بار وہ غصے میں بولی تھی' تبھی میری نگاہ چھاکے پر پڑی جو نجانے کب سے صحن میں کھڑا ہماری گفتگو سن رہا تھا۔ اس کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا۔ ایسے میں اماں نے کہا۔

''جمال۔! تیری اس کے ساتھ کیا بحث ہے' تو جا اندر کمرے میں جا کر آرام کر' میں تیرا ناشتہ ادھر ہی بھجوا دیتی ہوں۔'' پھر چھاکے کی طرف دیکھ کر بولی۔ ''اوئے چھاکے' لے جا اسے اندر۔'' ماں کے یوں کہنے پر میں اٹھا اور اندر کمرے میں چلا گیا۔

میں حیران ہونے سے زیادہ پریشان ہو گیا تھا۔ میں بیڈ پر لیٹا یہی سوچ رہا تھا کہ یہ سوہنی آخر کر کیا رہی ہے اور یہ چاہتی کیا ہے؟ میں ابھی یہی سوچ رہا تھا کہ دبے قدموں سے اندر کمرے میں آ گئی' چند لمحے مجھے دیکھتی رہی' پھر بلا تکلف میرے پاس بیڈ پر بیٹھ گئی۔ میں نیم دراز ہو کر بیٹھ گیا۔ وہ چند لمحے میری طرف دیکھتی رہی پھر میرا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر بولی۔

''دیکھ جمال.....! یوں غصہ نہ کر' میں شاید پلٹ کر کبھی یہاں نہ آتی' لیکن مجھے آنا پڑا' اسے میری مجبوری سمجھ لیں یا پھر..... جو تیرا دل چاہے۔ اگر تم مجھ سے نفرت کرتے ہو' یا پھر تمہارے خیال میں ہم کوئی گھٹیا مخلوق ہیں تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ مجھے اس سے بالکل انکار نہیں ہے کہ میں طوائف ہوں۔ میرا وجود ہی اس سماج میں ایک گالی ہے۔ تم بھی اگر مجھ سے نفرت کرو گے تو مجھے کوئی دکھ نہیں ہوگا۔''

''مجھے اس سے کوئی غرض نہیں ہے کہ تم طوائف ہو یا نہیں' مگر جو تو ڈرامے بازی کر رہی ہے نا اس کی مجھے سمجھ نہیں آ رہی ہے۔ یہ تم کر کیا کر رہی ہو' وہ کون سی مجبوری ہے جو تمہیں یہاں لے آئی ہے؟''

''یہی تو میں تمہیں بتانے کے لیے آئی ہوں' یہاں اتنا سفر کر کے تھکن اتارے بغیر۔'' اس نے میرے چہرے پر دیکھا اور پھر میرا ہاتھ چھوڑتے ہوئے بڑے اعتماد بھرے لہجے میں بولی۔ ''تم اب بھی پریشان ہو نا کہ جیپ پر آنے والے وہ حملہ آور کون تھے۔ تم اب بھی الجھے ہوئے ہو کہ اس کے پیچھے کون ہے' پیرزادہ ہے یا شاہ زیب.....؟ ایسا کچھ نہیں ہے۔ یہ دونوں ہی نہیں ہیں۔''

''تو پھر کون ہے وہ.....؟'' میں نے تیزی سے بیڈ کی ٹیک چھوڑتے ہوئے پوچھا' حالانکہ اس دوران میرے بدن سے کئی جگہوں پر ٹیسیں اٹھی تھیں۔

''وہ جو کوئی بھی ہے' تم اسے چھوڑو' اس وقت اگر وہ اندھیرے میں ہے تو اسے اندھیرے ہی میں رہنے دو۔ حملہ آور بھی اس کی طرف سے تھے اور پولیس بھی اس نے بھیجی تھی۔''

سوہنی نے کہا تو میرے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ ان دیکھا وار کرنے والا دشمن اندھیرے میں تھا اور یہ اسے اب بھی اندھیرے ہی میں رکھنا چاہتی تھی۔ دشمن کا ساتھ دینے والا بھی دشمن ہوتا ہے اور وہ منافق جو سازش کر کے خود اندھیرے میں رہنے کی کوشش کرے' اس کے باپ پر تو ویسے ہی شک ہوتا ہے' کیا یہ مجھے بے وقوف بنانے کے لیے آئی ہے؟ میرے دماغ میں غصے کی آگ بھری لہر اٹھی۔ اور میں نے زناٹے سے ایک تھپڑ سوہنی کے چہرے پر مار دیا۔ وہ الٹ کر بیڈ سے نیچے جا گری۔ لمحوں میں اپنا پسٹل نکالا اور اس کا سیفٹی کیچ ہٹا دیا۔ تبھی سوہنی کی آنکھوں میں وحشت پھیل گئی۔ وہ

موت کو اپنے سامنے دیکھ کر حواس باختہ ہوگئی۔ خوف کے عالم میں اس کے منہ سے بے ساختہ چیخ نکل گئی۔ وہ زمین پر گری پڑی تھی' میں نے بیڈ پر بیٹھے ہوئے ہی ایک پاؤں اس کی گردن پر رکھا اور پسٹل کی نال اس کے سر پر رکھتے ہوئے سرد لہجے میں پوچھا۔

''بولو..... کون ہے وہ..... ملک سجاد ہے؟''

''آں..... آں..... ہاں..... وہ..... ہی ہے ..... میں تجھے بتاتی ہوں نا.....'' اس نے گھگھیائے انداز میں کہا 'لیکن میں اسے چھوڑنا نہیں چاہتا تھا۔ مجھے اس سے پوری بات معلوم کرنا تھی' لیکن اسی لمحے اماں اندر داخل ہوئی اور تیزی سے بولیں۔

''جمال..... یہ کیا کر رہے ہو تم..... چھوڑو اسے..... پاگل ہوگئے ہو۔''

اس حکم کے سامنے میں بے بس تھا' میں نے نال اور پاؤں ہٹایا اور بیڈ پر سیدھا ہوگیا۔ وہ تیزی سے اٹھی اور میرے سامنے تن کر کھڑی ہوگئی۔ پھر مرتعش لہجے میں بولی۔

''میں تجھے سب کچھ بتا دیتی لیکن ذرا صبر تو کرتے..... تم.....''

''تم ایک ہی سانس میں سب کچھ بتا دو' خیریت اسی میں ہے.....'' میں نے تیزی سے کہا۔

''لیکن تم وعدہ کرو کہ کوئی الٹی سیدھی حرکت نہیں کرو گے' ورنہ تمہارا غصہ تمہیں بہت نقصان پہنچا دے گا۔'' اس نے کافی حد تک اعتماد سے کہا تو مجھے غصہ آ گیا۔

''اب تم بکواس کرو گی یا نہیں۔''

''میں ساری بات تمہیں بتا دیتی ہوں.....'' یہ کہہ کر اس نے اماں کی طرف دیکھا اور خجالت بھرے انداز میں بولی۔ ''اماں.....! اس سے وعدہ لو کہ یہ جو کچھ بھی کرے گا' سوچ سمجھ کر کرے گا' وہ لوگ اس کی سوچ سے بھی زیادہ خطرناک ہیں۔''

''سوہنی پتر! جو یہ پوچھتا ہے وہ ساری بات اسے بتا دے' یہ نہیں میں تم سے وعدہ کرتی ہوں کہ یہ ایسا ویسا کچھ نہیں کرے گا۔''

''ٹھیک ہے۔'' اس نے سر ہلایا اور پھر مجھ سے ذرا سا فاصلہ چھوڑ کر بیٹھ گئی' چند لمحے خاموش رہی پھر' میرے چہرے پر دیکھتے ہوئے بولی۔

''ملک سجاد کے بارے میں تم جانتے ہی ہو' جو وفاقی وزیر ہے۔''

''ہاں..... نام سنا ہے اس کا.....'' میں نے کہا۔ تبھی اماں کافی حد تک مطمئن ہو کر باہر چلی گئی۔

''تم نے فقط نام سنا ہے' اسے جانتے نہیں ہو' خیر.....! میں جو یہاں آئی ہوں تو صرف اس وجہ سے کہ تمہیں سب سچ بتا دوں۔ اسے بہت بڑی غلط فہمی ہوگئی تھی۔ میں..... میں تمہیں شروع سے بتاتی ہوں.....'' یہ کہہ کر وہ چند لمحے خاموش رہی پھر کہتی چلی گئی۔ ''ملک سجاد' خوشاب کے علاقے کا بہت بڑا زمیندار ہے' ایم این اے کی سیٹ ان کی خاندانی سیٹ ہے۔ ظاہر ہے ایسے لوگ بڑے بڑے بدمعاش' قاتل' اشتہاری اور نجانے کیسے کیسے مجرم اپنی پناہ میں رکھتے ہیں۔ انہی کے ذریعے علاقے پر اپنی دھاک جما کر رکھتے ہیں لیکن وہ جو بھی ہے' میرا عاشق ہے' مجھ پر جان دیتا ہے' میری ماں نے مجھے اس کے ہاتھ بیچ دیا ہے' لیکن ابھی اس نے میری نتھ نہیں کھولی' بھاری رقم کے علاوہ' ایک کوٹھی اور کار مجھے دی ہوئی ہے' پر وہ مجھے ذرا بھی اچھا نہیں لگتا' میرے پاس ہوتا ہے تو مجھے ابکائی آتی ہے' میں اس سے جان چھڑانا چاہتی ہوں' اس لیے اسے قریب نہیں لگنے دیتی' ماں سے بھی کہہ دیا ہے کہ وہ اسے سب کچھ واپس کر دے۔''

''تم اس کے قصیدے ہی پڑھتی رہو گی یا بات بھی بتاؤ گی۔'' میں نے اکتاتے ہوئے کہا۔

''میں وہی کہہ رہی ہوں کہ جب میرے خاندان کی لڑکیاں' یہاں آ کر ناچنے کو تیار ہو رہی تھیں تو میں نے یہاں آنے کا ارادہ کر لیا..... ملک سجاد کو یہ بات بہت ناگوار گزری' وہ قطعاً نہیں چاہتا تھا کہ میں یہاں پر آؤں' مگر میں نے ضد کی اور باوجود اس کے روکنے کے میں آ گئی۔ اس نے میرے پیچھے بندے بھیج دیئے کہ مجھے اٹھا کر لے جائیں' اب یقیناً ان کا داؤ نہیں چلا' یا پھر ان کی ہمت نہیں پڑی' وہ مجھے اغواء تو نہ کر سکے' مگر جب پنڈال میں تم لوگوں کی لڑائی ہوگئی' فائرنگ ہوئی تو میں وہاں سے نکلیں۔ قدرتی طور پر انہیں موقع مل گیا' وہ مجھے گھیرے ہوئے ایک طرف لے گئے' چونکہ مجھے نہیں پتا تھا کہ وہ ملک سجاد کے بندے ہیں' میں تو انہیں مقامی لوگ ہی سمجھ رہی تھی۔ ایک نے مجھے بازو سے پکڑ بھی لیا تھا اور ایک طرف لے جانے کی کوشش بھی کرنے لگا تھا' میں نے تو یہی خیال کیا کہ وہ مجھے مال غنیمت سمجھ کر لے جانا چاہتا ہے' اس لیے میں نے اپنا بازو چھڑایا' اندھا دھند بھاگتے ہوئے فصلوں میں جا چھپی' اور پھر تم مجھے مل گئے' اصل غلط فہمی یہیں سے ہوئی۔''

''مطلب..... میں سمجھا نہیں۔'' میں نے تیزی سے پوچھا۔

''میں سمجھاؤں گی تو تم سمجھو گے۔'' یہ کہہ کر وہ ہلکا سا مسکرائی اور پھر بولی۔ ''وہ ساری رات مجھے تلاش کرتے رہے تھے لیکن میں نہ ملی' اور پھر دوپہر تک انہوں نے کھوج لگا لیا کہ میں کہاں پر ہوں اس میں انہوں نے پولیس کی مدد بھی لی تھی' اور تیرے علاقے کے کچھ پولیس کے مخبر بھی ہیں' جو اس معلومات کا سبب بنے ہیں۔ اصل کام ہے ان کو تلاش کرنا' جو گھر کے بھیدی ہیں' اور تیرے مخالف.....''

''تو اپنی بات مکمل کر سوہنی' میں جانتا ہوں مجھے کیا کرنا ہے۔'' میں نے پھر اکتائے ہوئے کہا۔

''وہ جیپ والے حملہ آور ملک سجاد ہی کے تھے۔ ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ان کا سامنا ماہر نشانہ باز سے ہوگا۔ وہ مار کھا گئے' جس پر ملک نے پولیس کو پوری طرح استعمال کیا اور وہ مجھے پکڑ کر لے گئے۔ میں جو وہاں لاہور پہنچی ہوں تو مجھے ساری تفصیلات کا پتا چلا' میں اس لیے واپس آئی ہوں کہ.....''

''بس تیرا کام ختم ہوگیا۔ اب تو ناشتہ واشتہ کر اور واپس چلی جا.....'' میں نے اٹھتے ہوئے کہا تو وہ میرے پیروں پر ہاتھ رکھ کر بولی۔

''دیکھ جمال.....! جو ہونا تھا وہ ہوگیا۔ یہ سب میری وجہ سے ہوا۔ ایک بار تو اپنے غصے کو پی جا' اور مجھ پر احسان کر دے' بھول جا اس واقعے کو..... میں بہت شرمندہ ہوں..... تیرا مجھ سے وعدہ رہا' میں اس سے بدلہ ضرور لوں گی اور تجھے بھی کر لوں گی بدلہ.....''

''میں پاگل نہیں ہوں کہ اس پر چڑھ دوڑوں گا۔ میں مان لیتا ہوں تیری بات..... لیکن وعدہ کرو' میں جو کچھ بھی کروں گا..... تم میری مدد کرو گی.....'' میں نے ایک خیال کے تحت اس سے کہا تو وہ خاصی حد تک مطمئن ہوگئی پھر اٹھ کر باہر چلی گئی۔ کچھ ہی دیر بعد فری ناشتہ لے کر آ گئی۔ اس نے کافی کچھ میرے سامنے رکھ دیا۔ میں سوچتے ہوئے ناشتہ کرنے لگا۔

ناشتہ کرنے کے کچھ دیر بعد میں صحن میں گیا تو مزدور سامان اتار کر صحن میں رکھ رہے تھے۔ مجھے یوں لگا کہ جیسے وہ سب خاموش ہو جانے کی قیمت ادا کر رہی ہے۔ تبھی میں نے جا کر سوہنی سے پوچھا۔

''یہ سارا سامان کتنے کا آیا۔ یہ صوفے' یہ فریج..... یہ دوسرا سارا الیکٹرونکس کا سامان.....''

''میں نے جمع نہیں کیا' بس جلدی جلدی میں لے لیا.....'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''پھر بھی..... اندازہ تو ہوگا.....'' میں نے پوچھا تو اس نے چھ ہزاروں میں اندازے سے رقم بتائی۔ میں نے

خاموشی سے سنی اور پھر اوپر چھت پر موجود کمرے میں چلا گیا۔ وہاں جا کر میں نے اتنی رقم نکالی' پھر کچھ زائد رقم نکال کر نیچے آ گیا' فرّی اور سوہنی اماں کے پاس ہی صحن میں بیٹھی ہوئی تھیں' میں نے وہ رقم لے کر اس کے سامنے رکھ دی۔

''یہ لو رقم.....اور دوسری بات نہیں کرنی' جب سامان اتر جائے تو اپنے ساتھ لائے لوگوں کو لے کر فوراً چلی جانا' میں کچھ دیر بعد واپس آؤں تو تم یہاں پر نہیں ہونا.....''

''جمال.....یہ تم.....'' اس نے تیزی سے کہنا چاہا تو میں نے اس کے ہونٹوں پر انگلی رکھتے ہوئے کہا۔

''خاموش.....کہا نا دوسری بات نہیں کرنا۔'' یہ کہہ کر میں نے زائد رقم اماں کو تھماتے ہوئے کہا۔

''اس لڑکی کو دے دینا' جو اس کے ساتھ آئی ہے۔ خالی ہاتھ جائے' اچھا نہیں لگتا۔'' میں نے کہا اور باہر کی طرف چل دیا۔

باہر والے کمرے میں چھا کا کرسی پر خاموش بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے جاتے ہی اس سے بائیک نکال لانے کو کہا' وہ اندر جا کر بائیک نکال لایا تو میں نے ڈیرے پر چلنے کو کہا۔ ہم اپنی گلی سے نکل کر ڈیرے کی جانب چل دیئے۔ میرا دماغ جب بھی سوہنی اور ملک سجاد کے بارے میں سوچتا' گرم ہو جاتا' ایک طوائف کا کیا بھروسہ' وہ شاید اس وقت میرے گھر میں بیٹھی ملک سجاد ہی کی وکالت کر رہی ہو' کھیل اپنے رکھنے والے ہی کی سلامتی چاہے گی' میں یہی سوچتا رہا اور چھا کا ڈیرے پر لے گیا۔ وہاں جا کر میں نے اطمینان سے ساری بات اسے بتا دی' وہ ساری بات سن لینے کے بعد کافی دیر تک سوچتا رہا پھر آہستگی سے بولا۔

''جمال.....یہ تو سچ ہے کہ معاملہ کو ٹھنڈا کر کے ہی دیکھا جائے' لیکن پہلے مخبروں کی خبر لیں' باقی بعد میں دیکھیں گے۔'' اس نے کہا تو مجھے کافی حد تک پرسکون ہو گیا۔ میں بھی اسی نہج پر سوچ رہا تھا۔

❁.....❁.....❁

صبح کی طلائی کرنیں اپنا آپ زمین پر نچھاور کر رہی تھیں۔ جسپال سنگھ کوٹھی کی چھت پر کھڑا دور تک پھیلے ہوئے کھیتوں کو دیکھ رہا تھا۔ اوائل فروری کے دنوں میں گندم کی فصل سے زمین سبز دکھائی دے رہی تھی۔ کہیں کہیں کوئی دوسری فصل اپنے گہری یا کم گہری رنگت کے باعث الگ سے نظر آ رہی تھی۔ مشرق میں دور تک کھیت ہی تھے جبکہ مغرب کی جانب اُوگی گاؤں تھا جو بہت زیادہ پھیلا ہوا لگ رہا تھا۔ اس کی آنکھ اس وقت کھل گئی تھی' جب سورج نہیں نکلا تھا۔ وہ بستر میں پڑا نہ رہ سکا۔ اس نے منہ ہاتھ دھویا اور چھت پر چلا آیا۔ اسے پنجاب کی یہ کھلی ہوا بہت اچھی لگ رہی تھی۔ اگرچہ بہت ساری سوچیں اس کے دماغ میں آ رہی تھیں' مگر وہ کچھ وقت کے لیے اس منظر میں کھو جانا چاہتا تھا۔ یہ منظر اس نے صرف فلموں میں یا پھر تصویروں میں دیکھے تھے۔ مگر سوچ پر قابو کون رکھ سکا ہے؟ خیالوں پر گرفت نہیں ہو سکتی' یہی وہ عطیہ ہے جس سے انسان خود کو قوت کے ساتھ آگے ہی آگے دھکیل رہا ہے۔ خیال ہی زندگی میں رنگینیاں پیدا کیے ہوئے ہیں۔ وہ ان منظروں میں کھویا ہوا تھا مگر لاشعوری طور پر سوچتا چلا جا رہا تھا کہ بھارت کی سرزمین پر قدم رکھتے ہی اس کے لیے حیرت ہی کے در، وا ہوئے تھے۔ ایک ہی دن میں انکشاف در انکشاف نے اسے پوری جان سے ہلا کر رکھ دیا تھا۔ بھارت کی سرزمین پر اس کے ساتھ ایسا بھی ہو گا' یہ اس نے سوچا بھی نہیں تھا۔ اب گولڈن ٹیمپل میں تو وہ ماتھا ٹیکنے گیا تھا۔ اس کا ارادہ تھا کہ جو کچھ اس نے آج تک وہاں کے بارے میں سنا ہے تصویروں یا فلموں میں دیکھا ہے' وہ سب اپنی آنکھوں سے دیکھے گا' لیکن .....! اس کے ساتھ ہوا کیا؟ وہاں پر جو کچھ بھی اس کے ساتھ ہوا' وہ خود ہی جانتا تھا۔ اس کی وضاحت وہ کسی سے کر نہیں سکتا تھا۔ اس خیال کے آتے ہی وہ پھر سے اپنی کیفیت کو محسوس کرنے لگا تھا۔ انہی لمحات میں اس کے اندر سے یہ سوال اُبھرا کہ آیا وہ اپنی ان کیفیات کے بارے میں کسی کو بتائے یا نہیں؟ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ ہاں مگر وہ یہ ضرور سمجھ رہا تھا کہ

اسے ''اشارہ'' ہوا ہے' اس نے یہاں پر کیا کرنا ہے اور کیسے کرنا ہے۔ ایک طرح سے اسے اپنے خیالوں' خواہشوں اور امیدوں کی تائید مل گئی تھی۔ اس کے لاشعور میں کہیں نہ کہیں یہ تھا کہ جس طرح اس نے اپنا مقصد چھپا کر رکھا ہے' اس ''اشارے'' کو بھی اپنے تک رکھے اور اگر واہ گرو نے چاہا تو خود ہی ایسی صورت حال پیدا ہو جائے گی' جس میں اس راز کو افشا کرنا ضروری ہو گا۔

اور پھر جیسے ہی وہ گاؤں میں داخل ہوا تو انوجیت کے بارے میں انکشاف ہو گیا۔ وہ اس کے اتنا قریب بھی ہو سکتا ہے' جب تک وہ اس گاؤں میں نہیں پہنچا تھا' اسے گمان بھی نہیں ہوا تھا کہ وہ اتنے قریب لوگوں کے ہاں جا رہا ہے۔ اس کی ملاقات ایسی ہستی سے بھی ہو جائے گی جس کے باعث اسے نئی زندگی ملی تھی۔ اگر اس رات کلجیت کور اپنے گھر سے نکل کر ان کی حویلی کی طرف نہ جاتی تب وہ بھی دوسرے سب کے ساتھ آگ میں جل گیا ہوتا۔ اگرچہ زندگی دینے اور لینے والا وہی مالک ہے جس نے پیدا کیا۔ تاہم اس دنیا میں اس رب نے اپنے بندوں ہی کے ذریعے سب کچھ کروانا ہوتا ہے۔ پھو سکھ جیت نہیں چاہتی تھی کہ وہ دوبارہ بھارت آئے لیکن وہ آ گیا۔ انوجیت کے بارے میں وہ یہی سمجھتا رہا تھا کہ اس نے انوجیت کو دوست بنا کر رکھا ہوا ہے حالانکہ انہوں نے خود اسے تلاش کر کے اس کے ساتھ نیٹ دوستی رکھی ہوئی تھی۔ اپنے شیر خوارگی کے دور سے لے کر اب تک پر اگر وہ سوچے تو اس میں سے کیا نکلتا ہے کہ وہ دائرے کا پابند ہے اور پھر سے وہیں پر آن کھڑا ہوا ہے جہاں سے وہ اٹھائیس برس پہلے چلا تھا۔ اب اس کے پاس کیا تھا' آگ کے سوا اس کے من میں کچھ نہیں تھا۔ انتقام کی بھڑکتی ہوئی آگ' لیکن وہ لوگ دکھائی نہیں دے رہے تھے' جن سے اس نے بدلہ لینا تھا۔ یہ سب کیسے ہو گا؟ یہی سوال اس کے لیے سب سے بڑی اہمیت رکھتا تھا۔ سب سے پہلے اسے ان لوگوں کو تلاش کرنا تھا۔ ان کے بارے میں معلومات ہی سے وہ آگے بڑھ سکتا تھا' اس کا آغاز کہاں سے کرے؟ کیا انوجیت اس قدر بھروسے مند ہو سکتا ہے؟ کیا اس میں اتنا حوصلہ اور جرات ہوتی کہ وہ اس پر اعتماد کر کے سب کچھ بتا دے؟ کیا وہ اس کا بہترین ساتھی ثابت ہو سکتا ہے؟ کیا وہ.....''

''آپ اِدھر ہیں میں اُدھر کمرے میں دیکھ رہی تھی آپ کو.....؟'' ہرپریت کور کی آواز نے اسے خیالوں سے باہر لا پھینکا۔ تبھی اس نے گھوم کر دیکھا۔ سفید لباس میں' میک اپ سے بے نیاز چہرہ' کھلی زلفوں کے ساتھ وہ سراپا سوال بنی اس کے سامنے تھی۔ چونکہ وہ سیڑھیاں چڑھ کر آئی تھی اس لیے ہلکے ہلکے لرزتے وجود سے وہ اپنی تیز سانسوں کو قابو میں کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ معصوم سا حسن سیدھا اس کے دل میں اترتا چلا گیا تھا۔ تبھی اس نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

''بس ایسے ہی یہ منظر دیکھنے یہاں چھت پر آ گیا تھا۔ شاید تمہیں معلوم نہیں' میں پہلی بار یہ نظارے دیکھ رہا ہوں۔'' اس نے عجیب سے لہجے میں اس کے چہرے پر دیکھتے ہوئے کہا۔ تو وہ شوخی سے بولی۔

''ویسے میرے لیے بڑی عجیب سی بات ہے کہ ان کھیتوں کے نظارے آپ کو اتنے اچھے لگ رہے ہیں۔ ظاہر ہے ہم نے تو ہوش سنبھالتے ہی انہیں دیکھا' مگر آپ نے نہیں۔''

''یہ تو فطری سی بات ہے نا ہرپریت.....! جس کے پاس جو چیز جتنی زیادہ ہوتی ہے وہ اس کے لیے اتنی ہی بے اہمیت ہوتی ہے۔'' جسپال نے عام سے انداز میں کہا تو پھر وہ اسی شوخی ہی سے بولی۔

''لیکن سب چیزوں کے بارے میں ہم ایسا نہیں کہہ سکتے۔ مثلاً دولت.....، زیادہ تر لوگ یہی چاہتے ہیں کہ ان کے پاس زیادہ ہو اور اس کی اہمیت بھی بہت ہوتی ہے۔ کسی کا پیار..... جتنا زیادہ ہو گا اتنا ہی اچھا ہے۔''

''تم ٹھیک کہتی ہو۔'' اس نے اداس ہوتے ہوئے کہا۔

''اچھا' آپ ناشتہ کرلیں آ کر.....اور اگر آپ کو یہاں بہت اچھا لگ رہا ہے تو میں ناشتہ یہاں لے کر.....

''نہیں' اتنا سب کچھ یہاں لاؤ گی۔ چلتے ہیں۔'' اس نے جلدی سے بات کاٹتے ہوئے کہا۔

''چلیں پھر آئیں۔'' یہ کہتے ہی وہ الٹے قدموں پلٹ گئی۔ وہ بھی اس کے پیچھے لپکا۔ وہ اس کے آگے آگے سیڑھیاں اتر رہی تھی' وہ اسے غور سے دیکھ رہا تھا' اسے وہ ہرنی کے جیسے لگی۔ پتلی سی کمر' لچکتی ہوئی' بل کھاتی ہوئی وہ سیڑھیاں اُتر رہی تھی۔ وہ یونہی آگے پیچھے چلتے ہوئے ڈرائنگ ٹیبل پر جا پہنچے' جہاں کلجیت کور پہلے ہی سے ان کا انتظار کر رہی تھی۔

''آ پتر.....بیٹھ ناشتہ کر۔''

''اُو.....! یہ تو آپ نے اتنا اہتمام کرلیا۔'' جسپال نے بھری ہوئی میز پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔

''یہ سب ہر پریت نے کیا ہے۔'' کلجیت کور نے مسکراتے ہوئے کہا۔

'میں نے سوچا' پتا نہیں دیسی ناشتہ پسند کرے کہ نہ کرے.....اس لیے ولائتی بھی بنا دیا۔ اب جو دل کرے۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولی تو جسپال نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

''پھو پھو.....! ادھر وینکوروں میں پھو پھو سکھ جیت زیادہ تر یہی دیسی ناشتہ کرواتی تھی اور جس دن چھٹی ہوتی تھی تو دیسی کھانے پکاتے رہتے اور کھاتے رہتے۔''

''ہاں دل کی بڑی اچھی تھی سکھ جیت' میرے تو ساری زندگی وہ کام آئی ہے۔ اب یہی دیکھ لو' جو ہم اتنے سکون سے رہ رہے ہیں۔ یہ سب اس کی وجہ سے ہے۔ اس نے.....''

''پھو پھو' یہ انوجیت کہاں ہے' ابھی تک اٹھا نہیں۔'' جسپال نے واضح طور پر کلجیت کور کی بات سنی ان سنی کرتے ہوئے کہا تو وہ چند لمحے خاموش رہی۔ سمجھ گئی کہ وہ اس کی یہ بات سننا نہیں چاہتا' پھر بولی۔

''اٹھ تو وہ کافی دیر پہلے سے گیا ہی' وہ کسرت کرتا ہے' ابھی تیار ہو کر آتا ہی ہوگا' جا' بلا لا ویر کو۔''

''جی' بے بے.....'' ہر پریت نے کہا اور انوجیت کو بلانے چل دی۔

ناشتہ بہت خوشگوار ماحول میں کیا گیا۔ انوجیت کافی خوش دکھائی دے رہا تھا۔ انہوں نے چائے ختم کی اور دونوں اٹھ کر باہر لان میں آ گئے۔ دھوپ خاصی چڑھ آئی تھی۔ مگر اچھی لگ نہیں رہی تھی۔ اس لیے وہ کرسیاں اٹھا کر پورچ کے ساتھ دالان میں آ بیٹھے۔ اتنے میں ہر پریت بھی ان کے پیچھے ہی آ گئی۔ وہ بھی کرسی اٹھا کر انہی کے پاس آ بیٹھی۔ تبھی انوجیت نے پوچھا۔

''اچھا یہ بتا جسپال! جتنے تمہارے پاس دن ہیں' ان کا بہترین استعمال کرنے کے لیے تو کیا کرنا چاہتا ہے' کچھ تو پلان ہوگا تیرے ذہن میں' یا پھر.....'' اس نے جان بوجھ کر فقرہ ادھورا چھوڑ دیا۔ تب وہ خاموش رہا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا بات کرے۔ کچھ دیر پہلے وہ چھت پر انوجیت کے بارے میں سوچ رہا تھا' اس کے بارے میں مطمئن نہیں تھا۔ اس نے تو بہت کچھ سوچ رکھا تھا۔ اب وہ سب تو انوجیت کو نہیں بتا سکتا تھا۔ اسے کچھ بھی نہیں سوجھ رہا تھا کہ ہر پریت بولی۔

''جسپال.....! آپ سوچ میں کیوں پڑ گئے ہو؟ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے تو ہمیں بتاؤ' ہم پلان کر لیتے ہیں' آپ بولو تو سہی۔''

تبھی اچانک اس کے ذہن میں ایک خیال بجلی کے کوندے کی مانند لپکا تو وہ بولا۔

''میرا دل چاہتا ہے کہ میں سب سے پہلے اپنی حویلی کو ٹھیک کروں' اسے پہلے کی مانند بالکل نئی بنا دوں.....لیکن.....؟'' وہ کہتے کہتے رک گیا۔ پھر چند ثانیے بعد بولا ''لیکن یہ میرے ویر' کیا اس حویلی پر میں قانونی طور پر

کوئی حق رکھتا ہوں؟ اور اگر کوئی قانونی حق نہیں رکھتا تو پھر میں کس طرح ثابت کر سکتا ہوں کہ وہ حویلی اس وقت میری ملکیت ہے۔ میرے پرکھوں کی جائیداد ہے اور سب سے اہم سوال یہ ہے کہ وہ اب تک اس حالت میں کیوں ہے' اسے آپ لوگوں نے ٹھیک کیوں نہیں کروایا' یہاں نئی کوٹھی بنانے کی بجائے وہاں کیوں نہیں رہے۔'' وہ ایک ہی سانس میں کئی سوال کر گیا۔ انوجیت بڑے سکون سے سنتا گیا پھر اسی سکون سے بولا۔

''کون کہتا ہے کہ تم قانونی طور پر اس حویلی کے وارث نہیں ہو.....؟''

''کل جب تھانے میں بات ہوئی.....'' وہ کہنا چاہتا تھا کہ انوجیت اس کی بات کاٹتے ہوئے بولا۔

''وہ غلط کہتا تھا' کیونکہ وہ بندہ ہی ٹھیک نہیں تھا' اور پھر تمہاری اطلاع کے لیے بتا دوں کہ رات کسی نے اسے گولی مار دی ہے۔ وہ اب اس دنیا میں نہیں رہا۔''

''مطلب' مار دیا.....قتل ہو گیا وہ.....تجھے کیسے پتا.....'' جسپال نے تیزی سے پوچھا۔

''ہاں بھائی مار دیا.....وہ تھا ہی اس قابل.....'' انوجیت نے سکون سے کہا۔

''کیوں.....'' وہ پھر حیرت سے بولا۔

''میں تمہاری اس کیوں کا جواب دوں گا' لیکن فی الحال ہم وہ باتیں کر لیں جو تم نے کہیں ہیں۔'' وہ بولا۔

''اچھا کہو.....'' جسپال نے کہا۔

''جب تم پیدا ہوئے تھے تو تمہارا' اندراج یہاں ہو گیا تھا۔ وہی پرانا انگریزوں والا نظام' چوکیدار کے رجسٹر میں تمہارا نام ہے جو تحصیل میں بھی درج ہے۔ تمہاری پھو پھو سکھ جیت کے شوہر' یعنی تمہارے پھو پھا نے وہ کاغذ بنوائے تھے جو بعد میں بے بے کو دے دیئے تھے۔ جب تم سے رابطہ ہو گیا' تم نے آنے کی خواہش کا اظہار کیا اور پھر جب تم نے آنے کا بالکل فیصلہ کر لیا تو میں نے اس زمین کے کاغذات کی دوبارہ پڑتال کروائی' جس کے لیے پٹواری کو بہت کھلانا پڑا' شاید آج کل میں وہ تم سے ملنے کے لیے آئے بھی' خیر۔ شجرہ بنا' تمہارے دادا کی وراثت اب تمہارے نام بول رہی ہے۔ تحصیل دار کے سامنے صرف تمہیں پیش ہونا ہے' میں نے تمام کاغذات تیار کر لیے ہیں۔ تحصیل دار کو صرف یہ درخواست گزارنی ہے کہ تم زندہ ہو اپنے دادا کی وراثت کے حق دار ہو۔ بس' یہ ساری جائیداد تمہارے نام ہوگی' اگر تم چاہو تو اس کی شروعات آج ہی سے کر دیتے ہیں۔''

''تم بہتر سمجھتے ہو انوجیت کہ کیا کرنا ہے۔''

''ٹھیک ہے' یہ اب میری ذمے داری ہے کہ میں نے کیا کرنا ہے اور اب سنو' کہ وہ حویلی ایسے ہی کیوں پڑی رہی۔''

''ہاں.....! وہ بتاؤ مجھے.....'' جسپال نے دلچسپی سے کہا اور انوجیت کی طرف ہمہ تن گوش ہو گیا۔ وہ چند لمحے خاموش رہا' پھر کہتا چلا گیا۔

''جب تک سرپنچ زندہ رہا' اس نے اس حویلی کو ایسے ہی رہنے دیا۔ بے بے نے ایک بار کوشش کی تھی کہ اس کی صفائی ستھرائی کروا کے' اسے رنگ و روغن کروا دیا جائے لیکن اس نے روک دیا۔ حویلی کو رنگ و روغن کروانے کی خواہش تمہاری پھو پھو نے کی تھی۔ انہوں نے وینکوروں سے رقم بھی بھیجی تھی لیکن بے بے ان دنوں اس قدر قوت میں نہیں تھی کہ سرپنچ کا سامنا کر سکے۔ بلکہ اس نے دھمکی دی تھی کہ اگر بے بے نے پھر ایسا کرنے کی کوشش کی تو اس سے برا کوئی نہیں ہوگا۔ سر کا تو نہیں رہا' لیکن اس کے پتر رویندر سنگھ نے یہی بات بے بے کو پھر دہرائی تھی۔''

''نہیں انوجیت' مجھے یہ بتاؤ' وہ ایسا کیوں چاہتے تھے؟'' اس نے کرید تے ہوئے پوچھا۔

''ان کا کہنا تھا' بلکہ کہنا ہے کہ اس حویلی کو عبرت کے نشان کے طور پر اس گاؤں میں ایسا ہی رکھنا ہے تاکہ لوگوں کو

یہ یاد رہے کہ سرپنچوں سے مقابلہ کرنے والے کا انجام کیا ہوتا ہے اور لوگ اس سے سہمے ہوئے ہیں۔"

"ہوں تو یہ بات ہے....." جسپال نے ہنکارہ بھرتے ہوئے کہا' پھر چند لمحوں بعد پوچھا۔ "اچھا' انوجیت مجھے یہ بتاؤ کہ سرپنچوں کا خاندان کتنا ہے' اور اس وقت وہ کتنے طاقتور ہیں کہ لوگ ان سے سہمے ہوئے ہیں۔"

"رویندر سنگھ اس وقت ایم ایل اے ہے۔ اس کا زیادہ تر وقت یا تو دہلی میں گزرتا ہے یا پھر امرتسر' یہاں وہ کبھی کبھار آتا ہے۔ اس کی بیوی اور بچے اُدھر ہی رہتے ہیں۔ مطلب بیوی تو اُدھر ہی ہے' لیکن اس کے تین بیٹے ہیں' ایک چندی گڑھ میں اپنا بزنس کر رہا ہے' دوسرا اس کی ساتھ امرتسر ہی میں ہے' اور تیسرا یہاں زمینداری کرتا ہے' یہاں کی سیاست دیکھتا ہے اور سرپنچی کرتا ہے' وہ اکالی دل کا بڑا سرگرم رکن ہے۔"

"مطلب' سیاسی طور پر مضبوط ہیں.....اور معاشی طور پر بھی....." جسپال نے یونہی پوچھا۔

"یہ تو ہے' لیکن اس کے ساتھ وہ اچھے خاصے جرائم پیشہ بھی ہے۔ شاید تمہیں بھارتی سیاست کے بارے میں اتنا معلوم نہیں ہے۔ یہاں جو جتنا زیادہ غنڈہ ہوگا' اتنا زیادہ ہی وہ مضبوط ہوگا۔ اس کا اتنا زیادہ ہی سیاست میں عمل دخل ہوگا۔"

"ہوں....." جسپال نے ہنکارا بھرا۔ اس کی آنکھیں چمک اٹھی تھیں' جسے انوجیت وہی کچھ کہہ رہا ہو جو اس کی اپنی سوچ تھی۔ پھر چند لمحے سوچتے رہنے کے بعد بولا۔ "اگر ہم' بلکہ میں اپنی حویلی کو دوبارہ سے رہائش کے لیے درست کرنا چاہوں تو میری مخالفت کریں گے.....؟"

"بالکل کریں گے.....رویندر سنگھ کا تیسرا پتر.....بلجیت سنگھ' اسے شاید معلوم بھی ہو چکا ہوگا کہ تم یہاں پر آ گئے ہو اور ممکن حد تک تیری مخالفت شروع بھی ہو گئی ہوگی۔ یہ تو تجھے اس وقت معلوم ہوگا جب تم یہ ساری زمین اور جائیداد اپنے نام کرواؤ گے۔" انوجیت نے کافی حد تک غصے میں کہا۔

"تو ٹھیک ہے' دیکھتے ہیں وہ کیا کرتا ہے۔ اب ساری زندگی انہی کی تو نہیں چلنی۔" جسپال نے زہر خند لہجے میں کہا تو ہرپریت کور نے پہلی بار لب کشائی کی۔

"جسپال، یہ ٹھیک ہے کہ لڑنے سے پہلے دشمن کی طاقت کا اندازہ کر لیا جائے' لیکن لڑائی صرف طاقت سے نہیں جیتی جا سکتی' اس کے لیے حوصلہ بھی چاہیے ہوتا ہے' اگر ان سے مخالفت نہیں ہے تو یہ جان لو کہ تم میں اتنا حوصلہ ہے۔" اس نے بڑے عجیب سے لہجے میں کہا تھا۔ لاشعوری طور پر وہ آپ سے تم پر اتر آئی تھی۔ جسے جسپال نے پوری طرح محسوس کیا تھا۔ اس لیے اس نے ہرپریت کے چہرے پر دیکھا' جہاں اس کے چہرے پر سختی تھی۔ وہاں غصہ بھی چھلک رہا تھا۔ شاید اس میں کسی قدر نفرت کا عنصر بھی شامل تھا۔ وہ صحیح طرح سے اندازہ نہ لگا سکا۔ وہ چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر دھیمی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

"ہرپریت' میں کوئی دعویٰ تو نہیں کرتا' لیکن اتنا ضرور جانتا ہوں کہ اگر بھارت کی زمین نے میرا خون پینا ہے تو پی لے.....مگر میں جو سوچ لے کر آیا ہوں' اس سے ایک انچ پیچھے نہیں ہٹوں گا۔ تم دونوں یہ سوچ رہے ہو گے کہ میں کیا مقصد لے کر آیا ہوں۔ تو میرے خیال میں تم دونوں بچے نہیں ہو۔"

"سمجھ گئی' تم کیا چاہتے ہو' لیکن.....کیا تم اکیلے یہ مہم سر کر سکتے ہو۔ طاقت کا توازن....."

"میں نہیں جانتا کہ طاقت کیا ہوتی ہے۔ میں تو خود پر بھروسہ کر کے آیا ہوں۔ اپنی جائیداد اپنی زمین کا حصول میرے لیے قطعاً کوئی اہمیت نہیں رکھتا' وینکوور میں اس سے بھی زیادہ میرے پاس جائیداد ہے۔ میں یہاں صرف انوجیت کو جانتا ہوں۔ اور یہ بھی چاہتا ہوں کہ یہ کس مشکل میں نہ پڑے.....اس کے لیے مجھے الگ رہنا ہی' اور اپنے طور پر....."

"تم غلط سمجھ رہے ہو جسپال" ہرپریت نے تیزی سے کہا۔ "تم اکیلے کچھ نہیں کر سکتے' تم تو ان لوگوں کو بھی نہیں جانتے ہو' بلجیت سنگھ کون ہے' یا رویندر سنگھ کون.....؟"

"تم کہنا کیا چاہتی ہو؟" وہ دھیرے سے بولا۔

"تمہیں مدد چاہیے ہوگی' تم اکیلے کچھ نہیں کر سکتے ہو۔" ہرپریت بولی۔

"ٹھیک.....! میں نے مان لیا' لیکن میں کم از کم تم لوگوں کو نقصان نہیں پہنچانا چاہتا۔ تم لوگ بڑے سکون کی زندگی گزار رہے ہو۔ تم گزارو.....میں یہ سب دیکھ لوں گا۔"

"ٹھیک ہے جسپال، تم ہماری زندگی کا خیال کرو' لیکن ہم تمہارے لیے ہر طرح سے حاضر ہیں اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ.....وہ پولیس آفیسر.....جس نے کل تھانے میں تم سے بدتمیزی کی تھی.....اسے رات کسی نے گولی مار دی ہے اور اب وہ اس دنیا میں نہیں رہا.....کیوں، ایسا کیوں ہوا؟" ہرپریت نے کہا۔

"کیوں، کس نے کیا یہ سب.....؟" جسپال نے اچانک سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا۔

"صرف تمہیں بتانے کے لیے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں' اور شاید تیرے انتظار میں.....تم خود کو اکیلا مت سمجھنا....." ہرپریت نے کہا تو جسپال نے پہلی بار اسے غور سے دیکھا۔ اس نے اپنی بات بھی کہہ دی تھی اور یہ بھی نہیں بتایا کہ پولیس آفیسر کیسے قتل ہو گیا۔ وہ خوشگوار حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا' پھر چند لمحے خاموش رہنے کے بعد بولا۔

"ہرپریت.....! اب میں یہ قطعاً نہیں پوچھوں گا کہ یہ کیسے ہوا اور کیوں ہوا' لیکن اتنا ضرور پوچھوں گا کہ صرف میرے انتظار میں.....اس سے پہلے کیوں نہیں.....؟"

"اس سے پہلے بھی بہت کچھ ہے' اور بعد میں بھی ہوتا رہے گا' یہ تو فقط ہوا تمہارے ساتھ ٹکرا کر گزری ہے کہ تجھے احساس ہو جائے' باقی وقت خود بتا دے گا کہ آئندہ کیا ہونا چاہیے۔" وہ پرسکون لہجے میں بولی تو جسپال نے انوجیت کی طرف دیکھ کر کہا۔

"ٹھیک ہے انوجیت.....چلو آج ہی تحصیل دار کے عرضی گزار دیں۔ پھر دیکھتے ہیں کہ مخالفت کے لیے کون سامنے آتا ہے۔" یہ کہہ کر وہ اٹھ گیا تو ہرپریت کے چہرے پر خوشی پھیل گئی۔ انوجیت کے ساتھ وہ بھی اٹھ گئی۔ اوگی پنڈ کی فضاؤں میں ایک نیا فیصلہ ہو چکا تھا۔

❁.....❁.....❁

میں اور چھا کا دوپہر کے بعد تک ڈیرے ہی پر رہے۔ ہم نے اپنے طور پر پورے گاؤں کے لوگ کھنگال مارے کہ ان میں مخبر کون ہو سکتے ہیں؟ ساری زندگی اسی گاؤں میں گزر گئی تھی لیکن کبھی کسی کے بارے میں شک تک نہیں ہوا تھا کہ وہ پولیس کا مخبر بھی ہو سکتا ہے۔ اب شاید ہم خود اس معاملے سے گزرے تھے، اس لئے ہمیں انکشاف ہوا تھا، جو بہر حال خطرناک تھا۔ شاید پولیس تم تک نہ پہنچ پاتی اگر اس مخبر نے ہمارے بارے میں اطلاع نہ دی ہوتی۔ ہمارا ہونا بھی پھر کیا ہوتا اگر ہم شام سے پہلے اس نادیدہ مخبر کو تلاش نہ کر لیتے۔

"چل یار اٹھ گاؤں چلتے ہیں۔ یہاں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر تو اس مخبر کو تلاش نہیں کیا جا سکتا۔" چھا کے نے ایک دم سے اکتائے ہوئے انداز میں کہا۔ تبھی بھیدے نے کہا۔

"جاؤ جاؤ.....میں سنبھال لوں گا سب کچھ.....تم جاؤ۔"

شاید اس نے ادھر ادھر پھرتے ہوئے ہماری باتیں سن لی تھیں' اس لیے ہمیں ڈھیل دی تھی کہ ہم جا کر یہ کام کریں۔

"لے پھر بھیدے جا رہے ہیں ہم۔" میں نے اٹھتے ہوئے کہا تو چھا کا بھی اٹھ گیا۔ کچھ دیر بعد ہم ڈیرے سے

نکل کر گاؤں جانے والے راستے میں تھے۔ ہم دونوں اپنے اپنے تئیں خاموش سوچ رہے تھے کہ اچانک چھاکے نے میرے پیچھے بیٹھے ہوئے چونک جانے والے انداز میں کہا۔

''اُوئے.....! مجھے یہ بتا' شاہ زیب اور پیرزادے کو معلوم ہوگیا کہ تو تھانے میں ہے اور وہ فوراً وہاں پہنچ گئے؟''

''بات تو تیری ٹھیک ہے یار' چلو شاہ زیب کے بارے میں تو کہا جاسکتا ہے کہ گاؤں کے کسی بندے نے اطلاع دے دی ہوگی لیکن پیرزادہ تو.....''

''بندہ انہی دونوں کے درمیان ہے جمال..... وہ بندہ محض پولیس کا مخبر نہیں ہے۔ ان سب کی ملی بھگت لگتی ہے۔ تو مان جا.....''

''مان گیا' پر اس بندے تک تو پہنچ.....'' میں نے تیزی سے کہا۔

''سمجھو پہنچ گیا۔ اچھو کریانے والا..... سارے گاؤں کی خبر اس کے پاس ہوتی ہے۔ اتنی تیزی سے رابطہ صرف اور صرف فون پر ہوسکتا ہے' ورنہ نورنگر سے پیرزادے کے گاؤں تک کوئی بندہ جائے' اسے بتائے' تو پھر تھانے تک جائے' جبکہ شاہ زیب کو اس سے پہلے پہنچ جانا چاہیے تھا۔ دونوں کا ایک ہی وقت پہنچ جانے کا مطلب ہے کہ دونوں کو اطلاع ایک ہی وقت میں ملی اور آگے پیچھے تقریباً ایک ساتھ وہاں پہنچ گئے۔'' چھاکے نے پیچھے بیٹھے ہوئے تفصیل سے کہا تو میں چونک گیا۔

''بات تیری ٹھیک ہے چھاکے' چل' اس سے پوچھتے ہیں۔'' میں نے کہا اور بائیک کی رفتار مزید بڑھا دی۔

سہ پہر ہو چکی تھی جب ہم اچھو کریانے والے کی دکان پر پہنچے۔ وہ دکان کے اندر کھڑا گاہکوں کو نمٹا رہا تھا۔ جبکہ دکان کے باہر چند لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے بائیک ایک طرف لگائی' اور وہاں بیٹھے ہوئے لوگوں سے سلام دعا کرنے لگے۔ مجھے انتظار تھا کہ وہ دکان پر موجود گاہکوں کو سودا وغیرہ دے لے تو پھر اسے دکان سے باہر بلانا آسان تھا۔ چند منٹ بعد ایسا ہی ہوا۔ گاہک تو چلے گئے لیکن وہ دکان کے اندر ہی رہا۔ تبھی میں نے اسے بلایا تو وہ باہر آ گیا۔ جب تک وہ میرے پاس آیا تب تک میں نے اپنا پسٹل نیفے میں سے نکال لیا تھا۔ میرے اس عمل سے اس کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ تب ہمارا شک یقین میں بدل گیا۔

''دیکھ اچھو..... تو مجھے بچپن سے جانتا ہے۔ میں تجھے ماروں گا نہیں' لیکن زندگی بھر کے لیے اپاہج ضرور کر دوں گا۔ سچ سچ بتا دے تو میرے بارے میں کب سے اور کسے اطلاع دیتا ہے۔'' میرے یوں کہنے پر وہ ایک دم میرے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہوگیا اور گھگیائے ہوئے انداز میں بولا۔

''مجھے معاف کر دے جمال.....! یقین جانو مجھے پتا ہی نہیں چلا کہ یہ سب کیا ہوا ہے' میں تمہیں ساری بات بتا دیتا ہوں..... آگے فیصلہ تم کر لینا..... میں حرف بہ حرف سچ کہوں گا۔''

''تو بول..... روکا کس نے ہے۔'' چھاکے نے انتہائی غصے میں کہا۔

''جس وقت تم فون کر کے گئے تھے' اس سے تقریباً ایک گھنٹہ پہلے ایک بندے نے آ کر مجھ سے سگریٹ لیئے اور یونہی باتوں ہی باتوں میں میلے کی بات کرنے لگا۔ پھر اس نے سوڈے کی بوتل کھولی اور وہی میلے کی باتیں کرتا رہا۔ وہ اصل میں مجھ سے یہ پوچھنا چاہ رہا تھا کہ فائرنگ کرنے والا بندہ کون ہے اور اس کے ساتھ لڑکی تو نہیں آئی۔''

''تم بے وقوف تھے کہ وہ تم سے پوچھ رہا تھا اور تم بتا رہے تھے۔'' چھاکے نے اس کا گریبان پکڑتے ہوئے کہا۔

''یہ تو مجھے اب پتا چل رہا ہے نا..... ورنہ اس وقت تو وہ فائرنگ کرنے والے کی بڑی تعریف کر رہا تھا' اب میں نے اکیلے تھوڑی جمال کو دیکھا تھا اس لڑکی کے ساتھ' رات بہت سارے لوگ اس چوک میں تھے۔ ان سب نے دیکھا تھا۔ یہاں ایسے کچھ اور لوگ بھی تھے۔ وہ بھی بتانے لگے' جب اس بندے کو پکی تصدیق ہوگئی کہ لڑکی جمال کے پاس

ہے' اور اس کا گھر قریب ہی ہے تو وہ چلا گیا۔ کچھ دیر بعد واپس آیا اور آ کر فون کیا' کوئی اتنی لمبی چوڑی بات نہیں کی' جس پر میں نے دھیان بھی نہیں دیا۔ کافی دیر بعد تم آئے.....''

''تو مجھے بتاتے کہ میرے بارے میں کوئی پوچھ رہا تھا۔'' میں نے تیزی سے کہا۔

''میں ڈر گیا تھا کیونکہ اس وقت تک وہ جیپ پر سوار تھا..... سو.....'' بات اس کے منہ ہی میں رہ گئی اور چھاکے نے ایک زوردار تھپڑ اس کے مار دیا۔ وہ زمین پر جا گرا۔ تبھی وہ لرز گیا کیونکہ چھاکے نے بڑے غصے سے اسے اٹھاتے ہوئے پوچھا۔

''پھر پیرزادے اور شاہ زیب کو فون کیوں کیا؟ جب اسے پولیس پکڑ کر لے گئی تھی۔''

''میرے تو خیال میں بھی نہیں تھا کہ پولیس آئے گی اور جمال کو پکڑ کر لے جائے گی' میرے پاس جمال کو بچانے کا کوئی اور چارہ نہیں تھا۔ شاہ زیب کو تو بتانا ہی تھا لیکن میں نے پیرزادے کو اس لیے بتا دیا کہ یہ جمال اس سے بھی باتیں کر کے گیا تھا۔ میں نے تو یہی سمجھا کہ وہ بھی اس کا دوست ہے' اور پھر ہوا بھی یہی.....'' اچھو نے ڈرتے ڈرتے ساری بات بتا دی۔

''میں تجھے اس وقت تک نہیں چھوڑوں گا' جب تک تو سچ نہیں بولے گا.....'' چھاکے نے یونہی اندھیرے میں تیر مارا۔

''مجھ سے جیسا چاہے حلف لے لو..... یہی سچ ہے۔'' وہ گھگھیائے ہوئے انداز میں بولا۔

''تو پھر وہ نمبر لاؤ' جس پر اس بندے نے کال کی تھی۔'' چھاکے نے کہا۔

''وہ میں دے دیتا ہوں' وہ میں نے نوٹ کر لیا تھا' ابھی دیتا ہوں۔'' اچھو نے اجازت طلب نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا تو چھاکے نے اسے جانے کی اجازت دے دی۔ وہ فوراً دکان میں گیا' ایک کاپی نکالی' اس میں نمبر دیکھا اور باہر آ گیا۔ پھر ایک نمبر پر انگلی رکھ کر بولا۔ ''یہ رہا اس پر کال کی تھی اس نے۔''

میں نے نمبر دیکھا' وہ کسی سیل فون کا نمبر تھا۔ اس وقت بیشتر علاقوں میں سیل فون سروس آ گئی تھی۔ لیکن ابھی ہمارے علاقے میں یہ سروس نہیں آئی تھی' بس ٹاور وغیرہ لگ رہے تھے۔ سنا تھا کہ آج کل میں شروع ہونے والی ہے۔ تبھی میں نے اچھو سے کہا۔

''چلو..... یہ نمبر ملاؤ۔''

''ابھی ملاتا ہوں۔'' وہ جلدی سے فون کی جانب بڑھا۔ پھر نمبر ملا کر ریسیور میری جانب بڑھا دیا۔ بیل جا رہی تھی اور پھر کچھ رنگ جانے کے بعد فون ریسیو کر لیا گیا۔

''کون.....؟'' دوسری طرف سے بھاری آواز ابھری۔

''میں جمال بات کر رہا ہوں۔ نورنگر کا جمال..... تم کون ہو؟''

''اُوہ جمال.....!'' دوسری طرف سے کافی حد تک حیرت بھری آواز میں کہا گیا۔ پھر دوسری جانب سے آواز ابھری۔ ''یہ تو میں مانتا ہوں کہ تم دلیر ہو' لیکن اتنی جلدی مجھے فون کر لو گے یہ بہرحال میں نے نہیں سوچا تھا۔''

''نام بتاؤ۔'' میں نے اختصار سے پوچھا۔

''نام بتایا تو شاید تیرا سانس بند ہو جائے۔ اس لیے خاموشی کے ساتھ ریسیور رکھ اور بھول جا کہ تیرے ساتھ کیا ہوا ہے۔ وہ غلط فہمی تھی' اس لیے تو بچ گیا۔''

''تو بھڑکیں ہی لگاتا ہے یا پھر تم میں کوئی ہمت یا حوصلہ بھی ہے' یا پھر تیری فون پر ہی بدمعاشی چلتی ہے۔'' میں

نے جان بوجھ کر اسے غصہ دلایا۔ جس کا فوری ایکشن ہوا۔

''اوئے زبان سنبھال کے بات کر' تو نہیں جانتا کہ میں کون ہوں.....؟''

''شاید ببلی کھسرا..... یا پھر نیلی کھسرا..... جو اپنا نام چھپا رہا ہے' مرد تو اپنا نام ظاہر کرتے ہیں' چھپاتے نہیں۔''

میں نے پھر اسے بھڑکایا۔

''اوئے بے غیرت: مجھے ملک سجاد کہتے ہیں..... اور میں.....'' وہ کہنا چاہتا تھا کہ میں نے اس کی بات سنی ان سنی کرتے ہوئے کہا۔

''یوں کہو کہ تو بھڑوا ہے' پہلے اپنی عورتیں دوسروں کے گھروں میں بھیجتے ہو اور پھر انہیں بلیک میل کرتے ہو۔''

میں نے فوراً ہی گالی کا بدلہ لے لیا اور اسے مزید تپا دیا۔

''لگتا ہے تیری موت میرے ہاتھوں لکھی ہے۔ اب انتظار کر میں تجھے خود ڈھونڈ کر تیری اس بے غیرتی کا مزہ دیتا ہوں۔''

''ایک تو وہ مزہ دے گئی ہے جو تو نے بھیجی تھی' اب ویسی ہی کوئی اور بھیجے گا یا پھر تو خود آئے گا' اوئے بھڑوے تو بول' میں تجھے خود تلاش کر لوں گا.....'' میں نے کہا تو شاید وہ سمجھ گیا کہ میں کیا کر رہا ہوں۔ اس لیے بغیر کچھ سنے اس نے فوراً فون بند کر دیا۔ میں نے مسکراتے ہوئے ریسیور کریڈل پر رکھا' پھر اچھو کی طرف دیکھ کر بولا۔ ''تو اب سمجھ لے.....''

''سمجھ گیا جی.....'' اس نے انکساری سے کہا تو میں اپنی بائیک کی طرف بڑھ گیا۔ تبھی چھا کا میرے پیچھے آ بیٹھا تو میں نے بائیک کا رخ گھر کی جانب کر دیا۔

گلی میں کوئی گاڑی نہیں تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ سوہنی جا چکی ہے۔ میں نے اپنے گیٹ پر بائیک روکی تو چھا کا اندر چلا گیا تا کہ گیٹ کھول دے گیٹ کھلا اور میں صحن تک چلا گیا۔ تبھی سامنے دالان میں سوہنی کو بیٹھا دیکھ کر ایک دم سے غصہ میرے دماغ کو چڑھ گیا۔ شاید وہ یہ سب کچھ سوچ کر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس لیے اسی اطمینان سے بیٹھی رہی۔ میں نے بائیک سے اتر کر کہا۔

''اماں! اماں کدھر ہے.....!''

''میں اِدھر ہوں۔'' کچن سے آواز آئی تو میں ادھر چلا گیا۔

''بول کیا بات ہے۔'' مجھے دیکھتے ہی انہوں نے پوچھا۔

''یہ اب تک یہاں کیوں ہے؟'' میں نے تیزی سے پوچھا۔

''اب بیٹا..... میں اسے دھکے دے کر تو نہیں نکال سکتی۔ اس نے وہ سارا سامان اور گاڑیاں واپس بھجوا دیں اور خود یہاں بیٹھی ہے۔'' انہوں نے بے پروائی سے کہا۔

''اماں.....! یہ بہت بڑی مصیبت ہے۔ اس کی وجہ سے میری ایک ایسے بندے کے ساتھ دشمنی ہو جانے والی ہے جسے میں جانتا تک نہیں تھا۔ ابھی اس کے ساتھ منہ ماری کر کے آ رہا ہوں۔ اماں تو اچھی طرح جانتی ہے کہ میں مقصد سے ہٹ جاؤں گا۔ اگر.....''

''فضول کیوں بول رہا ہے' میں اسے کہوں گی تو یہ صبح چلی جائے گی۔ تم اپنے آپ کو سنبھال کر رکھو' ایویں بے جا غصہ نہ کرو..... جاؤ اوپر والے کمرے میں چلے جاؤ یا پھر باہر والے کمرے میں..... اسے دیکھو' نہ تم.....'' اماں نے سمجھاتے ہوئے کہا تو میں پلٹ کر باہر والے کمرے میں چلا گیا۔ جہاں چھا کا پہلے ہی سے موجود تھا۔

وہ بیڈ کے کنارے پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے چہرے پر گہرے تفکر کے آثار تھے۔ ایک بار تو مجھے لگا جیسے حالات

بہت خراب ہو گئے ہیں' ورنہ اس کی حالت ایسے نہیں ہوتی تھی۔ میں اس کے قریب پڑی کرسی پر بیٹھا تو وہ میری طرف دیکھ کر بولا۔

''یار' سوہنی ہماری جان چھوڑ کیوں نہیں دیتی۔ اسے یہاں نہیں ہونا چاہیے تھا۔''

''کیوں.....؟ ویسے تم کیا سوچ رہے ہو.....'' میں نے اس کے خیالات جاننا چاہے کہ اس کے دماغ میں کیا چل رہا ہے۔

''یار یہ ٹھیک ہے کہ تمہارا اس سے ملنا محض ایک اتفاق تھا' تم کسی دوسرے راستے سے نورنگر واپس آتے تو شاید وہ تمہیں نہ ملتی' یہ جو یکدم حالات بگڑے ہیں' اس کی بنیاد میں فقط سوہنی ہے۔ اس کی وجہ ملک سجاد نے تمہارے گھر کا راستہ دیکھا اور پھر وہ کونسا کوئی گھریلو لڑکی ہے۔ ایک طوائف ہے' جس کا قطعاً اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ ممکن ہے وہ ملک سجاد کے کہنے پر ہی یہاں موجود ہو؟'' چھا کے نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

''سوال یہ ہے کہ وہ اس کے کہنے پر اب یہاں کیوں ہو گی؟'' میں نے پوچھا۔

''یار تم نے اس کے بندوں کو زخمی کیا ہے اور پھر تھانے میں صرف افضل رندھاوا کی ہی بے عزتی نہیں ہوئی بلکہ ملک سجاد کی بھی تو ہوئی ہے نا کہ اس کا حکم پورا نہیں ہو سکا۔'' چھا کے نے اپنے طور پر دلیل دی۔

''میں نہیں سمجھتا چھا کے کہ اب وہ اتنی سی بات پر کوئی انتقامی کارروائی کرے گا۔ ہاں جو کچھ ہم اب اس کے ساتھ کر کے آئے ہیں تو اس پر اس کا ہم سے دو دو ہاتھ کرنا بنتا ہے۔ کل صبح یا رات کسی وقت یہ سوہنی یہاں ٹکتی ہے' تو اس پر شک کیا جا سکتا تھا۔'' میں نے اپنا خیال پیش کیا تو چھا کا چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔

''یار.....! کچھ لوگوں کی فطرت میں کمینہ پن ہوتا ہے۔ اپنے علاقے میں جو کمینے ہیں' انہیں کیا ہم نے نہیں دیکھا۔ سال ہا سال تک دل میں کدورت رکھتے ہیں اور وقت ملتے ہی ڈنگ مارنے سے باز نہیں آتے۔ ملک سجاد جس عورت کے لیے دیوانہ ہو رہا ہے وہ ایک طوائف ہے' جو اس قدر گھٹیا معیار رکھتا ہو اس سے کچھ بھی بعید ہو سکتا ہے۔ اور دوسری بات.....! کیا تم شاہ زیب اور پیرزادے کو بالکل پاک وصاف کر دو گے؟' میں یہ مان ہی نہیں سکتا کہ ان میں سے کسی ایک کے ساتھ اس کے مراسم نہ ہوں۔''

''ہو سکتا ہے' ہوں' لیکن میں اتنا بتا دوں.....'' اس سے پہلے میں کچھ کہتا باہر والے کمرے کا اندرونی دروازہ کھلا اور سوہنی اندر داخل ہو گئی۔ اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی تھی' جیسے وہ اپنے غصے کو دبانے کی بھرپور کوشش کر رہی ہو۔ وہ خاموشی سے میرے سامنے والی کرسی پر آن بیٹھی۔ ہم بھی خاموش تھے اور یہ خاموشی کچھ لمحے ہمارے درمیان ٹھہری رہی' میں سوہنی کی طرف دیکھتا رہا۔ میں اس انتظار میں تھا کہ وہ بات کرے' جبکہ وہ یوں سر جھکائے بیٹھی تھی جیسے کچھ سوچ رہی ہو۔ پھر ایک دم اس نے سر اٹھایا اور بولی۔

''جمال.....! پہلی بات تو یہ ہے کہ میں معافی مانگتی ہوں کہ میں نے تمہاری باتیں اس دروازے کی اوٹ سے سنیں' میں یہ جاننا چاہتی تھی کہ تم میرے بارے میں کیا سوچ رہے ہو۔ مجھے خود پر افسوس آ رہا ہے کہ میں تم پر ایک فیصد کا بھی اعتبار نہیں بنا سکی۔ میں جانتی ہوں کہ میں طوائف ہوں' معاشرے کی نگاہ میں گھٹیا ترین مخلوق ہوں' لیکن میں تمہیں یہ بتا دوں کہ آج تک میرا جسم کسی مرد کے زیر تسلط نہیں رہا۔ یہاں تک کہ ملک سجاد جیسے شخص کے بھی نہیں۔ میں.....''

''تم اس سے ثابت کیا کرنا چاہتی ہو؟'' میں نے اس کی بات کاٹ کر پوچھا۔

''یہی کہ میں نہ تو اس کی رکھیل ہوں نہ ہی اس کی پابند..... میں اپنی مرضی کی مالک ہوں' اور میں یہاں آ کر جو ٹھہری ہوں تو اپنی مرضی سے..... تمہارے ساتھ..... اماں کے ساتھ کچھ دن رہنے کے لیے' لیکن تم دونوں کی باتیں سن

کر مجھے لگا کہ جہاں اعتبار ہی نہیں، وہاں خلوص کبھی نہیں آ سکتا۔'' اس نے آزردہ لہجے میں کہا۔

''سوہنی.....! یہ خلوص، پیار اور محبت کی باتیں ہیں نا، میری سمجھ میں نہیں آتیں اور نہ ہی میں انہیں سمجھنا چاہتا ہوں۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ ابھی کچھ دیر پہلے میں نے جو کچھ ملک سجاد سے کہا ہے، اگر اس میں رتی بھر غیرت بھی ہوئی تو اس کا بدلہ لینے ضرور آئے گا۔ اور میں بھی اس کا منتظر ہوں۔ تم یہ تو جانتی ہو کہ یہ سارا فساد تمہاری وجہ سے پیدا ہوا ہے تو شک بھی تم پر نہ کیا جائے، کیسی باتیں کرتی ہو۔'' میں نے کہا تو اس نے چونک کر میری طرف دیکھا اور بولی۔

''اس میں غیرت نہیں ہے، اس لیے تو میں یہاں ہوں۔ تم کچھ نہ بھی کرتے تو بھی اس نے یہاں چڑھ دوڑنا تھا، تمہاری زندگی کو خطرہ ہے، اسی لیے تو یہاں ہوں۔'' اس نے گھمبیر لہجے میں کہا۔

''میری زندگی کو خطرہ..... یہ کیا کہہ رہی ہو تم.....؟''

''میں ٹھیک کہہ رہی ہوں، مجھ پر یقین کرو.....'' وہ روہانسی ہوتے ہوئے بولی تو میں نے چھاکے کی طرف دیکھا، جس کے چہرے پر زہر خند مسکراہٹ پھیل چکی تھی۔

چھا کا چند لمحے اس کے چہرے پر دیکھتا رہا، پھر طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

''ہم کیوں اعتماد کر لیں تم پر، کیوں یقین کریں تیرا؟''

''اس لیے کہ جو میں جانتی ہوں، وہ تم لوگ نہیں جانتے۔'' وہ تیزی سے بولی تو میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''میں نہیں جانتا کہ تم کیا جانتی ہو، میں تو صرف اتنا جانتا ہوں کہ تم خواہ مخواہ ہم پر مسلط ہو رہی ہو اور نجانے کیوں ہمیں ڈرانے دھمکانے کی کوشش کر رہی ہو۔ ماں نے کہا ہے کہ تو صبح چلی جائے گی، اس لیے میں خاموش ہو گیا۔ ورنہ تجھے ابھی جانا پڑتا۔ ابھی تُو میرے بارے میں جانتی ہی کیا ہے؟''

''میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ تم بہادر ہو، نڈر ہو، اور غیرت مند ہو لیکن گاؤں کے سیدھے سادے ایسے نوجوان ہو جو دنیا کے چلتروں کے بارے میں نہیں جانتا۔ یہاں بڑے سے بڑا بے غیرت پڑا ہے، دھوکا، فریب، پیٹھ پر چھرا گھونپنے والے.....''

''دیکھ جہاں تک دھوکے کی بات ہے، ایک کتا بھی دھوکے سے کاٹ سکتا ہے، مگر میں کتے سے بھی بدتر لوگوں کو جانتا ہوں کہ جو برس ہا برس ایک چوکھٹ سے کھاتے رہتے ہیں پھر وہیں منافقت کرتے ہیں۔ اس میں ان کا نہیں، ان کی ولدیت کا قصور ہوتا ہے، وہ اپنی فطرت سے مجبور ہوتے ہیں۔ منافقت کا کھیل کھیلنے والے کا انجام کبھی اچھا نہیں ہوتا، یہ قانون فطرت ہے۔ منافق اعتماد کا خون کرتا ہے، ان باتوں کو چھوڑ، میں یہ جانتا ہوں۔ تم بولو تم یہاں پر کیوں ہو؟''

''میں جو بھی کہوں گی، تم اسے جھوٹ ہی سمجھو گے، میں جا رہی ہوں، لیکن خدا کے لیے محتاط رہنا، اعتماد نہ کرنا کسی پر۔'' سوہنی نے کہا اور اٹھ گئی۔ تو میں نے کہا۔

''کہو تو تمہیں شہر چھوڑ دوں.....؟''

''نہیں، کچھ ہی دیر میں گاڑی آ کر مجھے لے جائے گی۔'' یہ کہہ کر وہ جانے لگی، پھر پلٹ کر بولی۔ ''جمال، تم نے مجھ پر ایک احسان کیا ہے، میں اس احسان کا بدلہ چکاؤں گی۔ کبھی میری ضرورت پڑے تو یاد کر لینا، تیری آواز پر سوہنی دوڑی چلی آئے گی۔'' اس نے کہا اور پھر تیزی سے باہر نکل گئی۔

میرے اور چھاکے کے درمیان کتنی دیر تک خاموشی چھائی رہی۔ پھر وہ اٹھا اور باہر نکلتا چلا گیا۔ میں چند لمحے اس کے بارے میں سوچتا رہا، پھر سر جھٹک دیا۔

❀.....□.....□.....❀

جسپال اور انوجیت سارا دن نکودر تحصیل کورٹ میں پھرتے رہے۔ وہ بہت سارے لوگوں سے ملے۔ یہ ملاقاتیں محض شناسائی کی حد تک تھیں جو دوپہر کے بعد تک جاری رہیں۔ دوپہر کے بعد وہ دونوں ایڈووکیٹ گل کے چیمبر میں چلے گئے۔ وہ بوڑھا سکھ تھا لیکن چہرے پر سرخی اور آنکھوں کی چمک سے وہ اپنے عزائم میں نوجوانوں سے کہیں آگے دکھائی دے رہا تھا۔ انوجیت نے تعارف کرایا تو مسکراتے ہوئے بولا۔

''پتر.....! جی آیاں نوں، تو وطن واپس آیا ہے تو اپنے وطن کی لاج بھی رکھنا۔ خیر، یہ باتیں یہاں کرنے والی نہیں ہیں، تُو انوجیت پتر ایسا کر، انہیں لے کر گھر آ جا، ابھی تھوڑی دیر بعد، وہیں ساری باتیں ہوں گی۔''

''جیسے آپ کہیں۔'' انوجیت نے کہا تو وہ فون پر نمبر پش کرتے ہوئے بولا۔

''لنچ کا وقت ہو گیا ہے، ابھی نکلیں گے تو.....'' یہ کہتے ہوئے اس نے فون کی طرف توجہ کرتے ہوئے نجانے کسے کہا۔

''دو مہمان ہیں میرے ساتھ لنچ کریں گے۔ ہاں..... ابھی نکل رہے ہیں۔'' یہ کہہ کر اس نے کال ختم کی اور بولا۔ ''چل انوجیت اکٹھے ہی چلتے ہیں۔'' یہ کہتے ہوئے وہ اٹھ گیا۔ وہ دونوں بھی اٹھ گئے۔

''آپ چلیں گل صاحب، ہم پہنچتے ہیں۔'' انوجیت نے کہا تو وہ سر ہلاتا ہوا اپنی گاڑی کی جانب بڑھا۔ اس دوران جسپال کچھ نہیں بولا۔ وہ پوری طرح انوجیت ہی پر اعتماد کیے ہوئے تھا۔

کبھی وہ نکودر کا پوش علاقہ رہا ہو گا، لیکن ان دنوں اس علاقے کی حالت اتنی اچھی نہیں تھی۔ راستے میں سے انہوں نے کچھ پھل اور مٹھائی لی تھی۔ وہ ستر کی دھائی کی طرز پر کوٹھی نما گھر تھا۔ گیٹ پر رکتے ہی ایک چوکیدار نے انوجیت کو دیکھا اور گیٹ کھول دیا۔ اس لمحے جسپال نے اندازہ کر لیا کہ ایڈووکیٹ گل اور انوجیت میں اچھے تعلقات ہیں۔ فوراً ہی انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھا دیا گیا۔ زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ ایڈووکیٹ گل شلوار قمیص پہنے ان کے پاس آ گیا۔

''بھئی جسپال..... وہاں چیمبر میں سو کان ہیں سننے والے، نجانے کون کیا ہے۔ یہاں سہولت اور سکون سے باتیں ہوں گی۔''

''جی، آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ یہاں کا سسٹم تو بالکل عجیب سا ہے۔ جسے میں بالکل بھی نہیں سمجھ پایا ہوں۔'' جسپال نے پرسکون لہجے میں کہا تو گل مسکراتے ہوئے بولا۔

''سمجھ آئے گی بھی نہیں، لیکن اسے بڑی جلدی سمجھا بھی جا سکتا ہے۔''

''وہ کیسے.....؟'' جسپال نے خوشگوار حیرت سے پوچھا۔

''سیدھی سی بات ہے، سیدھا نظام سیدھی نگاہ ہی سے سمجھ میں آتا ہے اور الٹا نظام، الٹی نگاہ سے۔ بس یہ نگاہ کا پھیر ہے۔ اس ٹیڑھے نظام کو تم سیدھی نگاہ سے دیکھو گے تو ذرا بھی سمجھ نہیں آئے گی۔ یہاں قانون روپیہ اور ضابطہ طاقت ہے، یہ صرف وہ زبانیں ہیں جو سمجھ میں آتی ہیں۔'' گل نے خوشگوار انداز میں کہا۔

''تو پھر یہ سب کیسے چلتا ہے؟ جو سائل بے چارے آتے ہیں، انہیں کیسے انصاف ملتا ہو گا اور.....'' جسپال نے کہنا چاہا تو گل نے تلخی سے کہا۔

''انصاف، وہ بھی بھارت میں، یہ ناممکن سی بات ہے پتر، لاکھوں لوگ انیس سو چوراسی سے اب تک انصاف کی امید لگائے بیٹھے ہیں۔ ان میں سے کئی ایسے بھی ہیں جنہیں ان اٹھائیس برسوں میں کسی نے پوچھا تک نہیں کہ کس کے پتر، کس کے باپ، کس کے شوہر کو کیوں زندہ جلا دیا گیا۔''

''اب تک تو پھر سب کچھ ختم ہو جانا چاہیے، جہاں انصاف ہی نہیں وہاں معاشرہ کس طرح قائم رہ سکتا ہے؟'' وہ حیرت سے بولا۔

''اس سے زیادہ اور کیا ختم ہونے والی بات ہے کہ سب لوگ بارود کے ڈھیر پر بیٹھے ہیں۔ کون سی قوم ہے جو سکون سے سانس لے رہی ہے' بھارت میں اس وقت لگ بھگ ستر علیحدگی کی تحریکیں کام کر رہی ہیں۔ ان تحریکوں نے اپنے تربیتی کیمپ قائم کر رکھے ہیں۔ یہ کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے۔ ساری دنیا کو معلوم ہے' کوئی قوم اس وقت ہی ہتھیار اٹھاتی ہے جب انہیں اپنی بقا کا خطرہ لاحق ہو جائے۔''

''گل صاحب! آپ نے تو بھارت کا بڑا بھیانک نقشہ پیش کر دیا۔ میں دراصل اپنے معاملے کی بات کرنا چاہتا تھا۔ انوجیت نے.....'' جسپال نے کہنا چاہا تو گل نے تاسف بھری نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''انوجیت نے بہت پہلے مجھ سے بات کی تھی۔ اور میں نے اس پر تھوڑا پیپر ورک بھی کیا ہے، سیدھی سی بات ہے پتر' اگر تم کہو کہ تمہارا معاملہ انصاف اور قانون کے مطابق حل ہو جائے تو یہ ناممکن ہے۔ ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ میں تمہیں مایوس نہیں کر رہا' حقیقت بتا رہا ہوں۔ میں کیا' کوئی بھی وکیل بے بس ہوگا' لیکن اگر دولت اور اس کے ساتھ طاقت استعمال کرو گے' خصوصاً اس ٹیڑھے نظام کے تحت ٹیڑھا چلو گے تو سب کچھ ٹھیک ہوتا چلا جائے گا۔''

''مجھے کیا کرنا ہوگا۔'' جسپال نے حتمی انداز میں کہا۔

''تمہارے پاس صرف اتنا ثبوت ہے کہ تمہارا نام تمہارے گاؤں اُوگی کے چوکیدار کے رجسٹر میں درج تھا' جو اس نے تحصیل میں درج کروا دیا۔ میں مان لیتا ہوں کہ تم سچے ہو' لیکن یہ کیسے ثابت کر پاؤ گے کہ وہ جسپال سنگھ تو ہی ہو آنجہانی کلوندر سنگھ کا بیٹا ہے' تمہارا پہلا امتحان یہی ہے کہ تم اپنا ہونا ثابت کر دو' یہ ثابت کرو کہ تم کلوندر سنگھ کے پتر ہو' جس دن تم انصاف اور قانون کے تحت یہ ثابت کر لو' تو میرے پاس آ جانا۔ میں نہ صرف تمہارا مقدمہ لڑوں گا' بلکہ تمام اخراجات خود برداشت کروں گا۔''

''آپ قانون اور انصاف سے اتنے مایوس کیوں ہیں؟ اور پھر میری راہ' میری شناخت اتنی مشکل کیوں گل صاحب.....؟'' جسپال نے کافی حد تک غصے میں کہا۔ تو گل نے انوجیت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''اسے یوں سمجھ نہیں آئے گی۔ چند دن بعد یہ خود کہے گا' خیر' آؤ کھانا کھاتے ہیں' میرا خیال ہے لنچ ہو گیا ہوگا۔'' گل نے اٹھتے ہوئے کہا تو وہ دونوں بھی اٹھ گئے۔

لنچ پر وہ تینوں ہی تھے۔ گل کا پریوار شاید پہلے لنچ کر چکا تھا' گھر میں مکمل خاموشی تھی۔ وہ بھی ہلکی پھلکی باتوں اور ادھر ادھر کے واقعات بتاتے ہوئے لنچ کرتے رہے' یہاں تک کہ وہ سیر ہو گئے' وہ دوبارہ اٹھ کر ڈرائنگ روم میں آ گئے۔ تبھی انہوں نے واپسی کی اجازت چاہی۔

''دیکھو پتر! میری باتوں کا برا مت ماننا' اور نہ ہی میں تمہیں مایوس کر رہا ہوں۔ میں تمہارا سارا معاملہ ہی نہیں، مسئلہ بھی سمجھتا ہوں۔ میری تو یہی خواہش ہے کہ رب تجھے تیری مراد دے۔ میں ایک دو دن میں اُوگی آؤں گا' پھر تفصیل سے باتیں ہوں گی۔'' گل نے کہا اور انہیں ہاتھ جوڑ کر واہ گرو کہتے ہوئے فتح بلائی۔ وہ اس سے اجازت لے کر جب اوگی کی جانب چلے تو شام ہونے کو تھی۔

اُوگی پہنچنے تک شام ڈھل چکی تھی اور اندھیرا چھا گیا تھا۔ راستے میں جسپال نے انوجیت سے کوئی بات نہیں کی۔ اسے گل کی سمجھ نہیں آئی تھی لیکن نجانے کیوں اسے وہ بندہ ٹھیک لگا تھا۔ پورچ میں گاڑی رکی تو اس نے دیکھا' ہرپریت کورلان میں بیٹھی ہے' اس نے سفید شلوار قمیص پہنی ہوئی تھی اور باریک آنچل کرسی کی پشت پر پھیلا ہوا تھا۔ وہ کوئی میگزین دیکھ رہی تھی' جس سے توجہ بدل کر ان کی طرف ہو گئی تھی۔ وہ دونوں گاڑی سے اترے تو ہرپریت بھی ان کے قریب آ گئی۔

''آپ دونوں فریش ہو کر آ جائیں میں آپ کے.....''

''نہ ہرپریت' اس جسپال سے کہہ دے جو کہنا ہے' میں تو جا رہا ہوں' شاید رات دیر سے آؤں.....'' انوجیت نے کہا اور اندر کی طرف چلا گیا۔

''پھوپھو کہاں ہیں؟'' جسپال نے پوچھا۔

''وہ اندر ہی ہیں' آپ فریش ہو جائیں پھر باتیں کرتے ہیں۔'' یہ کہہ کر وہ اندر کی جانب چل دی تو وہ دونوں بھی اس کے پیچھے لپکے۔

جسپال چھت پر کھڑا تھا۔ ہلکی ہلکی ٹھنڈ اسے اچھی لگ رہی تھی۔ سامنے اُوگی کی روشنیاں پھیلی ہوئی تھیں۔ جو وہاں کسی آبادی کے ہونے کا احساس دلا رہی تھیں۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس گاؤں میں اس کی حویلی ہے' جو اس کے خاندان کا مقتل بنی تھی۔ اسے یہاں آ کر بڑا عجیب سا لگا تھا۔ اسے کتنی ہی دیر ہو گئی تھی یہاں کھڑے ہوئے' وہ کچھ سوچنا چاہتا تھا' کئی سوال اس کے ذہن میں تھے لیکن کسی ایک پر بھی وہ اپنی توجہ مرکوز نہیں کر پایا تھا۔ ایڈووکیٹ گل کے ساتھ ہوئی باتیں اس کے ذہن میں گونج رہی تھیں۔ لیکن ایک سوال اس کے ذہن میں اچانک اُبھرا تھا۔ نجانے اسے کیوں لگا تھا کہ ایڈووکیٹ گل اور اس سوال کا کہیں گہرا تعلق ہے۔ تبھی اسے اپنے عقب میں قدموں کی چاپ سنائی دی۔ اس نے مڑ کر دیکھا تو توقع کے مطابق وہاں ہرپریت کھڑی اس کی طرف سنجیدگی سے دیکھ رہی تھی۔ وہ چند لمحے یونہی دیکھتی رہی پھر بولی۔

''لگتا ہے آپ کو یہ جگہ بہت پسند ہے۔ آپ یہاں آ کر کیوں کھڑے ہو جاتے ہیں؟''

''ہرپریت..... میں اس کا جواب نہیں دے سکتا۔ شاید میں اس گاؤں کی فضاؤں سے بہت ساری باتیں کرنا چاہتا ہوں' یا شاید اپنے اندر کے شور کو سننے کے لیے اس پرسکون جگہ پر آ جاتا ہوں۔''

''جسّی جی میں جو ہوں باتیں کرنے کے لیے' مجھ سے باتیں کیا کریں نا۔'' وہ آہستگی سے بولی۔

''ہاں' تم بھی ٹھیک کہتی ہو' خیر.....! میری ایڈووکیٹ گل کے ساتھ بات ہوئی' اس کے بارے میں سوچ رہا تھا اور.....'' یہ کہتے ہوئے وہ چند لمحے خاموش رہا پھر اختصار سے باتیں بتانے لگا۔ ساری بات سن کر ہرپریت ذرا سا مسکرائی اور بولی۔

''وہ ٹھیک کہتا ہے' لیکن اس کی سمجھ ابھی تمہیں نہیں آئے گی۔''

''کیوں.....؟'' وہ تیزی سے بولا تو وہ عام سے لہجے میں بولی۔

''تم ابھی اس ماحول کو نہیں جانتے' جب ماحول کو سمجھو گے تو ساری باتیں سمجھ میں آنے لگیں گیں۔''

''اچھا' ایک بات بتاؤ' آج صبح تم نے اس پولیس آفیسر کے بارے میں بتایا تھا' وہ کیا کہانی ہے؟''

''مجھے معلوم تھا کہ تم یہی بات کرو گے.....'' وہ دھیرے سے مسکراتے ہوئے بولی۔ ''وہ بہت بے غیرت قسم کا پولیس آفیسر تھا اور اسے خاص طور پر یہاں لگایا گیا تھا' بہت دنوں سے لوگ اس کی تاک میں تھے' رات وہ قابو آ گیا۔''

''لیکن تم تو کہہ رہی تھی کہ یہ میرے لیے پیغام تھا؟'' جسپال نے تیزی سے پوچھا۔

''بن گیا نا' پیغام بن گیا' اور یہ جو تم نے سوچا ہے کہ ایڈووکیٹ گل کی بات اور اس قتل میں کہیں تعلق ہے تو وہ ہے..... میں تمہیں مزید نہیں الجھانا چاہتی ہوں جسّی' میں صاف لفظوں میں تمہیں بہت کچھ بتا دینا چاہتی ہوں آؤ..... نیچے چل کر تمہارے کمرے میں سکون سے بیٹھتے ہیں۔ وہیں باتیں کرتے ہیں۔''

''چلو.....'' اس نے کہا تو دونوں آگے پیچھے نیچے کی طرف سیڑھیاں اترتے چلے گئے۔ کمرے میں پہنچ کر جسپال بیڈ پر بیٹھا تو ہرپریت نے ایک کرسی کھینچی اور بیڈ کے قریب بیٹھ گئی۔ پھر بڑے سکون سے بولی۔

''میں جالندھر میں پڑھتی تھی' خالصہ کالج جالندھر' وہیں ہاسٹل میں رہتی تھی۔ میں اکیلی ہی وہاں پر ایسی نہیں تھی کہ جس کا باپ اس کے پیدا ہونے سے پہلے قتل ہو گیا۔ کسی کا باپ' کسی کا بھائی' ہر ایک ایسی تھیں' جس کے گھر سے کوئی نہ کوئی قتل نہ ہوا

ہو۔ سکھوں کے لیے سن چوراسی قیامت کا سال تھا۔ میرے اندر انتقام تو تھا ہی' وہاں جا کر شعور ملا کہ ہمیں کرنا کیا ہے' وہیں ہماری ایک لیڈر تھی' جس کے باپ کو اس کی نگاہوں کے سامنے زندہ جلا دیا گیا تھا' اس کی کہانی بڑی دردناک تھی' سو ہم شعوری اور لاشعوری طور پر سکھ حریت پسند تحریک کے ساتھ جڑ گئے۔ ہم نے بہت کام کیا خالصہ پنتھ کے لیے' جس میں قوت ہمارے اندر پلنے والے انتقام سے تھی۔ یہ تحریک بہت مضبوط ہے' سمجھ لو کہ گھاس کے اندر ہی اندر ایک دریا بہہ رہا ہے' جو کسی بھی دن شوریدہ سر لہروں کے ساتھ نمودار ہو جائے گا۔'' وہ کسی جذباتی حریت پسند کی طرح کہہ کر خاموش ہو گئی۔

''حکومت کو پتہ ہے.....؟'' جسپال نے پوچھا۔

''پتہ ہے' ہماری گوریلا جنگ جاری ہے' اور یہ پولیس آفیسر ہم نے ہی مارا ہے۔'' ہرپریت نے نفرت آمیز لہجے میں کہا تو جسپال نے گہرا سانس لے کر ہنکارا بھرا۔

''ہوں.....''

''سوال یہ جسی' جب تک تم اپنے بارے میں' اپنے مقصد کے بارے میں نہیں بتاؤ گے' ہم تمہاری مدد کیسے کر پائیں گے' اگر تم صرف اپنی جائیداد.....''

''نہیں' مجھے جائیداد سے کوئی دلچسپی نہیں ہے' اس سے کہیں زیادہ میرے پاس وینکوور میں ہے' یہ میں نے تمہیں بتایا تھا۔ میں سکون اور عیاشی کی زندگی وہاں گزار سکتا ہوں۔ میں یہاں پر کیوں آیا ہوں؟ صرف ان لوگوں کو' جو کسی نہ کسی حوالے سے میرے خاندان کے قتل میں ملوث ہیں۔ انہیں ختم کرنے کے ذمے دار ہیں' میں نے انہیں نہیں چھوڑنا۔ بس' یہی میرا مقصد ہے۔'' اس نے ہرپریت کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''پھر وہ تو رویندر سنگھ خاندان ہے' جس کے بارے میں نے تمہیں بتایا تھا۔'' وہ تیزی سے بولی۔

''ہاں وہی' لیکن اس کے علاوہ بھی بہت سارے لوگ ہیں۔'' یہ کہہ کر وہ چند لمحے خاموش رہا' پھر بولا۔ ''تمہاری یہ بات بالکل درست ہے کہ مجھے یہاں کے ماحول کے بارے میں نہیں معلوم اور نہ ان لوگوں کے بارے میں پوری معلومات رکھتا ہوں۔ مجھے یہاں کے لوگوں کی مدد درکار ہوگی۔ لیکن میں محتاط اس لیے ہوں ہرپریت کہ میں اپنا کام ختم ہونے سے پہلے نہ مرنا چاہتا ہوں' اور نہ کام ادھورا چھوڑنا چاہتا ہوں' کہ کس کے ہتھے چڑھ کر جیل کی سلاخوں کے پیچھے بند ہو جاؤں۔''

''تم چاہو تو میں تمہیں اپنی تحریک کے لیڈروں سے ملوا سکتی ہوں' وہ تمہاری مدد.....'' اس نے کہنا چاہا تو جسپال نے ٹوکتے ہوئے کہا۔

''نہیں' ابھی نہیں..... مگر میں چاہوں گا کہ ایک لمحہ بھی ضائع نہ کیا جائے۔''

''مطلب' پلان کیا جائے.....'' ہرپریت مسکراتے ہوئے بولی تو اس نے سنجیدگی سے کہا۔

''یہ تو کرنا ہی ہوگا۔''

''او کے..... آؤ کھانا کھاتے ہیں۔ پھر پوری رات پڑی ہے' باتیں کرنے کے لیے۔ بے بے انتظار کر رہی ہوں گی' میں تمہیں بتاتی ہوں کہ ہمیں کرنا کیا ہوگا۔'' یہ کہتے ہوئے وہ اٹھ گئی' اس نے اپنا دایاں ہاتھ اس کی طرف بڑھایا تو جسپال نے مسکراتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ پھر دونوں ہی مسکرا دیئے۔

❀.....□.....□.....❀

حسب معمول صبح ہوتے ہی میں نے اپنی بائیک نکالی اور ڈیرے کی طرف چل پڑا۔ سوہنی رات ہی کسی وقت چلی گئی تھی جس کا مجھے قطعاً افسوس نہیں تھا۔ ماں نے بتایا تھا کہ قریبی قصبے سے اس نے کوئی گاڑی منگوائی تھی اور پھر اس میں چلی گئی۔ وہ خود گئی تھی، اچھو کریانے والے کی دکان پر فون کرنے۔ وہ چلی گئی تو دماغ پر سے ایک بوجھ اتر گیا لیکن کئی سوال چھوڑ گئی۔

اب اگر مجھے انتظار تھا تو فقط ملک سجاد کا' چاہے غلط فہمی ہی میں سہی' اس نے دشمنی تو پال لی تھی۔ میں بڑھ کر وار نہیں کرنا چاہتا تھا۔ ہاں اگر اس نے کچھ کہا تو اسے سبق سکھانا بنتا تھا۔ میں اس کے لیے پریشان نہیں تھا۔ میں اصل میں سازش بے نقاب کرنے کے لیے کچھ دیر خاموش رہا تھا۔ میں ڈیرے کے قریب پہنچا تو سورج کی نکلتی ہوئی کرنوں میں ایک سیاہ رنگ کی کار کو دیکھا' جو گیٹ کے باہر کھڑی تھی۔ میں ایک دم سے چونک گیا۔

پہلا خیال جو میرے ذہن میں آیا وہ یہی تھا کہ بھیدہ خیریت سے ہو' میں نے کار ہی کے قریب بائیک روکی اور اپنا پسٹل نکال لیا۔ میں نے کار کو غور سے دیکھا' اس میں کوئی نہیں تھا۔ میں نے فوراً ہی گیٹ کھولا تو وہ کھلتا چلا گیا۔ اندر سناٹا تھا' لیکن سب کچھ معمول کے مطابق لگ رہا تھا۔ مویشی بڑے سکون سے تھے۔ تبھی بھیدہ ٹوکری میں چارہ لیے نمودار ہوا تو میری جان میں جان آئی۔ میں نے اشارے سے پوچھا کہ سب خیریت ہے تو اس نے سر ہلاتے ہوئے اندر کی جانب اشارہ کیا اور بولا۔

''ایک بندہ تمہارا اندر بیٹھا انتظار کر رہا ہے۔''

''کون ہے۔'' میں نے پوچھا اور اندر کمرے کی سمت بڑھا۔

''میں نہیں جانتا۔'' اس نے کہا اور چارہ مویشیوں کے آگے پھینک دیا۔ میں اندر گیا۔ تو سادہ لباس میں بیٹھے ہوئے افضل رندھاوے کو دیکھ کر چونک گیا۔ اس وقت وہ اپنی عمر سے کہیں زیادہ دکھائی دے رہا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی اٹھ گیا۔ میں نے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا تو اس نے مجھ سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

''جمال.....! میں اس وقت تیرے ڈیرے پر ایک دوست کی حیثیت سے آیا ہوں۔ میری باتیں سن لینا' پھر فیصلہ تو اب حال تم نے ہی کرنا ہے۔''

''آپ بیٹھیں' اور جی بھر کے باتیں کریں..... اگر آپ دوست بن کر آئے ہیں تو مجھے بھی اپنا دوست ہی پائیں گے.....'' میں نے سامنے پڑی چارپائی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا' جہاں وہ پہلے بیٹھا ہوا تھا اور خود دوسری چارپائی پر بیٹھ گیا۔ وہ چند لمحے خاموش رہا' پھر سوچتے ہوئے لہجے میں بولا۔

''دیکھو' میں جو بھی ہوں لیکن آخر کار ایک سرکاری ملازم ہوں۔ میری حدود ہیں جن میں رہ کر میں اپنا کام کرتا ہوں اس کے ساتھ ساتھ میں' اپنے افسروں کے حکم کا بھی پابند ہوں۔ میں اعتراف کرتا ہوں کہ میں نے تمہارے ساتھ زیادتی کی' اور یہ زیادتی سراسر غلط فہمی کی بنیاد پر تھی۔ مجھے حکم دیا گیا تھا اور اس کے ساتھ جو معلومات دی گئی تھیں' اس میں تمہیں ایک ایسا جرائم پیشہ شخص بتایا گیا تھا جس کا پورا ایک گروہ ہے' خیر..... جو کچھ ہوا تمہارے ساتھ وہ اچھا نہیں ہوا' میں اس پر معذرت خواہ ہوں۔''

''مجھے نہیں معلوم کہ رندھاوا صاحب کہ آپ ایسا کیوں کہہ رہے ہیں' لیکن حیرت اس بات پر ہے کہ آپ اتنا سب کچھ کرنے کے بعد' جبکہ نوکری کرنے' افسروں کا حکم ماننے کی مجبوری کے ساتھ معذرت کرنے کیوں چلے آئے۔ آپ نے تو اپنی نوکری کی' پھر یہ شرمندگی کیوں؟''

''نہیں' مجھ سے غلطی ہوئی' مجھے بھی اپنی پیشہ وارانہ دیانت داری نبھانا چاہیے تھی' میں یہ نہیں کہتا کہ تم میری بات کا یقین کرو' میں یہ بھی نہیں کہوں گا کہ تم میری معذرت قبول کرو' کیونکہ تم مجھے شک کی نگاہ ہی سے دیکھو گے۔ ایسا کبھی ہوا نہیں ہے کہ اوپر سے میرے ڈیپارٹمنٹ کا بندہ یوں معذرت کرنے آ جائے' یہاں تک کہ اسے کوئی مجبوری نہ ہو؟''

''چلیں' میں آپ پر شک نہیں کرتا' معذرت بھی مان لی' اب.....؟''

میں نے اس کے چہرے پر دیکھتے ہوئے کہا تو وہ دھیرے سے مسکراتے ہوئے بولا۔

''جمال ...! تم کیا سمجھتے ہو کہ دنیا اتنی ہی سادہ ہے' جتنی تم سمجھتے ہو یا پھر جتنے تم سادہ ہو؟''

''میں سمجھا نہیں؟'' میں نے اس کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''جو دلیر آدمی ہوتا ہے وہ ہمیشہ سچ پر کھڑا ہوتا ہے' چاہے وقتی طور پر اسے ہزیمت اٹھانی پڑے۔ اس دنیا کا اصل مسئلہ منافقت ہے' منافق' آدمی ہی ہوتا ہے' کبھی تم نے کسی جانور میں منافقت نہیں دیکھی ہوگی' منافق انسان ہوتے ہوئے بھی حیوانوں سے بدتر ہوتا ہے۔ بظاہر منافق وقتی فتح حاصل کر لیتا ہے لیکن دراصل وہ پہلے خود ہارتا ہے' پھر ساری زندگی اپنی آگ میں جلتا رہتا ہے۔ کیونکہ حسد کی آگ ہی منافقت کی طرف لے کر جاتی ہے۔ خیر.....' کہنا میں یہ چاہ رہا ہوں کہ وہ معاشرہ پرامن ہوتا ہے جہاں منافقت نہیں ہوتی۔'' وہ گھمبیر لہجے میں کہتا چلا گیا۔

''میں اب بھی نہیں سمجھا کہ آپ کہنا کیا چاہ رہے ہو؟'' اس دفع میں نے زچ ہوتے ہوئے پوچھا۔

''وہی بتا رہا ہوں' دلیر اور سچا آدمی ہمیشہ منافقوں سے مار کھاتا ہے۔ اگرچہ منافقوں کی یہ وقتی فتح ہوتی ہے' کہنا میں یہ چاہ رہا ہوں کہ اپنے اردگرد منافقوں سے بچو' کیونکہ ہمیشہ منافق ہی اعتماد حاصل کر کے اپنا وار کرتا ہے۔'' اس نے پہلے سے بھی سنجیدہ لہجے میں کہا تو میں نے محسوس کیا کہ جیسے وہ کچھ کہنا چاہتا ہے لیکن کہہ نہیں پا رہا ہے۔ اس لیے میں نے اپنے لہجے کو نرم بناتے ہوئے پوچھا۔

''رندھاوا صاحب' دراصل میں یہ سمجھنا چاہ رہا ہوں کہ آپ مجھ سے کہنا کیا چاہتے ہیں۔ آپ صاف لفظوں میں کہیں' یقین رکھیں' یہ آپ کے اور میرے درمیان ہی رہے گی۔''

''تو پھر سنو.....! یہ پیرزادوں کو اور شاہ فیملی کو اچانک ہی تم میں اتنی دلچسپی کیوں پیدا ہو گئی ہے؟'' اس نے میری جانب سوالیہ انداز سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ تو میں نے کاندھے اچکاتے ہوئے کہا۔

''میں نہیں جانتا۔''

''مگر میں جانتا ہوں۔'' اس نے ڈرامائی انداز میں کہا۔ پھر میرے کچھ کہنے سے پہلے ہی بولا۔ ''اس پورے علاقے میں تیرے جیسا' بہادر' نڈر اور فنکار قسم کا کوئی دوسرا بندہ نہیں ہے۔ دونوں خاندان بظاہر ایک دوسرے کے دشمن اور حریف دکھائی دیتے ہیں لیکن اندر سے یہ دونوں ایک ہی ہیں۔ ان کی ساری پلاننگ دو باتوں پر ہوتی ہے' ایک تو یہ کہ عوام کو آپس میں لڑاتے رہیں تاکہ ان کی حکمرانی قائم رہے' دوسرا عوام میں سے اٹھنے والے تیرے جیسے بندے یا کوئی بھی طاقت ور گروہ کو وہ اپنے مقصد کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ نہ قابو میں آئیں تو انہیں ختم کر دیتے ہیں اور یہ سارا عمل منافقت کا ہے۔ کیا تم اور میں نہیں جانتے کہ ان کے ڈیروں پر کیسے کیسے اشتہاری پڑے ہوتے ہیں۔ انہیں کیوں رکھا ہوا ہے۔ حالانکہ وہ معاشرے کے' عوام کے اور قانون کے مجرم ہیں۔ میرے ہاتھ بندھے ہیں کہ میں ان پر ہاتھ ڈالنے کی طاقت رکھتے ہوئے بھی ہاتھ نہیں ڈال سکتا کہ سیاسی دباؤ اور گروپ بندیوں نے میرے ہاتھ باندھے ہوئے ہیں اور تم جیسے لوگ شعور نہیں رکھتے' بس لاشعوری طور پر ان کی انگلیوں پر ناچتے چلے جاتے ہیں۔'' وہ بے حد جذباتی ہو گیا تھا۔

''آپ ٹھیک کہتے ہیں رندھاوا جی' لیکن جب قانون کچھ نہیں کر سکتا تو ہم کیا کریں' آپ لوگ کس لیے ہیں؟ ہم اگر ہتھیار اٹھاتے ہیں تو مجرم بن جاتے ہیں ایک اور اشتہاری پیدا ہو جاتا ہے۔''

''یہی تو' یہی تو میں سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں جمال کہ اس سسٹم میں سوائے اشتہاری پیدا ہونے کے کیا ہوتا ہے۔ کیونکہ جہاں انہیں یہ پیدا کرتے ہیں' وہاں انہی کی حفاظتی دیوار بنا کر خود کو محفوظ کر لیتے ہیں۔ کیا یہ ایک دوسرے کے بارے میں نہیں جانتے کہ یہ کتنے بڑے جرائم پیشہ ہے لیکن سیاسی میدان میں نورا کشتی کرتے ہیں۔ خیر.....! میں تمہیں یہ بات اس لیے سمجھانے آیا ہوں کہ مجھے یہ پتا چلا ہے کہ شاہ دین تجھے اپنے پتر شاہ زیب کا باڈی گارڈ رکھنا چاہتا ہے اور پیرزادہ ایسا

نہیں چاہتا' وہ تم سے لڑے گا نہیں بلکہ تم پر مزید احسان کرنے کی کوشش کرے گا۔ لیکن خدا کے لیے تم اپنی طاقت بچا کر رکھنا۔'' اس بار اس کے لہجے میں درد تھا۔

''میں سمجھ گیا ہوں' آپ کیا کہنا چاہ رہے ہیں۔ ایسا نہیں ہوگا۔'' میں نے اسے یقین دلایا تھا اسی لمحے میرے ذہن میں ایک خیال رینگ گیا۔ میں نے شدت سے یہ خواہش کی کہ کاش رندھاوا اپنے طور پر یہ خواہش مجھ سے کہہ دے۔

''اگر تم سمجھ ہی گئے ہو تو یاد رکھو' وقت تمہارا ہوگا۔ میرے لائق اگر کوئی خدمت ہو تو بتانا۔'' اس نے اٹھتے ہوئے کہا تو مجھے مایوسی ہونے لگی۔ تبھی میں نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

''آپ بھی' اگر کوئی ضرورت محسوس کریں تو میں حاضر ہوں۔''

''عوام اور قانون کا ایک ساتھ ہو جائے تو جرائم ختم کیے جا سکتے ہیں' مگر ہماری ڈیپارٹمنٹ کی کالی بھیڑیں ان جرائم کو ختم نہیں' ان کی پرورش کر رہے ہیں ورنہ ان کی کمائی کیسے ہو؟ جیسے میرے ہی آفیسر نے مجھے ٹشو پیپر کی طرح استعمال کر لیا۔ صرف ملک سجاد کو خوش کرنے کے لیے۔ ویسے اگر تم میرا ساتھ دو تو ہم بہت کچھ کر سکتے ہیں۔''

''آپ جو حکم کریں لیکن.....'' میں کہتے کہتے رک گیا

''لیکن کیا؟'' وہ تیزی سے بولا

''بس رندھاوا جی پیٹھ میں چھرا مت گھونپنا' باقی آپ میری مدد کریں' میں آپ کی کر دوں گا' یہ تعلق تو اعتماد پر آگے بڑھے گا نا۔'' میں نے اپنی خواہش کا اظہار کیا تو اس کی آنکھیں چمک گئیں۔ اس نے اپنے اندرونی جذبات کو دباتے ہوئے کہا۔

''تو پھر شروعات میں کرتا ہوں۔ ملک سجاد نے اپنے کچھ بندے یہاں بھیجے ہیں' تمہارے لیے' اور جانتے ہو وہ اس وقت کہاں ہیں؟''

''کہاں ہیں؟'' میں نے چونکتے ہوئے پوچھا۔

''تیرے گاؤں کے حکمران' شاہ دین کے ڈیرے پر..... دونوں ایک ہی پارٹی کے ہیں' اور پہلے بھی ایک دوسرے کی مدد کرتے رہتے ہیں۔ آج نہیں تو کل' کل نہیں تو پرسوں' کسی بھی دن' وہ اچانک تیرے سامنے نمودار ہوں گے اور.....'' وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

''میں وہ وقت آنے ہی نہیں دوں گا۔ آپ پکی نشاندہی کرو' انہیں قانون کے ہاتھ میں دینا اور اس کی پیروی کرنا میرا کام ہے.....'' میں نے عزم سے کہا تو وہ خوش ہوتے ہوئے بولا۔

''نہ قانون کے ہاتھ نہ پیروی.....''

''مطلب انہیں دنیا ہی سے.....'' میں نے کہا تو یہ کہتے ہوئے اس نے اپنا دایاں ہاتھ بڑھایا

''تو پھر ہو گیا طے..... میں ان کے ساتھ کیا کرتا ہوں..... یہ تم دیکھنا.....''

میں نے اس کا ہاتھ تھام لیا' گرمجوشی سے ہاتھ ملا کر ہم نے ایک دوسرے کو دیکھا تو اس نے اپنی آنکھیں بند کر کے مجھے اپنا یقین دلایا اور پھر تیز تیز قدموں سے ڈیرے سے باہر چلتا چلا گیا۔ کچھ دیر بعد گاڑی جانے کی دھیمی دھیمی آواز آئی تو میں بھیدے کے پاس جانے کے لیے بڑھا۔ میں نے اس کے پاس جا کر کہا۔

''بھیدے.....! ممکن ہے آج کے بعد میں ڈیرے پر نہ آ سکوں' تم کسی بندے کا بندوبست کر لینا' اور خیال رکھنا..... اب میں دودھ لے کر جا رہا ہوں۔''

''جاؤ.....! اور فکر نہ کرنا.....'' اس نے کہا تو میں دودھ والا برتن اٹھا کر ڈیرے سے نکل گیا۔

سورج کی تیز روشنی نے پورے ماحول کو چمکا کے رکھ دیا تھا۔ سرد ہوائیں اب گرمی کا چولا بدل رہی تھیں۔ میں نے دودھ کا برتن ماں کو دیا' پھر ڈٹ کر ناشتہ کر چکا تو چھا کا آ گیا۔ تیکھے نقوش والے چھاکے کے چہرے پر گہری سنجیدگی طاری تھی۔ اس کی آنکھیں بتا رہی تھیں کہ ان میں کوئی بے چینی کروٹ لے رہی ہے۔ وہ خاموشی سے میرے پاس آ کر بیٹھ گیا تو میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''کیوں اس قدر بے چین ہو؟''

''بس ویسے ہی یار' جب سے ملک سجاد کی دھمکی سنی ہے' میں اسے دیکھنا چاہتا ہوں۔ فون پر دھمکیاں تو ہر کوئی دے لیتا ہے' اصل بات تو یہ ہے کہ وہ سامنا کرے۔''

''اس نے اپنے بندے بھیج دیئے ہیں۔'' میں نے کہا تو اس کی آنکھوں میں چمک لہرا گئی۔ پھر دھیمے سے لہجے میں بولا۔

''بات تو نہ بنی نہ یار' کچھ بندوں کو آگے کر کے وہ.....''

اس نے کہنا چاہا' مگر میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے رندھاوا سے ہونے والی تفصیل بتا دی۔ وہ خاموشی سے سنتا رہا پھر جب میں نے کہا کہ تمہارا کیا خیال ہے تو وہ بولا۔

''دیکھ لو..... بندے اگر شاہ دین کے ڈیرے پر ہیں اور ہم انہیں وہیں قابو کرتے ہیں تو معاملہ شاہ دین کی انا بن جائے گا۔ مطلب سیدھے سیدھے شاہ دین سے ٹکرانا ہوگا' اور اگر کہیں دوسری جگہ آمنا سامنا ہوتا ہے تو پھر یہ شاہ دین بے نقاب نہیں ہوگا۔''

''تو یہ کہنا چاہ رہا ہے کہ انہیں شاہ دین کے ڈیرے پر ہی.....'' میں نے جان بوجھ کر فقرہ ادھورا چھوڑ دیا تو وہ تیزی سے بولا۔

''تو اور کیا..... اس شاہ دین کو بھی تو پتہ چلے کہ ہم سوئے ہوئے نہیں ہیں۔ لیکن.....! اس کا فیصلہ صرف تم نے کرنا ہے کہ اس سے دشمنی نبھا پاؤ گے یا نہیں۔''

''یہ تو بعد کی بات ہے چھاکے کہ ہم دشمنی نبھا پائیں گے یا نہیں' جب دشمنی ہو ہی گئی تو کسی ایک کو تو ختم ہونا ہے' ہم یا وہ..... اور کبھی نہ کبھی تو یہ ہونا ہی ہے..... کیوں نا ابھی سہی۔'' میں نے کہا تو اس نے حتمی انداز میں پوچھا۔

''تو پھر دیکھتا کیا ہے' چل اٹھ..... نکلتے ہیں۔ کرتے ہیں ان کا کچھ نہ کچھ۔''

''مجھے رندھاوا کی طرف سے نشاندہی کا انتظار ہے۔'' میں نے کہا تو وہ بولا۔

''چل تو کر انتظار' میں کچھ دیر میں آتا ہوں۔''

''یہ کہتے ہوئے وہ اٹھ گیا تو میں نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے پوچھا۔

''تو جا کہاں رہا ہے.....ۃ''

''میں آ کے بتاتا ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ تیزی سے باہر کی جانب چل دیا۔ میں چارپائی سے اٹھ ہی رہا تھا کہ ماں آ گئی۔ اس نے مجھے عجیب سی نگاہوں کے ساتھ دیکھتے ہوئے کہا۔

''جمال آخر وہ دن آ ہی گیا' جس کا برسوں سے ہم دونوں انتظار کر رہے تھے۔''

''ہاں ماں.....! ایک دن تو یہ آنا ہی تھا۔ بس تم میرے لیے دعا کرتی رہنا۔ ماں کی اور وہ بھی مظلوم ماں کی دعا میں بڑی طاقت ہوتی ہے اور میرا یقین ہے ماں جب تک تیری دعائیں میرے ساتھ ہیں' میرا کوئی بھی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔''

''بس.....! اس پیدا کرنے والے کی ذات پر بھروسہ رکھنا' میرے پتر۔ وہی زندگی اور موت دینے والا ہے۔ کبھی ظالم ساتھ مت دینا۔ میری دعائیں تیرے ساتھ ہیں۔ اللہ پاک تجھے کامیابیاں دے۔'' یہ کہہ کر ماں نے مجھے اپنے سینے سے

ساتھ لگایا' میرا ماتھا چھوما اور دھیرے سے کہا۔ ''جا.....! اللہ کے حوالے.....'' یہ کہتے ہوئے ان کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ میں نے تڑپ کر کہا۔

''ماں.....! میں اپنی جان ہار سکتا ہوں' پر تیری آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکتا۔ ایسے ہی آنسو تیری آنکھوں میں تھے جب میں نے تجھ سے وعدہ کیا تھا کہ میں اپنے دشمنوں سے بدلہ لوں گا' پھر اب کیوں.....؟''

''نہیں پتر.....! وہ آنسو بے بسی کے تھے لیکن یہ آنسو خوشی کے ہیں۔ میں خوش ہوں کہ تو اب اتنا بڑا ہو گیا ہے۔ اس وقت ماں باپ سر اٹھا کر چلنے کے قابل ہو جاتے ہیں' جب ان کے بچے یہ کہہ دیں کہ ہم ساری ذمہ داری قبول کرتے ہیں۔ تو پریشان نہ ہو میرا پتر! اور میری فکر مت کرنا۔'' ماں نے مجھے پھر سے اپنے ساتھ لگا کر نرمی سے کہا' میں کچھ دیر ماں کی چھاؤں میں رہا اور پھر الگ ہو کر باہر والے کمرے کی طرف چل دیا۔

میرے اندر بے چینی بڑھ گئی تھی۔ دوپہر ہونے کو آ گئی تھی لیکن رندھاوا کا کوئی بندہ میرے پاس نہیں پہنچا تھا۔ جب بندے کی بے چینی عروج پر پہنچ جائے تو خیالات میں وسوسے بھی اُگنے لگتے ہیں۔ ایک وسوسہ یہ تھا کہ کہیں رندھاوا میرے ساتھ کوئی کھیل تو نہیں کھیل رہا۔ میں نے اپنے طور پر ایک وقت متعین کیا اور گھر سے باہر نکلنے کی ٹھان لی۔ میں نے اپنا پسٹل دیکھا' اضافی میگزین اپنی جیب میں ڈالے اور باہر والا دروازہ کھول کر بیٹھ گیا' ایسے میں چھاکے نے اپنی بائیک روکی اور سیدھا میری طرف بڑھا۔ مجھے تنہا پا کر بولا۔

''رندھاوا ٹھیک کہتا ہے جمالے' بندے شاہ دین کے ڈیرے پر موجود ہیں۔''

''تجھے کیسے پتہ چلا۔'' میں نے خود پر بمشکل قابو پاتے ہوئے پوچھا۔

''اپنا چاچا بیرو ہے نا جو شاہ دین کے ڈیرے پر خدمت گار ہے۔ اس نے ساری تفصیل بتا دی ہے۔''

''وہ تیرے کیسے قابو آ گیا اور کیا.....''

''میں نے اس کی بیٹی کی نہ صرف شادی کروائی ہے بلکہ سارا خرچہ بھی کیا تھا' تب سے وہ..... خیر.....! اس نے بتایا ہے کہ کچھ آدمی ہیں اور سارے ہی اشتہاری ہیں۔ رات کے پچھلے پہر پہنچے ہیں اور جس طرح ہم ان کے بارے میں پوچھ رہے ہیں وہ بھی تیرے بارے میں اتنے ہی متجسس ہیں۔ وہ وہیں کے خدماتے گاروں سے پوچھ رہے تھے۔ وہ آج باہر نکل چکے ہیں۔ کہیں بھی ہمیں پکڑنے کی کوشش کریں گے۔'' چھاکے نے پوری تفصیل بتائی تو میں نے کہا۔

''مگر ہم تو انہیں ڈیرے پر پکڑنا چاہتے ہیں۔''

''میں چاچے بیرو سے کہہ آیا ہوں' وہ جب بھی واپس ڈیرے پر آئیں تو وہ ہمیں بتا دے' اور ہماری خوش قسمتی یہ ہے جمالے..... ان کے سوا' کوئی اور نہیں ہے وہاں پر.....'' اس نے بتایا۔

''یہ ممکن نہیں ہے..... چھاکے..... ایک دم سارے وہاں سے ہٹا دیئے جائیں۔ بات دماغ کو نہیں لگتی۔'' میں نے سوچتے ہوئے کہا تو وہ بولا۔

''میری تو یہی اطلاع ہے' چاچے بیرو کے علاوہ دو خدمت گار ہیں وہاں پر..... میں نے ایک بندہ بھیجا ہے' وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ آئے گا تو تسلی ہو جائے گی۔''

''تو ٹھیک ہے پھر انتظار کر.....'' میں نے ایک طویل سانس لے کر کہا تو وہ میرے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ ہم دونوں ہی اپنی اپنی جگہ سوچنے لگے کہ کیا کرنا ہوگا۔ میرے دماغ میں صورتحال واضح نہیں ہو رہی تھی۔ اس لیے میں مطمئن نہیں تھا۔ زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ رندھاوے کا ایک بندہ آ گیا۔ وہ سادہ کپڑوں میں تھا اور مجھے پہچان کر بولا۔

''رندھاوا صاحب نے بھیجا ہے۔ اس وقت وہ لوگ نزدیکی قصبے میں گئے ہوئے ہیں۔ نورنگر میں نہیں ہیں' واپس کب

آتے ہیں اس بارے میں کچھ کہا نہیں جا سکتا۔'' یہ کہہ کر اس نے بندوں کی تعداد اور ان کے حلیے اور تھوڑی بہت معلومات دیں' جب وہ کہہ چکا تو آخر میں بولا۔ ''رندھاوا صاحب کہہ رہے ہیں کہ وہ زندہ یا مردہ جس حالت میں بھی ہوں..... تھانے میں..... اطلاع ہی کر دیں بس..... یا پھر..... میں آپ کے ساتھ..... اگر آپ مجھ پر اعتماد کریں تو.....؟'' یہ کہہ کر اس نے میرے چہرے کی طرف دیکھا۔

''تم جاؤ' باقی میں سب دیکھ لوں گا۔'' میں نے آہستگی سے کہا تو وہ تھوڑی دیر مزید بیٹھ کر چلا گیا۔ اس نے جو معلومات بھی دی تھیں بالکل ٹھیک دی تھیں' اب رندھاوا کیا چاہتا تھا؟ واقعتاً میری مدد یا پھر اپنی خفت کا بدلہ' میں کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ یہ آنے والا وقت ہی فیصلہ کرنے والا تھا۔

❁.....□.....□.....❁

جسپال اور ہرپریت دونوں ہی رات دیر تک جاگتے رہے تھے۔ وہ اپنے بارے میں بتاتی رہی کہ کالج لائف سے لے کر اب تک اس نے اپنی تنظیم کے لیے کیا کچھ کیا ہے' لیکن جسپال نے فقط اتنا بتایا کہ وہ مختلف شوٹنگ کلب کا ممبر رہا ہے۔ مختلف ہتھیار چلانے اور تھوڑی بہت فائٹ کی تربیت لی ہے۔ وہ بہت کچھ چھپا گیا تھا۔ وہ ہرپریت کے ذہن میں کوئی ایسا تاثر نہیں بنانا چاہتا تھا جس سے وہ کسی غلط فہمی کا شکار ہو جائے اور ایسا ویسا تاثر قائم کر لے جس سے بعد میں اسے پریشانی لاحق ہو جائے۔ وہ ابھی کسی پر بھی نہیں کھلنا چاہتا تھا۔ راز وہی ہوتا ہے جو خود تک محدود رہے۔ جو خود ہی راز نہ رکھ سکا تو وہ راز پرایا ہو گیا۔ اس لیے وہ دوپہر کے بعد جا کر کہیں بیدار ہوا۔ پھر وہ سکون سے تیار ہو کر نیچے ڈرائنگ روم میں آیا تو ہرپریت صوفے پر آلتی پالتی مارے اس دن کا اخبار پڑھ رہی تھی جو گرد مکھی میں تھا۔ جسپال سنگھ کو وہ زبان پڑھنی نہیں آتی تھی۔ وہ اس کے قریب بیٹھ گیا تو ہرپریت نے اخبار سمیٹ کر ایک طرف رکھا اور اٹھنے لگی۔

''کدھر جا رہی ہو؟''

''بُوتی کو ناشتے کا کہہ آؤں۔ وہ کچن میں مصروف ہو گی۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے اپنے سلیپر پہنے اور اندر کی جانب بڑھ گئی جبکہ وہ سیل فون پر انوجیت کے نمبر ملانے لگا۔ کچھ دیر بعد اس کی کال مل گئی۔

''کدھر ہو یار؟''

''میں یہاں مہتا پور میں ہوں۔ تھوڑا کام تھا یہاں۔'' انوجیت نے ایک نزدیکی جگہ کے بارے میں بتایا۔

''چلو ٹھیک ہے۔'' اس نے کہا اور فون بند کرنے لگا تو وہ بولا۔

''اچھا' تم گھر پر ہی رہنا۔ وہ ایڈووکیٹ گل آج آئیں گے' تب تک میں بھی آ جاؤں گا۔''

''او کے.....! میں گھر پر ہی ہوں۔'' اس نے کہا تو انوجیت نے فون بند کر دیا۔ تبھی فطری طور پر اس کا ذہن اس بوڑھے ایڈووکیٹ کی طرف چلا گیا جو اوپر سے بہت جذباتی لگتا تھا لیکن حقیقت میں وہ بہت ٹھنڈا انسان تھا۔ ہرپریت سے باتیں کرنے کے بعد اسے لگا تھا کہ وہ تنظیم کا کوئی اہم بندہ ہی ہو سکتا ہے۔ وہ ابھی یہی سوچ رہا تھا کہ ہرپریت واپس آ گئی۔ صوفے پر آلتی پالتی مار کر بیٹھتے ہوئے اس نے مسکرا کر کہا۔

''ناشتے سے پہلے نیوز سنو گے یا بعد میں.....''

''یہ تو تم ایسے پوچھ رہی ہو جیسے تم مجھے کوئی میڈیسن دے رہی ہو۔'' جسپال نے ہنستے ہوئے کہا تو وہ کھل کر ہنس دی۔ بلاشبہ اسے ہرپریت کی ہنسی جلترنگ ایسی ہی لگی تھی۔ کھنکتی ہوئی۔ کانوں میں رس گھول دینے والی ہنسی۔ پھر اخبار کا اندرونی صفحہ اس کے سامنے کرتے ہوئے بولی۔

''یہ دیکھو..... اس پولیس آفیسر کے بارے میں تفتیش کے لیے خفیہ والے متحرک ہو گئے ہیں۔''

''پہلی تو یہ بات ہے مجھے یہ گرومکھی پڑھنی نہیں آتی اور دوسری بات اس خبر سے تم لوگوں کو الرٹ ہونا چاہیے مجھے تو نہیں۔''

''ہاں..... دیکھتے ہیں' ان کی تفتیش کس رخ پر جاتی ہے۔'' وہ بے خیالی کے سے انداز میں بولی پھر اس نے خبر کا متن پڑھ کر سنا دیا' کسی رپورٹر نے باوثوق ذرائع سے وہ خبر دی تھی۔ وہ ناشتہ آ جانے پر اس خبر کے حوالے سے باتیں کرتے رہے۔ وہ ناشتہ کرنے لگا تو ہرپریت اندر چلی گئی۔

اس وقت وہ دونوں کاریڈور میں آ کر بیٹھ چکے تھے۔ ہرپریت نے نیلی جین کے ساتھ ہاف سلیوٹی شرٹ پہن لی تھی۔ اپنے کھلے ہوئے بال پونی میں باندھ لیے تھے۔ اس کا میک اپ سے بے نیاز چہرہ تروتازہ لگ رہا تھا۔ جسپال کے اندر بڑے خوشگوار جذبے اُسے مسحور کر رہے تھے۔ اگرچہ اس نے ہرپریت کے بارے میں سوچا نہیں تھا لیکن اس کا ساتھ اچھا لگ رہا تھا۔ اس کے ہونے سے ماحول بھرا بھرا سا لگتا تھا۔ جیسے ہر منظر میں رنگ گہرے ہو گئے ہوں۔ اس نے بھرپور نگاہوں سے ہرپریت کو دیکھا' شاید پنجاب کے ماحول کی کشش تھی یا پھر آب و ہوا کا اثر' کچھ تھا کہ اس کا دل اتھل پتھل ہونے لگا تھا۔ بات یہ نہیں کہ اس نے وینکوور میں حسن نہیں دیکھا تھا' وہاں بھی پنجابی لوگوں کی بھرمار تھی اور ایک سے ایک بڑھ کر حسین تھیں۔ لیکن جو کچھ وہ ہرپریت میں دیکھ رہا تھا وہ کچھ انہونی تھی' ایک الگ سی' جس کی اسے خود سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ اسے یوں گہری نگاہوں سے اپنی طرف دیکھتے ہوئے پا کر وہ آہستگی سے بولی۔

''جسّی جی..... کہاں ہو؟''

''یہیں ہوں' تمہارے پاس۔'' اس نے اچانک چونکتے ہوئے کہا پھر ہلکے سے مسکرا کر کوئی ایسی بات کرنا چاہتا تھا کہ اس کے جذبات کی ترجمانی ہو سکے' انہی لمحات میں گیٹ وا ہوا اور ایک نیلے رنگ کی کار اندر آتی ہوئی دکھائی دی۔ بلاشبہ بنتا سنگھ کو معلوم ہو گا کہ وہ کون شخص ہے' اس لیے کار اندر آنے دی' تبھی ہرپریت نے بڑبڑانے والے انداز میں کہا۔

''ایڈووکیٹ گل..... آ گئے۔''

کار پورچ میں روک کر وہ اترا اور پھر انہی کی جانب بڑھ آیا' واہ گرو' واہ گرو کہتے ہوئے انہوں نے ایک دوسرے کو وِش کیا اور انہی کے پاس بیٹھ گیا۔

''انکل..... اندر چل کر بیٹھتے ہیں۔'' ہرپریت نے کہا تو وہ بولا۔

''او نہیں پتر..... ادھر ہی بیٹھ جاتے ہیں۔''

''ٹھیک ہے جی۔'' یہ کہتے ہوئے وہ اٹھ کر اندر کی جانب چلی گئی۔ ایڈووکیٹ گل نے ایک نگاہ جسپال پر ڈالی اور پوچھا۔

''جسپال.....! تجھے میرے آنے کے بارے میں انوجیت نے بتا دیا ہو گا۔''

''ہاں جی' اس سے میری بات ہوئی ہے' بتایا تھا اس نے۔'' وہ آہستگی سے بولا۔

''وہ اچانک ہی تم سے ملنے کے لیے آنا پڑا' میں یہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ تم یہاں سے کہیں اِدھر اُدھر جاؤ' وہ اصل میں کچھ باتیں کرنا تھی تیرے ساتھ۔''

''جی بولیں' میں سن رہا ہوں۔'' اس نے کہا تو وہ کہنے لگا۔

''وہ جس پولیس آفیسر کا قتل ہوا ہے نا' اس کے لیے حکومت نے ایک تفتیشی ٹیم بنا دی ہے' جو اس کے قتل کی وجہ اور محرکات کی چھان بین کرے گی۔ تمہارا اس قتل سے کوئی لینا دینا نہیں ہے لیکن پتہ نہیں مجھے یہ گمان ہوتا ہے کہ تجھے بھی اس قتل کی تفتیش میں ذہنی اذیت دینے کی کوشش کی جائے گی۔''

''وہ کیوں انکل.....!'' اس نے آہستگی سے پوچھا۔

''اس کی کچھ وجوہات ہیں۔ پہلے وہ بنیادی وجہ سن لو' جس کے بارے میں تجھے معلوم ہے کہ نہیں' خیر..... انگریز نے جہاں جہاں اور جس قوم سے بھی خوف محسوس کیا' اسے کسی نہ کسی طرح متحد نہیں رہنے دیا۔ جیسے مسلمانوں میں مرزائی پیدا کر کے ایک خاص قسم کا فتنہ پیدا کر دیا' اسی طرح سکھوں میں بھی نرنکاری بنا کر نہ صرف دھرم کے طور پر ان کو نقصان پہنچایا بلکہ سکھوں کو سکھوں کے ساتھ لڑانے میں بھی کامیاب ہو گئے۔ آج جس طرح مرزائی بڑے پیمانے پر مسلمانوں کے خلاف یہودیوں والا کام کر رہے ہیں' اسی طرح نرنکاری بھی ہندوؤں والا کام کر رہے ہیں۔ انگریز جو کام مرزائیوں اور نرنکاریوں سے لے رہے تھے' آج وہی کام مرزائیوں سے انگریز اور نرنکاریوں سے ہندو لے رہے ہیں۔ اب تک خالصتان بن چکا ہوتا' اور سانحہ 1984 پیش ہی نہ آیا ہوتا' اگر یہ نرنکاری نہ ہوتے۔ اب تک سکھوں نے جب بھی متحد ہونے کی کوشش کی ہے' انہی نرنکاریوں کو استعمال کیا گیا' یہی امرت دھاری سکھوں کے خلاف سازش میں مصروف ہیں۔ وہ پولیس آفیسر بھی نرنکاری تھا۔ جس کی تفتیشی ٹیم میں پانچ لوگوں کو شامل کیا گیا ہے۔ جن میں تین نرنکاری پولیس آفیسر ہیں۔ ایک ہندو' اور ایک اکالی دل کا لیڈر رویندر سنگھ ہے۔ وہی رویندر سنگھ جو تیرے خاندان کی تباہی کا باعث بنا تھا۔''

''گل صاحب! آپ کی ساری بات ٹھیک ہے' سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ مجھے کیوں ذہنی اذیت دیں گے' یہ بات کس بنیاد پر کہہ رہے ہیں؟'' جسپال نے استفہامیہ لہجے میں پوچھا تو ایڈووکیٹ گل نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''ہاں.....! میں اس سوال کا جواب دینے اور اس کے تناظر میں پیش بندی کے طور پر بات کرنے یہاں آیا ہوں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ تم یہ مت خیال کرو کہ انہیں تمہاری یہاں آمد کے بارے میں علم نہیں' جیسے ہی تم نے یہاں قدم رکھا تھا' انہیں معلوم ہو گیا تھا' اتنے عرصے بعد تمہاری آمد کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ تمہارا' جاتے ہی اپنی حویلی دیکھنا ایک بہت بڑا اشارا تھا ہی' دوسرا تم نے اگلے ہی دن درخواست گزار دی۔ جس کے ردعمل میں ایک ہلچل سی پیدا ہو گئی۔ وہ بظاہر دکھائی نہیں دے رہی لیکن یہاں کے گاؤں کے پنچ' سرپنچ' تحصیل دار کے آفس اور ان کے متعلقہ لوگوں کو پوری طرح الرٹ کر دیا گیا کہ جسپال سنگھ کے اگلے قدم کے بارے میں پوری جانکاری رکھی جائے۔ وہ تمہارے راستے میں رکاوٹوں پر رکاوٹیں پیدا کریں گے۔ پولیس آفیسر کے بارے میں تم سے پوچھ گچھ کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ آخری بار تم ہی اس سے ملے تھے اور تمہاری اس سے تلخ کلامی ہو گئی تھی اور بس.....''

''میں سمجھ گیا کہ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں مگر ایڈووکیٹ صاحب.....! یہ تو بہت اچھی خبر ہے کہ انہیں یعنی میرے دشمنوں کو میرے بارے میں معلوم ہو گیا ہے۔ اب مجھے زیادہ محنت نہیں کرنا پڑے گی۔'' جسپال نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''تمہاری بات سے میں خوش ہوا' لیکن اس کے ساتھ تمہارا زیادہ محتاط ہو جانا بھی ضروری ہے۔'' ایڈووکیٹ گل نے کہا۔

''اس کی آپ فکر نہ کریں۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا تو ان میں ایک طرح سے چند لمحوں کی خاموشی چھا گئی۔ تبھی ہرپریت خود ہی ٹرے میں لسی کے گلاس رکھے نمودار ہوئی۔ اس نے ٹرے میز پر رکھی اور وہیں جا بیٹھی جہاں سے اٹھ کر گئی تھی۔ ایڈووکیٹ گل نے گلاس اٹھاتے ہوئے کہا۔

''جسپال.....! تمہارا اعتماد بڑا اچھا ہے۔ لیکن تم یہاں کی پولیس اور ان تفتیشی اداروں کے بارے میں نہیں جانتے ہو۔ یہاں پر انگریز کا وہی کالا قانون چل رہا ہے۔ جسے وہ اپنی مرضی سے استعمال کیا کرتا تھا اور ان غلاموں پر اپنی حکومت بنائے ہوئے تھا۔ اس لیے احتیاط میرے پتر! بڑی احتیاط۔''

''جی' آپ ٹھیک کہتے ہیں۔'' جسپال نے سوچتے ہوئے کہا اور خاموش ہو گیا۔ ایک دم ــــ اس کے ذہن میں بہت سارے سوال جنم لینے لگے تھے۔ اسے اندازہ تو تھا کہ اوگی پنڈ میں آمد کے بارے میں اس کے دشمن جان جائیں گے لیکن اتنی جلدی؟ اس بارے میں امید نہیں تھی۔ وہ ابھی کسی نئی بات کا سرا تلاش کر رہا تھا کہ گیٹ پر کال بیل ہوئی۔ انہوں نے فطری

طور پر ادھر دیکھا تو بنتا سنگھ باہر جا چکا تھا۔ کچھ ہی لمحوں بعد وہ باہر سے اندر کی طرف آیا اور سیدھا ان کی طرف بڑھتا چلا آیا۔ انہیں تجسس ہو گیا کہ باہر کون آیا ہو گا' بنتا سنگھ کو ان کے پاس آتے ہوئے چند منٹ لگے اور آتے ہی ہرپریت کور کی طرف دیکھ کر بولا۔

''باہر ایک جیپ میں دو بندے ہیں' کہہ رہے ہیں کہ وہ انوجیت یا آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔''

''نام نہیں بتایا انہوں نے؟'' ہرپریت نے پوچھا۔

''ایک نے اپنا نام بتایا ہے۔ من راج سنگھ' کہہ رہا ہے کہ اس کا تعلق پولیس سے ہے۔''

''اوہ.....! اس تفتیشی ٹیم سے.....'' ایڈووکیٹ گل نے بے ساختہ کہا تو ہرپریت نے کہا۔

''اچھا بلاؤ۔ لیکن ان کی جیپ باہر رہے۔''

بنتا سنگھ چلا گیا تو تینوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا' جس پر جسپال نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''گل صاحب..... آپ بالکل پریشان نہ ہوں میں دیکھتا ہوں.....''

یہ کہہ کر اس نے گیٹ کی طرف دیکھا' کچھ ہی دیر بعد ایک لمبا تڑنگا ادھیڑ عمر شخص اندر داخل ہوا' جس نے میرون رنگ کی پگڑی اور گرے رنگ کا سوٹ پہنا ہوا تھا' داڑھی اس نے سنواری ہوئی تھی۔ جو زیادہ تر سفید ہو چکی تھی۔ وہ نپے تلے قدم رکھتا ہوا ان کے پاس آ گیا' اور ہاتھ جوڑ کر فتح بلاتے بولا۔

''ست سری اکال..... واہ گرو..... کی فتح''

انہوں نے جواب دیا اور ہرپریت نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ بیٹھ گیا تو ہرپریت بولی۔

''جی فرمائیں.....! انوجیت تو اس وقت گھر پر نہیں ہے۔''

''آپ تو ہیں ہرپریت کور جی.....'' یہ کہہ کر اس نے دونوں کی طرف دیکھا اور پوچھا۔ ''میرے خیال میں آپ ہی جسپال سنگھ ہیں جو ابھی ونکوور سے آئے ہیں۔ اور ایڈووکیٹ گل صاحب' آپ کو یہاں دیکھ کر مجھے زیادہ حیرت نہیں ہوئی۔ آپ کو یہاں ہونا چاہیے تھا۔''

''میں سمجھا نہیں' آپ کیا کہنا چاہ رہے ہیں۔'' گل نے بڑے ٹھہرے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''دراصل' میں جس سلسلے میں یہاں آیا ہوں' وہ ایک پولیس آفیسر کے قتل کے بارے میں تفتیش ہے۔ اور بہت ساری وجوہات' قتل کے محرکات اور اندازے ہیں' جن میں مضبوط ترین وجہ سکھ تنظیم بھی ہے جو وقتاً فوقتاً اس پولیس آفیسر کو قتل کی دھمکیاں دیتے رہتے تھے۔ آپ کا بھی اس تنظیم سے تعلق ہے۔ انوجیت اور یہ ہرپریت بھی اس سے تعلق رکھتی ہیں۔ ظاہر ہے تنظیم کے لوگ ایک جگہ ہوں تو حیرت کی کیا بات ہے؟''

''آپ کا تعارف.....'' جسپال سنگھ نے سرد سے لہجے میں پوچھا تو من راج سنگھ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور پھر ہلکے سے مسکراتے ہوئے کہا۔

''من راج سنگھ' سی بی آئی سے..... آپ شاید مجھے نہ جانتے ہوں' لیکن سکھ تنظیم کے لوگ مجھے بہت اچھی طرح جانتے ہیں۔''

''آپ کے آنے کا مقصد؟'' جسپال نے پوچھا تو من راج سنگھ نے انتہائی سنجیدگی سے پوچھا۔

''آپ اس پولیس آفیسر سے آخری بار ملے تھے..... اور آپ کی تلخ کلامی بھی ہو گئی تھی' آپ اس واقعے کو دہرا سکتے ہیں..... مطلب' آپ کی تلخ کلامی کیوں ہوئی تھی؟''

''پہلی اور آخری بار..... اس کا بات کرنے کا انداز بہت گھٹیا قسم کا تھا۔ جس کا بہرحال میں عادی نہیں تھا۔ اس لیے

مجھے غصہ آ گیا۔'' جسپال سنگھ نے یوں کہا جیسے یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔

''پھر بھی..... کوئی بات.....؟'' اسنے کریدنے کی کوشش کی۔

''چونکہ میرے لیے اتنا اہم نہیں تھا وہ شخص' اس لیے میں نے ذہن میں نہیں رکھا' کیونکہ ہمیں تھانے میں ایک دوسرے بندے نے کہا تھا کہ وہ پولیس آفیسر فطری طور پر ایسا ہی ہے۔'' اس نے پھر لاپرواہی کے سے انداز میں کہا۔

''جسپال.....! آپ خود کو زیر تفتیش سمجھئے گا۔'' من راج نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''وجہ.....؟'' وہ بولا۔

''اس گیٹ کے پار' میرا خیال کچھ اور تھا' لیکن یہاں آ کر جو میں نے سمجھا' وہ کہہ دیا۔ اب اپنے ذمے دار آپ خود ہوں گے۔ جب تک یہ مسئلہ حل نہیں ہو جاتا.....'' من راج نے دھمکی آمیز لہجے میں کہا تو ایڈووکیٹ گل نے بھی سخت لہجے میں کہا۔

''کانگریس حکومت اور خصوصاً سکھوں کے بارے میں ان کی پالیسی میں کوئی نرم گوشہ نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی ان کے بارے میں کوئی مسئلہ حل ہوتا ہے۔ اٹھائیس سال ہو گئے۔ سن چوراسی کا انصاف نہیں ملا' اور نہ ہی کسی کو اس کا ذمے دار ٹھہرا کر مسئلہ حل کیا گیا ہے' اس کے علاوہ چھوٹے چھوٹے مسئلے..... آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ آپ یہ کیوں کہہ رہے ہیں۔ اور ہم بھی سمجھتے ہیں کہ آپ نے ایسا کیوں کہا؟''

''اگر آپ سمجھ گئے ہیں تو پھر مزید سمجھ جائیں' زیادہ سمجھانا نہ پڑے..... چلتا ہوں۔'' اس نے اٹھتے ہوئے کہا تو جسپال نے سرد سے لہجے میں کہا۔

''آفیسر.....! میں نہیں جانتا' آپ ایسا کیوں کہہ کر جا رہے ہیں' لیکن میں خود چاہوں گا کہ آپ اپنے یہ لفظ یاد رکھیں کسی جگہ آپ کو یہ لفظ دہرانے بھی پڑ سکتے ہیں۔''

''میں انتظار کروں گا.....'' من راج نے اس کی نگاہوں میں دیکھتے ہوئے کہا اور پھر تیزی سے واپس مڑ گیا۔ کچھ ہی دیر بعد وہ گیٹ پار کر کے نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ تبھی ہرپریت بولی۔

''من راج..... یہ لدھیانے کا رہنے والا ہے نا.....؟''

''ہاں' وہی ہے.....'' گل نے کہا پھر اٹھتے ہوئے بولا۔ ''مجھے امید نہیں تھی کہ وہ اتنی جلدی یہاں پہنچ جائیں گے' خیر دیکھتے ہیں۔ اب میں چلتا ہوں۔''

''ٹھیک ہے گل صاحب.....! لیکن یہ یاد رکھیں' میرے معاملے میں جتنی مرضی یہ دشمن رکاوٹ کھڑی کریں' کام جاری رہنا چاہیے۔ آپ اپنا اکاؤنٹ اور بینک کے بارے میں معلومات مجھے دے دیں۔ رقم کی کمی نہیں ہو گی۔'' وہ سنجیدگی سے بولا۔

''انوجیت کے پاس ساری معلومات ہیں' لیکن تم مت گھبراؤ۔ میں اسے دیکھتا رہوں گا۔ یہ الجھن تو اب رہے گی۔'' ایڈووکیٹ گل نے تشویش سے کہا تو جسپال خاموش رہا۔ وہ چند لمحے کھڑا رہا پھر تیزی سے پورچ تک گیا' اپنی گاڑی لی اور گیٹ پار کر گیا۔

''یہ پولیس آفیسر ہمارے لیے پھندا بنانے کی کوشش کرے گا۔'' ہرپریت نے مترشح لہجے میں کہا۔

''کوئی بات نہیں' تم پریشان نہ ہو۔'' یہ کہہ کر وہ چند لمحے سوچتا رہا پھر بولا۔ ''آؤ..... میرے کمرے میں چلیں۔ بھوتی سے کہو' ہم کھانا باہر سے کھائیں گے اور ممکن ہے' گھر ذرا لیٹ آئیں۔''

''خیریت۔'' ہرپریت بولی۔

''بتاتا ہوں نا..... آؤ۔'' یہ کہہ کر وہ اٹھ گیا تو ہرپریت بھی اس کے ساتھ چل دی۔

جس وقت ہرپریت اس کے کمرے میں گئی' وہ اپنا لیپ ٹاپ لیے بیڈ پر بیٹھا تھا۔ اور بڑی گہری نگاہوں سے اسکرین پر نگاہیں جمائے ہوئے تھا۔ ہرپریت اس کے ساتھ ہی جا کر بیٹھ گئی اور اسکرین پر دیکھنے لگی۔ وہاں کوئی آن لائن تھا اور وہ اس سے باتیں کر رہا تھا۔ ہرپریت جب اسکے پاس بیٹھ گئی تو جسپال نے پوچھا۔

''وہ کونسا اخبار تھا' جس کی خبر تم نے مجھے صبح دکھائی تھی۔ وہ اخبار آن لائن ہے؟''

''ہاں ہے.....'' اس نے جواب دیا پھر مزید قریب ہو کر اس کے ساتھ لگ گئی' اس کے بدن سے اٹھنے والی مسحور کن مہک اس کے نتھنوں سے ٹکرائی' اس نے سرچ میں اخبار کا نام ڈالا اور پھر وہ اخبار لے آئی' جلد ہی اس کا وہ صفحہ کھول لیا' جس پر خبر تھی۔ جسپال نے اس صفحے کا لنک اُسے بھیج دیا جس سے بات کر رہا تھا۔ پھر کچھ دیر انتظار کا کہہ کر لیپ ٹاپ بند کر دیا۔ ہرپریت اس سے ذرا ہٹ کر بیٹھ گئی۔

''یہ سب کیا تھا جسپال؟'' اس نے تجسس سے پوچھا۔

''یہیں پنجاب میں کچھ لوگ ایسے ہیں' جنہیں میں نہیں جانتا' لیکن وہ میرے ہر طرح سے کام آتے ہیں۔ انہیں میں نے ایک ٹاسک دیا ہے' کچھ دیر بعد وہ اس کا جواب دیں گے۔'' جسپال نے جواب دیا۔

''اس لیے تم میری تنظیم کے ساتھ.....'' اس نے جان بوجھ کر فقرہ ادھورا چھوڑ کر اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

''ہاں..... میں ان سے بچنا چاہ رہا ہوں' ابھی تم نے نہیں دیکھا' ایڈووکیٹ گل کی وجہ سے' وہ میری طرف سے اپنا خیال بدل جانے کی بات کر گیا ہے۔''

''ہوں.....'' ہرپریت نے ہنکارہ بھرا۔ تب جسپال نے اس کا ہاتھ پکڑ کر نرمی سے دبایا اور بولا۔ ''ہرپریت..... کیا تم میرا ساتھ دو گی۔''

''ساتھ کیا..... میں تو دل بھی دے چکی ہوں۔ جان ہے وہ بھی جب چاہے لے سکتے ہو۔'' اس نے اپنی نگاہوں میں سارے جہان کا پیار سمیٹتے ہوئے کہا اور پھر اپنے دونوں ہاتھوں میں اس کا چہرہ لے کر پیار کی مہر اس کے ہونٹوں پر ثبت کر دی تو وہ شدت جذبات سے بولا۔

''ٹھیک ہے ہرپریت..... میں دعویٰ نہیں کرتا لیکن آخری سانس بھی تیری امانت ہو گی۔''

اس نے کہا تو ہرپریت اس کے سینے کے ساتھ لگ گئی۔ جسپال کو یوں لگا جیسے اس کی تلاش یہاں آ کر ختم ہو گئی ہے۔ اب تک وہ یونہی بھٹکتا رہا تھا۔ چند لمحوں بعد وہ اس سے الگ ہو گئی اور اس کے چہرے پر دیکھتی رہی' پھر شرما کر نگاہیں جھکا لیں۔ جسپال ہنس دیا۔ اچانک وہ اٹھی اور کمرے سے نکلتی چلی گئی۔ وہ کتنی دیر تک ان لذت آفریں خیالوں میں کھویا رہا۔ ان لمحات میں اسے یوں لگ رہا تھا کہ ساری دنیا خاموش ہو گئی ہے اور وہ فقط ایک گمنام جزیرے پر خاموشیوں میں ڈوب گیا ہے جہاں سے نکلنے کو اس کا دل نہیں چاہ رہا تھا' اچانک اس کے سیل فون پر بجتی ٹون نے اپنی جانب متوجہ کر لیا۔ اس نے جلدی سے لیپ ٹاپ کھولا اور اسکرین پر نگاہیں جما دیں۔

❀.....□.....□.....❀

مغربی افق پر ڈوبتے ہوئے سورج کی سرخی پھیل گئی تھی۔ کچھ ہی دیر میں اندھیرا ہو جانے والا تھا۔ دوپہر سے لے کر شام ہو جانے تک مجھے چند جگہوں سے یہ اطلاع مل گئی تھی کہ کچھ مشکوک بندے میرے بارے میں پوچھتے پھر رہے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ میرے گھر کا بھی ایک چکر لگا چکے تھے۔ میں دوپہر کے وقت ہی اپنے گھر سے نکل کر چھاکے کے پاس آ گیا تھا۔ ہم نے اپنے اپنے گھر سے ضروری سامان لیا اور دلبر کے کنویں پر چلے گئے۔ وہاں پرتاش جاری تھی۔ میرے سارے

دوست وہیں جمع تھے۔ مجھے دیکھتے ہی دلبر نے کہا تھا۔

''لے بھئی جمالے..... بیٹھ میرے سامنے اور لگا شرط بکرے بکرے کی' یہیں پکائیں گے' یہیں کھائیں گے۔''

''پر تیرا یار جمالا کسی اور کام سے آیا ہے۔'' چھاکے نے چارپائی پر پھیل کر بیٹھتے ہوئے کہا تو ایک دم سے سب نے تاش روک دی۔ اس کے لہجے میں ہی کچھ ایسی بات تھی۔

''بول جمالے..... بات کیا ہے؟''

''کچھ مشکوک بندے آئے ہیں علاقے میں مجھے مارنے کے لیے۔'' میں نے کہا تو وہ چونک گیا اور پوچھا۔

''کون ہیں اور کدھر ہیں؟''

''میں نہیں جانتا' انہی کا تو پتہ کرنا ہے۔'' میں نے کہا تو اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''تو ادھر بیٹھ' میں ساری ''سوہ'' لے کر آتا ہوں۔ چلو اوئے سب نکلو اور شام سے پہلے ان کا پتہ لے کر آؤ۔ وہ سبھی تاش چھوڑ کر اٹھ گئے تھے۔

پھر شام ہوتے ہوتے وہ واپس آنے لگے۔ دلبر نے جب ساری معلومات جمع کر لی تو کہا۔ ''بڑی حیرت کی بات ہے یار' سردار شاہ دین کے ڈیرے پر وہ بندے ہیں' اور تجھے مارنے کے لیے آئے ہیں۔ جمالے.....! یہ پھڈا لمبا ہو جائے گا۔''

''تو ڈر گیا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''او نہیں' میں نہیں ڈرا' بلکہ سمجھا رہا ہوں کہ.....''

''چل ٹھیک ہے پھر' جاتے ہیں سردار کے پاس' اس کی منت ترلا کرتے ہیں' اس کے پیر پڑیں گے' مان گیا تو ٹھیک ورنہ اپنی جان کا نذرانہ پیش کر دیں گے۔'' چھاکے نے جل کر کہا تو دلبر بولا۔

''اوئے جان تو ایک بار جانی ہے' سردار سے ٹکر لینے کا مطلب ہے' پھر ہم سکون سے نہیں بیٹھ سکیں گے۔ یا وہ ختم ہوگا یا ہم..... باقی تو جو کہے گا' میں وہی کروں گا.....'' اس نے چھاکے کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے میری طرف دیکھ کر کہا۔

''چل ٹھیک ہے' تو کر سکون' میں چلتا ہوں۔'' میں نے اٹھتے ہوئے کہا تو وہ غصے سے بولا۔

''یار تو کوئی اور چکر کیوں نہیں چلاتا' ہم بھی سامنے نہ آئیں اور وہ بندے بھی نہ رہیں؟''

''تو پھر سن..... پیرزادے کے جن بندوں سے تیری دشمنی چل رہی ہے' ان کا کوئی ایک بندہ تیرے ہتھے چڑھ سکتا ہے۔'' میں نے کہا تو وہ چونکتے ہوئے بولا۔

''میں سمجھ گیا۔ چل اٹھ نکلیں۔''

یہ کہتے ہوئے وہ تیزی سے اٹھ کر کنویں کے پاس بنے کچے کمروں میں سے ایک کمرے میں گیا۔ کچھ دیر بعد واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں گن تھی۔ میرے' چھاکے اور دلبر کے علاوہ تین بندے اور تھے۔ انہوں نے بھی ہتھیار سنبھالے اور ہم ایک جیپ اور تین بائیک پر نکل پڑے' ہمارا رخ پیرزادے کے علاقے کی طرف تھا۔

ہمیں اپنا شکار تلاش کرنے میں زیادہ وقت نہیں لگا۔ ہمیں معلوم تھا کہ پیرزادہ کے علاقے میں شراب نکالنے والی بھٹی کہاں چل رہی ہے۔ وہ راستہ اگرچہ تھوڑا سا مشکل تھا' لیکن ہمارے لیے وہاں جانا انتہائی آسان تھا۔ اندھیرا پھیل چکا تھا۔ ایسے میں ان کے پاس کئی لوگ آتے جاتے تھے۔ ہم نے دو بائیک کی ہیڈ لائٹ بجھا دی جبکہ ایک کی روشن رکھی۔ ہم بھٹی کی قریب پہنچ کر رک گئے۔ مجھ سے زیادہ دلبر تیزی دکھا رہا تھا۔ اسے بڑے عرصے بعد موقع ملا تھا کہ ان سے اپنا انتقام لے سکے۔ میں نے تیز نگاہوں سے وہاں پر موجود لوگوں کا جائزہ لیا۔ وہاں پر تین بندے تھے۔ ایک بھٹی کے پاس بیٹھا ہوا تھا' دوسرا کچے کمرے کے باہر زمین پر بیٹھا ہوا لالٹین کی روشنی میں کچھ کر رہا تھا۔ جبکہ تیسرا چارپائی پر کروٹ کے بل

لیٹا ہوا تھا۔

''کیا خیال ہے ذرا انتظار کر لیں؟'' میں نے دلبر سے پوچھا۔

''نہیں..... انہوں نے ہمیں آتے ہوئے دیکھ لیا ہوگا' اگر یہاں رک گئے تو وہ چوکنے ہو جائیں گے۔'' دلبر نے میری بات نہ مانی۔

''چلو پھر.....!'' میں نے باقی سب کو وہیں رکنے کا اشارہ کیا اور دلبر کے ساتھ ان کے پاس چلے گئے۔ جیسے ہی ان کی نگاہ دلبر پر پڑی' چارپائی پر بیٹھا ہوا بندہ تیزی سے اٹھا اور لاشعوری طور پر اپنی گن کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ کمرے کے باہر بیٹھا اٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔

''رک جاؤ.....!'' میں نے اونچی آواز میں کہا تو وہ جہاں تھے' وہیں رک گئے۔ میں آگے بڑھا تو وہ بولا۔

''جمالے..... یہ تو دلبر کو ساتھ لے کر کیوں آ گیا ہے۔''

''پھر کیا ہوا۔'' میں نے پوچھا۔

''دشمن کا دوست دشمن ہی ہوتا ہے۔ اسے لے کر چلا جا یہاں سے ورنہ.....!'' اس چارپائی والے بندے نے انتہائی غصے میں کہا۔

''ورنہ کیا کرے گا.....؟'' میں نے پوچھا تو اس نے انتہائی غلیظ گالی دیتے ہوئے کہا۔

''ماردوں گا..... تجھے بھی اور اسے بھی..... چل نکل یہاں سے.....'' یہ کہتے ہوئے اس نے گن کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

''مگر..... میں تجھے لینے کے لیے آیا ہوں۔'' یہ کہتے ہوئے میں نے چشم زدن میں اپنا ریوالور نکالا اور اس کے ہاتھ پر فائر کر دیا۔ وہ ڈکارتے ہوئے پیچھے کی طرف لپکا۔ میں نے جان بوجھ کر اس کا نشانہ نہیں باندھا تھا۔ فائر کی آواز سنتے ہی چھاکے سمیت چاروں تیزی سے آ گئے۔ انہوں نے آتے ہی تینوں کو پکڑ لیا۔ چند منٹ مارا ماری چلتی رہی۔ انہوں نے تھوڑی بہت مزاحمت کرنے کی کوشش کی لیکن زیادہ دیر نہیں ٹھہر سکے۔ کچھ ہی دیر بعد ان تینوں کو باندھ لیا گیا۔

''انہیں جیپ میں پھینکو اور خیال رکھو' ان کے منہ بند رہیں۔'' میں نے کہا اور بائیک پر جا بیٹھا۔ میرے ساتھ ہی دلبر نکلا اور ہمارے ساتھ باقی بھی نکل پڑے۔ اب ہمارے پاس وقت بہت تھوڑا تھا۔

سردار شاہ دین کے ڈیرے سے کچھ دور ہم سب رک گئے۔ میں نے راستے میں دلبر کو سمجھا دیا تھا کہ میں کیا کرنا چاہتا ہوں۔ وہ اپنے لوگوں کے ساتھ وہیں رک گیا۔ جبکہ میں اور چھاکا وہاں سے پیدل آگے بڑھے۔

ہم سے کچھ فاصلے پر ڈیرے کی روشنیاں صاف دکھائی دے رہی تھیں۔ سردار شاہ دین کا ڈیرہ بھی کسی حویلی سے کم نہیں تھا۔ گیٹ پار کرتے ہی بڑا سا صحن دکھائی دیتا تھا۔ ان کے اطراف میں تین طرف کمرے بنے ہوئے تھے اور ایک جانب سردار شاہ دین کے مہمانوں کے لیے ڈرائنگ اور ڈائننگ روم کے علاوہ دوسرے متعلقہ کمرے تھے۔ کمروں کے آگے دالان تھا۔ جن کے اوپر ''یو'' کی شکل میں چھت تھی۔

ہم ڈیرے کے پچھواڑے کی طرف سے آگے بڑھے تھے۔ چاچے بیرو نے اگر درست معلومات دی تھیں تو ان لوگوں کو چھت پر ہونا چاہیے تھا۔ کیونکہ ان کے بستر وہیں پر لگائے گئے تھے۔ اب وہاں پر کیا صورتحال تھی اس کا مجھے پکا یقین نہیں تھا۔ وہاں کچھ دوسری صورتحال کا بھی سامنا ہو سکتا تھا۔ تاہم اس وقت ہمارے لیے سب سے بڑا مسئلہ ڈیرے کی چھت تک پہنچنا تھا۔ گھپ اندھیرے میں کچھ بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ میں بہت عرصہ پہلے ڈیرے پر آیا تھا۔ پھر گاہے بگاہے ادھر سے گزرنے کا اتفاق ہوا تھا۔ میرے ذہن میں تھا کہ ڈیرے کے پچھواڑے کی مشرقی سمت میں اینٹوں کی دراڑیں چھوڑی ہوئی تھیں۔ میں نے وہیں سے اوپر چڑھنے کا سوچا تھا۔ میں آہستہ آہستہ اندازے کے مطابق اس طرف بڑھ رہا تھا۔

میرے ذہن میں اک اور بھی خطرہ تھا۔ ڈیرے میں جب سارے لوگ اپنی اپنی جگہ ٹک جاتے تھے تو باہر کی طرف کتے چھوڑ دیئے جاتے تھے۔ جو باہر کی طرف سے نہ صرف وقت سے پہلے انہیں الرٹ کر دیتے تھے بلکہ چوکیدار کے لیے بہت حد تک معاون بھی ہوتے تھے۔ کتوں کے کھلنے سے پہلے پہلے میں اپنا کام مکمل کر لینا چاہتا تھا۔ میں جیسے ہی مشرقی کونے تک پہنچا تو میری خوشی کی انتہا نہ رہی۔ وہ دراڑیں کے ذریعے چڑھنے لگا۔ اس وقت اوپر چڑھتے ہوئے مجھے اپنے وزن کا احساس ہوا۔ میں نے ہمت کی اور آہستہ آہستہ اوپر تک پہنچ گیا۔

میں نے محتاط انداز میں چھت پر دیکھا۔ وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ میں اپنے وزن کے باعث ان دراڑوں پر زیادہ وقت نہیں گزار سکتا تھا۔ میں یقین سے نہیں کہہ سکتا تھا کہ دوسری طرف وہ لوگ ہوں گے' صرف ایک اندازہ تھا کہ ذرا فاصلے پر ایک قطار میں چارپائیوں پر بستر لگے ہوئے تھے اور ان پر کوئی نہیں تھا۔ میں نے گہری نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھا اور چاردیواری پر چڑھ کر اندر کود گیا۔ ہلکی سی دھپ کی آواز آئی۔ میں سکون سے بیٹھا رہا اور کچھ دیر تک کسی بھی ردعمل کا انتظار کرتا رہا' زرا دیر یونہی ساکت بیٹھے رہنے کے بعد اٹھا پھر اٹھ کر نیچے چھاکے کو ٹارچ کے جلانے اور بجھانے سے اشارہ دیا۔ کچھ دیر بعد وہ بھی پھولی ہوئی سانسوں کے ساتھ اوپر آ گیا۔ پھر دونوں طرف دیکھ کر آہستگی سے بولا۔

''لگتا ہے یہاں کوئی نہیں ہے؟''

''ہیں نہیں تو آ جائیں گے۔'' میں نے سرگوشی میں کہا اور دبے پاؤں آگے بڑھ کر صحن میں جھانکا' وہ چھ کے چھ صحن میں بیٹھے ہوئے تھے اور وحشیانہ انداز میں کھانے پر ٹوٹے ہوئے تھے۔ انہیں دیکھ کر یوں لگ رہا تھا جیسے انہوں نے کبھی کھانا دیکھا ہی نہیں ہے۔ ان کے قریب ہی چاچا بیرو کسی خادم کی مانند کھڑا تھا۔ میں چاہتا تو یہیں کھڑے کھڑے ان کا نشانہ لے کر انہی چارپائیوں پر انہیں ختم کر دیتا۔ مگر میں کچھ اور چاہتا تھا۔ مجھے اس وقت تک صبر کرنا تھا' جب تک وہ اوپر نہیں آ جاتے۔ میرے ذہن کے گوشے میں یہ خطرہ بہرحال موجود تھا کہ ممکن ہے ان کے علاوہ کوئی دوسرے بھی یہاں ہوں۔ یہاں سے انہیں ختم کرنے میں سارا معاملہ ہی گڑبڑ ہو جانے والا تھا۔ مجھے اب صرف ان کا انتظار ہی کرنا تھا۔

تقریباً ایک گھنٹے کے جاں گسل انتظار کے بعد ان کا رخ سیڑھیوں کی طرف ہوا۔ وہ سب آگے پیچھے چھت کی جانب بڑھے۔ ان کے ہاتھوں میں اسلحہ واضح طور پر دکھائی دے رہا تھا۔ بلاشبہ وہ غافل ہو کر سونا نہیں چاہ رہے تھے۔ ممکن ہے ان میں کچھ چوکیداری بھی کرتے' لیکن میں انہیں اتنا موقع دینا ہی نہیں چاہتا تھا۔ مجھے یہ پوری طرح اندازہ تھا کہ وہ سیڑھیاں چڑھ کر چھت پر کہاں آئیں گے۔ اس لیے میں ان کی مخالف سمت میں بالکل سامنے کی طرف اوٹ میں چھپ گیا۔ چھاکا سمجھ گیا تھا کہ میں کیا چاہ رہا ہوں۔ میرے اور ان کے درمیان فقط چند لمحوں کی دوری تھی' پھر جو کچھ کرنا تھا وہ انتہائی تیزی سے کرنا تھا۔ تبھی چھت پر ہلچل ہوئی۔ وہ باتیں کرتے ہوئے اپنے بستروں پر آئے۔ ہم دم سادھے انہیں دیکھتے رہے پھر جیسے ہی وہ چارپائیوں پر بیٹھنے لگے' میں نے ایک کا نشانہ لے کر گولی چلا دی' جس وقت تک وہ کچھ سمجھتے دوسرے کے منہ سے چیخ بلند ہوئی' پھر تیسری' چوتھی..... میں نے میگزین خالی کر دیا۔ یہی حال چھاکے کا تھا۔ انہیں ہتھیار رکھ کر اٹھانے کی مہلت ہی نہیں ملی' شاید ان کے گمان میں یہی تھا کہ اس حویلی نما ڈیرے پر کون آ کر ان پر وار کر سکتا ہے' جنہیں سارا دن باہر کسی نے نہیں پوچھا تھا۔ فوراً ہی ان کی طرف لپکنا رسک تھا لیکن وہاں بیٹھے رہنا اس سے بھی زیادہ رسک تھا۔ میں نے کوئی پروا نہ کرتے ہوئے تیزی کے ساتھ دوسرا میگزین لگایا اور ان کی طرف بڑھا۔ کوئی تڑپ رہا تھا اور کوئی موت کی آغوش میں جا رہا تھا۔ میں نے ایک نگاہ ان پر ڈالی تو مجھے خود جھرجھری آ گئی۔ یہ میری پہلی درندگی تھی۔

جب کوئی کسی پر ظلم کر رہا ہو' تب اتنا جوش نہیں ہوتا' جتنا بدلہ لیتے وقت جوش ہوتا ہے۔ مظلوم جب انتقام لینے پر اتر آئے تو پھر اس سے بڑا ظالم کوئی نہیں ہو سکتا۔ بدلے کی آگ انسان کے اندر قوت بھر دیتی ہے اور یہ قوت اندھی ہوتی ہے۔

اس میں کون کس قدر جل جاتا ہے یہ نہیں دیکھا جاتا۔ میں اور چھاکے نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا' پھر اپنے سامنے تڑپتے ہوئے ان لوگوں کو جنہیں اگر میں ختم نہ کرتا تو وہ مجھے ختم کر دیتے۔ ہم نے چشم زدن میں فیصلہ کر لیا کہ کیا کرنا ہے' چھاکا پاؤں کی طرف سے اور میں نے بازوؤں کی طرف سے ایک کو پکڑا اور ڈیرے کے پچھواڑے پھینک دیا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ جس کے کچھ بچے کھچے سانس بھی ہوں گے' وہ اتنی اونچائی سے گر کر ختم ہو جائیں گے' یکے بعد دیگرے باقی لاشوں کو بھی ایسے ہی جھلا کر نیچے پھینک دیا۔ پھر میں نے ان کے ہتھیار اکھٹے کیے اور وہ بھی ایک ایک کر کے نیچے پھینک دیئے۔ میں نے چھاکے کو اشارہ کیا کہ وہ ٹارچ سے دلبر کو کام مکمل ہو جانے کی اطلاع دے دے اور خود چھت کے کنارے جا کر نیچے صحن میں دیکھا۔ فائرنگ کی آواز سے یہ تو ہو ہی نہیں سکتا تھا کہ نیچے ہلچل نہ مچی ہو۔ مگر میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ سوائے چاچے بیرو کے' کوئی بھی صحن میں نہیں تھا۔ وہ حیران و پریشان اوپر کی طرف دیکھ رہا تھا۔ میں نے مزید وقت ضائع نہیں کیا اور دراڑوں کے ذریعے نیچے اترنے کی کوشش کرنے لگا۔ چھاکا مجھ سے پہلے ہی نیچے کی طرف جا رہا تھا۔ پھر دھپ کی آواز کے ساتھ پتے چرچرائے تو میں سمجھ گیا چھاکا نیچے اتر گیا ہے۔ میں نے بھی اس کے قریب چھلانگ لگا دی۔

''یار! ڈیرے میں چاچے بیرو کے علاوہ کوئی بندہ ہی نہیں ہے' وہ اکیلا.....'' میں نے سرگوشی میں تیز تیز کہا تو اس نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا۔

''سارے ملازمین ہیں' مگر وہ نشے میں دھت ہوں گے' انہیں ساتھ میں بہت کچھ ملا کر دیا ہے' تُو ان کی فکر مت کر' یہاں سے نکل۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے اُس جانب دیکھا جدھر سے جیپ آنا تھی۔ اس کی ہیڈ لائٹس بند تھیں اور اس کے گھر گھر کا اندازہ ہو گیا' جیپ رکتے ہی دلبر کے ساتھ اس کے دو ساتھی تیزی سے اتر کر آئے۔

''وہ تیسرا کہاں ہے؟'' چھاکے نے پوچھا تو دلبر نے سرگوشی میں ٹارچ کی محدود روشنی میں دیکھا اور بولا۔

''ان تینوں کے پاس جو بندھے ہوئے پڑے ہیں' چل اٹھا کر انہیں جیپ میں ڈال۔''

ہم نے تیزی سے انہیں جیپ میں ڈالا' ہتھیار اٹھا کر ان کے قریب رکھے اور واپسی کے لیے چل پڑے۔ ہم جیپ میں بیٹھے ہوئے تھے لیکن ہمیں وہاں سے تھوڑا فاصلہ ہی طے کرنا تھا' جلد ہی ہم اس جگہ پہنچ گئے جہاں پر وہ تینوں بندھے ہوئے تھے۔ میں نے دلبر کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

''لے بھئی دلبر..... تو اپنا بدلہ لے لے۔''

شاید وہ اس لمحے کا منتظر تھا' اس نے اپنا ریوالور نکالا اور بہت قریب سے اپنے سامنے بندھے ہوئے تینوں بندوں پر خالی کر دیا۔ ہم سب ان کے تڑپنے کا تماشا دیکھ رہے تھے۔ وہ ناسور تھے جو ظالم کے ہاتھوں کو مزید مضبوط کرنے کا باعث بنتے ہیں' اپنے جیسے لوگوں پر زیادہ ظلم کرتے۔ پھر جیسے ہی دلبر تیز تیز سانسیں لیتا ہوا پیچھے ہٹا' میں نے اپنی اندرونی جیب میں ہاتھ ڈال کر بڑے نوٹوں کی ایک گڈی نکال کر اس کی طرف بڑھا دی۔ اس نے میری طرف دیکھ کر حیرت سے کہا۔

''یہ کیا.....؟''

''رکھ لو.....! اور یہ ذہن میں رکھنا' نہ تم نے کچھ دیکھا ہے اور نہ کیا ہے' تم جاؤ اپنے کنویں پر' اور جا کر بکرا ذبح کرو' میں آؤں گا۔''

اس نے بڑے سکون سے وہ گڈی پکڑی اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ ان لاشوں کو اتار کر نیچے پھینکا۔ پھر انہوں نے ٹارچ لائٹ ہمارے حوالے کی اور خود جیپ پر سوار ہو کر چلے گئے۔ تبھی میں نے چھاکے سے کہا۔

''ابھی وقت سب سے خطرناک ہے' رندھاوا یہیں کہیں پاس ہے اپنی نفری لے کر..... کہیں ان کے ساتھ ہم بھی..... سمجھ گیا۔''

''تم فکر نہ کرو۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے بائیک اسٹارٹ کی اور پھر جیسے ہی میں بیٹھا' اس نے ایک طرف کا رخ متعین کرتے ہوئے بائیک ہوا کر دی۔

ہمارے کپڑے خون سے لتھڑے ہوئے تھے۔ ہم اس حالت میں گاؤں نہیں جا سکتے تھے۔ ہمیں ان کپڑوں سے جان چھڑانا تھی۔ میرے ذہن میں یہ پہلو اچھی طرح موجود تھا کہ ہمارے ہاں جہاں سراغ لگانے والے کھوجی ہوتے ہیں' وہاں کھوج لگانے کا کام کتوں سے بھی لیا جاتا تھا۔ میں اس کھوج کو رستے ہی میں ختم کر دینا چاہتا تھا کہ اگر کوئی کوشش بھی کرے تو مجھ تک نہ پہنچ پائے۔ حالانکہ میں خود انہیں یہ پیغام دینا چاہتا تھا کہ یہ سب میں نے ہی کیا ہے۔ اب جبکہ آنکھ مچولی کا کھیل شروع ہی ہو چکا تھا تو کیوں نہ میں اسے چوہے بلی کا کھیل بنا دوں۔ میں نے بھیدے کو ایک مخصوص مقام پر پہنچ کر انتظار کرنے کے لیے کہا ہوا تھا۔ سو میں نے چھاکے کو کہہ دیا کہ وہ ادھر جائے۔

جلد ہی ہم نہر کنارے جا پہنچے۔ ذرا فاصلے پر ایک برجی کے پاس بھیدہ بیٹھا ہوا دکھائی دیا۔ وہ وہاں یوں بیٹھا ہوا تھا جیسے پانی لگانے کے لیے وقت کے انتظار میں ہو۔ اس کے پاس ایک لاٹھی' لالٹین' اور کسی تھی۔ میں اس کے قریب جا کر رک گیا۔ پھر بغیر کچھ کہے اپنے کپڑے اتار کر ایک طرف پھینک دیئے اور نہر میں چھلانگ لگا دی۔ میں نے خود کو مل مل کر صاف کیا' جب یہ یقین ہو گیا کہ میرے کسی جگہ خون نہیں لگا تو باہر آ گیا۔ بھیدہ میرے کپڑے لیے کھڑا تھا۔ میں نے اپنے کپڑے پہنے تو چھاکا بھی نہا کر نکل آیا۔ وہ بھی کپڑے پہن چکا تو بھیدے نے جلدی سے بائیک کو پانی مارا' چھاکے نے لالٹین کا تیل ان کپڑوں پر ڈالا اور انہیں جلا دیئے۔ کچھ دیر بعد وہ جل کر خاک ہو گئے جسے نہر میں بہا دیا گیا۔

''بھیدے..... چل تو اب واپس ڈیرے پر جا.....'' میں نے اتنا کہا اور جواب سنے بنا آگے بڑھ گیا۔ میرا رخ اب گاؤں کی طرف تھا اور میں نے گھوم کر جانا تھا۔ راستے میں شہر کو جانے والی پکی سڑک آتا تھی' پھر سردار شاہ دین کی حویلی اور گاؤں کا کنارا' مجھے امید تھی کہ جب تک میں نے وہاں پہنچنا تھا' حویلی میں ہلچل ہو چکی ہو گی یا پھر صبح ہی پتہ چلنا تھا۔ وہاں سے گزرتے ہوئے مجھے یہ اندازہ ہو جانا تھا۔

میں اور چھاکا ایک ہی بائیک پر تھے۔ حویلی کے سامنے پہنچ کر میں نے رفتار جان بوجھ کر آہستہ کر لی۔ مجھے لگا کہ وہاں پر کوئی ہلچل نہیں ہے' ماحول بالکل پرسکون ہے۔ میں نے رکنا مناسب نہیں سمجھا اور آگے ہی بڑھتا چلا گیا۔ گاؤں کی گلیوں میں بھی وہی سنسان پن تھا جو معمول کے مطابق ہوتا ہے۔ میں نے بائیک اپنی گلی کی جانب موڑ لی۔

ماں جیسے میرے انتظار میں ہی تھی۔ جب تک میں نے صحن میں بائیک کھڑی کی' اس وقت تک چھاکا' باہر والے کمرے میں ہتھیار رکھ آیا۔ ماں کچن میں چلی گئی اور میں اندر کمرے میں جا کر سکون سے لیٹ گیا۔ مجھے کچھ علم نہیں تھا کہ باہر کیا ہو گیا ہو گا' رندھاوا نے کیا کیا' دلبر واپس کنویں پر پہنچا تھا یا نہیں اور خاص طور پر سردار شاہ دین کو ڈیرے پر ہونے والے واقعہ کی اطلاع ملی یا نہیں۔ ان سب سوالوں کے جواب میرے پاس نہیں تھے۔ ویسے بھی شام سے مسلسل بھاگ رہا تھا۔ جس کے باعث تھکن بھی محسوس ہو رہی تھی۔ اس لیے میں نے دماغ سے سب کچھ نکالا اور صبح نور کے تڑکے کا انتظار کرنے لگا۔

❀.....□.....□.....❀

جس وقت جسپال نے جالندھر شہر کے ماڈل ٹاؤن والے پل سے نیچے جیپ اتاری تو ہرپریت نے دائیں جانب مڑنے کا اشارہ کیا۔ وہ دونوں غور سے راستہ دیکھ رہے تھے۔ وہ دونوں سرِشام ہی جالندھر میں پہنچ چکے تھے اور اس وقت آدھی رات گزر چکی تھی۔ اردگرد کی روشنیوں سے راستہ روشن تھا۔ جسپال نے نیلی جین اور بلیک ٹی شرٹ کے ساتھ جوگر پہنے ہوئے تھے اور سر پر سیاہ رنگ کی پگڑی تھی۔ جبکہ ہرپریت نے وہی دوپہر والا لباس زیب تن کیا ہوا تھا' اس نے اپنے گیسو سنوار کر باندھ لیے تھے۔ بس تبدیلی یہی تھی کہ اس کے پاؤں میں بھی گرے رنگ کے جوگر تھے۔ اس سڑک پر تھوڑا

سا چلنے کے بعد دائیں ہاتھ پر گردوارہ تھا' جسے دیکھتے ہی جسپال نے کہا۔

''اب ہمیں اس ڈائریکشن میں آگے جانا ہے' کیا تم ٹھیک طرح سے وہاں تک پہنچ جاؤ گی؟''

''تم فکر نہیں کرو جسی جی' میں نے اس شہر میں پڑھا ہے اور میرا کالج اسی علاقے میں تھا' یہاں تک فقط دس منٹ کے فاصلے پر وہ جگہ ہے جہاں ہمیں جانا ہو گا' بس پارک سے اگلی والی دائیں گلی میں مڑ جانا۔'' ہرپریت نے عام سے لہجے میں کہا تو وہ مطمئن ہو کر ڈرائیونگ کرنے لگا۔ ہرپریت اسے دائیں بائیں مڑنے کا کہتی رہی اور وہ چلتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ بولی۔ ''جسی.....! وہ دیکھو.....! وہ سامنے گھر ہے' اب تم دیکھ لو' اپنے حساب سے کہ پارکنگ کہاں کرنی ہے؟''

''ابھی بتاتا ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ تبھی ایک کار اسے کراس کرتے ہوئے آگے جا کر بائیں طرف کا اشارہ دے کر آہستہ ہو گئی۔ وہ بھی آہستہ ہو گیا۔ آگے والی کار رک گئی تو جسپال نے بھی جیپ روک دی اور انہیں غور سے دیکھنے لگا۔ ہرپریت نے جس عمارت کی نشاندہی کی تھی' وہ اس سے تقریباً سو گز کے فاصلے پر تھے۔ کار سے ایک لمبا تڑنگا نوجوان برآمد ہوا۔ اس نے بلیک ڈریس پتلون کے ساتھ سفید چیک دار شرٹ پہن رکھی تھی۔

وہ بڑے اعتماد سے جیپ کے ڈرائیونگ سائیڈ کی طرف آیا' تب تک جسپال نے شیشہ اتار لیا۔

''جوگی ہوں جسپال جی۔''

''اوہ..... تم ہو.....'' اس نے جواب دیا اور پھر ہاتھ ملایا۔

''یہاں صرف دو لوگ ہیں۔ اب مجھے نہیں معلوم کہ ان میں من راج ہے کہ نہیں' باقی سیکیورٹی کے نام پر صرف دو بندے ہیں انہیں قابو میں کرنا کچھ اتنا مشکل نہیں ہو گا۔'' جوگی نام کے اس نوجوان نے آہستگی سے عام سے انداز میں کہا۔

''اور کتنے لوگ ہیں؟'' جسپال نے پوچھا۔

''ممکن ہے دو چار ملازم ہوں..... مزید..... میں نے شام ہی کے وقت جائزہ لے لیا تھا۔'' اس نے اعتماد سے کہا۔

''ٹھیک ہے ڈن.....'' جسپال نے کہا۔

''ڈن..... پلان میں نے آپ کو بتا دیا تھا۔'' اس نے کہا اور پلٹ گیا جسپال نے وہیں گاڑی کو موڑا اور پھر سڑک کی سائیڈ پر لگا دیا۔ پھر اپنا پسٹل نکال کر دیکھا' میگزین رکھے تو ہرپریت نے بھی ڈیش بورڈ سے پسٹل نکال لیا' تبھی جسپال نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''دروازہ کھلا چھوڑ کے نیچے اتر آؤ۔''

''جسپال.....!'' ہرپریت نے لرزتے ہوئے لہجے میں کہا جس میں جذبات کھنک رہے تھے۔ ''پتہ نہیں ہم زندگی کے ساتھ لوٹ بھی سکیں گے یا نہیں سو.....'' یہ کہتے ہوئے اس نے اپنی بانہیں پھیلا دیں۔ اس نے ہرپریت کو نہ صرف گلے لگا لیا' بلکہ اس کے ہونٹوں پر پیار کی مہر بھی ثبت کر دی۔ یہ سب چند لمحوں میں ہوا۔ کیونکہ سامنے کی تیز روشنی میں وہ نہا گئے تھے۔ کسی گاڑی نے ان کے قریب سے ٹرن لیا تھا۔ وہ ایک دم ہنس دیئے اور پھر جیپ سے نیچے اتر آئے۔ انہوں نے دیکھا' جوگی کے ساتھ ایک اور نوجوان بھی دھیرے دھیرے جا رہا تھا۔ وہ بھی یوں چل پڑے جیسے باہر واک پر نکلے ہوں۔ وہ دونوں نوجوان اس عمارت کے گیٹ تک پہنچ چکے تھے۔ جس وقت یہ گیٹ کے سامنے پہنچے' ایک سیکیورٹی گارڈ سے جوگی اندر من راج کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔

''صاحب تو اس وقت سو گئے ہیں' آپ کو اس وقت کیا کام پڑ گیا۔''

''کوئی ضروری کام ہے تو اس لیے آئیں ہیں۔ تم انہیں اطلاع دو۔''

''آپ انہیں فون کر لیں گے صاحب' اور میری بات کروا دیں۔ پھر میں.....'' لفظ اس کے منہ میں ہی رہ گئے تھے کہ

جوگی نے اسے اندر کی جانب دھکا دیا۔ سیکیورٹی گارڈ کو شاید اُمید نہیں تھی کہ کوئی یوں انہیں دھکیل دے گا۔ اس لیے وہ لڑکھڑا گیا۔ اس سے پہلے وہ سنبھلتا اور اپنی گن سیدھی کرتا' اس کے ساتھ والے نوجوان نے اس کا گلا دبایا اور اپنے ہاتھ میں پکڑا ہوا پسٹل اس کے سر پر دے مارا۔ وہ دونوں وہیں سیکیورٹی گارڈ کو ہٹا رہے تھے جبکہ جسپال اندر داخل ہو گیا۔ پورچ چند قدم پر تھا' وہ دونوں تیزی سے اندر چلے گئے۔ توقع کے مطابق دروازہ لاک تھا۔ جسپال نے جیب سے ایک تار نکالی اور لاک سے قسمت آزمائی کرنے لگا۔ جبکہ ہرپریت نے وہاں کی روشنیاں بجھا دیں۔ اب وہ اندھیرے میں تھے۔ لاک کھلنے میں چند منٹ لگے تھے۔ سامنے راہداری میں کوئی نہیں تھا۔ وہ دونوں اندر چلے گئے۔ دائیں بائیں کمروں میں سے کوئی آواز نہیں آ رہی تھی۔ جسپال نے رک کر کسی آواز کو سننے کی کوشش کی۔ تبھی انہیں ہلکی ہلکی باتوں کی آوازیں آنے لگیں۔ جیسے کوئی بہت دور سے بات کر رہا ہو' آواز تو آ رہی تھی لیکن لفظوں کی سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ اچانک ہرپریت نے اوپر کی جانب اشارہ کیا۔ جسپال نے سر ہلایا اور آگے چل پڑا۔

ڈرائنگ روم میں سے سیڑھیاں اوپر کی طرف جا رہی تھیں۔ وہ دونوں آگے پیچھے محتاط انداز میں اوپر چڑھتے چلے گئے۔ سیڑھیاں چڑھ کر وہ متوقع آواز سننے کے لیے ساکت ہو گئے۔ مگر وہاں بالکل خاموشی تھی۔ جسپال نے اپنے اعصاب کو مضبوط کیا اور خود پر چھا جانے والی جھنجلاہٹ کو دور بھگا دیا۔ وہ سانس روکے کسی آہٹ کا منتظر تھا' تبھی ایک کمرے سے قہقہہ لگنے کی آواز سنائی دی۔ مردانہ قہقہے کے ساتھ نسوانی قہقہہ بھی شامل تھا۔ ہرپریت اور جسپال نے ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر اس دروازے تک جا پہنچے۔ جسپال نے کی ہول سے اندر جھانک کر دیکھا' پھر فوراً ہی پیچھے ہٹ گیا۔

''بے غیرت.....'' اس کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔ پھر اس نے دروازے کو چیک کیا وہ لاک نہیں تھا' اور نہ ہی اندر سے بند تھا۔ جسپال نے سانس روکا' پھر طویل سانس لی اور ایک دم سے دروازہ کھول کر اندر چلا گیا۔

من راج فقط ایک جانگیے میں بیڈ پر پڑا ہوا تھا اور اس کے ساتھ ایک لڑکی برہنہ حالت میں موجود تھی۔ اسے یوں اچانک اپنے سامنے دیکھ کر وہ ایک لمحے کو حواس باختہ ہوا پھر زہریلی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

''مجھے نہیں لگتا تھا کہ تم اتنی جلدی کھل کر میرے سامنے آ جاؤ گے۔ خیر..... اب آ ہی گئے ہو تو سکون سے خود کو میرے حوالے کر دو.....''

''دوسرا کہاں ہے.....؟'' نے سرد لہجے میں کہا۔ اس نے من راج کی بات بالکل نظر انداز کر دی تھی۔ تبھی من راج نے اس کے پیچھے دیکھا اور بولا۔

''تمہارے پیچھے!''

''یہ حربہ بہت پرانا ہو چکا ہے من راج..... مجھے تو تم کسی خفیہ کے نہیں' کرائے کے ٹٹو لگتے ہو۔ کھڑے ہو جاؤ۔'' جسپال سنگھ نے کہا تو وہ بیڈ سے اٹھ گیا۔ لاشعوری طور پر اس نے چپل پہننے کی کوشش کی' تو اس اثناء میں اس کا ہاتھ تکیے کے نیچے سرک گیا۔ جسپال اس کے لیے پوری طرح تیار تھا' ایک لمحے سے بھی کم وقت میں وہ اس کے سر پر جا پہنچا اور اپنی کہنی اس کی گردن کی پشت پر ماری' وہ ڈکارتا ہوا زمین پر جا گرا۔ تبھی اس لڑکی نے جسپال کو پیچھے سے پکڑنے کی کوشش کی' تب تک ہرپریت کمرے میں آ چکی تھی اور اس نے گھما کر لات اس کے پیٹ پر ماری۔ وہ اُوخ کی آواز نکالتی ہوئی بیڈ پر گری اور پھر بیڈ سے نیچے جا گری۔ اس دوران جسپال نے زمین پر اوندھے منہ گرے من راج کی پیٹھ پر لات ماری پھر اس کی پشت پر بیٹھ کر دونوں ہاتھوں سے گردن دبا دی۔ من راج مچھلی کی مانند تڑپنے لگا۔ اس نے بہت ہاتھ پاؤں مارے' یہاں تک کہ اس کا جسم ڈھیلا پڑ گیا۔ دوسری طرف لڑکی اپنا پیٹ دبائے زمین پر پڑی تھی۔

''اسے جلدی سے باندھو۔'' جسپال نے ہرپریت سے کہا تو وہ اس کے قریب پڑے ہوئے اس کے کپڑوں سے لڑکی کو

باندھنے دیا۔ من راج ساکت پڑا ہوا تھا۔ اس پر گہری نگاہ ڈالتے ہوئے اس نے پوچھا۔

''یہ.....''

''ختم ہو گیا۔ اب اس لڑکی سے پوچھو' دوسرا کہاں ہے؟''

''سنا تم نے۔'' یہ کہتے ہوئے ہرپریت نے اس کی پسلیوں پر ٹھوکر مارتے ہوئے کہا۔

''اس سے کیا پوچھتے ہو' میں بتاتا ہوں۔'' دروازے کی جانب سے آواز آئی تو دونوں نے چونک کر ادھر دیکھا۔ ایک سکھ ہاتھ میں ریوالور لیے کھڑا تھا۔ وہ لمبا تڑنگا اور صحت مند تھا۔ ''یہ من راج بھی نہ..... لڑکی دیکھتے ہی پاگل ہو جاتا ہے۔ میں نے کہا تھا اس سے کہ تمہاری یہی کمزوری تجھے لے ڈوبے گی' وہی ہوا..... غفلت کا فائدہ اٹھایا تم لوگوں نے..... پڑی رہنے دو وہ لڑکی وہیں پر۔ دونوں اپنے اپنے ہتھیار پھینک کر وہیں زمین پر لیٹ جاؤ۔''

''میں ایسا نہیں کروں گا..... تم گولی چلاؤ.....'' جسپال نے سرد لہجے میں کہا تو ایک لمحے کے لیے سکھ نووارد کے چہرے پر کراہت آ گئی پھر وہ بولا۔

''میں دلیر لوگوں کی قدر کرتا ہوں' لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں دلیر دشمن کو بھی چھوڑ دوں۔''

''ہونہہ دلیر.....!'' ہرپریت نے طنزیہ انداز میں کہا تو سکھ نووارد نے اس کی طرف دیکھا۔ یہی وہ لمحہ تھا جس سے جسپال نے فائدہ اٹھایا' اس نے جھکائی دی' اس سے پہلے کہ وہ کچھ سمجھتا وہ چشم زدن میں یوں پھسلتا ہوا اس کے قریب گیا کہ اپنی لات گھما کر اس کے گھٹنے پر دے ماری۔ وہ لڑکھڑایا اور آگے کی طرف گرا۔ ہرپریت ہوا میں اچھلتی ہوئی اس پر آ پڑی۔ وہ اچانک اُفتاد سے سنبھل نہیں سکا تھا اس لئے فرش پر گر گیا۔ یہی کمزوری اسے لے ڈوبی۔ لمحوں میں دونوں نے اس کی درگت بنا دی۔

''زیادہ وقت نہیں ہے ہمارے پاس۔'' ہرپریت نے جسپال کو احساس دلایا جو سکھ نووارد کی دھلائی میں مگن تھا۔ تبھی وہ اس پر چڑھ بیٹھا' پھر دونوں ہاتھوں سے اس کے سر کو زور سے جھٹکا دیا تو نیچے پڑا وہ شخص ایک لمحے کے لیے تڑپا اور پھر ساکت ہو گیا۔ جسپال نے اٹھ کر اس برہنہ لڑکی کو دیکھا جو اوندھے منہ پڑی دہشت سے کانپ رہی تھی۔ وہ اس کی طرف بڑھا' تبھی وہ گھگھیائے ہوئے بولی۔

''مجھے کچھ نہیں کہنا..... میں ان کی ساتھی نہیں ہوں..... میں تو.....''

اس کے منہ ہی میں رہ گئے اور جسپال نے اس کی گردن اپنے پنجوں میں دبوچ لی۔ پھر اس وقت چھوڑا جب وہ دنیا سے اٹھ گئی۔

''چلو.....!'' جسپال نے اٹھتے ہوئے کہا اور وہاں سے یوں نکلے جیسے وہ لوگ دوبارہ زندہ ہو کر ان پر حملہ آور ہو جائیں گے۔

دونوں پورچ میں آ کر رک گئے۔ انہوں نے بڑے دھیان سے باہر کا جائزہ لیا۔ جوگی اور اس کا ساتھی ان کے انتظار میں تھے۔ دونوں ہی سائیڈ روم سے باہر آ گئے اور پھر گیٹ سے باہر نکلتے چلے گئے۔ جسپال کے لیے راستہ صاف تھا۔ وہ گیٹ سے نکلا اور گیٹ تک پہنچا۔ باہر پرسکون ماحول تھا۔ جوگی ان سے چند قدم کے فاصلے پر کھڑی اپنی گاڑی کے پاس پہنچ گئی۔ جسپال اس کے قریب گیا تو وہ بولا۔

''وہ چوکیدار تھے..... بے ہوش ہیں۔ انہیں آپ کی آمد کی خبر نہیں ہوئی۔''

''اوکے.....! اب باقیوں کا پتہ کرو۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے جین کی جیب میں ہاتھ ڈالا پھر ہاتھ باہر نکالا تو اس میں ایک سکٹ تھا۔ ''یہ رکھو' ضرورت ہوتی ہے۔''

جوگی نے وہ پکڑا اور کار میں بیٹھ گیا۔ ہر پریت اپنی جیپ میں جا کر بیٹھ چکی تھی۔ اس لیے جیسے ہی جسپال بیٹھا' اس نے جیپ بڑھا دی۔ ان کا رخ اب اوگی گاؤں کی طرف تھا۔

جالندھر سے نکلنے تک وہ دونوں خاموش تھے۔ پھر جیسے ہی وہ رسول پور کلاں کے قریب سے گزر رہے تھے تب ہر پریت نے جیپ کے اندر کی خاموشی کو توڑا۔

''کافی اچھے فائٹر لگتے ہو۔''

''یہ تم مجھ سے پوچھ رہی ہو یا اپنی رائے دے رہی ہو۔'' جسپال نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''ظاہر ہے' اپنی رائے دے رہی ہوں۔''

''بہت شکریہ۔'' وہ اختصار سے بولا تو اس نے کہا۔

''میرے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟''

''تم..... بہت خوبصورت ہو' تمہارے حسن میں.....'' اس نے لہجے کو رومانوی بناتے ہوئے کہا۔

''نائیں جسّی جی..... میرے حسن کے بارے میں نہیں' میری فائٹ کے بارے میں.....'' وہ ٹوکتے ہوئے بولی۔

''اُو..... ٹھیک ہے' لیکن ایک بات ہے' جب انسان اپنی بقا کی جنگ لڑ رہا ہو تو صورت حال مختلف ہوتی ہے پھر نہ فائٹ دیکھی جاتی ہے' اور نہ فائٹر..... بس پھر مدمقابل کو ختم کرنے کا سوچا جاتا ہے۔'' جسپال نے کہا تو وہ ہنستے ہوئے بولی۔

''یہ میرا دل رکھنے کو کہہ رہے ہو نا' کیونکہ میں جانتی ہوں کہ میں اچھی فائٹر نہیں ہوں' مجھے سیکھنے کا اتنا زیادہ موقع نہیں ملا۔''

''یہ ٹھیک کہا تم نے..... دراصل اسٹریٹ فائٹر' پروفیشنل فائٹر اور سیکورٹی فائٹر میں جتنا فرق ہے اتنا ایک مجرم اپنی الگ ذہنیت سے لڑتا ہے۔ اس کی اپنی نفسیات ہوتی ہے۔'' جسپال نے سنجیدگی سے کہا تو اس نے چند لمحے سوچتے ہوئے کہا۔

''کیا تم مجھے سکھاؤ گے..... میں.....''

''نہیں.....! میں تجھے نہیں سکھاؤں گا۔''

''کیوں.....!'' وہ حیرت' دکھ اور استعجاب سے بولی تو جسپال نے اس کے چہرے پر دیکھتے ہوئے کہا۔

''کیونکہ ایسے ملائی جیسے بدن والی لڑکی لڑتے ہوئے اچھی نہیں لگتی۔ اسے تو بس ملائمیت سے چھونے کو دل چاہتا ہے' تیرے اتنے خوبصورت چہرے پر اگر ایک خراش بھی آ گئی تو سمجھو حسن گہنا گیا اور میں تجھے اتنی ہی خوبصورت دیکھنا چاہتا ہوں۔''

''بالکل.....! اگر وہ چڑیل تیرے سر پر کچھ مار دیتی اور وہ دونوں تمہیں.....'' اس نے چڑ کر کہنا چاہا تو جسپال ہنس دیا۔ مگر وہ خاموش نہیں ہوئی۔ ''تم ہنس رہے ہو' تم یہ شاعری کر کے بات کو گول مت کرو' بلکہ سیدھے کہہ دو کہ تم مجھے اس لائق ہی نہیں سمجھتے' کاش میں نے یونیورسٹی کے دنوں میں پوری توجہ سے سیکھ لیا ہوتا۔''

اس نے کہا تو جسپال سنگھ نے اپنا ہاتھ اس کے کاندھے پر رکھ دیا اور اپنی انگلیوں کی پوروں سے اس کی گردن سہلاتے ہوئے بولا۔

''کوئی لڑکی اتنی جلدی سے میرے دل میں اپنی جگہ نہیں بنا سکی' جتنی جلدی تم نے بنائی ہے' میرے دل کی سب سے بڑی خوشی یہ ہوگی کہ تم میرے ہر وقت قریب رہو۔''

''میں کون سا دور رہنا چاہتی ہوں۔'' اس نے ایک ہاتھ سے اس کا ہاتھ تھپتھپایا اور پھر اسٹیئرنگ سنبھال لیا۔ وہ اندر سے پگھلنے لگ گئی تھی۔ جسے جسپال نے پوری طرح محسوس کر لیا تو بولا۔

''ہر پریت.....! فائٹر یونہی نہیں بن جاتا' اس کے لیے بہت کچھ کھونا پڑتا ہے' میں تجھے بہت کچھ سکھا دوں گا' لیکن تم ہر حالت میں میرا ساتھ دینے کا وعدہ کرو.....''

''میں تمہاری ہوں جسّی.....!'' اس نے کہا تو ایسے لمحات میں چلتی ہوئی جیپ اچانک لڑکھڑا گئی جس پر فوراً ہی ہر پریت نے قابو پا لیا اور بریک لگا دیے۔ تبھی وہ دونوں ہنس دیے۔

''لاؤ..... گاڑی میں چلاتا ہوں۔'' جسپال نے کہا تو ہر پریت اتر کر دوسری طرف سے سوار ہو گئی۔ جسپال نے جیپ آگے بڑھائی تو ہر پریت نے اس کے کاندھے پر اپنا سر رکھ لیا۔ وہ سہانے سپنوں میں کھو جانا چاہتی تھی۔ لیکن تلخ حقیقت اس کے خوابوں کو زہر آلود کیے ہوئے تھی۔

انہی لمحات میں اس نے جسپال کا ہر طرح کے حالات میں ساتھ دینے کا فیصلہ کر لیا۔

❀.....□.....□.....❀

صبح کی سحر انگیزی ہر طرف پھیلی ہوئی تھی۔ مشرق سے طلوع آفتاب کے آثار واضح ہونے کو تھے۔ جب میں اپنی بائیک نکال کر گھر سے نکلا' میں اپنے معمول کے مطابق ڈیرے کی طرف نکل پڑا تھا۔ میرا ارادہ تھا کہ میں وہیں پر جا کر سو جاؤں کیونکہ رات بھر مجھے اور چھاکے کو نیند نہیں آئی تھی۔ کھانا کھانے کے بعد بہت دیر تک ہم چھت پر جا کر باتیں کرتے رہے تھے پھر میں وہیں چارپائی گھسیٹ کر لیٹ گیا جبکہ وہ باہر والے کمرے میں جا کر سو گیا تھا۔ کچھ دیر پہلے میں نے جا کر اسے دیکھا تھا' وہ وہاں نہیں تھا۔ میرے چھت پر سے نیچے اترنے سے پہلے ہی وہ چلا گیا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ میرے من میں تجسس تھا کہ جو کچھ بھی ہم نے رات کیا اس کا ردعمل کیا ہوا؟ سردار شاہ دین کے ڈیرے پر نہ صرف فائرنگ ہوئی تھی' بلکہ وہاں سے بندے اغوا کر لیے گئے تھے' جن کی لاشیں دور ویرانے میں پائی گئی تھیں۔ اصل سوال یہ تھا کہ کیا سردار شاہ دین انہیں کسی بھی صورت میں قبول کرتا ہے؟ یا پھر انجان بن جاتا ہے؟ وہ ملک سجاد کو کیا جواب دے گا؟ ملک سجاد کا ردعمل کیا ہوگا۔ وہ انتقام لینے کے لیے مزید طاقت استعمال کرے گا یا پھر خوف زدہ ہو کر خاموش ہو جائے گا؟ پیرزادہ کے بندے مارے گئے تھے۔ اس کا ردعمل کیا تھا؟ اور رندھاوا اس نے سارے کھیل کا کیا کیا تھا' جس کی بساط میں نے بچھا دی تھی۔ کیا دلبر اور ساتھی وہیں کنویں پر ہوں گے یا پھر کہیں ادھر ادھر ہو گئے ہوں گے؟ میرا دل چاہ رہا تھا کہ میں دلبر کے کنویں کی طرف ہو کر جاؤں مگر اس میں کافی حد تک رسک تھا۔ یا میرے معمول کے خلاف تھا' میں کم از کم اپنی طرف سے کوئی شک پڑنا نہیں چاہتا تھا۔ میں انہی سوچوں میں غلطاں گھر سے نکل کر چوک میں پہنچا تو کافی سارے لوگ جمع تھے۔ میں نے بھی ان کے قریب جا کر بائیک روک دی اور اونچی آواز میں پوچھا۔

''اوئے سب خیر تو ہے نا' یہ تم لوگ یہاں کیوں جمع ہو؟''

''اوئے جمالے.....! تجھے نہیں پتہ۔ یہاں تو پورے علاقے میں ہلچل مچی ہوئی ہے۔'' ایک جوشیلے نوجوان نے تیزی سے کہا تو میں نے اپنے اندر کا تجسس دباتے ہوئے لاپرواہی سے پوچھا۔

''کیا زلزلہ آ گیا تھا رات.....؟''

''اوئے' تمہیں مذاق سوجھ رہا ہے' ادھر نو بندے ایک ہی رات میں قتل ہو گئے ہیں۔'' اس نے دیدے پھیلا کر یوں کہا جیسے مجھے ڈرا دینے کو ہو۔

''نو بندے.....؟'' میں نے تجسس سے پوچھا۔ ''اتنے بندے کس نے مار دیے.....؟''

''یہ نہیں پتہ چلا۔ ان سب کی لاشیں تھانے میں ہیں۔ رات پولیس بھی ادھر پہنچ گئی تھی۔'' ایک دوسرے بندے نے معلومات دیں۔

''وہ تو ٹھیک ہے' پر اتنی جلدی پولیس وہاں کیسے پہنچ گئی' اور وہ بندے کون تھے؟'' میں نے پوچھا تو اس نے بتایا۔

''تین بندے تو پیرزادے کے تھے' اس کے گاؤں کی ساتھ والی بستی میراں شاہ میں رہتے تھے۔ باقی چھ کا پتہ نہیں چلا' وہ کوئی باہر کے تھے۔ سنا ہے وہ سارا دن اس علاقے میں پھرتے رہے ہیں۔''

''تھانے سے کچھ پتہ چلا؟'' میں نے پوچھا۔

''نہیں جی' وہاں سے کوئی آئے گا تو معلوم ہوگا۔'' اس نے جواب میں کہا تو میں نے بائیک اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔

''لو بھئی..... ہم تو اپنا کام کریں' پتہ چل ہی جائے گا۔''

میں انہیں وہیں باتیں کرتا چھوڑ کر ڈیرے کی طرف چل پڑا۔ میں جیسے ہی ڈیرے والی کچی سڑک پر مڑا مجھے ڈیرے کے باہر کھڑی شاہ زیب کی سفید کار دکھائی دی۔ اس لمحے مجھے یقین ہوگیا کہ سردار شاہ ذین کو پتہ چل گیا ہے۔ میرے لیے یہ لمحات کسی امتحان سے کم نہیں تھے۔ میں اگر یہیں سے واپس مڑتا ہوں تو جو تھوڑا بہت شک تھا' وہ یقین میں بدل جاتا اور آگے جاتا ہوں تو پتہ نہیں میرے لیے وہاں کون استقبال کرنے کے لیے کھڑا ہوگا۔ اس قدر بے یقین حالات میں شاہ زیب اکیلا نہیں ہوسکتا تھا۔ میں نے ایک طویل سانس لی اور پھر کسی بھی خطرے کی پرواہ کرتے ہوئے بائیک نہ روکی' بلکہ بڑھتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ بائیک اس کار کے برابر جا روکی۔

میں ہاتھ میں دودھ کا برتن لیے گیٹ کے اندر گیا تو شاہ زیب برآمدے میں پڑی ہوئی چارپائی پر نیم دراز تھا۔ مجھے دیکھتے ہی سیدھا کھڑا ہوگیا۔ میں نے اس سے مصافحہ کرتے ہوئے کافی حد تک حیرت سے پوچھا۔

''شاہ زیب تم' اس وقت؟''

''تھانے جانا ہے' چلو گے میرے ساتھ۔'' اس نے میرے چہرے پر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''کیوں نہیں' ضرور چلوں گا تم کوئی بندہ میرے گھر بھیج دیتے' میں تھوڑا تیار ہوجاتا' ایسی حالت میں.....'' میں نے کہتے ہوئے جان بوجھ کر فقرہ ادھورہ چھوڑ دیا۔

''یہ نہیں پوچھو گے کہ کیوں جانا ہے؟'' اس نے آہستگی سے پوچھا۔

''تھانے کوئی بندہ خیریت سے نہیں جاتا' اور ایسے بے وقت..... پھر میں راستے میں سن کر آیا ہوں کہ نو بندے قتل ہوگئے ہیں۔'' میں نے لاپرواہی سے کہا۔

''ہاں' اس سلسلے میں جانا ہے' چلو گے۔'' اس نے پوچھا۔

''کہہ تو رہا ہوں' چلو۔'' میں نے جواباً تیزی سے کہا۔

''آؤ پھر میری گاڑی میں چلتے ہیں۔'' اس نے یوں کہا جیسے میرا ردعمل دیکھنا چاہ رہا ہو۔

''چل۔'' میں نے اس سے پہلے قدم بڑھا دیئے۔ گیٹ کی طرف جاتے ہوئے میں نے بھیدے کو دودھ گھر پہنچا دینے کا کہا اور اس سے پہلے گیٹ سے باہر تھا۔ ہم دونوں تقریباً ایک ساتھ ہی کار میں بیٹھے اور پھر کچھ ہی دیر بعد ہم تھانے کی جانب چل دیئے۔

میرے ذہن میں فقط ایک ہی بات گونج رہی تھی۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا تھا کہ سردار شاہ دین کو اس کارروائی کے بارے میں مجھ پر شک نہ ہو۔ اسے پورا یقین ہوگا' شاید وہ کسی عملی کارروائی سے پہلے اعصاب کی جنگ لڑ رہا تھا۔ اپنے یقین کو پختہ کر رہا تھا یا پھر مجھے کہیں لے جا کر' تشدد کر کے' یہ سب اگلوانے کے لیے لے جایا جا رہا تھا۔ اب جو کچھ بھی تھا' میں ایک قدم بھی پیچھے ہٹنا نہیں چاہتا تھا۔ عملی طور پر میں نے سرداروں سے ٹکر لے لی تھی۔ گویا خود کو آگ میں جھونک دیا تھا۔ اب جو ہوگا' وہ دیکھا جائے گا۔ میں کسی بھی غیر متوقع صورتحال کے لیے خود کو تیار کر چکا تھا۔ میں اعصاب مضبوط کیے اس کے ساتھ

والی پسنجر سیٹ پر بیٹھا رہا۔ شاہ زیب نے کوئی بات نہیں کی۔ بلکہ انتہائی سنجیدگی سے ڈرائیونگ کرتا رہا تھا۔ جب اس نے کوئی بات نہیں کی تو مجھے بھی پوچھنے کی ضرورت نہیں تھی۔ ہم گاؤں کی حدود سے باہر نکل آئے تھے اور قصبے کی جانب بڑھ رہے تھے۔ یہی وہ راستہ تھا جہاں مجھے انتہائی درجے کا محتاط ہونا تھا۔ کسی وقت بھی کچھ ہوسکتا تھا۔

مگر.....! کچھ نہ ہوا۔ تھانے کا گیٹ آ گیا اور وہ اپنی کار سمیت اندر چلا گیا۔ افضل رندھاوا اپنے کمرے میں تھا۔ ہم کار سے نکل کر اس جانب بڑھ گئے۔ اس کے کمرے میں جب ہم داخل ہوئے تو ایک نگاہ ہم پر ڈال کر وہ کاغذات میں الجھ گیا۔ ہم چند لمحے کھڑے رہے تو شاہ زیب نے کہا۔

''بہت مصروف ہو رندھاوا صاحب۔'' یہ کہتے ہوئے وہ ایک کرسی پر بیٹھ گیا اور مجھے بھی ایک کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا تو میں بیٹھ گیا۔

''ہاں' یار بہت۔'' یہ کہتے ہوئے وہ دوبارہ کاغذوں میں الجھ گیا۔ پھر اُس نے سر اٹھا کر میری طرف دیکھا' اور طنزیہ انداز میں کہا۔

''تجھے کس نے کہا ہے کہ میرے آفس میں' کرسی پر بغیر اجازت کے بیٹھ جاؤ۔''

''یہ میرے ساتھ آیا ہے اور میں نے اسے کہا ہے۔'' شاہ زیب نے تیز انداز میں کہا تو وہ بولا۔

''یہ آپ کے ساتھ نہ آیا ہوتا تو میں اسے ابھی اس کمرے سے دھکے دے کر نکال دیتا۔ اس کی اتنی حیثیت ہے کہ یہ میرے سامنے بیٹھ سکے۔''

''لیکن اتنی ہمت ہے انسپکٹر کہ میں نے تمہاری ''پھرکی'' گھما دی تھی۔'' میں نے مسکراتے ہوئے طنزیہ انداز میں کہا تو شاہ زیب نے جھنجلاتے ہوئے کہا۔

''او چھوڑ دیار۔ میں کس مقصد کے لیے آیا ہوں اور تم لوگ کیا بات لے کر بیٹھ گئے ہو۔''

''آپ بولو' کیا بات ہے؟'' رندھاوے نے غصے میں کہا تو اس نے ٹھہرے ہوئے انداز میں پوچھا۔

''لاشیں کہاں ہیں؟''

''شہر بھجوا دی ہیں پوسٹ مارٹم کے لیے..... ان میں سے دو کی شناخت ابھی نہیں ہوسکی۔'' اس نے عام سے لہجے میں کہا۔ پھر چند لمحے رک کر اس نے تجسس آمیز انداز میں پوچھا۔ ''باقی آپ بتائیں گے' شناخت کرلیں گے انہیں؟''

''جب باقی شناخت کر لیے گئے ہیں تو ان دو کی شناخت کا کیا مسئلہ ہے؟'' شاہ زیب نے کہا۔

''اس لیے کہ وہ آپ کے ڈیرے پر تھے۔ وہیں فائرنگ ہوئی ہے مگر لاشیں ڈیرے سے دور ویرانے میں ملی ہیں۔ ان میں سے تین بستی میراں شاہ کے تھے' مقامی' یہ سب کیا ہے سردار جی۔'' آخری لفظ کہتے ہوئے اس کے لہجے میں طنز اتر آیا تھا۔ تبھی شاہ زیب نے اس سے زیادہ طنز اور غصے میں کہا۔

''یہی تو معمہ ہے جسے حل کرنا ہے۔ اور اہم ترین سوال یہ ہے کہ آپ کو کس نے ان کے متعلق بتایا' آپ کب پہنچے؟ اور کسی سے پوچھ تاچھ کیے بغیر وہاں سے لاشیں بھی اٹھا کر لے آئے.....؟''

''ہاں.....! یہ سوال تو بنتا ہے لیکن آپ ایسا کریں' چائے پئیں' میں نے پیرزادہ وقاص کو بلوایا ہے' وہ یا ان کا کوئی بندہ یہاں پر آ جائے تو بات کرتے ہیں۔ میں فی الحال کاغذ مکمل کرلوں۔'' یہ کہتے ہوئے وہ پھر سے کاغذوں میں الجھ گیا۔ بلاشبہ وہ ڈرامہ کر رہا تھا۔ کیونکہ اس نے اپنے کسی بندے کو چائے کا نہیں کہا تھا۔ صاف ظاہر تھا کہ وہ ہمیں نظر انداز کر رہا ہے۔ شاہ زیب پیچ و تاب کھاتا ہوا اس کی طرف دیکھتا رہا۔ زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ پیرزادہ وقاص کی سیاہ جیپ وہاں آ رکی۔ وہ اس میں سے نکلا اور سیدھا رندھاوے کے دفتر میں آ گیا۔ اس نے ہمیں دیکھا' ہم سب سے مصافحہ کیا اور کرسی پر بیٹھ گیا

تو رندھاوے نے کاغذات ایک طرف کیے اور گہری سنجیدگی سے بولا۔

''پیرزادہ صاحب! آپ کے تین ملازمین قتل ہو گئے۔ میں نے اس سلسلے میں آپ کو بلایا ہے۔''

''ایسا پہلی بار ہوا ہے کہ ہم اپنی فریاد لے کر تھانے میں نہیں آئے' بلکہ لاشیں اٹھا لینے کے بعد ہمیں تھانے میں بلا کر پوچھ رہے ہیں۔ میں پوچھ سکتا ہوں' یہ اتنی تیز رفتاری کیوں؟'' پیرزادہ وقاص نے کافی حد تک طنزیہ اور غصیلے لہجے میں پوچھا۔

''ابھی آپ کے آنے سے پہلے شاہ زیب نے بھی ایسا ہی سوال کیا ہے۔ تو آپ دونوں غور سے سن لیں۔ مجھے کل شام اوپر سے احکامات ملے تھے کہ علاقے میں کچھ مشکوک لوگ ہیں' انہیں پکڑ لیں' میرے مخبر بھی اطلاع دے چکے تھے۔ شام ہونے سے پہلے ہی بھاری نفری یہاں بھجوا دی گئی۔ غور کریں' میری بات پر' میں نے نہیں منگوائی' بلکہ بھیج دی گئی۔ میں جانتا ہوں کہ آپ لوگوں کی رسائی یہاں تک ہے کہ میری اس بات کی تصدیق آپ کر سکتے ہیں۔ میں مجبور تھا اور میں نے انہیں پکڑنا ہی تھا' لیکن.....'' یہ کہہ کر وہ خاموش ہوا تو شاہ زیب بولا۔

''لیکن کیا؟''

''میں جس وقت انہیں پکڑنے کے لیے ڈیرے کے قریب پہنچا تو وہاں سے کچھ دور فائرنگ ہوئی' میں نے وہ اپنے لیے الجھاوا ہی سمجھا اور ڈیرے پر گیا۔ وہاں آپ کے ملازمین نے بتایا کہ چھت پر فائرنگ ہوئی ہے۔ میں خود چھت پر گیا' وہاں آثار تو ملے مگر بندے نہیں تھے۔ میں نے فوراً علاقہ چھان لینے کا حکم دیا۔ اور یہ ساری لاشیں ایک جگہ سے مل گئیں۔''

''لیکن.....'' شاہ زیب نے کہنا چاہا مگر رندھاوے نے سختی سے کہا۔

''لیکن ویکن کچھ نہیں شاہ زیب! سیدھی سی بات ہے' یہ دونوں گروپ آپس میں لڑ کر مرے ہیں یا پھر انہیں کوئی تیسری پارٹی مار گئی ہے۔ یہ تو خیر' تفتیش سے معلوم ہو جائے گا' آپ لوگوں کو میں نے اس لیے بلایا ہے کہ جو حقیقت ہے وہ مجھے بتا دیں' یا پھر صلاح و مشورہ کر کے کوئی فیصلہ مجھے دے دیں' نہیں تو.....''

''نہیں تو کیا کریں گے آپ.....؟'' پیرزادے نے پرسکون انداز میں کہا۔

''میں کوئی دشمن دنیا تو نہیں ہوں' پیرزادہ صاحب' میں نے جو کچھ دیکھا ہے' وہی لکھ دیا ہے' ان کاغذات پر' فائلوں کا پیٹ بھر لیا ہے میں نے' دو چار گھنٹے بعد میں نے یہ رپورٹ ڈی ایس پی صاحب کو دے دینی ہے' پھر وہ جانیں اور آپ.....'' وہ فیصلہ کن انداز میں کہہ چکا تو پیرزادہ بولا۔

''میری طرف سے ابھی یہ طے کر لیں کہ آپ جو رپورٹ دیں گے وہ بالکل سچ پر مبنی ہونی چاہیے۔ باقی جو تفتیش ہونی ہے' اس کی نگرانی میں کر لوں گا۔ اب مجھے یہ پتہ نہ چلے کہ آپ نے ڈنڈی ماری ہے' اور ان مشکوک بندوں کا یہ ذکر ہی نہ کرو کہ وہ کس کے مہمان تھے۔''

''وقاص..... تم غلط سمجھ رہے ہو' سچ وہ نہیں جو تم دیکھ رہے ہو۔'' شاہ زیب تیزی سے بولا۔

''نہیں شاہ زیب' نہیں' ایسے نہ کہو' میرے تین ملازم قتل ہوئے ہیں' انہیں چھوڑو' تم لوگوں کے ڈیرے پر اشتہاری پہلے بھی آتے جاتے ہیں' لیکن یہ کون تھے اور علاقے میں کیوں دندناتے پھر رہے تھے۔ مجھے اس سوال کا جواب دو۔''

''یہ بھی انہی اشتہاریوں کی طرح یہاں چند دن رہنے آئے تھے۔'' وہ تیزی سے بولا۔

''تو پھر انہیں بے لگام ہونے کی اجازت کس نے دی؟'' پیرزادہ نے پوچھا تو شاہ زیب خاموش رہا۔ پھر تیزی سے بولا۔ ''ہم بھی ڈیرے دار ہیں' اور یہ ساری باتیں سمجھتے ہیں۔''

''میں کہہ رہا ہوں نا کہ ہم بات کرتے ہیں' میں تجھے سمجھا دوں گا.....'' اس نے کہنا چاہا لیکن پیرزادہ نے ہاتھ کے

اشارے سے اسے روک دیا۔

''بس.....! مجھے میرے سوال کا جواب دو یا پھر ان بندوں کے قتل کا حساب دینے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ یہ تم اچھی طرح جانتے ہو' مجھے اپنا حساب لینا آتا ہے۔'' یہ کہہ کر وہ کرسی سے اٹھ گیا۔ تبھی رندھاوے نے اس سے پوچھا۔

''تو پھر کیا کہتے ہیں؟''

''وہی جو میں نے کہا' ہم لوگ زبان رکھتے ہیں اور اپنی زبان کا پاس بھی کرتے ہیں۔ کیونکہ ہم مردوں والی زبان دیتے ہیں۔'' یہ کہہ کر اس نے شاہ زیب کی طرف دیکھا بھی نہیں اور کمرے سے باہر نکلتا چلا گیا تو وہاں پر خاموشی چھا گئی۔

''یہ اچھا نہیں ہوا۔'' شاہ زیب نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

''میں نے تو سوچا تھا کہ آپ دونوں کو بلا کر' کوئی مشورہ کر کے ہی رپورٹ فائل کروں گا' مگر لگتا ہے پیرزادہ صاحب کے دماغ میں کچھ اور ہی چل رہا ہے۔''

''جمال' تم کیا کہتے ہو؟'' اچانک شاہ زیب نے مجھ سے پوچھا۔

''اس سے کیا پوچھتے ہو آپ' جس بندے کو اپنی خبر نہیں' اگر آپ کا ہاتھ اس پر نہ ہوتا تو اب تک یہ نجانے کس جیل میں پڑا سڑ رہا ہوتا۔'' رندھاوے نے انتہائی نفرت سے کہا۔

''رندھاوا صاحب' خیال کریں کہ یہ میرے ساتھ آیا ہے۔'' شاہ زیب نے غصے میں کہا۔

''یہی تو کر رہا ہوں' ورنہ اب تک اس کے چھتر مار کر تھانے سے بھگا نہ دیا ہوتا۔'' اس کا لہجہ ہنوز غصیلہ تھا۔ اس وقت تک پیرزادہ اپنی جیپ سمیت وہاں سے چلا گیا تھا۔ تبھی شاہ زیب اٹھا اور بغیر ہاتھ ملائے کمرے سے باہر چلا گیا۔ میں نے بھی وہاں رکنا مناسب نہیں سمجھا' میری اور رندھاوے کی نگاہیں ایک لمحے کے لیے چار ہوئیں تو اس نے خفیف سا اشارہ کیا۔ میں جسے فوراً تو نہ سمجھ سکا لیکن اس پر غور کرنے لگا۔

ہم دونوں کار کے قریب آ گئے تھے۔ شاہ زیب کے چہرے پر انتہائی درجے کی سنجیدگی تھی۔ وہ چند لمحے کھڑا سوچتا رہا' پھر فوراً ہی لپک کر اندر چلا گیا۔ اس بار وہ مجھے اپنے ساتھ لے کر اندر نہیں گیا تھا۔ وہ نجانے کیا بات کرنا چاہتا تھا۔ اس لمحے مجھے رندھاوے کی خفیف اشارے کی سمجھ آ گئی۔ میں ٹہلتا ہوا تھانے سے باہر آ کر کھڑا ہو گیا۔ تبھی میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ مجھ سے کچھ فاصلے پر چہرے پر کپڑا لیے چھاکا بائیک پر کھڑا تھا۔ میرا دل اچانک ہی خوشی سے بھر گیا۔ میں نے اسے رکنے کا اشارہ کیا' اور وہیں ٹہلنے لگا' تبھی اندر سے شاہ زیب کی کار نکلی اور میرے قریب روک دی۔ تب میں نے اسکے پاس جا کر کہا۔

''مجھے ذرا یہاں تھوڑا کام ہے' میں وہ کر کے آتا ہوں' تم جاؤ۔''

''ایسا کام اچانک کیا پڑ گیا؟'' اس نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''کئی دنوں سے سوچ رہا تھا' مجھے کسی بندے سے ملنا ہے' تم جاؤ' میں آ جاؤں گا۔'' یہ کہہ کر میں نے اس کی سنی ان سنی کرتے ہوئے اپنا رخ اس طرف کر لیا جدھر چھاکا میری پشت پر تھا۔ شاہ زیب چلا گیا تو میں کچھ دیر مزید وہیں رکا رہا۔ پھر چھاکے کی طرف چل پڑا۔ وہ بائیک اسٹارٹ کر کے میرے پاس آیا۔ میں اس کے پیچھے بیٹھ گیا تو اس نے بائیک بھگا دی۔ میں ایک بہت بڑے خطرے سے دوچار ہونے والا تھا۔ یہی اشارہ مجھے رندھاوے نے دیا تھا۔ مجھے میرے سوالوں کا جواب مل گیا تھا' اب میں نے صورتحال کے مطابق اپنا آئندہ لائحہ عمل ترتیب دینا تھا۔

❀.....□.....□.....❀

جسپال اپنے کمرے میں تھا۔ وہ کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا' جہاں ہری بھری فصلیں دور تک پھیلی ہوئی دھوپ میں چمک

رہی تھیں۔ بظاہر وہ اس مناظر میں کھویا ہوا تھا لیکن اس کا دماغ کہیں اور تھا۔ وہ مسلسل من راج اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں سوچتا چلا جا رہا تھا۔ بلاشبہ ان میں کھلبلی مچ چکی ہوگی۔ اپنے تئیں انہوں نے کوئی سراغ تو نہیں چھوڑا تھا لیکن جلد یا بدیر وہ اس تک پہنچ ضرور جائیں گے۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ رویندر سنگھ یا اس کی اولاد کو اس کی اُوگی پنڈ میں آمد کے بارے میں پتہ نہ چلا ہو' یقین اس وقت ہو جانا تھا جب وہ اس تک پہنچ کر اپنا آپ ظاہر کر دیتے۔ جسپال یہی چاہ رہا تھا کہ وہ کسی نہ کسی طرح خود اس کی جانب بڑھیں لیکن اتنی جلدی کوئی موقع ہاتھ نہیں آ سکا تھا۔ اس نے اپنے طور پر تو سوچا ہوا تھا کہ کیا کرنا ہے' اور وہ ایسا ہی کرتا اگر یہ پولیس آفیسر والا معاملہ درمیان میں نہ آ جاتا۔ ان چند دنوں میں تو یہاں کے ماحول ہی سے مانوس نہیں ہو پایا تھا۔ اب معاملہ یہ نہیں رہا تھا کہ وہ ان کی طرف سے ''کچھ'' ہونے کا انتظار کرتا' بلکہ خود آگے بڑھنا تھا۔ اس نے شہد کے چھتے میں ہاتھ تو ڈال دیا تھا۔ اب سکون کی امید رکھنا بے کار تھا اور ماحول سے مانوس ہونے کا بہانہ فضول تھا۔ سوچ کی رُو جیسے ہی اس طرف گئی' اس کے من سے بڑی خوش کن سی آواز ابھری۔

''کیا واقعی تم اس ماحول سے مانوس نہیں ہوئے؟''

''یہ کیا سوال ہے؟'' اس نے سوچا۔

''یہ حقیقت ہے جسپال سنگھ جسّی جی' اگر مانوس نہ ہوتے تو ہرپریت کے سحر انگیز حسن سے یوں مات نہ کھا جاتے' وہ محض حسن کا مجسمہ نہیں' ایک خوبصورت آفت بھی ہے' گزری رات تم نے ذرا سی جھلک دیکھ لی تھی۔ اب کیا خیال ہے؟''

''ہاں.....! وہ پرت در پرت کھلتی چلی جائے گی اور مجھے حیران کر دے گی۔''

یہ سوچتے ہی وہ ان لمحات میں کھو کر لذت محسوس کرنے لگا جب جوش و جذبے میں بھری ہرپریت اس کے ساتھ لگی دشمنوں سے نبرد آزما تھی۔ وہ دھیرے سے مسکرا دیا۔ تبھی اسے یوں لگا جیسے ہرپریت نے اس کی گردن میں اپنی بانہیں حمائل کر دی ہوں۔ جسپال نے انہیں بڑی نرمی سے تھام لیا تو اچانک اس پر عیاں ہوا کہ وہ کھلی آنکھوں سے کوئی خواب نہیں دیکھ رہا' بلکہ حقیقت میں وہ اس کے اس قدر قریب ہے' اس کی زلفوں کا سایہ اس پر تھا اور وہ بڑی نرمی سے پوچھ رہی تھی۔

''جسّی جی.....! کیا سوچ کر مسکرا رہے ہو؟''

''تمہیں سوچ کر.....'' اس نے بڑے خلوص سے کہا۔ وہ اٹھلاتے ہوئے بولی۔

''میری اتنی کہاں حیثیت کہ مجھے سوچتے ہوئے تم ساری دنیا سے غافل ہو جاؤ' یہاں تک کہ کسی کے کمرے میں آ جانے کا بھی پتہ نہ چلے۔''

''سچی' تجھے سوچ رہا تھا' جس طرح تو نے رات' اس لڑکی کو مارا' اور پھر.....''

''بس بس.....بس..... میں سمجھ رہی تھی کہ تم کوئی رومانٹک خیال سوچ رہے ہو۔'' یہ کہہ کر وہ لمحہ بھر کو رکی اور پھر پوچھا۔

''پھر کیا سوچا' مجھے فائٹ کھائے گا۔''

''دیکھو..... بے بے سے اجازت لے کر دے تو..... تمہاری کوئی ہڈی پسلی ٹوٹ گئی تو پھر اُن سے مار تو نہیں کھائے گا۔'' جسپال نے مزاح میں کہا' تب وہ اسے دیکھتی رہی پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر بولی۔

''چلو آؤ..... ابھی اجازت لے کر دیتی ہوں' پھر اس کے بعد ہی کھانا کھائیں گے۔ چلو انوجیت بھی گھر پر ہے۔''

جسپال نے اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا اور پھر اٹھ کر اس کے ساتھ چل دیا۔ وہ دونوں ماں بیٹا ڈائننگ ٹیبل پر اس کا انتظار کر رہے تھے۔

''ست سری اکال بے بے جی۔'' جسپال نے کہا اور میز کے قریب کرسی پر انوجیت کے ساتھ بیٹھ گیا۔

''ست سری اکال پتر! واہ گرو تم پر..... کرے..... چل پتر پرشادے شکھ لے.....'' بے بے نے ممتا بھرے لہجے میں

کہا اور اپنے سامنے نیپکن درست کرنے لگی۔ کھانے کے دوران جسپال نے انوجیت کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''یار.....! تم تو اتنے بزی ہو گئے ہو' شکل ہی نہیں دکھاتے۔''

''معاملات ہی کچھ ایسے ہیں' کھانے کے بعد تفصیل سے بتاؤں گا۔'' اس نے گہرے انداز میں کہا اور خاموش ہو گیا۔ چند لمحے یونہی گزر گئے تو ہرپریت نے بے بے کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''بے بے جی' آپ جسّی کو اجازت دیں کہ یہ مجھے فائٹ سکھائے' میں نے صبح بتایا تھا نا۔''

''تُو جان اور تیرے کام' اگر جسّی پتر سمجھتا ہے کہ تجھے یہ سیکھنا چاہیے تو ٹھیک ہے' مجھے کوئی اعتراض نہیں۔''

''ویسے بے بے جی' میں یہی سمجھتا تھا کہ ہرپریت کو اچھا کھانا بنانا آنا چاہیے۔ گھرداری سیکھنی چاہیے لیکن اب مجھے لگتا ہے کہ اپنی حفاظت کے لیے اسے یہ بھی سیکھ ہی لینا چاہیے۔'' جسپال نے کہا تو انوجیت بولا۔

''جسپال.....! ابھی تمہیں آئے دن ہی کتنے ہوئے ہیں لیکن جس طرح دن گزرتے جائیں گے' اس طرح تم یہ جان جاؤ گے کہ ہم ہی نہیں پوری سکھ قوم حالتِ جنگ میں ہے اور یہ جنگ ہم پر مسلط کر دی گئی ہے۔ ہر امرت دھاری سنگھ قربان ہونے کے لیے ہے۔''

''مجھے احساس ہے انوجیت۔'' جسپال نے کہا اور پھر سے کھانے کی طرف متوجہ ہو گیا پھر ان کے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی۔ یہاں تک کہ انہوں نے کھانا ختم کیا اور اٹھ کر باہر لان کی طرف چل دیئے۔ بے بے اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔ وہ دونوں لان میں آ کر کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ دھوپ تیز تھی مگر اچھی لگ رہی تھی۔ وہ چند لمحے خاموش رہے پھر انوجیت ہی نے کہا۔

''مجھے ہرپریت نے نہیں بتایا' لیکن تمہاری رات کی کارروائی کے بارے میں مجھے معلوم ہو گیا ہے' کہیں یہ سب کچھ تم نے جلدی میں تو نہیں کر دیا؟''

''نہیں انوجیت۔ جلدی میں نہیں' ٹھیک وقت پر کیا ہے۔ میں نے انہیں صرف یہ احساس دلانا ہے کہ میں یہاں پر اکیلا نہیں ہوں' ان پر خوف طاری کرنا تھا۔ یہ اس صورت میں ہے' جب انہیں یقین ہو جائے کہ یہ سب میں نے کیا ہے۔''

''تمہارا نیٹ ورک ہے یہاں پر.....'' اس نے پوچھا۔

''نہیں' میرا نہیں' کسی اور کا ہے.....'' جسپال نے اختصار سے کہا۔

''پرائے بازوؤں کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا' اپنے بازو.....'' انوجیت نے کہنا چاہا تو وہ تیزی سے بولا۔

''میں جانتا ہوں' کتے کو جب تک روٹی ڈالتے رہو' وہ وفادار رہتا ہے اور جب روٹی نہ بھی ڈالو' تب بھی وہ وفادار رہتا ہے' یہ جانور کی خصلت ہے' لیکن انسان اس وقت بدتر ہو جاتا ہے جب وہ روٹی بھی کھاتا رہے اور ڈس لے..... سانپ کی یہ خصلت ہے کہ وہ دودھ پلانے والے کو بھی ڈس لیتا ہے۔ یہ نیٹ ورک کوئی دھرم یا کسی مذہب کا نہیں ہے' یہ جرائم پیشہ لوگوں کا ایک سنڈیکیٹ ہے۔ عالمی سطح پر۔''

''اور تم کہیں اس کا حصہ تو نہیں ہو؟'' انوجیت نے سرسراتے ہوئے تیزی سے پوچھا۔

''حصہ تو نہیں لیکن اس کے بہت قریب ہوں۔ میری وجہ سے انہوں نے بہت فائدہ حاصل کیا ہے۔ بظاہر ان کی پہلی ترجیح دولت ہے' لیکن میں نہیں سمجھتا کہ وہ صرف دولت ہی کے لیے ایسا سب کچھ کر رہے ہیں۔ ان کی ترجیحات کچھ اور ہیں جنہیں میں بھی اب تک نہیں سمجھ پایا ہوں۔''

''منشیات.....'' وہ دھیرے سے بولا۔

''نہیں' میں نے اب تک کسی بندے کو نہیں دیکھا کہ وہ منشیات کے کاروبار میں ملوث ہو یا پھر خود ایسی چیزوں کا عادی

ہو۔ میرا اپنا ایک اندازہ ہے کہ وہ صرف طاقت چاہتے ہیں۔ کیوں' اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔'' جسپال نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا تو انوجیت چند لمحے خاموش رہا' پھر بولا۔

''اس پولیس آفیسر کو ہماری سکھ تنظیم نے ختم کیا ہے۔ جن لڑکوں نے اسے قتل کیا ہے' وہ اب بھی اسی علاقے میں موجود ہیں۔ قتل کا کوئی سراغ ان کے پاس نہیں ہے' سوائے ایک دو نمبروں کے' جس پر اس پولیس آفیسر کو دھمکیاں دی گئی تھیں۔ اس بارے میں وہ لوگ کنفرم نہیں ہیں۔ کیونکہ یہ نمبر کسی کے ذاتی نہیں' پبلک فون بوتھ سے ہیں۔ جو جالندھر میں ہیں۔ خیر.....! یہ کنفرم بات ہے کہ وہ ان قاتلوں تک نہیں پہنچ پائیں گے۔ چاہیں جو مرضی کرلیں۔ وہ بے سہارا لوگ نہیں ہیں' انہیں پورا تحفظ ہے۔ اب یہ جو کمیشن بنا ہے' اس نے کسی کے بھی گلے میں پھندا ڈال دینا ہے۔ رویندر سنگھ نے یہ پھندا تمہارے گلے میں ڈالنا چاہا۔ اسی لیے من راج سنگھ کو ادھر بھیجا پھر جو انہوں نے چاہا' وہی ہوگیا۔''

''مطلب.....وہ یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ میں کیا کرسکتا ہوں؟''

''میرے خیال میں.....انہوں نے تم پر نگاہ بھی رکھی ہوگی اور تم ہر پریت کے ساتھ.....''

''انوجیت مجھے لگتا ہے' تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔ تم ایسے کرو' دو دن تک اپنے کمرے میں رہو' تمہارا فون آف ہونا چاہیے۔ بس آرام کرو۔'' جسپال نے گہری سنجیدگی سے کہا تو اس نے پوچھا۔

''یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟''

''میں ٹھیک کہہ رہا ہوں یار.....! اگر ایسی کوئی صورتحال ہوتی نا تو وہ جالندھر والا گھر میرے لیے چوہے دان ثابت ہوتا۔ من راج کسی لڑکی کے ساتھ عیاشی نہیں بلکہ میرے انتظار میں ہوتا۔'' اس نے طنزیہ انداز میں کہا۔

''لیکن میری اطلاعات غلط نہیں ہوسکتیں؟'' اس نے احتجاج کرنے والے انداز میں کہا تو جسپال ایک لمحے کو اس کی طرف دیکھتا رہا' پھر چونک کر اس کی طرف دیکھا تو وہ بولا۔ ''ہمارے بندے بھی ہر جگہ پھیلے ہوئے ہیں۔ وہ کوئی غلط اطلاع نہیں دیتے۔''

''ٹھیک.....! میں مان لیتا ہوں پھر یوں ممکن ہے کہ تمہاری سکھ تنظیم کے لوگ نگاہ میں ہوں گے' میں نہیں..... میں مانتا ہوں اور میں استعمال بھی کرتا ہوں کہ جدید ترین آلات بندے کی لوکیشن کے بارے میں معلوم کرلیتے ہیں۔ میں نے یہ آپشن ذہن میں رکھا ہے۔ اب تمہیں اندازہ ہوگیا ہوگا کہ میں نے جلدی نہیں' وقت پر انہیں ٹھکانے لگایا ہے۔ اس سے پہلے کہ وہ میرے گرد گھیرا تنگ کریں' میں نے ان کا حصار ہی توڑ دیا۔''

''اس کا مطلب ہے کہ تمہیں شاید ہی ہماری ضرورت پڑے.....؟'' انوجیت نے پوچھا۔

''ایک پرانی کہاوت ہے نا' دوست وہ جو مصیبت میں کام آئے.....اسی طرح دشمن وہ ہوتا ہے جو دھوکے سے وار کرے اور منافق وہ ہوتا ہے جو تمہیں ختم کرنے کے لیے بڑے صبر سے وقت کا انتظار کرے اور موقع ملتے ہی تمہیں ختم کرنے کی کوشش کرے۔ دھوکا وہ بھی دے گا۔ اس لیے اپنے سائے سے بھی چوکنا رہو۔ کیونکہ مصیبت کے وقت ہی دشمن کا' منافقوں کا اور بے غیرتوں کا پتہ چلتا ہے۔ تم کیا سمجھتے ہو' تم اگر ان کے نیٹ ورک میں اپنے بندے داخل کرسکتے ہو تو کیا وہ تمہاری سکھ تنظیم میں نہیں ہوں گے؟''

''ایسا ممکن ہے.....'' انوجیت نے سرسراتے ہوئے کہا۔

''تو پھر یہ جان لو کہ اب کوئی راز' راز نہیں ہے۔ ایک میدان جنگ ہے اور ہم لڑ رہے ہیں۔ جس کا وار چل جائے گا' اور یہ ذہن میں رکھنا انوجیت' میری لڑائی کسی دھرم کے لیے نہیں ہے۔ مجھے صرف اپنا ذاتی انتقام لینا ہے۔ بس.....''

''مجھے تمہاری صاف گوئی اچھی لگی میں چاہوں گا اگر تم ضرورت محسوس کرو تو مجھے ضرور کہنا۔'' اس نے یاس بھرے لہجے

میں کہا۔

''تم اس قدر اجنبیت سے کیوں کہہ رہے ہو میرے دوست.....اصل میں تم میرے ذاتی دوست کی حیثیت سے نہیں ایک سکھ تنظیم کے فرد کی حیثیت سے سوچ رہے ہو۔ میں یہ نہیں کہتا کہ تم دھرم کی سیوا چھوڑ دو' میں کہتا ہوں کرو' ہر مذہبی انسان کا یہ حق ہے کہ وہ اپنے مذہب کے مطابق زندگی گزارے۔ لیکن ان قوتوں کا کیا کیا جائے جو یہ بھی نہیں کرنے دیتیں۔ جان لو کہ طاقت ہی بنیادی چیز ہے ورنہ دوسرے تم لوگوں کو کچل کر آگے بڑھ جائیں گے۔ تم ایک سکھ تنظیم کے فرد ہو' تم رہو' لیکن میرے معاملے کو اس سے خلط ملط مت کرو۔''

''تم بھی تو ایک سکھ ہو۔ اگر تمہارے سامنے دھرم کا کوئی معاملہ آجائے تو تم کیا کرو گے؟'' اچانک انوجیت نے اس سے پوچھا۔

''یہ تو اس معاملے کی نوعیت پر ہوگا نا میرے یار' میں تمہیں ایک مثال دیتا ہوں' سکھ دھرم میں دستار کی اہمیت اس قدر ہے کہ سر کٹا دیں لیکن دستار کی عزت پر آنچ نہ آنے دیں.....کیا میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔''

''بالکل ایسے ہی ہے۔'' وہ تیزی سے بولا۔

''اب مجھے یہ بتاؤ' میں کہیں بے بس ہوجاؤں' اور وہ لوگ میری دستار اتار کر مٹی میں رول دیں تو کیا مجھے آرام سے سر کٹا دینا چاہیے؟'' جسپال نے سکون سے پوچھا۔

''نہیں' جہاں تک ہوسکے' ان کا سر کاٹ دینا چاہیے۔'' وہ جوش اور جذبے سے بولا۔

''لیکن اگر میں سر کاٹ لینے کی پوزیشن ہی میں نہیں ہوں' بلکہ بے بس ہوں' تب مجھے کیا کرنا چاہیے' سکون سے اپنا سر ان کے سامنے پیش کردینا چاہیے' کہ میں اپنی دستار کی حفاظت نہیں کرسکا۔'' جسپال نے کہا تو انوجیت الجھتے ہوئے بولا۔

''تم کہنا کیا چاہ رہے ہو؟''

''یہی کہ میں دھرم کے لیے کمزوری کا باعث نہ بنوں' بلکہ اگر میری جان جاتی ہے تو اس سے دھرم مضبوط ہو۔ میں وہ وقت ہی نہ آنے دوں جب کوئی میری دستار کی طرف ہاتھ بڑھائے۔ میں اپنے ذاتی معاملے کے لیے دھرم کو استعمال نہ کروں اور جہاں تک تمہارا سوال ہے کہ اگر دھرم کا معاملہ میرے سامنے آجائے تو میں کیا کروں گا۔ میں یہ دیکھوں گا کہ دھرم کو فائدہ کیسے ہوگا' جان دے دینے سے یا اس معاملے کو نظر انداز کردینے سے..... یہ جان لو انوجیت کہ طاقت کا غلط استعمال بھی شکست کی طرف لے کر جاتا ہے۔''

''تم تو بڑے سخت قسم کے خیال رکھتے ہو۔'' انوجیت نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

''ہم سکھوں نے اپنی طاقت کا بے جا استعمال کیا ہے اور ہم ابھی تک ایسے معاملات میں الجھے ہوئے ہیں' جسے ہندو ہماری کمزوری بنا کر ہمیں نہ صرف مزید کمزور بنا رہے ہیں بلکہ ظلم در ظلم کرتے چلے جارہے ہیں۔ میں پوچھتا ہوں' دربار صاحب میں شہیدوں کی یادگار بنانے کا معاملہ ہے' چل رہا ہے نا.....''

''ہاں! چل رہا ہے۔'' انوجیت نے کہا۔

''انہی شہیدوں کے لیے نا' جو نہتے مارے گئے' اندرا حکومت نے اپنی پوری طاقت لگا کر انہیں ختم کیا' اب سکھ کمیونٹی' اپنے ہی مذہبی ادارے میں' اپنے ہی لوگوں کے لیے ایک یادگار بنانا چاہتی ہے' لیکن نہیں بنا پا رہے' کیوں؟ پنجاب کے سکھ' پوری دنیا کے سکھ.....اسے کیوں نہیں بنا پا رہے۔''

''کانگریس حکومت نہیں چاہ رہی.....'' انوجیت نے دھیرے سے کہا۔

''میں یہ پوچھتا ہوں' حکومت روبوٹ چلاتے ہیں یا انسان.....؟'' جسپال نے جوش سے پوچھا۔

''انسان ہی چلاتے ہیں۔''

''یعنی گوشت پوست کے انسان..... جو منافق ہیں' کیا انہیں کسی شے کا خوف نہیں ہے' سکھ دھرم کے لوگ انہیں اتنا بھی خوف نہیں دے سکتے..... کہ یادگار کے معاملے میں اپنی دشمنی سے باز آ جائیں..... ایک شخص سنت جرنیل سنگھ بھنڈراوالا تھا' جس نے اندرا حکومت کی نیندیں اڑا دی تھیں۔ آج اس جیسا ایک بھی بندہ ہوتا تو یادگار کب کی بن چکی ہوتی۔ اب سنو' میں کیا سوچتا ہوں۔''

''کہو.....'' وہ بولا۔

''یادگار کے لیے میں کسی ایک بھی سکھ کا قتل نہیں چاہتا۔ مطلب' اس کے لیے کوئی تحریک چلے اور سامنے سے گولیاں کھالی جائیں..... یہ بے وقوفی ہے..... بلکہ خود کو ایسا بنا لیا جائے کہ وہ خوف زدہ ہو کر خود کہیں ہم اس راہ میں مزاحمت نہیں کریں گے' جو سکھ قوم چاہے وہی ہوگا۔'' جسپال نے کہا تو انوجیت نے پوچھا۔

''یہ کیسے ممکن ہے؟''

''دو محاذوں پر لڑنا ہوگا۔ سکھ اتحاس (تاریخ) کے لیے نئی نسل کو بتانا ہوگا' اپنی خامیوں کو دور کر کے طاقت ور قوم بننا ہوگا۔ خصوصاً پنجاب کے سکھوں کو بہت مضبوط ہونا ہوگا۔ دنیا بھر کے سکھ ان کے لیے جان اور مال قربان کرنے کو تیار بیٹھے ہیں۔'' جسپال سنگھ نے جوش بھرے لہجے میں کہا تو انوجیت کافی دیر تک خاموش رہا' پھر بولا۔

''میں سمجھ گیا ہوں کہ تم کیا کہنا چاہتے ہو' تم جو چاہو سو کرو' میں بہرحال تمہارے لیے ہر طرح سے حاضر ہوں۔''

''اچھا' چھوڑو ان باتوں کو..... میں۔ نے تم سے کہا تھا کہ وہ حویلی کے لیے.....''

''ہاں.....! وہ میں نے ایک ٹھیکیدار سے بات کی تھی۔ وہ آج کل میں آ جائے گا۔'' انوجیت نے کہا۔

''وہ آ نہیں جائے گا' اسے ابھی بلاؤ' بلکہ اسے کہو کہ چند مزدور وہاں بھیجے' میں آج ہی اس کا کام شروع کراؤں گا۔ اس کا بھی ایک مقصد ہے..... فوراً فون کرو۔''

''میں ابھی کرتا ہوں.....'' انوجیت نے کہا اور اپنے سیل فون سے رابطہ کرنے لگا۔

تقریباً دو گھنٹے بعد جسپال سنگھ' انوجیت سنگھ اور ہرپریت کور اپنی جیپ میں گھر سے نکلے۔ ان کا رخ اوگی پنڈ کی طرف تھا۔ ٹھیکیدار سے بات ہو گئی تھی اور مزدور اس حویلی کے سامنے پہنچ چکے تھے۔ انوجیت ڈرائیونگ کر رہا تھا اور وہ تینوں خاموش تھے۔ کچھ ہی دیر بعد وہ سڑک پر تھے اور پھر وہ تیزی سے چلتے ہوئے گاؤں میں داخل ہو گئے۔ جسپال دوسری بار اس گاؤں میں آیا تھا۔ پہلی بار اس کے جذبات میں غصہ' بے بسی اور مات ہو جانے کا احساس تھا' اب ویسا نہیں تھا' بلکہ اس میں ہیجان' انتقام اور بھڑ جانے کا حوصلہ موجود تھا۔ شاید اسی سے ان میں کوئی بات نہیں ہو رہی تھی' سبھی اپنی اپنی جگہ سوچ رہے تھے۔ یہاں تک کہ گاڑی ان کی حویلی کے سامنے جا رکی۔ سامنے ہی کچھ مزدور کھڑے تھے اور ان کے ساتھ ایک خوش پوش نوجوان سنگھ کھڑا تھا۔ اس کی طرف اشارہ کر کے انوجیت نے بتا دیا کہ یہی ٹھیکیدار ہے۔ وہ گاڑی سے اتر کر ان کی قریب گئے' ملنے ملانے کے بعد جسپال نے کہا۔

''ٹھیکیدار جی..... آپ نے کام دیکھ لیا؟''

''جی' دیکھ لیا۔'' اس نے آہستگی سے جواب دیا۔

''کتنے دنوں میں ہوگا یہ کام؟'' اس نے پوچھا۔

''یہی کوئی ایک ہفتہ لگ جائے گا.....'' اس نے اندازہ لگاتے ہوئے کہا۔

''رقم کی پرواہ نہیں کرنی۔ سب کچھ آپ نے کرنا ہے۔ بس نیم کے درخت کا خیال رکھنا ہے۔'' یہ کہہ کر اس نے بڑے

نوٹوں کی دو گڈیاں جیب سے نکالیں اور اس کی طرف بڑھا دیں۔ ''یہ رکھیں' مزید کی ضرورت ہوگی تو مل جائیں گے۔''

''ٹھیک ہے جی' میں ابھی سے کام شروع کروا دیتا ہوں۔'' ٹھیکیدار نے کہا تو جسپال نے ایک نگاہ حویلی پر ڈالی' جس کی خستہ حالت نے اس کے اندر بھڑکتی ہوئی آگ کو مزید ہوا دے دی۔ اسے خود پر قابو پانے میں چند منٹ لگے۔ اس دوران انوجیت نے ٹھیکیدار سے کہا۔

''تمہیں جو بات پوچھنی ہو' یا کچھ کہنا ہو' مجھ سے رابطہ رکھنا۔''

''جی ٹھیک ہے۔'' اس نے جواب دیا۔ تو وہ تینوں اپنی گاڑی میں بیٹھنے کے لیے واپس پلٹے تبھی ان کے قریب ایک کار آن رکی۔ جس کے رُکتے ہی پسنجر سیٹ سے ایک لمبا تڑنگا جوان برآمد ہوا۔ اس نے شلوار قمیص کے ساتھ ویسٹ کوٹ پہنی ہوئی تھی۔ سر پر گہرے نیلے رنگ کی پگڑی' سیاہ داڑھی مونچھیں اور پاؤں میں سیاہ رنگ کا جوتا پہنا ہوا تھا۔ اس دوران پچھلی نشستوں سے تین باڈی گارڈ اسلحہ لیے برآمد ہوئے۔

''بلجیت سنگھ' رویندر سنگھ کا بیٹا' جو ادھر کا سرپنچ ہے۔'' انوجیت نے آہستگی سے جسپال کو بتایا تو اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ تبھی وہ ان کی طرف دیکھتا ہوا قریب آ گیا اور ان کے پاس آ کر طنزیہ اور حقارت بھرے لہجے میں بولا۔

''میرے بارے میں انوجیت نے تمہیں بتا ہی دیا ہوگا' نہیں معلوم تو پورا تعارف کراؤں.....''

''تم سے تعارف ہی کے لیے نہیں' پوری جان پہچان ہی کے لیے تو ادھر اُوگی میں آیا ہوں۔ اچھا ہے تو خود ہی چل کر میرے پاس آ گیا۔ ورنہ میں نے تو تجھے ملنا ہی تھا۔'' جسپال نے غراتے ہوئے سرد لہجے میں کہا۔ اس دوران گاؤں کے لوگ بھی ان کے اردگرد اکھٹا ہونا شروع ہو گئے تھے۔

''اش کے بھئی اش کے..... بڑے عرصے بعد کوئی میرے سامنے بولا ہے۔ خیر دیکھ لیتے ہیں' جتنا بولتے ہو' اتنا برداشت بھی کر لیتے ہو۔'' اس کا لہجہ ہنوز حقارت آمیز تھا تو جسپال نے کہا۔

''یہ تو وقت بتائے گا نا بلجیت' کون کیا ہے؟''

''وقت ہم نے کہیں سے لینے جانا ہے۔ ابھی دیکھ لیتے ہیں۔'' اس نے طنزیہ مسکراہٹ سے کہا۔

''مرد ہو تو اپنی زبان پر قائم رہنا۔ بھاگنا نہیں' آؤ' ابھی ہاتھ میں ہاتھ ڈال لیتے ہیں۔'' جسپال نے اپنا ہاتھ کھول کر اس کے سامنے کرتے ہوئے کہا۔

''مجھ تک پہنچنے کے لیے تمہیں کئی ہاتھوں سے لڑنا ہوگا۔ جبکہ.....''

''اوئے میں تمہاری بات کر رہا ہوں' بلجیت..... پرائے بازوؤں پر تو ہیجڑا بھی بات کر لیتا ہے۔'' جسپال نے طنزیہ انداز میں کہا تو بلجیت کے چہرے پر کئی بل آ گئے۔ بلاشبہ وہ سمجھ چکا تھا کہ جسپال اسے کس راہ پر لا رہا ہے۔ اس لیے بات بدلتے ہوئے بولا۔

''وقت آنے پر تیرے ساتھ پنچہ بھی لڑا لوں گا' فی الحال تو میں سرپنچ کی حیثیت سے آیا ہوں' تجھے کس نے اجازت دی ہے کہ اس حویلی کے بارے میں کوئی بھی فیصلہ کر سکے۔''

''یہ حویلی میرے پرکھوں کی ہے' جو یہاں کے بے غیرت بزدلوں کے دھوکے کا شکار ہو گئے تھے۔ دل تو کرتا ہے کہ ان بے غیرتوں کو ختم کرنے کے بعد ہی اسے ٹھیک کراؤں' مگر میں بتانا چاہتا ہوں کہ میں اس حویلی کا وارث یہاں آ گیا ہوں۔ اب جس میں ہمت ہے تو وہ مجھے روک لے.....''

''میں روکنے آ گیا ہوں تمہیں..... تمہارے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے کہ تم اس حویلی کے وارث ہو' اب اگر ہمت ہے تو بات کرو.....'' بلجیت نے انتہائی غصے میں کہا۔ کیونکہ جسپال نے اس کے سامنے ہی اس کے بڑوں کو گالی دے دی تھی۔

ہوگیا تھا کہ میں شاہ زیب کے ساتھ گیا ہوں اور مجھے خطرہ ہے' بلکہ دلبر کے کنویں پر سردار شاہ دین کے لوگوں نے پوچھ تاچھ کی تھی۔ وہ کتوں کی طرح ہر اس بندے کو شک کی نگاہ سے دیکھ رہے تھے' جس کا کسی نہ کسی حوالے سے کوئی تعلق میرے ساتھ بنتا تھا۔ یہ میرے لیے حیرت انگیز بات نہیں تھی۔ یہ تو اب کوئی راز نہیں رہا تھا کہ ملک سجاد کے بھیجے ہوئے لوگ مجھے ہی قتل کرنے آئے تھے اور ان کے بارے میں سردار شاہ دین کی اجازت اور مرضی شامل تھی جو وہ اس کے ڈیرے پر آ کر ٹھہرے تھے۔ اب ان کا قتل نہ صرف سردار شاہ دین کے لیے چیلنج تھا بلکہ اس کے علاقے پر حاکمیت پہ سوال اٹھ گیا تھا۔ اپنے علاقے میں دشمنی کچھ الگ تاثر رکھتی ہے' لیکن یہ انتہائی بری بات تھی کہ اپنے ہی علاقے کے بندے کو مارنے کے لیے کوئی دوسرا یہاں کے کسی بڑے سے تعاون لے' ملک سجاد نے تو بڑے مان اور کروفر سے اپنے بندوں کو بھیجا ہوگا کہ وہ مجھے قتل کر کے چپ چاپ واپس لوٹ جائیں گے۔ لیکن اب صورت حال یہ بن گئی تھی کہ اگر وہ سردار شاہ دین اس بات کو مانتا ہے کہ وہ ملک سجاد کے بندے تھے تو پورے علاقے میں نہ صرف اس کا تاثر خراب ہوتا بلکہ نفرت بھی پھیل جاتی' ورنہ پیرزادے کے بندے مرجانے کی وجہ سے پیرزادے کے ساتھ شاہ دین کو دشمنی کرنا پڑتی۔ رندھاوا اگر مجھے بروقت اطلاع نہ دیتا تو شاید میں ان کے دھوکے میں آ جاتا۔ اب میرے ذہن میں فقط ایک ہی سوال تھا کہ رندھاوے کا اس میں کیا فائدہ ہے؟ یہ تو وقت آنے پر ہی مجھے معلوم ہوسکتا تھا' فی الحال مجھے گاؤں پہنچ کر اپنے بندوں کا تحفظ کرنا تھا۔ خصوصاً دلبر کے لوگوں کا..... ان میں' اگر کوئی پھٹ گیا تو پیرزادے کی دشمنی مول لینی پڑ جائے گی۔ مجھے گاؤں میں داخل ہونے کے لیے شاہ دین کی حویلی کے سامنے سے ہو کر جانا تھا۔ اگرچہ وہ سڑک سے ذرا ہٹ کر تھی لیکن اس کے بندے وہیں سڑک پر بھی موجود ہوتے تھے۔ میں کسی بھی متوقع صورت حال کے لیے پوری طرح تیار تھا۔ مگر حویلی اور اس کے اردگرد کہیں بھی کوئی ہلچل نہیں تھی۔ میں اور چھا کا گاؤں میں داخل ہوگئے اور چوک میں اچھو کریانے والے کی دکان پر جا ٹھہرے' چوک میں برگد کے درخت تلے گاؤں کے بہت سارے لوگ جمع تھے۔ عموماً وہاں لوگ جمع رہتے تھے' لیکن اس دن کچھ زیادہ تعداد تھی۔ بلاشبہ وہاں پر علاقے میں ہونے والے واقعات پر تبصرہ آرائی ہو رہی تھی۔ میرے رکتے ہی لوگوں نے میری طرف دیکھا اور آپس میں چہ میگوئیاں کرنے لگے۔ میں نے جاتے ہی اچھو سے کہا۔

''فون ملاؤ..... وہی جو تو نے مجھے دیا تھا۔''

''ابھی ملاتا ہوں.....'' اس نے کہا' پھر دکان میں کھڑے گاہکوں کو تیزی سے نمٹانے لگا۔ چند منٹوں بعد اس نے وہ نمبر ملا کر مجھے دیا۔ چند گھنٹیاں جانے کے بعد فون ریسیو کر لیا گیا' تو میں نے اس کی ہیلو کے جواب میں کہا۔

''ملک سجاد ہی بات کر رہے ہو نا' یا اپنا فون کسی اور کو دے دیا ہے؟''

''بکواس کرو..... کون ہو تم؟''

''وہی' جس کو مارنے کے لیے تم نے اپنے بندے بھیجے تھے۔''

''اوہ..... تم..... جمال.....'' اس نے غراتے ہوئے کہا تو میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

''میں تو تیرے انتظار میں تھا' تو نے خود آنے کی دھمکی دی تھی۔ اب ہیجڑوں کی طرح بندے بھیج دیئے۔''

''لگتا ہے تو میرے ہی ہاتھوں سے بوٹی بوٹی ہوگا۔'' اس نے بھنا کر جواب دیا۔

''تو آؤ نا' کس نے روکا ہے ورنہ مجھے بتاؤ' میں آ جاتا ہوں' مرد کی زبان ہوتی ہے' ہیجڑے اپنی بات سے پھرتے ہیں۔''

''لے پھر انتظار کر' میں آ رہا ہوں۔ شام سے پہلے میں تم تک پہنچ جاؤں گا۔''

''نہ آئے تو..... اپنا پتہ بتاؤ.....'' میں نے طنزیہ انداز میں پوچھا تو وہ گالیاں بکنے لگا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے فون بند کر دیا۔ میرا کام ہوگیا تھا۔ میں نے ریسیور رکھا اور پیدل ہی چند قدم کے فاصلے پر برگد کے درخت تلے موجود لوگوں کے

''بولو.....! کیا کروں' جس سے تمہیں یہ پتہ چل جائے کہ میں تمہاری بات نہیں مانتا۔'' اس نے بلجیت کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''پورا گاؤں گواہ ہے کہ تم نے میری بات نہیں مانی' تم اس حویلی کے اندر داخل ہو کر دکھا دو۔'' اس کی چہرے پر زہریلی مسکراہٹ پھیل گئی۔

''لو پھر' میں جا رہا ہوں..... اگر تم میں ہمت ہے تو مجھے روک لو.....'' جسپال نے اپنے دونوں ہاتھ اپنی جیکٹ میں ڈالے اور حویلی کے دروازے کی جانب بڑھ گیا۔ اسی لمحے بلجیت کے باڈی گارڈوں نے اپنی گنیں سیدھی کیں اور اس پر تان لیں۔ وہاں پر کھڑے ہر شخص نے اپنی سانسیں روک لیں۔ وہ جسپال کو حویلی کے ٹوٹے ہوئے پھاٹک کی جانب بڑھتا ہوا دیکھ رہے تھے۔ تبھی ہر پریت تیزی سے اپنی جیپ کی جانب بڑھی اور ڈیش بورڈ سے اپنا پسٹل نکال کر وہیں بیٹھ گئی۔ انوجیت اس سارے منظر کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ تبھی جسپال حویلی کے پھاٹک کے اندر پہنچ گیا پھر وہیں کھڑے ہو کر اس نے بلجیت کو پکارا۔

''اوئے بلجیت.....! میں اپنی حویلی کے دروازے پر کھڑا ہوں' اس حویلی کے دروازے پر جسے بے غیرتوں نے آگ لگائی تھی اور میرے بڑوں کو زندہ جلایا تھا۔ میں یہاں کھڑے ہو کر عہد کرتا ہوں کہ میں نے بھی ان بے غیرتوں کو زندہ جلانا ہے۔ اب اگر تم میں ہمت ہے تو روک لو۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے اپنی دونوں جیبوں سے دو پسٹل نکال لیے۔ صورتحال انتہائی خطرناک ہوگئی تھی۔ شاید بلجیت کو اس کی طرف سے اس قدر مزاحمت کی امید نہیں تھی' یا پھر کوئی اور بات تھی' وہ تذبذب میں کھڑا اس کی طرف دیکھتا چلا جا رہا تھا کہ انوجیت آگے بڑھا اور بولا۔

''بلجیت.....! اگر تم چاہتے ہو کہ یہاں کوئی خون نہ ہو' تو ابھی پلٹ جاؤ۔ ورنہ کوئی نہیں جانتا' کس کی لاش یہاں گر جائے۔''

''میں ایک ایک کو دیکھ لوں گا۔'' بلجیت نے کہا اور اپنے لوگوں کو اشارہ کر کے واپس گاڑی میں جا بیٹھا۔ وہ مصلحت سے کام لے کر اس ٹکراؤ سے بچ جانا چاہتا تھا۔ اسے جسپال کے اندر کی شدت کا اندازہ ہوگیا تھا۔ اگر ان دونوں میں سے کوئی ایک مر جاتا تو کسی کو کوئی فرق نہیں پڑنے والا تھا۔ مصیبت تو اسے ہی ہونا تھی' سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے..... ایسے ہی موقع کے لیے' اس نے خود پر قابو پایا اور وہاں سے چلا گیا۔ آخر وہ گاؤں کا سرپنچ تھا۔ اتنی تو عقل تھی اس میں۔ اس نے جسپال کے اندر بھڑکنے والی آگ کی تپش کا اندازہ کر لیا تھا۔ وہ چلا گیا۔ تو جسپال نے ایک طویل سانس لی پھر ٹھیکیدار کے قریب آ کر بولا۔

''تمہیں کسی سے ڈرنے کی ضرورت نہیں' میں صبح سے لے کر شام تک یہیں بیٹھا کروں گا' تم اپنا کام شروع کرو۔ میں دیکھتا ہوں کون روکتا ہے۔''

تبھی ٹھیکیدار نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''او بھاء جی' آپ فکر نہ کرو' اب ہفتے میں نہیں' صرف تین دن میں کام ختم ہوگا۔''

''اور تم یقین رکھنا' تجھے روکنے کوئی نہیں آئے گا' تم آرام سے کام کرو' تین کے چھ دن لگاؤ۔'' جسپال نے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر کوئی بات کیے بغیر جیپ کی طرف بڑھا۔ انوجیت ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا تو جیپ چل دی۔ جسپال تیزی سے اپنے اگلے قدم کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

❀.....□.....□.....❀

میں اور چھا کا بائیک بھگائے نورنگر کی طرف جا رہے تھے۔ چھا کا میرے پیچھے اس لیے نہیں آیا تھا کہ اسے یہ معلوم

درمیان ایک چارپائی پر آ بیٹھا تو ایک بزرگ سے بندے نے کہا۔

''اُوپتر.....! نو قتل ہو گئے علاقے میں..... کچھ پتہ چلا کیا ہوا ہے' کس وجہ سے ہوئے.....''

''چاچا.....! تو اچھی طرح جانتا ہے کہ لڑائی ان بڑے لوگوں کی ہوتی ہے اور مرتے ہیں غریب غربا' ان کے گیٹ پر ہی غریب بندوقیں لے کر ان کی حفاظت کرتے ہیں۔ خود اپنے ہاتھوں سے اپنے نوجوانوں کو ان کی خدمت کرنے کے لیے بھیجتے ہو اور پھر پوچھتے ہو یہ قتل کیوں ہوئے۔'' میں نے غصے میں کہا تو وہ سر ہلاتے ہوئے بولا۔

''تیرا کیا مطلب ہے' یہ سرداروں اور پیزادوں کی آپسی لڑائی میں مارے گئے؟''

''ممکن ہے' میلے پر کیا ہوا تھا' نور نگر کے لوگوں نے پیزادوں کے بندے زخمی نہیں کیے تھے جواب تک ہسپتالوں میں پڑے ہیں۔ کیا پیرزادوں نے چوڑیاں پہنی ہوئی ہیں۔ پر دکھ اس بات کا ہے' جو بھی مرے ہیں غریب ہی مرے ہیں۔''

''مجھے نہیں لگتا جمالے کہ یہ پیرزادوں کی لڑائی ہے' چھ بندے باہر کے ہیں' اپنے علاقے کے نہیں۔'' اُس نے شک بھرے انداز میں کہا۔

''اب یہ تو سردار ہی جانتا ہے نا کہ وہ بندے کہاں سے لایا تھا اور کیوں؟ یہ سوال اس سے پوچھنا چاہیے؟'' میں نے کہا تو وہ قدرے تذبذب سے بولا۔

''یہاں سب لوگ یہ جانتے ہیں کہ وہ چھ بندے کل مختلف جگہوں پر تیرا پوچھ رہے تھے۔ لگتا ہے انہیں تیرے ساتھ کوئی دشمنی تھی۔''

''اگر ایسا ہے تو پھر ان چھ لوگوں کا سردار کے ڈیرے پر کیا کام؟ اس کا مطلب تو یہ ہوا نا کہ سردار مجھے قتل کروانا چاہتا تھا۔ چاچا.....! یہ بھی چال ہے ان سرداروں کی..... میری دشمنی ان بندوں کو بتا کر خود پیرزادوں کے سامنے سچا ہو جائے۔ میں تو کہتا ہوں گاؤں کے بڑوں کو اکٹھا کریں اور چلیں سردار کے پاس اور جا کر پوچھیں.....'' میں نے وہ بات کہہ دی جس کے لیے میں ان کے پاس آیا تھا۔

''بات تو تیری ٹھیک ہے۔'' چاچے نے سر ہلا کر کہا تو دوسرے لوگ بھی اس کے ہمنوا ہو گئے۔ تبھی ان میں سے ایک نوجوان نے کہا۔

''اب اگر..... یہ ریت پڑ گئی کہ باہر سے بندے منگوا کر یہاں کے بندوں کو مارا جائے' تب دونوں طرف سے بندے تو ہمارے ہی علاقے کے مریں گے' ہو سکتا ہے کل ہماری باری ہو۔ کیا ان بڑوں کی لڑائی میں ہم ہی غریبوں کو مرنا ہے؟''

''اب یہ سوچنا تو آپ سب کو ہے' ہمیں سوچنا ہے' رات بستی میراں شاہ کے تین بندے مرے' کل نور نگر کے مر جائیں گے ہم غریبوں کے گھر ہی کیوں اجڑیں' وہ لوگ خود کیوں نہ اس آگ میں جلیں' جنہوں نے یہ آگ لگائی ہے۔'' میں نے سب کی طرف دیکھ کر کہا۔

''اب دیکھو.....! کتنی بڑی کمینگی ہے کہ ان مرنے والے لوگوں کے بارے میں اپنے ہی گاؤں کے لوگوں سے پوچھ تاچھ کر رہے ہیں' انہیں دھمکیاں دے رہے ہیں۔ پیرزادوں سے کیوں نہیں پوچھتے۔'' ایک جوشیلے نوجوان نے غصے میں کہا تو میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''دیکھیں جی' مرنا تو ہے ایک دن' مگر یوں بے مقصد مرنا' کم از کم مجھے گوارا نہیں۔ دیکھنا' میں یہ سوال سردار شاہ دین سے کروں گا' وہ مجھے کوئی جواب نہیں دے گا' بلکہ میری موت چاہے گا' آج میں مروں گا' کل تم اور تمہارے بچے ماریں گے یہ لوگ..... فیصلہ اب آپ لوگوں کو کرنا ہے۔'' میں نے انتہائی جذباتی انداز میں کہا اور پلٹ کر بائیک کی طرف بڑھا' میں

نے ادھر ادھر دیکھا' وہاں چھا کا نہیں تھا تبھی اچھو کریانے والے نے کہا۔

''چھا کا کہہ گیا ہے کہ وہ گھر سے ہو کر تمہاری طرف آتا ہے۔''

مجھے اس کا یوں اچانک غائب ہو جانا کچھ عجیب سا لگا۔ اس لیے اضطراری طور پر میں اپنے گھر کی جانب بڑھا۔ گلی صاف تھی۔ میں نے کھلے ہوئے گیٹ کو دھکیلا اور بائیک سمیت اندر چلا گیا۔ تبھی مجھے باہر والے کمرے میں چھا کا کھڑا دکھائی دیا۔ وہ میری جانب ہی دیکھ رہا تھا۔ میں جلدی سے اس طرف بڑھ گیا۔ اندر وہی کل والا بندہ بیٹھا ہوا تھا جو رندھاوے کی طرف سے مجھے ملنے آیا تھا۔ میں ہاتھ ملا کر اس کے پاس بیٹھ گیا تو وہ بولا۔

''اوپر سے سختی کے ساتھ ہدایت آ گئی ہے کہ ان نو بندوں کے قاتلوں کو فوراً پکڑا جائے۔''

''رندھاوے نے کیا رپورٹ دی ہے اپنے افسروں کو؟'' میں نے تجسس سے پوچھا۔

''انہوں نے تو یہی رپورٹ دی ہے کہ یہ سرداروں اور پیرزادوں کی آپس کی دشمنی کا نتیجہ ہے۔ دونوں طرف سے رندھاوا صاحب پر کوئی دباؤ نہیں' وہ جو دباؤ بھی ڈلوا سکتے ہیں اوپر ہی سے ڈال رہے ہیں۔ کیونکہ ان اشتہاریوں کے سر پر قیمت تھی۔ جس کا کریڈٹ انہیں جاتا ہے۔ رندھاوا صاحب کی کوشش یہی ہے کہ اسے پولیس مقابلہ دکھایا جائے۔ پیرزادے اس پر راضی نہیں ہو رہے ہیں۔'' اس بندے نے سمجھایا۔

''ایسے تو سردار بھی نہیں مانیں گے۔ ان کے ڈیرے پر فائرنگ ہوئی۔ ان کا نام بھی آئے گا؟'' میں نے کہا۔

''اسی وجہ سے وہ کسی تیسرے گروپ پر یہ سب کچھ ڈالنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اب دیکھیں کیا بنتا ہے۔'' اس نے کہا اور چند لمحے خاموش رہنے کے بعد بولا۔ ''رندھاوا صاحب نے کہا ہے' ملک سجاد کو آپ فون کر کے دھمکی دیں۔ اسے کسی طرح یہاں لانے پر اکسائیں اور کبھی اس کے علاقے میں جانے کی غلطی نہ کریں۔ وہ آ گیا تو معاملے کی نوعیت بدل جائے گی' کیونکہ ہمارے ڈی ایس پی صاحب کی ان سے پرانی دشمنی ہے۔''

''مطلب تم لوگ اسے ٹریپ میں لا رہے ہو۔'' میں نے سنجیدگی سے پوچھا تو وہ کاندھے اچکا کر بولا۔

''ایسے ہی ہو گا' آپ کے لیے ایک اور پیغام یہ ہے کہ آج رات آپ لوگوں کے درمیان رہیں۔ کچھ بھی کریں لیکن اماں میں لوگوں کے درمیان رہیں۔''

''کیوں؟'' میں نے تیزی سے پوچھا۔

''یہ میں نہیں جانتا۔'' اس نے بے بسی سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''اگر میں ملک سجاد کو فون کر دیتا ہوں' اسے یہاں آنے پر اکساتا ہوں تو پھر اگر وہ آ گیا تو مجھے ہی اس کا سامنا کرنے پڑے گا۔ وہ اکیلا تو آنے سے رہا اور.....''

''وہ جس وقت وہاں سے چلا' اس وقت یہاں آپ کے پاس اطلاع پہنچ جائے گی۔ ہم کوئی غافل تو نہیں بیٹھے۔'' اس نے بڑی سے جواب دیا پھر اٹھتے ہوئے بولا۔ ''میں اب چلتا ہوں' آپ محتاط رہیں۔''

''ٹھیک ہے۔'' میں نے اس سے ہاتھ ملایا تو وہ چھا کے کے ساتھ باہر نکل گیا۔

گھر کے اندر اماں میرے انتظار میں تھی۔ زندگی میں پہلی بار انہوں نے مجھے ایسی نگاہوں سے دیکھا کہ میں دہل کر رہ گیا۔ میں نے آگے بڑھ کر اماں کو اپنی بانہوں میں لے لیا اور پیار سے پوچھا۔

''اماں.....! کیا بات ہے' ایسے کیوں دیکھ رہی ہو؟''

''اتنی آگ ہے تیرے اندر..... اتنی نفرت..... اتنا غصہ..... نو بندے..... ایک ہی رات میں.....'' انہوں نے یوں رک کر کہا جیسے یہ سب کچھ کہتے ہوئے انہیں بہت دکھ ہو رہا ہو۔ تب میں نے کہا۔

''ہاں ماں..... بچپن سے اس آگ میں جل رہا ہوں..... اتنی دیر سے بھڑکتی ہوئی آگ..... اپنا کچھ تو اثر رکھتی ہے۔''

''میں کیسی ماں ہوں پتر.....! جس نے خود تجھے اس آگ میں دھکیل دیا۔ ماں تو اپنے بیٹے کو بڑا آدمی بنانے کے نہ صرف خواب دیکھتی ہیں بلکہ پوری جان لگا دیتی ہیں..... اب تو جس راہ پر چل پڑا ہے' پتہ نہیں کب تیرا ساتھ.....'' یہ کہتے ہوئے ان کی آواز بھرا گئی۔

''تو فکر مت کر ماں..... میں ایسے نہیں مرنے والا' مروں گا تو اپنے دشمنوں کو برباد کر کے ہی مروں گا..... تو بس میرے لیے دعا کرتی رہا کر.....'' میں نے اماں کو دلاسا دیتے ہوئے کہا تو انہوں نے میرے چہرے کو غور سے دیکھا' پھر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی۔

''بیٹا..... تیرے لیے ہی تو دعا کرتی ہوں' شاید اسی لیے زندہ ہوں..... چل تو بیٹھ میں تیرے لیے کھانا لاتی ہوں۔''

''ہاں..... یہ ٹھیک ہے۔ صبح سے کچھ بھی نہیں کھایا۔'' میں نے کہا اور اماں سے الگ ہو کر منہ ہاتھ دھونے لگا۔

اس وقت دوپہر ڈھل رہی تھی۔ جب میں بائیک لے کر دلبر کے کنویں کی طرف چل دیا۔ چھا کا واپس نہیں لوٹا تھا۔ میں اس کے گھر بھی گیا لیکن وہ صبح سے ہی واپس نہیں پلٹا تھا۔ میں اس وقت دلبر کے کنویں پر جا رہا تھا' میں گاؤں سے نکل کر کنویں کے راستے پر تھا کہ سامنے سے دور ایک جیپ کنویں کی طرف بڑھتی ہوئی دکھائی دی۔ ایک دم سے مجھے یوں لگا کہ اس میں بیٹھے لوگوں کے ارادے ٹھیک نہیں ہے۔ ایک لمحے کے لیے میں نے سوچا کہ تجھے کیسے خبر ہو گئی۔ پھر خود پر ہنس دیا کہ رات بھر سے یہی سوچتا چلا آ رہا ہوں اور ایسے ہی خطرناک حالات سے گزرتا رہا ہوں۔ ایسے میں خیالات بھی شک آلود ہو گئے ہیں۔ یہ فطری سی بات ہے کہ جب انسان مخدوش حالات میں سے گزرتا ہے یا اسے کہیں تھوڑا بہت بھی خطرہ محسوس ہوتا ہے تو وہ بے حد چوکنا ہو جاتا ہے۔ بقا کی جنگ میں تو بلی بھی انسان کے گلے پڑ جاتی ہے۔ جس بندے کا کوئی دشمن نہ ہو' وہ ایسے تجربات سے نہیں گزر سکتا' لیکن جب دشمنی ہو' خطرہ محسوس ہوتا ہو' یا منافقوں کو ان کے بلوں سے نکالنا ہو تو پھر فطرت ایسی ایسی صلاحیتوں سے نوازتی ہے کہ بندہ خود حیران رہ جاتا ہے۔ یہیں سے منفی اور مثبت سوچ دو مختلف راہوں پر لے جاتی ہے۔ وہ منافق جو پہلے ہی حسد کی آگ میں جل رہا ہوتا ہے' وہ کبھی اچھا نہیں سوچ سکتا اور جو اپنی بقا کی جنگ لڑتا ہے اور مثبت سوچ رکھتا ہے' فطرت بھی اس کا ساتھ دیتی ہے کہ عمل اس کی سوچ کا اظہار ہوتا ہے۔ میں انہی خیالات میں کھویا ہوا' بائیک لیے جا رہا تھا' میرے اردگرد کھیت تھے اور ہری بھری فصلیں' گندم کی بالیاں ابھی آ رہی تھیں۔ میں انہی رنگوں میں الجھا آگے بڑھتا چلا جا رہا تھا کہ اچانک میری نگاہ کنویں پر پڑی۔ وہ جیپ وہیں کھڑی تھی۔ مجھے لگا کہ میرے دماغ نے خطرے کا الارم یونہی نہیں بجایا۔ کچھ ہے' میں نے بائیک وہیں روکی اور فصلوں کی آڑ لیتا ہوا تیزی سے آگے بڑھا' کنواں نسبتاً اونچی جگہ پر تھا۔ میرے درمیان صرف ایک کھیت کا فاصلہ تھا' آگے کچے کمرے اور پھر وہ لوگ تھے' دلبر اور اس کے ساتھ چارپائیوں پر بیٹھے ہوئے تھے اور چار بندے ان پر اسلحہ تانے کھڑے تھے۔ میں نے غور سے دیکھا' دلبر کے پاس ہی چھا کا بیٹھا ہوا تھا۔ صورتحال بہت عجیب سی ہو رہی تھی۔ میں نے اگرچہ اپنا پسٹل نکال لیا تھا' لیکن ان پر فائر نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے چند لمحے مزید وہیں رک کے رہنے کا فیصلہ کیا۔ میں یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ کون لوگ ہیں؟ ان کی پشت میری طرف تھی۔ میں اس انتظار میں تھا کہ کسی ایک کا چہرہ تو میری طرف ہوتا کہ مجھے معلوم ہو جائے وہ کون ہیں؟ میں اگر ایک پر بھی فائر کرتا تو سامنے بیٹھے ہوئے لوگ باقی تینوں کا نشانہ ضرور بن جائے۔ میرے لیے لمحہ لمحہ قیمتی تھا۔ میں اچانک سامنے بھی نہیں آنا چاہتا تھا کہ کوئی گھبرا کر فائر ہی نہ جھونک دے۔ تبھی حملہ آوروں میں سے ایک نے کہا۔

''دلبر بتا دے' بتا دے دلبر! ہمارے تینوں بندے وہاں تک کیسے پہنچے۔ ان کی دشمنی صرف تیرے ساتھ تھی۔''

اس کے اس فقرے سے میں سمجھ گیا کہ وہ کون ہو سکتے ہیں۔ بلاشبہ وہ پیرزادہ کے بندے تھے۔ تبھی میں نے سا

اُئے بغیر کہا۔

''میں بتاتا ہوں کہ وہ کیسے وہاں گئے۔''

مجھے پورا یقین تھا کہ وہ ضرور چونکے ہوں گے اور ان کا دھیان میری طرف ہوا ہوگا۔ مجھے پتہ تھا کہ چھا کے کے لیے اتنی مہلت ہی کافی ہوگی۔ میں چند لمحے رک کر سامنے آیا تو چھا کا اور دلبر دو بندوں پر حاوی ہو چکے تھے۔ اور باقی دونوں سے نبرد آزما تھے۔ میں نے اونچی آواز میں کہا۔

''اوئے چھوڑ دو ان کو..... لیکن ہتھیار لے لو.....''

چند لمحوں میں ہی ان کی گنیں چھین لی گئیں۔ وہ نہتے ہو گئے۔ میں آگے بڑھا اور ایک چارپائی پر بیٹھ گیا۔ وہ چاروں میرے سامنے کھڑے تھے۔ میں نے سامنے پڑی چارپائی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے انہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا تو وہ جھجکتے ہوئے بیٹھ گئے۔ باقی ان کے اردگرد کھڑے ہو گئے۔

''دیکھو..... اگر ہم چاہیں تو ابھی تم چاروں کو اپاہج بنا کر واپس بھجوا دیں۔ اور..... بھجوا بھی دیں گے اگر تم لوگوں نے غلط بیانی کی تو.....'' یہ کہہ کر میں نے ایک لڑکے سے کہا۔ ''پانی پلاؤ ان لوگوں کو۔''

میرے یوں کہنے پر وہ حیرت سے میری طرف دیکھنے لگے۔ وہ لڑکا پانی لینے چلا گیا تو میں نے کہا۔ ''سچی بات کرنی ہے' صرف سچی..... بولو' کس نے بھیجا ہے۔''

''پیرزادہ وقاص نے.....'' ان میں سے قدرے ادھیڑ عمر بندے نے کہا۔

''کیوں.....؟'' میں نے پوچھا۔

''قتل ہونے والوں کی دلبر سے بھی دشمنی تھی۔ اس لیے پوچھنے آ گئے۔''

''خود آئے ہو یا پیرزادے نے بھیجا ہے؟'' میں نے پھر سے پوچھا۔

''انہوں نے ہی بھیجا ہے۔'' اس بندے نے دوبارہ کہا تو میں چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔

''تو پھر اسے جا کر بتا دو' دلبر نے وہ بندے نہیں مارے' بلکہ ان نو واردوں نے مارے ہیں' اور ہم سب ان کے چشم دید گواہ ہیں۔''

''وہ کیسے؟'' ادھیڑ عمر نے چونکتے ہوئے پوچھا۔

''اب تم لوگ بچے تو نہیں ہو کہ یہ باتیں پولیس تک پہنچائی جائیں۔ اصل واقعہ یوں ہے کہ میں اور دلبر اپنے ساتھیوں کے ساتھ ان چھ کو مارنے گئے تھے' سردار کے ڈیرے پر' وہاں صرف دو ہی تھے۔ باقی چار ہمیں نہیں ملے' وہاں ان سے سامنا ہوا' کچھ پٹاخہ بازی ہوئی اور ہم نے انہیں قابو میں کر لیا۔ ان سے باقیوں کے بارے میں پوچھا تو پتہ چلا کہ وہ نزدیک سے کہیں شراب لانے گئے ہیں۔ انہیں بھٹی کے بارے میں پتہ تھا' ہمیں بھی معلوم تھا' ہم جب وہاں پہنچے تو ان میں مڈبھیڑ ہو گئی اور زخمی حالت میں پڑے تھے۔ تمہارے تینوں لوگ مارے جا چکے' ان میں سے صرف ایک زندہ تھا' اسے ہم نے مار دیا۔ پھر سبھی کو چھوڑ کر واپس آ گئے۔''

''کیا یہ سچ ہے جمالے.....؟'' اس بندے نے پوچھا۔

''بالکل سچ' سولہ آنے سچ.....'' میں نے پورے اعتماد سے کہا۔

''بات ہضم نہیں ہوئی.....'' وہ پھر بولا۔

''تو پھر کیا لینے آئے ہو یہاں..... تمہاری دشمنی تو سردار سے بھی ہے' اس کے پاس کیوں نہیں گئے۔ اس لیے کہ انہیں تم مار ادھر کا نہیں سکتے۔ جاؤ' جا کر پیرزادے سے کہو ان بے چارے غریبوں کو نہ ستائے' بلکہ ان سرداروں سے پوچھے کہ

وہ چھ نو وارد یہاں کیوں تھے' اس سوال کا جواب دے دیں گے تو پھر ان کے قاتل بھی مل جائیں گے۔ یہ میرا پیغام دے دینا پیرزادے کو..... جاؤ اب۔''

''اوئے جمالے۔! انہیں یونہی جانے دے رہے ہو، انہوں نے ہم پر اسلحہ تانا ہے' تم نہ آتے تو شاید یہ ہمیں.....'' دلبر نے کہا تو میں نے ہاتھ کے اشارے سے منع کر دیا۔

''دیکھو، پیرزادے وقاص کی میرے ساتھ کوئی دشمنی نہیں ہے۔ اور نہ ہی میں اس سے دشمنی کرنا چاہتا ہوں' انہیں پانی پلاؤ اور جانے دو۔''

''نہیں' جمالے نہیں، میرے کنویں پر کوئی مجھ پر اسلحہ تانے' یہ کیسے ہو سکتا ہے' کل کلاں کوئی ایرا غیرا اسلحہ لے کر یہاں چڑھ دوڑے گا' نہیں انہیں یونہی نہیں جانے دوں گا، چاہے تو بھی میرا دشمن بن جائے۔'' دلبر انتہائی غصے میں تھا' اس نے اپنے قریب کھڑے لڑکے سے گن پکڑی اور اس کا بولٹ مار دیا۔

دلبر نے گن ان نو واردوں پر تانی ہوئی تھی۔ ہم سب حیران تھے کہ اسے ہو کیا گیا ہے۔ ایک طرح سے اس کی بات بالکل درست تھی کہ اگر انہوں نے کوئی پوچھ گچھ کرنی تھی تو سکون سے بات کی جا سکتی تھی۔ اب اگر انہوں نے اسلحہ تان ہی لیا ہے تو پھر گولی کھانے کا بھی حوصلہ رکھنا چاہیے تھا مگر ان کا چہرہ فق ہو گیا تھا۔ اپنے سامنے موت کو پا کر اپنے حواسوں میں رہنے والے چند لوگ ہی ہوتے ہیں۔ ورنہ عام بندہ تو لڑکھڑا کر رہ جاتا ہے۔ ان کا حال بھی کچھ ایسا ہی تھا۔ میں ذاتی طور پر ان کا نقصان نہیں چاہتا تھا' کیونکہ اگر انہیں کوئی نقصان ہو جاتا تو میرا بنا بنایا کھیل ختم ہو کر رہ جاتا۔ میں نے ایک لمحے کو سوچا اور پھر کھڑا ہو گیا۔

''ٹھیک ہے دلبر' جیسا تم چاہو' میں تجھے منع نہیں کروں گا لیکن ایک بات یاد رکھنا' پیرزادہ وقاص اچھا آدمی ہے' بندے کی قدر کرنے والا ہے' باقی تیری مرضی۔''

''چل جانے دے یار' کیا یاد کرے گا اپنا جمال' اس بار چھوڑ دے۔'' چھاکے نے دلبر کے کاندھے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ میں اچھی طرح جانتا تھا کہ چھاکا چاہتا تو اس وقت وہ دلبر سے گن چھین سکتا تھا لیکن اس میں رسک بھی تھا اور بداعتمادی بھی' دلبر نے ٹیڑھی نگاہ سے چھاکے کو دیکھا اور بولا۔

''جمال صرف اپنی بات کی لاج رکھ رہا ہے' مگر میرے ڈیرے پر.....'' اس نے کوئی سخت بات کہنا چاہی لیکن میرے چہرے پر دیکھ کر خاموش ہو گیا۔ ہماری نگاہیں چار ہوئیں تو میں سمجھ گیا کہ وہ کیا چاہتا ہے۔ اس لیے بڑے ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔

''دلبر! میں نہیں جانتا کہ ان کے ساتھ تمہاری کیا دشمنی ہے اور کب سے ہے' میں تو بس اتنا چاہتا ہوں کہ پیرزادے تک یہ پیغام پہنچ جائے کہ میران شاہ بستی کے لوگوں کو تو نے کچھ نہیں کہا' اگر کہا ہوتا تو یہ لوگ یہاں سے زندہ سلامت نہ جاتے۔ سمجھ لے ہم آج سے ان کے ساتھ دوستی کا ہاتھ ملانے کی ایک کوشش کریں گے' اگر مل گیا تو ٹھیک' نہ ملا تب دشمنی تو ہے ہی.....''

''جمال! ان بڑے لوگوں کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا' ابھی تم نے کہا تھا نا کہ یہ لوگ سرداروں کے پاس کیوں نہیں جاتے' انہیں اچھی طرح پتا ہے کہ علاقے میں بندے وہی مار سکتے ہیں یہ ان کے پاس کیوں نہیں جاتے' ان سے کیوں نہیں پوچھتے۔'' دلبر نے غصے میں کہا۔

''ہمیں اس سے غرض نہیں کہ وہ سرداروں سے کیسا تعلق رکھتے ہیں۔ ہم تو اپنی بات کرتے ہیں۔ میں اب تم سے نہیں کہوں گا' اب جو تیری مرضی ہے وہ کر.....'' میں نے اٹھتے ہوئے کہا تو دلبر نے اپنی گن ہٹاتے ہوئے میری طرف

دیکھ کر بولا۔

''تیرے کہنے پر انہیں جانے دیتا ہوں۔ تیری دوستی کی کوشش بھی دیکھ لیتے ہیں۔ پھر ہو گا وہی جو میں کہہ رہا ہوں۔''

''مجھے یقین ہے کہ ایسا نہیں ہو گا۔'' میں نے کہا تو دلبر نے انہیں جانے کا اشارہ کیا۔ وہ تیزی سے اٹھ کر اپنی جیپ کی جانب بڑھنے لگے۔ تبھی میں نے چھاکے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''ان کا اسلحہ بھی انہیں دے دو۔ خالی کر کے.....''

وہ جیپ میں بیٹھ چکے تھے تب چھاکا انہیں ان کا اسلحہ دے آیا۔ کچھ ہی دیر میں وہ لوگ وہاں سے چلے گئے۔ تب دلبر نے ایک زور کا قہقہہ لگایا اور بولا۔

''کیسی تھی میری اداکاری.....؟''

''میں اگر وقت پر نہ پہنچتا تو اب تک تم یہ اداکاری کرنے کے قابل نہ ہوتے۔'' میں نے بھی ہنستے ہوئے کہا تو وہ اچانک ہی سنجیدہ ہوتے ہوئے بولا۔

''اب کیا کہنا ہے جمال..... کہیں وہ.....''

''کچھ نہیں ہو گا۔'' میں نے بات کاٹتے ہوئے کہا۔ ''انہیں فقط شک ہے اور یہ شک رہنے دو' انہیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ ہم ایسا بھی کر سکتے ہیں۔ نہیں تو..... کچھ نہ کچھ تو ہو گا نا یار۔''

''چل بھول جا سب کچھ' بکرا ذبح کر لیا ہے' اب پکاتے ہیں' پھر سکون سے کھائیں گے۔'' دلبر نے ساری بحث کو ایک جھٹکے میں سمیٹ دیا۔ میں نے دیکھا' اندر کمرے میں تازے گوشت سے سینی بھری ہوئی تھی' ہم چارپائیوں پر بیٹھ گئے تو دو چار لوگ اٹھ کر اسے پکانے کے لیے بڑھ گئے۔

اس وقت سورج ڈوب رہا تھا۔ جب کھا پی کر ہم وہاں سے چل دیے۔ میں اور چھاکا اپنی اپنی بائیک پر گاؤں واپس آ گئے۔ چوک کے پاس سے گزرتے ہوئے اس نے کہا۔

''رندھاوے نے جو بندہ بھیجا تھا' اس کی بات یاد ہے نا.....''

''کیا بات.....؟'' میں نے یاد کرتے ہوئے کہا۔

''یہی کہ رات..... مطلب آج تم نے کہیں غائب نہیں ہونا' گاؤں والوں کے درمیان رہنا ہے'' اس نے مجھے یاد کراتے ہوئے کہا تو میں تیزی سے بولا۔

''ہاں..... ہاں..... یاد آیا..... تو پھر.....''

''یہاں چوک میں آ جانا' یہیں بیٹھ کر تماشہ کر لیں گے کوئی.....'' اس نے ہنستے ہوئے کہا تو میں اپنے گھر کی جانب بڑھ گیا۔

❀ ..... ❀ ..... ❀

اندھیرا چھا گیا تھا' اوگی پنڈ کی روشنیاں جگمگا اٹھی تھیں' جب ہر پریت اور جسپال گھر سے نکلے۔ ہر پریت کی سج دھج دیکھنے والی تھی۔ ہلکے فیروزی رنگ کی شلوار قمیص جس پر سنہری تلے کا کام تھا' اسی رنگ کا مہین سا بڑا آنچل' کانوں میں بڑے بڑے بندے' ہلکا ہلکا میک اپ' جس میں آنکھیں بہت خوب صورت انداز میں سنواری ہوئی تھیں۔ کس کر باندھی ہوئی چوٹی سے اس کا ماتھا بڑا کشادہ دکھائی دے رہا تھا۔ جسپال اس وقت سرشار سا ہو گیا' جب وہ مہکتی ہوئی اس کے ساتھ پہلو میں پسنجر سیٹ پر آن بیٹھی تھی۔ تبھی گیئر میں جیپ ڈالتے ہوئے جسپال نے کہا۔

''آج بڑی خوب صورت لگ رہی ہو۔''

''نا پہلے میں بدصورت لگتی تھی' یا آج تمہیں کچھ ہو گیا ہے؟'' ہر پریت نے تیز لہجے میں کہا تو وہ چونکتے ہوئے بولا۔

''ہائیں..... ! یہ کیا ہو گیا ہے تمہیں..... ہری مرچیں تو نہیں چبا کر آئی ہو۔''

''کچھ نہیں' تم جیپ چلاؤ بس.....'' یہ کہہ کر وہ ذرا سا پہلو بدل کر بیٹھ گئی۔

''اوئے سوہنو ملائی تے مکھنو..... ہوا کیا ہے' کیوں ناراض ہو.....'' جسپال نے پھر پوچھا۔

''مجھے یہ بتاؤ جسی! وہ بے غیرت بلجیت سنگھ دھمکیاں لگا کر چلا گیا' اور تم نے اسے کچھ بھی نہ کہا۔''

''اتنا کچھ تو کہا ہے اسے۔'' وہ حیرت سے بولا تو ہر پریت نے نفرت سے کہا۔

''یہ کہنا کچھ کہنا نہیں ہے' کم از کم اس کے منہ پر کوئی ایک آدھ زخم ضرور لگتا تو بات بنتی۔''

اس وقت تک وہ پکی سڑک پر آ چکے تھے۔ تبھی جسپال نے گاڑی روک کر کہا۔

''میں پہل نہیں کرنا چاہتا تھا۔''

''پہل تو وہ کر چکا تھا' اس نے آ کر دھمکیاں دی تھیں۔'' ہر پریت نے کہا۔

''چل! اب چلتے ہیں۔ پہلے اس کی طرف چلتے ہیں پھر شادی میں چلے جائیں گے۔'' جسپال کے لہجے میں گہری سنجیدگی تھی۔

''تمہارا کیا مطلب ہے' وہ ہمارے انتظار میں بیٹھا ہوا ہوگا' وہ خوشی سے کہے گا کہ آؤ اور مجھے سبق سکھا کر چلے جاؤ' کیا بات کرتا ہے جسی تو.....'' ہر پریت نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''دیکھ لے ہر پریت' اتنا غصہ نہ کر' بڑا وقت پڑا ہے' پتا نہیں کتنی دیر تک ان سے لڑنا ہے' چل ابھی مسکرا دے۔'' جسپال نے لجاجت سے کہا۔

''اگر نہ مسکراؤں تو.....'' ہر پریت نے معشوقانہ انداز میں کہا تو وہ بولا۔

''تو پھر میں' ابھی اور اسی وقت بلجیت کی طرف چل پڑوں گا' پھر دیکھا جائے گا' جو ہوگا۔''

اس کے یوں کہنے پر ہر پریت نے اس کی طرف دیکھا اور پھر گہرا سانس لیتے ہوئے بولی۔

''میں سمجھتی ہوں کہ ابھی وقت نہیں ہے' لیکن میں کیا کروں' میرا غصہ ٹھنڈا نہیں ہو رہا۔''

''اس کا بھی کچھ کرتے ہیں' تم بس ذرا سا مسکرا دو.....'' وہ بولا تو ہر پریت ہنس دی لیکن اس کی ہنسی میں کھنکھناہٹ نہیں تھی' جس پر جسپال نے اسے غور سے دیکھا' تب وہ بولی۔

''تم..... ان تک پہنچو' انہیں' مگر وہ تم تک ضرور پہنچیں گے۔ میں ان کی فطرت جانتی ہوں۔ چلو' تم گاڑی چلاؤ۔''

''وہ تو میں چلاتا ہوں' لیکن تم کہنا کیا چاہتی ہو' مجھے صاف لفظوں میں کہو۔'' یہ کہتے ہوئے جسپال نے جیپ کو گیئر لگا دیا اور اوکی پنڈ کے مخالف پکی سڑک پر جانے لگا۔

''اصل میں تم نے بلجیت کو چھوڑ کر اچھا نہیں کیا' اسے وہیں ختم کر دینا چاہیے تھا۔'' ہر پریت نے آگ اگلنے والے لہجے میں کہا تو وہ گہرے لہجے میں بولا۔

''میں اب بھی تمہاری منطق نہیں سمجھا؟''

''دیکھو..... ! آج نہیں تو کل' ان سے آمنا سامنا تو ہونا ہی ہے بلکہ ان سے دشمنی کہاں ختم ہوئی ہے رویندر سنگھ اس لیے کمشن میں شامل ہوا ہے' اب وہ دھوکے سے اور قانونی ہتھکنڈے استعمال کر کے تمہیں' بلکہ ہم سب کو پریشان کریں گے۔ وہ ایک طرف نہ صرف تمہیں قتل کرنے کی کوشش کریں گے بلکہ کسی نہ کسی ناجائز کیس میں پھنسا کر الجھا دیں گے اور کچھ نہیں تو یہاں کا ظالم ترین قانون ''ٹاڈا'' تم پر لگوا دیں گے' اس کے بعد تو پھر شنوائی ہی نہیں ہے۔ جب تک چاہیں تمہیں اندر

رکھیں۔ ان کے ساتھ معاملہ جتنا لمبا کرو گے' یہ اتنا ہی ہمیں الجھا دیں گے۔ وہ اب حملہ آور ہیں' لیکن اگر بلجیت قتل ہو جاتا نا تو وہ اپنی بقا والی پوزیشن پر آ جاتے۔''

''تم ٹھیک کہتی ہو ہر پریت لیکن اگر انہیں قتل کر دیا تو پھر کیا ہے' میرے پرکھوں کا انتقام پورا ہو جائے گا' نہیں' نہیں ہر پریت نہیں' میں ان لوگوں کو اتنی جلدی مکتی نہیں دے سکتا' مجھے میرے ساب سے چلنے دو پلیز۔ دشمنی جذبات سے نہیں دل سے لڑی جاتی ہے۔''

''میں مانتی ہوں' مگر یہ بھی سچ ہے کہ دشمن کو زیادہ وقت نہیں دینا چاہیے۔'' ہر پریت نے گہرے لہجے میں کہا۔

''ظالم اپنی قوت کے نشے میں یہ سمجھتا ہے کہ شاید ہمیشہ وقت اسی کا رہے گا' لیکن وقت بدلتا رہتا ہے' یہی اس کی فطرت ہے' ڈونٹ وری' اپنے چہرے پر سے پریشانی اور دماغ پر سے بوجھ ہٹا دو۔ خوش دکھائی دو' ایک دم فریش کسی گلاب کی طرح.....'' جسپال نے کہا اور اشارے سے پوچھا کہ کس طرف جانا ہے۔ اس نے سیدھے چلتے رہنے کا اشارہ دیا اور پھر ذرا سا ترچھی ہو کر بیٹھتے ہوئے بولی۔

''واقعی' ہم جب سے ملے ہیں' اپنے دشمنوں کی باتیں کرتے رہے ہیں۔ اپنے بارے میں بس ایک دن بات کی' وہ بھی کیا بات کی۔''

''میں سمجھتا ہوں کہ میرے پاس وقت بہت کم ہے' اور میرے دشمن بڑے طاقت ور ہو گئے ہیں لیکن تمہارا ساتھ مل گیا میرے لیے اتنا ہی کافی ہے' تو میرا حوصلہ بن گئی ہے۔'' جسپال نے رومانوی انداز میں آہستگی سے کہا تو وہ ایک دم سے شرما گئی۔ وہ جتنی بھی بولڈ تھی' آخر تھی تو مشرقی لڑکی' ان دونوں میں خاموشی آ گئی۔

جسپال تیزی سے جیپ بھگائے چلا جا رہا تھا۔ تبھی سڑک کنارے ایک گاؤں کی طرف جاتے ہوئے ہر پریت نے اشارہ دیا۔ وہ اس طرف مڑ گیا۔ کچھ ہی دیر بعد وہ گاؤں کی ایک حویلی کے سامنے جا رکے۔ جسے برقی قمقموں سے سجایا گیا تھا۔ گاڑیاں باہر ہی پارک ہو رہی تھیں۔ اس لیے انہوں نے جیپ پارک کی اور اندر کی طرف چل دیئے۔

''ہر پریت! تو نے یہ تو بتایا ہی نہیں' شادی لڑکے کی ہے یا لڑکی کی۔''

''لڑکی کی..... مجھے تو لگتا ہے بارات آ گئی ہوگی۔'' اس نے دھیمے لہجے میں جواب دیا اور سامنے کھڑے ایک بزرگ سے سردار سے ملے جو اس کی آمد پر اوگی ان کے گھر آیا تھا۔

''بہت خوشی ہوئی' تو آیا ہے پتر' بہن گلجیت کور نہیں آئی۔'' اس نے پوچھا۔

''ان کی طبیعت تھوڑی اپ سیٹ تھی.....'' ہر پریت نے کہا' پھر زیادہ باتوں کا موقع نہیں ملا' وہ دوسرے مہمانوں کی طرف متوجہ ہو گئے۔ وہ ایک بڑے سے پنڈال کی طرف بڑھے' جہاں پہلے ہی بہت سارے لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ ہر پریت نے ادھر ادھر دیکھ کر کہا۔

''لگتا ہے ابھی بارات نہیں آئی۔''

''چلو آ جائے گی۔'' جسپال نے بھی ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''نہیں' انہیں گرودوارے سے جا کر لانا ہوگا' وہ اُدھر آئیں گے۔ شادی کی رسم اُدھر ہی ہوگی۔'' وہ بولی۔

''اوکے..... اب آئیں ہیں تو.....'' جسپال ادھوری بات چھوڑ کر خاموش ہو گیا۔ ''تم بیٹھتی کیوں نہیں ہو؟''

''میں اپنی سہیلیوں کو دیکھ رہی ہوں۔ میں لڑکیوں کے ساتھ آ جاؤں گی۔'' یہ کہہ کر وہ اندر کی جانب چلی گئی اور وہ وہاں پر اکیلا بیٹھ گیا۔ کچھ وقت گزر رہا تھا اور وہ ادھر ادھر لوگوں کو دیکھ رہا تھا' کہ انوجیت کی کال آ گئی۔

''کہاں پر ہو؟''

''میں شادی میں۔'' اس نے مختصر سا جواب دیا۔

''اچھا اچھا' بس تمہاری خیریت معلوم کرنا تھی' یہاں لوگوں سے ملو' گپ شپ کرو۔'' وہ خوشگوار لہجے میں بولا۔

''ابھی تو اکیلا ہی ہوں' ہر پریت اندر لڑکیوں میں چلی گئی ہے۔'' اس نے جواب دیا تو انوجیت نے کہا۔

''ارے کوئی بات نہیں' ابھی تیرے پاس کافی سارے لوگ آ جاتے ہیں۔'' یہ کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔ کچھ دیر گزری ہوگی کہ چند نوجوان اس کے پاس آ گئے۔ انہوں نے اپنا تعارف کرایا' وہ انوجیت کے وہ دوست تھے جو اوگی پنڈ سے تھے۔ وہ سبھی گپ شپ کرنے لگے۔ کچھ دیر بعد وہ لڑکی کو لے کر گردوارے کی جانب چل دیئے' وہ سب بھی چل پڑے۔

گردوارے میں ''ارداس'' (ایک طرح کی دعائیہ محفل جو ہر خوشی اور غمی کے موقع پر منعقد کرتے ہیں) شروع ہو چکی تھی۔ دولہا اور دلہن اپنے روایتی لباس میں گیانی کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ باقی سب لوگ آہستہ آہستہ' خاموشی کے ساتھ گردوارے کے اندر بیٹھتے چلے جا رہے تھے۔ گیانی بڑے پرجوش لہجے میں گرو گرنتھ کا پاٹھ کر کے اس کی وضاحت کرنے لگا۔ ہر پریت لڑکیوں میں تھی اور جسپال لڑکوں میں۔ کافی دیر تک ارداس چلتی رہی' پھر دولہا اور دلہن نے گرنتھ صاحب کے آگے ماتھا ٹیکا' گیانی نے کچھ رسمیں ادا کیں اور ان کی شادی ہو گئی پھر دلہا دلہن تو گاڑی پر حویلی آ گئے' باقی سارے پیدل ہی حویلی کی جانب چل پڑے' جو بالکل قریب ہی تھی۔

رات گئے تک شادی والے گھر میں ہلا گلا چلتا رہا۔ شراب پانی کی مانند بہنے لگی' رقص و موسیقی کی محفل جم گئی۔ ہنستے کھیلتے' کھاتے پیتے رات خاصی گہری ہو گئی۔ جسپال کے آس پاس جمع ہونے والے لڑکے سبھی شراب کے نشے میں دھت تھے۔ ایک دو ہوش میں تھے۔ وہ جانے لگے تو انہوں نے پوچھا۔

''چلیں جسپال بابو۔''

''تم چلو' ہر پریت آتی ہے تو میں نکلتا ہوں۔'' اس نے جواب دیا۔

''ٹھیک ہے۔'' یہ کہہ کر وہ باہر کی جانب چل دیئے اور وہ ہر پریت کے آنے کا انتظار کرنے لگا۔ کچھ ہی دیر بعد وہ چند لڑکیوں کے ساتھ نمودار ہوئی' پھر اسے دیکھ کر ان سے اجازت لے کر آ گئی۔ قریب آتے ہی بولی۔

''کیسا رہا یہ شادی کا ہنگامہ.....؟''

''اچھا تھا' میرے لیے یہاں کے کلچر کی مناسبت سے بالکل نیا..... چلیں اب.....''

''بالکل! وقت بھی خاصا ہو گیا۔'' یہ کہہ کر وہ باہر کی طرف چل پڑی۔ گیٹ پر وہ بزرگ سردار لوگوں کو وداع کر رہے تھے۔ وہ تپاک سے ملے شکریہ ادا کیا پھر یہ پارکنگ سے جیپ میں بیٹھے اور واپسی کے لیے چل پڑے۔

''ڈیش بورڈ میں میرا پسٹل پڑا ہے' وہ نکال لو۔'' جسپال نے سنجیدگی سے کہا تو ہر پریت نے کچھ کہے بنا پسٹل نکال کر ڈیش بورڈ پر رکھ دیا۔ شاید یہ اس کی چھٹی حس تھی یا محض حفظ ماتقدم کے طور پر لاشعوری عمل تھا' وہ دونوں محتاط ہو گئے تھے اور اسی لیے خاموش تھے' رات کے وقت سڑک سنسان تھی' اس لیے وہ تیز رفتاری سے جیپ بھگائے لے جا رہا تھا۔ سارا راستہ کٹ گیا' پھر جیسے ہی وہ اپنے گھر کی طرف مڑنے کے لیے آہستہ ہوئے' بالکل موڑ پر آگے ایک سفید کار کھڑی تھی' اور اس کے ساتھ ہی ہائی ایس وین نے راستہ روکا ہوا تھا۔ جسپال کے جبڑے بھنچ گئے' اسے گاڑی روکنا پڑی۔ تبھی بولا۔

''ہر پریت..... الرٹ ہو جا.....'' یہ کہتے ہوئے اس نے بریک لگا دیئے اور ہیڈ لائٹس روشن رہنے دیں۔

''فکر نہ کر.....'' یہ کہہ کر وہ ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ تبھی وین کی اوٹ میں سے چند آدمی باہر نکلے' ان کے ہاتھوں میں گنیں تھیں۔ تبھی ہر پریت نے پچھلی نشست پر کودتے ہوئے کہا۔ ''حوصلہ رکھنا۔''

''تو بھی فکر نہ کر.....''

وہ تین لوگ تھے اور چوتھا وہیں وین ہی کے پاس کھڑا رہا۔ جسپال نے پسٹل ڈیش بورڈ سے اٹھا کر اپنی ران کے پاس رکھ لیا۔ تبھی ایک نے ٹارچ اس کی طرف کر کے روشنی چہرے پر ڈالی' پھر اونچی آواز میں بولا۔

''یہی ہے.....''

''تو نکالو باہر اسے۔'' انہی میں سے ایک نے کہا۔ جسپال نے پچھلی سیٹ پر ہر پریت کو دیکھا' وہ تیزی سے ایک گن میں میگزین لگا کر گن کو سیدھی کر رہی تھی۔ وہ ہلکے سے بولی۔

''جاؤ' وہ میرے نشانے پر ہیں.....'' اس نے سن روف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

جسپال گاڑی سے نیچے اتر آیا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ کوئی قریب آئے اور آ کر دروازہ کھولتے ہوئے ہر پریت کو دیکھ لے..... وہ ان کی جانب بڑھا تو انہوں نے گنیں تان لیں۔

''ہاتھ اوپر رکھو جسپال..... کوئی چالاکی دکھائی تو گولی مار دیں گے۔''

اس نے ہاتھ اوپر کر دیئے اور بڑے حوصلے سے ان کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا اور اونچی آواز میں پوچھا۔

''تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو؟''

''ہم کون ہیں۔ یہ تمہیں بتانے کے پابند نہیں' لیکن ہاں چاہتے کیا ہیں یہ بتا دیتے ہیں۔'' یہ کہہ کر اس نے بلند آواز میں قہقہہ لگایا تو دوسرے نے کہا۔

''بس ابے او' دو چار ہڈیاں توڑنی ہیں تیری.....''

''وہ توڑ لینا..... اگر تم میں ہمت ہوئی تو..... کیونکہ ہڈیاں توڑنے والے یوں بزدلوں کی طرح گنیں لے کر نہیں کھڑے ہوتے.....'' جسپال نے طنزیہ انداز میں کہا تو پہلے نے نہایت غلیظ قسم کی گالی بکتے ہوئے کہا۔

''اس کی تلاشی لو' پھر بتاتے ہیں۔''

ان کے قریب جو خاموش کھڑا تھا' وہ تیزی سے آگے بڑھا اور اس نے جیسے ہی تلاشی لینا چاہی جسپال نے نہایت تیزی سے اسے قابو کیا اور اپنا پسٹل نکال کر اس کی کنپٹی پر رکھ دیا۔

''اسے مارنا ہے یا ہتھیار پھینکنے ہیں جلدی بولو۔''

''اوئے' اسے چھوڑ..... میرے ساتھ ہاتھوں میں ہاتھ ڈال.....'' پہلے نے کہا تو جسپال نے سکون سے کہا۔

''لگتا ہے تو پاگل ہے یا پھر تجھے کسی پاگل نے بھیجا ہے' گن پھینک۔''

''جو قابو ہو گیا' تو ہو گیا' مر جانے دے اسے.....'' دوسرے نے کہا اور گن سیدھی کی' تبھی یکے بعد کئی فائر ہوئے تو ان کے ہوش اڑ گئے۔ گولیاں کچھ ان کے پاؤں پر اور کچھ زمین میں لگی تھیں۔ شاید انہیں گمان نہیں تھا کہ جیپ کی طرف سے بھی فائر ہو سکتا ہے۔ ان کے ہاتھوں میں گنیں لرز گئیں۔ انہوں نے لاشعوری طور پر آڑ لینا چاہی۔ اتنے میں ہر پریت نے دوسری بار فائر کھول دیا۔ اس کے ساتھ ہی تیز چیخ بلند ہوئی۔ رات کے وقت فائرنگ کی آواز بھی بہت خوفناک تھی۔ وہ ایک دم سہم گئے اور اپنی گاڑی کی طرف بڑھے۔ تیسری بار ہر پریت نے گولیاں ان کی ٹانگوں پر ماریں تو وہ وہیں ڈھیر ہو گئے۔ انہیں موقع ہی نہیں ملا کہ وہ جوابی فائرنگ کر دیں۔ تبھی جسپال نے کہا۔

''اب بھی وقت ہے گنیں پھینک دو' ورنہ جان چلی جائے گی۔''

یہ کہتے ہوئے اس نے قابو میں کیے ہوئے شخص کے ماتھے پر زوردار پسٹل کا دستہ مارا' وہ لڑکھڑا گیا۔ وہ نیچے گرا تو جسپال بھی فائر کرنے لگا اور واپس گاڑی کی طرف جست لگا دی۔ اس وقت وہ وین میں گھس گئے تھے جب کار کی طرف سے فائر

ہوا۔ یقیناً وہاں کوئی تھا' جسپال نے اسے نشانے پر رکھ لیا۔ ہر پریت نے ایک برسٹ ادھر مارا تو اس طرف سے ایک دم خاموشی چھا گئی۔ جسپال گاڑی کے اندر آ گیا۔ ہر پریت نیا میگزین لگا رہی تھی۔

''میں جیسے ہی کہوں' جیپ تیزی سے آگے بڑھا دینا۔ وین ہٹا لیں تو ٹھیک ورنہ مار دینا اس میں۔'' ہر پریت نے تیزی سے کہا تو جسپال نے گیئر لگا دیا۔ جیسے ہی اس نے چلو کہا' اس کے ساتھ ہی اس نے سن روف سے باہر نکل کر فائرنگ شروع کر دی۔ تبھی سامنے سے جوابی فائرنگ ہونا شروع ہو گئی۔ جسپال نے گاڑی بڑھا دی' لمحوں میں وہ وین کے ساتھ جا ٹکرائی۔ ایک دھماکے کی آواز آئی' وین الٹ گئی تھی۔ یہی وہ وقت تھا' جب تین چار گاڑیاں سڑک پر سے گزرتے ہوئے کچھ فاصلے پر رک گئیں۔ جیپ کے لیے آگے جانے کا راستہ نہیں تھا۔ ہر پریت نے نیچے ہو کر تیزی سے کہا۔

''جسی.....! دروازہ کھول کر سیدھے بھاگ نکلو' میں بھی آئی۔''

جسپال نے ویسے ہی کیا چشم زدن میں اتر کر بھاگ نکلا' اس کے پیچھے ہی ہر پریت آ گئی۔ دونوں بھاگتے ہوئے گندم کے کھیت میں چلے گئے۔ دونوں آگے پیچھے آگے ہی آگے بھاگے گئے۔ کیونکہ کچھ فاصلے پر ان کے گھر کی روشنیاں دکھائی دے رہی تھیں۔ وہ جیسے ہی بھاگ کر گیٹ کے قریب گئے' انوجیت تیزی سے نکلا اس کے ہاتھ میں گن تھی۔

''انوجیت رکو.....'' جسپال نے کہا۔

''تم..... یہاں..... ہر پریت..... وہ کون تھے .....'' اس نے تیزی سے پوچھا۔

''پتہ نہیں.....'' جسپال نے بھی تیزی سے کہہ کر اس نے انتہائی اختصار سے اس واقعے کے بارے میں بتایا۔ تبھی اس نے کہا۔

''پتہ تو کرنا ہوگا..... آؤ.....'' یہ کہہ کر وہ محتاط انداز میں آگے بڑھا۔ اس نے فون نکالا' جو آن لائن ہی تھا۔ ''ادھر سے کوئی سامنے آیا' کون ہے.....؟''

''کسے فون کر رہے ہو.....'' جسپال نے پوچھا۔

''وہ سڑک پر..... جو تمہیں شادی میں ملے تھے..... انہوں نے مجھے بتایا کہ.....'' یہ کہتے ہوئے وہ رک گیا۔

وہ ابھی کچھ فاصلے پر ہی تھے کہ اوگی پنڈ کی طرف سے چار گاڑیاں تیزی سے وہاں آن پہنچیں۔ وہ رابطے میں تھا اور ان سے پوچھ رہا تھا' پھر فون ہٹاتے ہوئے بولا۔ ''وہ بلجیت کے غنڈے ہیں..... ممکن ہیں وہ اب ادھر گھر پر دھاوا بول دیں' جلدی پلٹو.....'' یہ کہتے ہوئے وہ تقریباً بھاگتے ہوئے گھر کی طرف چلا۔ جسپال اور ہر پریت بھی مڑ گئے۔ گیٹ پار کرتے ہی اس نے گیٹ بند کیا اور بولا۔ ''تیزی سے اوپر چھت پر..... ادھر اسلحہ پڑا ہے' ہر پریت بتاؤ.....''

وہ تیزی سے اوپر کی جانب چڑھتے چلے گئے' چند منٹ بعد وہ چھت پر تھے۔ انہوں نے دوسری منزل کے ایک کمرے سے اسلحہ لے لیا تھا۔ وہ لوگ وین سیدھی کر چکے تھے اور شاید زخمیوں کو لے جا رہے تھے۔ انہوں نے گھر کا رخ نہیں کیا تھا۔ تقریباً ایک گھنٹے تک وہاں سے ہر بندہ گاڑیوں سمیت چلا گیا۔ ان کی جیپ وہیں کھڑی رہی۔

''وہ تو گئے۔'' جسپال نے کہا تو انوجیت نے منتشر لہجے میں کہا۔

''کوئی پتا نہیں..... ان کا..... تم لوگ یہاں ٹھہرے رہو۔ میں نیچے جاتا ہوں اور بندے بلواتا ہوں۔''

''اوئے انوجیت..... سکون کر..... کچھ نہیں ہوتا..... اور اگر جانا ہی ہے تو چائے کے دو کپ بھیج دینا جُوتی کے ہاتھ۔'' جسپال سنگھ نے یوں کہا جیسے وہ پکنک پر آئے ہوئے ہوں۔ تب انوجیت نے ایک گہرا سانس لیا اور مسکراتے ہوئے بولا۔

''اوئے یار! میں گھبرا گیا تھا..... لیکن پہرا تو دینا ہے۔''

''ٹھیک ہے تو چائے بھیج۔'' جسپال نے کہا تو وہ نیچے چلا گیا۔ تبھی اس نے ہر پریت کی طرف دیکھا اور کہا۔

''تم تو بڑے کام کی چیز ہو..... ایویں کہہ رہی تھیں مجھے فائٹنگ سکھا دو۔''

تبھی وہ کھلکھلا کر ہنس دی' پھر آہستگی سے بولی۔

''گرو گوبند جی کی بیٹی ہوں..... امرت ''شکھا'' ہوا ہے' لڑنا ہی تو میری شان ہے۔'' اس کے لہجے میں گرو گوبند جی کی پیروکار ہونے پر فخر تھا۔

''چل تجھ سے کبھی فائیٹ کر کے دیکھ لیں گے۔ لیکن ابھی تو.....'' اس نے اپنی بات ادھوری چھوڑتے ہوئے اسے اپنی بانہوں میں لے لیا' وہ سمٹ کر اس کے سینے سے جا لگی۔ جسپال نے محسوس کیا کہ اس کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئی ہیں اور یہی حال ہر پریت کا تھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے میں گم ہو گئے۔

❀ ..... ❀ ..... ❀

چاند نکل آیا تھا' چوک میں برگد کے درخت سے ذرا ہٹ کر چارپائیاں دھری ہوئی تھیں۔ میں جب وہاں پہنچا تو گاؤں کے کافی سارے لوگ وہاں جمع ہو چکے تھے۔ ایک طرف چھا کا اور اس کے دوست موجود تھے' اس کے قریب ہی دلبرا اپنے ساتھیوں سمیت بیٹھا تھا۔ گاؤں کے وہ بزرگ وہاں آ چکے تھے جنہیں مختلف برادریوں نے چھوٹے چھوٹے فیصلوں کا حق دیا ہوا تھا۔ چونکہ وہ مخلص لوگ تھے' اس لیے سب ان کی مانتے بھی تھے۔ میرے وہاں جاتے ہی لوگوں میں تھوڑی ہلچل ہوئی کیونکہ انہیں یہی معلوم تھا کہ آج جمال نے پنچائیت میں بات کرنی ہے۔ میرے وہاں بیٹھتے ہی ایک معمر شخص نے پوچھا۔

''ہاں بھئی جمال' کیا کہنا چاہتے ہو تم؟''

''میاں جی! بات یہ ہے کہ ہمارا علاقہ بڑا پرامن ہے لیکن ابھی تھوڑا ہی عرصہ ہوا ہے اس پرامن علاقے میں اچھی خاصی گڑبڑ ہونے لگی ہے۔ میں نہیں کہتا کہ میں اس گڑبڑ کا حصہ نہیں ہوں' یا میرا دامن پاک صاف ہے' مگر دیکھنا یہ ہے کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے' جس کسی کا جب دل چاہے حملہ کر دیتا ہے' جب چاہے کوئی بندے مار کر چلا جاتا ہے' حد تو یہ ہے کہ پھر شک بھی اپنے ہی علاقے کے بندوں پر کیا جاتا ہے۔ انہیں جان سے مارنے کی دھمکیاں ہی نہیں بلکہ ذلیل بھی کیا جاتا ہے' اسلحے کی نوک پر ان سے پوچھ تاچھ کی جا رہی ہے' میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا ہمیں اپنے تحفظ کے لیے اب اسلحہ اٹھا لینا چاہیے' یا پھر اس غنڈہ گردی کا کوئی سدباب کرنا ہوگا؟'' میں نے انتہائی جذباتی انداز میں اپنی بات ختم کی تو ایک دوسرے بزرگ نے پوچھا۔

''تمہارے خیال میں ایسا کیوں ہو رہا ہے؟''

''میرے خیال میں تو بہت کچھ ہے بزرگو' یہ ساری صورت حال آپ بھی جانتے ہیں۔ پھر بھی آپ میرا خیال پوچھ رہے ہیں' کون نہیں جانتا۔'' میں نے شکوہ بھرے لہجے میں کہا تو وہ بزرگ سب کی طرف دیکھ کر بولے۔

''تم ٹھیک کہتے ہو' لیکن ہم جمع ہی اس لیے ہوئے ہیں کہ اس صورت حال پر بات کریں' میں تمہی سے ابتدا کرتا ہوں' اسی لیے تم سے پوچھا ہے کہ تمہارا کیا خیال ہے' یہ سب کیوں ہو رہا ہے؟''

''تو پھر سنیں۔'' میں نے ان کی طرف دیکھ کر جذباتی انداز میں کہا۔ ''اصل میں ہم لوگ اس علاقے کے جاگیرداروں کے غلام بن چکے ہیں۔ بظاہر ہم آزاد ہیں' لیکن ذہنی طور پر اب بھی غلام ہیں۔ سفید چمڑی والے آقا گئے برسوں ہو گئے مگر یہ کالی چمڑی والے اب ہم پر مسلط ہیں۔ ان کی غلامی کرنا' انہی کی چاکری کر کے' انہی کا حکم ماننا ہماری گھٹی میں پڑ چکا ہے۔ جس جاگیردار کا دل کرتا ہے' وہ ان غریبوں کو اپنی ملکیت تصور کرتے ہوئے اس کی جان تک سے کھیل جاتا ہے' یہ صورت

حال صرف اس وجہ سے ہے کہ ہم ان جاگیرداروں کی غلامی میں ہیں۔"

"تم وہی عام سی بات کر رہے ہو' جو محض نوجوانوں کو بھڑکانے کے لیے کوئی بھی کر سکتا ہے' کیا ثبوت ہے تیرے پاس....." ایک تیسرے بزرگ نے تیزی سے پوچھا۔

"سردار شاہ دین کے ڈیرے پر آنے والے بندوں نے' میراں شاہ کے علاقے کے بندوں کو مار دیا۔ مجھ پر چند دن پہلے ہونے والے حملے میں سردار شاہ دین کا ہاتھ تھا۔ وہ بندے بھی اس کے ڈیرے پر ٹھہرے تھے۔ اب اس کا مطلب آپ کو سمجھانا پڑے گا کہ سردار جب چاہے' اس علاقے کے بندے مروا دے' اسے بندے مارنے کا اختیار کس نے دیا ہے؟ اور دوسری طرف پیرزادے..... آج ہی دلبر پر پیرزادوں نے آ کر اسلحہ تان لیا۔ وہ یہ پوچھنے آئے تھے کہ میراں شاہ والے بندوں کو انہوں نے مارا ہے؟" میں نے گھمبیر لہجے میں کہا۔

"جمال..... تم پورے ہوش سے بات کر رہے ہو نا' یہ سرداروں اور پیرزادوں پر محض الزام تو نہیں۔" ایک بزرگ نے میرے بیان کی تصدیق چاہی۔

"میں ثبوت دے رہا ہوں۔ محض الزام نہیں لگا رہا۔ کیا آپ کو نہیں معلوم کہ جو بندے قتل ہوئے ہیں' وہ کہاں ٹھہرے تھے؟" میں نے کسی حد تک غصے میں کہا تو وہاں موجود لوگوں میں کھلبلی مچ گئی۔ چہ میگوئیاں کرتے ہوئے لوگ بھی حیران تھے کہ آج تک کسی نے اتنے واشگاف الفاظ میں سرداروں کے خلاف بات نہیں کی' آج اسے کیا ہو گیا ہے؟

"ممکن ہے وہ آئیں تو سردار ہی کے پاس ہوں' اور اپنی ہی کسی دشمنی کی وجہ سے ان کے درمیان تنازع ہو گیا ہو۔" اس بزرگ نے کہا تو مجھے واقعتاً غصہ آ گیا۔ میں نے جذباتی لہجے میں کہا۔

"ممکن تو کچھ بھی ہو سکتا ہے بزرگو.....! ہم اندھے بھی ہو سکتے ہیں' ہماری جانوں کو ہر وقت خطرہ بھی ہو سکتا ہے' اگر دلبر پر اسلحہ تانا گیا' دلبر مر جاتا' اس کے ساتھی مر جاتے' یا حملہ آور مر جاتے' بات تو بڑھتی' دونوں طرف کے بندے مارے جاتے' سرداروں اور پیرزادوں کا کیا جاتا' مرنا تو پھر ہم غریبوں ہی نے ہے۔ بالکل اسی طرح ہم غریب لوگ کیڑے مکوڑوں کی مانند مارے جا رہے ہیں لیکن نہ ہم دیکھنا چاہتے ہیں اور نہ ہم حوصلہ کرنا چاہتے ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ یہ بات کر کے میں نے اپنی موت کو دعوت دے دی ہے' اس لیے میں یہاں پر اعلان کرتا ہوں کہ اگر میں قتل کر دیا جاؤں تو میرے قتل کے ذمے دار صرف اور صرف یہ سردار ہوں گے۔ کیونکہ وہ نہیں چاہتے کہ کوئی غریب غربا اُٹھ کر ان کے خلاف آواز بلند کرے۔"

"تم چاہتے کیا ہو؟" ایک بزرگ نے بڑے ٹھہرے ہوئے لہجے میں حیرت سے پوچھا۔

"میں یہ چاہتا ہوں کہ اگر آپ لوگوں نے اپنی آنے والی نسل کو غلامی سے بچانا ہے' انہیں خوشحال دیکھنا ہے اور انہیں اپنی مرضی سے زندگی گزارنے کا حق دینا ہے تو ان جاگیرداروں سے جان چھڑانا ہو گی۔ ان کے خلاف بغاوت کرنا ہو گی' ان کے چنگل سے نکلنا ہو گا' ورنہ یہ لوگ ہمیں یونہی مارتے رہیں گے' اور ہمارا پرسان حال کوئی نہیں ہو گا۔ اس کے لیے جنگ لڑنا ہو گی۔" میں نے صاف لفظوں میں اپنا مدعا کہہ دیا۔

"تم تو دیوانوں جیسی باتیں کر رہے ہو میرے پتر' نہتے لوگ کیا جنگ لڑیں گے۔ ان غریبوں کی تو روٹی پوری نہیں ہوتی۔" اس بزرگ نے طنزیہ انداز میں کہا تو میں نے اسی لہجے میں جواب دیا۔

"یہی تو میں آپ لوگوں کو سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں' اس روٹی کا حصول کن لوگوں نے تنگ کیا ہوا ہے' وسائل پر قبضہ کیے ان لوگوں کے کتے بہترین راتب کھاتے ہیں اور یہاں عام آدمی روٹی سے تنگ ہے۔ یہ الیکشن کے دنوں میں اپنا دیدار کروا کے آپ سے ووٹ لے جاتے ہیں' روٹی انہوں نے نہیں' آپ لوگوں نے خود اپنے لیے تنگ کی ہوئی ہے' خیر.....!

میرا جو آپ لوگوں سے سوال ہے' اس کا جواب کیا ہے؟"

"تمہارا سوال غلط نہیں' مگر تم کیا سمجھتے ہو کہ ہم کیا کریں۔" دوسرے بزرگ نے خاصے دردمند لہجے میں پوچھا۔

"میرے پاس بڑے حل ہیں لیکن اس پر سوچ بچار کرنے کی زحمت میں نے آپ کو اسی واسطے دی ہے کہ اگر آپ کچھ نہیں کریں گے تو مجبوراً ہمیں خود کرنا پڑے گا۔ میں یونہی کیڑے مکوڑوں کی طرح مرنا نہیں چاہتا۔ یہاں سب گاؤں والے موجود ہیں۔ پوچھیں ان سے....." میں نے وہاں پر موجود گاؤں کے لوگوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا' تبھی کئی جوشیلے نوجوانوں نے میری ہاں میں ہاں ملائی تو ایک شور برپا ہو گیا۔ ہر کوئی اپنی کہے چلا جا رہا تھا۔ سو اس بزرگ نے سب کو خاموش کراتے ہوئے پوچھا۔

"یہ تم نے ٹھیک بات کہی کہ ہمیں سوچ بچار کرنا چاہیے۔ سوچتے ہیں' اس مشکل سے کیسے نکلنا ہے' اس پر بھی سوچتے ہیں کیا تم نہیں جانتے ہو کہ یہ کتنا مشکل کام ہے؟"

"میں نے تو اپنی بات کہہ دی' اب آپ جانیں اور آپ کا کام....." میں نے گویا بات ختم کرتے ہوئے کہا' تبھی لوگ اپنے اپنے طور پر تبصرہ آرائی کرنے لگے۔ ہر بندہ اندر سے بھرا ہوا تھا۔ وہ اپنا اظہار چاہتا تھا' لیکن خوف کے باعث بات نہیں کر سکتا تھا۔ یہاں انہیں اظہار کا موقع ملا تو ان کے اندر کی نفرت ظاہر ہو رہی تھی' وہ سبھی تنگ تھے اور خوف محسوس کر رہے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ وہ محفوظ نہیں ہیں۔ میں خاموش بیٹھا سنتا رہا۔ اس دوران چھا کا میرے قریب ہوا اور کان کے پاس بولا۔

"اب چل' جو کام ہونا تھا وہ ہو گیا ہے؟"

میں چند لمحے بیٹھا رہا پھر اٹھ کر ان بزرگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"آپ ہمارے بزرگ ہیں' ہمارے لیے بہت ہی محترم' میں جانتا ہوں کہ یہ اتنا آسان کام نہیں ہے' ہم سب اس پر سوچیں اور کوئی لائحہ عمل بنائیں۔ ہم چند دن بعد پھر یہاں اکٹھے ہوں گے' بڑے احترام کے ساتھ میں آپ سے یہی عرض کرنا چاہتا ہوں کہ صرف اتنا ذہن میں رکھیں' ان سرداروں کی سرداری' علاقے پر حاکمیت صرف ہماری وجہ سے ہے' اب میں چلتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔" ایک بزرگ نے کہا تو میں لوگوں میں سے باہر نکل آیا۔

کچھ فاصلے پر چھا کا چند دوستوں کے ساتھ کھڑا تھا۔ میں ان کے قریب پہنچا تو چھا کے نے بائیک سیدھی کی' میں اس کے پیچھے بیٹھ گیا تو وہ چل پڑا' ذرا سا آگے جا کر اس نے بڑی گرمجوشی سے کہا۔

"رندھاوے نے بڑا کام دکھا دیا ہے یار....."

"کیا؟" میں نے تجسس سے پوچھا تو وہ تیزی سے بولا۔

"وہ ملک سجاد آ گیا ہے' اور پتا ہے کہاں آ کے ٹھہرا ہے؟"

"اوئے سیدھی بات کر....." میں نے اکتاہٹ میں کچھ نہ سمجھتے ہوئے کہا۔

"بات یوں ہے پیارے کہ آج شام ملک سجاد ان سرداروں کے پاس آ گیا ہے' اس کے ساتھ کافی سارے بندے بھی ہیں۔ یوں سمجھو فوج ہی لے کر آیا ہے لیکن رندھاوے نے ان کے چار بندے پھڑکا دیئے ہیں پولیس مقابلے میں' وہ سبھی اشتہاری تھے۔"

"اوہ واہ....." میرے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔ "لگتا ہے رندھاوا یاری نبھائے گا۔ کہاں ہوا ہے یہ پولیس مقابلہ.....؟"

''ہوا یوں کہ ملک سجاد کے آگے پیچھے بندے تھے۔ اب وہ کوئی امن کا پیغام لے کر تھوڑا آیا ہے' رندھاوا ان لوگوں کے انتظار میں تھا' ایک ٹولی مل گئی' انہوں نے پلٹ لی' بس ہو گیا مقابلہ۔''

''اس کا مطلب ہے..... اب تھانے میں اچھی خاصی گہما گہمی ہو گی۔'' میں نے سوچتے ہوئے کہا۔

''اور سرداروں کا کیا حال ہو گا؟'' چھاکے نے گھمبیر لہجے میں کہا۔

''اب ایسے کر' مجھے گھر پر اُتار کر سارے دوستوں کو اکٹھا کر..... دلبر کو بھی لے اور بھیدے کے پاس ڈیرے پر چلا جا' میں بھی وہیں آتا ہوں۔ آج رات بہت محتاط رہنا ہو گا۔ سمجھو' ہمیں شکار کرنا ہے' یا پھر ہم شکار ہو جائیں گے.....''

''میں سمجھتا ہوں ایسا ہی کچھ ہو گا.....'' چھاکے نے کہا اور بائیک تیز کر دی۔ وہ مجھے میرے گھر کے گیٹ پر اتار کر چلا گیا۔

میں گھر میں داخل ہوا تو سامنے دالان نے اماں جائے نماز بچھائے نماز پڑھ رہی تھی۔ اس دن پہلی بار مجھے احساس ہوا کہ میری ماں کتنی بہادر ہے' اکیلی اتنے بڑے گھر میں رہتی ہے' اسے پوری طرح احساس ہے کہ میں موت کے چنگل میں ہوں' لیکن پھر بھی نہیں گھبراتی' اگر پریشان ہوتی بھی ہو گی تو اس کا اظہار نہیں کرتی تھی۔ ہمیشہ میری ماں نے مجھے حوصلہ ہی دیا تھا۔ کبھی وقت اور حالات سے ڈرایا نہیں تھا۔ میں قریب پڑی چارپائی پر چپکے سے بیٹھ گیا اور غور سے ماں کو دیکھنے لگا' کتنی بہادر اور پرعزم تھی میری ماں' جس نے اپنے سینے میں انتقام کی آگ نہیں بجھنے دی تھی اور میں نے دودھ کے ساتھ اس آگ کی حدت کو بھی اپنے اندر اتار لیا تھا۔ میں انہی سوچوں میں کھویا ہوا تھا کہ میری ماں نے سلام پھیرا' پھر مجھے دیکھ کر اشارے سے اپنے قریب بلایا' میں ان کے پاس جا بیٹھا تو میرے سر پر پھونک ماری' جیسے اس نے مجھے اپنی دعاؤں کے حصار میں لے لیا ہو۔

''کھانا کھائے گا؟'' ماں نے پوچھا۔

''نہیں اماں' بھوک نہیں ہے تم پڑھو نماز' میں بس کچھ دیر کے لیے آیا تھا' ابھی جا رہا ہوں۔'' میں نے تیزی سے کہا تو اماں نے غور سے میری طرف دیکھا اور بولیں۔

''اپنا خیال رکھنا پتر۔''

یہ کہہ کر وہ بقیہ نماز کے لیے اٹھ گئیں اور میں اوپر چھت پر چلا گیا۔ مجھے وہاں سے کچھ اسلحہ اور رقم لینی تھی۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد میں گھر سے اپنی بائیک پر نکلا اور ڈیرے کی طرف چل دیا۔ چاند کی روشنی کچھ زیادہ تھی یا پھر مجھے لگ رہی تھی۔ دور دور سے بھی ہیولے صاف دکھائی دے رہے تھے۔ میں گاؤں کی گلیوں سے نکلتا چلا گیا اور بڑی سڑک پر آ گیا۔ میں اکیلا تھا اور مجھے معلوم تھا ملک سجاد اس وقت مجھے تلاش کرنے کے لیے اپنے بندے بھیج چکا ہو گا۔ اگر وہ اب تک مجھے تلاش نہیں کر سکے ہیں تو رندھاوے نے انہیں تھانے ہی میں مصروف رکھا ہو گا۔ اس وقت کون کیا کر رہا ہے' مجھے کچھ خبر نہیں تھی۔ نجانے کیوں میرے ذہن میں یہ بات اٹکی ہوئی تھی کہ کسی نہ کسی طرح پیرزادہ وقاص سے رابطہ ہو جائے تو پھر جو میں چاہتا ہوں' وہی ہو جائے گا۔

میں ڈیرے پر پہنچا تو چھاکے کے ساتھ دلبر اور اس کے کئی سارے ساتھی تھے۔ وہ میرے ہی انتظار میں تھے۔ میرے بیٹھتے ہی باتیں شروع ہو گئیں۔ تبھی میں نے پوچھا۔

''یار' ہم یہاں بیٹھے رہیں گے' اردگرد کی خبر ہمیں کیسے ملے گی؟''

''میں اور دلبر ابھی یہی باتیں کر رہے تھے۔ ابھی ہم یہاں ہیں اور ان لوگوں کا پتہ نہیں وہ کیا کر رہے ہیں اور کدھر ہیں؟'' چھاکے نے کافی حد تک تشویش سے کہا تو میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''کون لوگ؟''

''وہی ملک سجاد کے لوگ؟'' اس نے جواب دیا۔

''ان کے لیے رندھاوا ہی کافی ہے' اگر ایک سوال کا جواب مل جائے تو پھر.....'' میں نے کہتے ہوئے جان بوجھ کر فقرہ ادھورا چھوڑ دیا۔

''وہ کیا؟'' چھاکے اور دلبر نے ایک ساتھ بے ساختہ پوچھا تو میں نے کہا۔

''اس وقت پیرزادوں کی کیا کیفیت ہے؟ وہ کیا کر رہے ہیں' ان کی طرف سے خاموشی' سمجھ میں نہیں آ رہی ہے۔''

''میرا نہیں خیال کہ وہ خاموش ہوں گے.....'' دلبر نے تیزی سے کہا۔

''یہ محض خیال ہی ہے نا' تصدیق تو نہیں۔'' میں نے کہا۔

''تو یہ کیسے ہو گا؟'' اس نے مایوسانہ لہجے میں پوچھا تو میں نے تسلی دینے والے انداز میں کہا۔

''اگر ایک بار رندھاوے سے ملاقات ہو جائے نا' تو بہت کچھ سامنے آ جائے گا' کیونکہ وہ دائی ہے پورے علاقے کی' کون سا مجرم کہاں ہے' اسے سب معلوم ہوتا ہے۔''

''تو چل نکل چلتے ہیں' مل لیتے ہیں اس سے' یہ کونسی بڑی بات ہے۔'' دلبر نے تیزی سے کہا' وہ خاصا بے تاب دکھائی دے رہا تھا۔

''اوئے ملنا کیا ہے اس سے' اچھو کریانے والے سے فون.....'' چھاکے نے کہا تو میں نے ٹوک دیا۔

''نہیں' یہ ہم بڑی غلطی کرتے رہے ہیں۔ وہ اگر ہمیں ساری بات بتا سکتا ہے تو دوسروں کو بھی سب کچھ کہہ سکتا ہے۔ تو ایسا کر' یہاں سب سنبھال لے' بلکہ گاؤں میں بندے چھوڑ' تاکہ معلومات ملتی رہے۔ میں اور دلبر جاتے ہیں۔'' میں نے کہا تو وہ فوراً اٹھ گیا۔ پھر تیزی سے بہت کچھ طے کیا اور ہم دونوں بائیک پر نکل کھڑے ہوئے۔ یہ ہماری خوش قسمتی تھی کہ وہ ہمیں تھانے میں مل جاتا۔ میں نے باہر نکلتے ہوئے چھاکے کو اسلحہ اور رقم کے بارے میں سمجھا دیا تھا کہ ان کا کیا کرنا ہے' وہ سمجھ گیا تھا۔ اس وقت آدھی رات ہونے کو تھی' جب میں اور دلبر دونوں ڈیرے سے نکلے اور قریبی قصبے کی جانب چل پڑے۔ میں بائیک چلا رہا تھا اور دلبر اسلحہ لیے میرے پیچھے بیٹھا ہوا تھا۔ کچے راستوں پر میں احتیاط سے چلتا رہا' پھر جیسے ہی پکی سڑک آئی میں نے طوفانی رفتار سے بائیک بھگایا اور تقریباً پون گھنٹے میں ہم قصبے جا پہنچے۔ تھانہ کافی حد تک سنسان پڑا ہوا تھا۔ میں نے جاتے ہی باہر کھڑے سنتری سے پوچھا۔

''رندھاوا صاحب ہیں تھانے میں.....!''

''جی' نہیں' وہ چلے گئے ہیں۔'' اس نے مجھے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ دلبر نے اپنا اسلحہ چھپایا ہوا تھا۔

''کہاں گئے ہیں۔ مجھے ان سے بہت ضروری ملنا ہے۔'' میں نے کہا کیونکہ وہ مجھے پہچان کر مسکرا دیا تھا۔

''پتہ نہیں گشت پر ہوں یا پھر آرام کرنے کوارٹر پر..... دیکھ لیں۔'' اس نے اشارے میں جواب دیا تو میں نے تھانے کے اندر جا کر بائیک رہائشی علاقے کی طرف موڑ لی۔ ہمیں رندھاوے کا کوارٹر تلاش کرتے چند منٹ لگے۔ میں بائیک روک کر اترا اور جا کر اس کا دروازہ بجایا۔ دوسری دستک کے بعد اس نے دروازہ کھول دیا۔ پھر تیزی سے بولا۔

''جلدی سے اندر آ جا' اسے بھی لے آ اندر۔''

دلبر نے بات سن لی تھی' وہ اترا تو میں نے بائیک کوارٹر کے اندر کر لی' وہ تنہا تھا اور یونیفارم میں تھا۔

''آپ کو کیسے پتا رندھاوا صاحب کہ میں ہی ہوں..... کوئی اور بھی ہو سکتا تھا۔''

''میں ابھی آیا ہوں' تیری پہلی دستک پر میں نے اندر سے جھانک کر تصدیق کر لی تھی کہ باہر کون ہے' مجھے تو یہ بھی معلوم

ہے کہ تیرے ساتھی کے پاس اسلحہ ہے' چل اب کام کی بات کر' کیوں آیا ہے؟'' اس نے تیزی سے کہا۔

''میں صورتحال جاننے کے لیے آیا ہوں۔ یہ کیا گیم چل رہی ہے..... اور میں.....''

''تجھے فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ جب تیرا کام ہوتا تو تجھے بتا دیتا۔ میرا بندہ تم تک پہنچ جاتا تو بے فکر ہو جا۔''

''لیکن پھر بھی..... ملک سجاد.....''

''اُوئے سن..... اس کی تو بہن..... وہ اب زندہ یہاں سے نہیں جائے گا۔ پیرزادوں کو یہ باور کرا دیا ہے میں نے کہ تم اس گیم کا حصہ نہیں ہو۔ اس کے تینوں بندے سرداروں نے ہی مروائے ہیں اور یہ جو چار بندے مرے ہیں یہ پیرزادوں ہی نے مارے ہیں۔ ان دونوں کی آپس میں لگ گئی ہے۔ صبح تک دیکھنا کیا ہوتا ہے۔ میں داد دیتا ہوں تیرے ذہن کی' تو نے جو پلان کیا تھا' ویسا ہی ہو رہا ہے۔''

''اگر انہوں نے آپس میں کوئی سمجھوتہ کر لیا تو .....'' میں نے ایک خدشہ ظاہر کیا۔

''وہ تو ہونا ہی ہے' آج نہیں تو کل..... کل نہیں تو پرسوں..... جب بھی انہیں معلوم ہوا کہ گیم کیا ہوئی ہے' مگر یہ اس وقت تک سمجھوتہ نہیں ہو سکتا' جب تک ملک سجاد ادھر ہے۔ کیونکہ پیرزادے یہ سمجھ رہے ہیں کہ انہیں کرش کرنے کے لیے سرداروں نے دوسروں سے مدد لے لی ہے۔ اب ملک سجاد کا مرنا بہت ضروری ہے۔''

''تو پھر اسے مار دیتے ہیں۔'' میں نے یوں کہا جیسے کسی چیونٹی کو مسلنے کی بات کر رہا ہوں۔

''میں جانتا ہوں کہ تم اسے مار دو گے' لیکن یہ مدعا پیرزادوں کے سر ہی پڑنا چاہیے۔ تاکہ یہ دشمنی لمبی ہو جائے۔''

''یہ کیسے ہوگا' ملک سجاد تو یہاں قلعہ بند ہو گیا ہے۔ وہ تو باہر نہیں آ رہا۔'' میں نے یونہی بات چھوڑی' حالانکہ مجھے اس کے بارے میں کوئی خبر نہیں تھی۔

''ہاں' یہ تو ہے' میں نے خود اسے سرداروں کی حویلی تک محدود رہنے کو کہا ہے' باہر نکلنے پر میں نے اس کی ذمہ داری نہیں لی' اس کے بندے ڈیرے پر ہیں۔ اور تجھے بتا دوں' آج رات کسی وقت پیرزادوں کے بندوں نے ڈیرے پر حملہ کر دینا ہے' اب اسمیں کس کا کتنا نقصان ہوتا ہے' میں نہیں جانتا۔'' اس نے لاپرواہانہ انداز میں کہا تو ایک دم سے میرے ذہن میں خیال رینگ گیا۔ تب میں نے کہا۔

''میں اگر ان کی مدد کروں تو.....؟''

''نہیں' پھر تو معاملہ سارا سامنے آ جائے گا۔'' اس نے سوچتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے' میں کچھ بھی نہیں کروں گا' لیکن اگر میں ملک سجاد کا کام کر دوں تو.....'' میں نے اس کو اشارہ دیا تو وہ سر ہلاتے ہوئے بولا۔

''مجھے کیسے پتا چلے گا کہ تو نے ایسا کر دیا ہے اور پھر سرداروں کی حویلی میں..... ناممکن ہے.....''

''یہ میرا کام ہے کہ میں یہ کیسے کرتا ہوں' باقی سنبھالنا آپ کا کام ہے۔ یہ میں نہیں جانتا کیسے؟'' یہ کہہ کر میں نے اٹھتے ہوئے اس کے چہرے پر دیکھا' جہاں تفکر کے گہرے اثرات تھے پھر آہستگی سے بولا۔

''کیا میرا وہاں پر ہونا ضروری ہے؟''

''میں نہیں جانتا' لیکن آج رات کچھ نہ کچھ ہو جائے گا۔'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا تو وہ ایک دم سے بولا۔

''ٹھیک ہے' اب جو ہوگا دیکھا جائے گا' تو کر اپنا کام' میں دیکھ لوں گا۔'' وہ اضطراری انداز میں اٹھتے ہوئے بولا' میں نے اس سے ہاتھ ملایا اور پھر مڑ گیا۔ دلبر نے بائیک باہر نکالی' پھر اگلے چند لمحوں میں ہم رہائشی کالونی سے نکلتے چلے گئے۔

رات کا تیسرا پہر ختم ہونے کو تھا۔ چاند مغربی افق کنارے جا لگا تھا۔ چاندنی کی وہ پہلے والی آب و تاب نہیں رہی تھی۔ میں گاؤں کے باہر آ پہنچا تھا۔ میرے ایک طرف گاؤں' تقریباً آدھا کلومیٹر کے فاصلے پر حویلی اور پھر اس سے آگے جا کر تقریباً دو کلومیٹر پر سرداروں کا ڈیرا تھا۔ اگر میں گھوم کر حویلی کے عقب سے نکلتا تو ڈیرے تک جا سکتا تھا' یا پھر سڑک پر جاتے ہوئے میں حویلی کے راستے کے سامنے سے گزرتا' مجھے حویلی اور ڈیرے کے درمیان رکنا تھا۔ مجھے اصل میں حیرت یہ تھی کہ ملک سجاد نے آتے ہی مجھ پر حملہ کیوں نہیں کروایا؟ اس سوال کا جواب تو مجھے گاؤں ہی میں مل گیا تھا کہ اس کے بندے مارے گئے تھے۔ اگر رندھاوا مجھے پیرزادوں کے حملے کے بارے میں نہ بتاتا تو میرے ذہن میں کئی دوسرے خیال آتے چلے جا رہے تھے۔ اب پورا منظر میرے سامنے واضح تھا۔ میں نے ساری احتیاط ایک طرف رکھی اور پکی سڑک پر سیدھا چلتا چلا گیا۔ حویلی کی طرف جانے والے راستے پر کوئی نہیں تھا۔ پھر چند ہی منٹوں میں ہم حویلی اور ڈیرے کے درمیان جا رکے' بائیک بند ہونے سے ایک دم سناٹا چھا گیا۔

''دلبر! تو سمجھ گیا ہے نا کہ میں کیا چاہتا ہوں۔''

''اچھی طرح.....'' وہ میرے اشاروں سے بات سمجھ گیا تھا۔

''تو نے سامنے نہیں آنا' پھر جیسے ہی میں کہوں نکل جانا ہے' باقی تم خود سمجھدار ہو۔'' میں نے اپنے طور پر اسے سمجھایا اور پکی سڑک کے دوسری جانب چلا گیا۔ میں نے اپنے پسٹل نکالے' میگزین دیکھے اور پوری طرح تیار ہو گیا۔ میری جیکٹ میں دو دستی بم تھے' جو میں خصوصی طور پر چھت سے اٹھا کر لایا تھا۔

ہمیں وہاں بیٹھے ہوئے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ ڈیرے کی طرف سے ایک دم فائرنگ ہونا شروع ہو گئی۔ رات کے سناٹے میں فائرنگ کی آواز بہت دور دور تک سنائی دینے لگی تھی۔ میں اپنی جگہ جما رہا کس طرف سے کتنی گولیاں چلی' یہ تو نہیں کہا جا سکتا تھا لیکن تقریباً تیس منٹ تک یہ فائرنگ ہوتی رہی' پھر ایک دم سے خاموشی چھا گئی۔ تقریباً پانچ منٹ بعد اکا دکا فائر کی آواز آنے لگی۔ میں نے اس طرف توجہ نہ دی' بلکہ اب میں حویلی کے عقب میں اس راستے کو دیکھ رہا تھا جو ڈیرے اور حویلی کے درمیان انتہائی مختصر راستہ تھا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ وہاں سے ملک سجاد ضرور باہر نکلے گا۔ کیونکہ میں سرداروں کی فطرت سے واقف تھا۔ ان میں سے کسی نے نہیں نکلنا تھا۔ ملک سجاد تو آیا ہی مجھے ختم کرنے کے لیے تھا۔ لمحہ لمحہ مجھ پر بھاری ہو رہا تھا۔ اچانک گیٹ کھلا اور اس میں سے ہائی ایس ڈالا برآمد ہوا۔ اس کے پیچھے ایک اور بڑی فور وہیل آ چکی تھی۔ دونوں تیزی سے آگے بڑھیں اور لمحہ بہ لمحہ آگے آنے لگیں۔ دلبر بائیک سمیت دوسری سمت چھپ چکا تھا اور میں پوری طرح تیار تھا۔ میں نے دونوں پسٹل نکال لیے اور فور وہیل جیپ کی روشنی میں' آگے والی گاڑی کے پیچھے ٹائر کا نشانہ لیا' جیسے ہی وہ رینج میں آیا میں نے فائر داغ دیا۔ ایک دھماکا ہوا اور ٹائر پھٹ گیا' میں نے انتظار نہیں کیا' دوسری گاڑی کے ٹائروں کا نشانہ لیا' یکے بعد دیگرے دو دھماکے ہوئے۔ گاڑیاں ہچکولے کھاتی ہوئی رک گئیں۔ ان کی ہیڈ لائٹس جلتی رہیں۔ یہی ان سے بہت بڑی غلطی ہو گئی تھی۔ ان کی طرف سے اندھا دھند فائرنگ شروع ہو گئی تھی۔ میں ایک پیڑ کے پیچھے تھا' فوراً اوپر چڑھ گیا۔ ملگجی روشنی میں ان کے ہیولے دکھائی دے رہے تھے۔ میں ایک دو شاخے پر جم کر بیٹھ گیا اور پھر فائر کر کر ایک ایک کو مارنے لگا۔ انہیں اب تک میری پوزیشن کا اندازہ اس لیے نہیں ہو پا رہا تھا کہ وہ فائر ہونے کی سمت پہچان ہی نہیں کر پا رہے تھے۔ اور میں نے انہی چند لمحوں کا فائدہ اٹھانا تھا۔ یہاں پر دلبر نے بہت سمجھداری سے کام لیا' اس نے دوسری طرف سے اچانک دو فائر کیے اور اپنی جگہ تبدیل کر لی۔ وہ الجھن کا شکار ہو گئے' اچانک ان کی طرف سے فائرنگ ہونا بند ہو گئی۔ اب میرے لیے یہاں ٹکے رہنا بہت خطرناک تھا۔ میں تیزی سے اترا اور زمین کے ساتھ لگ کر ساکت ہو گیا۔ چند لمحے یونہی پڑا رہنے کے باعث ان کی طرف سے حرکت ہوئی اور پھر سے اندھا دھند فائرنگ ہونے لگی۔

تب میں نے ایک بڑا رسک لینے کا سوچ لیا۔ میں نے دستی بم کی پن کھینچ لی اور پھر تاک کر بم ان کی طرف پھینک دیا۔ چند لمحوں بعد ہی ایک دھماکا ہوا' تیز چیخوں کے ساتھ ہی لمحہ بھر میں ایک اور دھماکا ہو گیا۔ آگے والی فور وہیل جیپ پھٹ گئی تھی۔ وہاں تیز روشنی ہو گئی' موٹا سا ایک شخص پوری قوت سے بھاگا' نجانے کیوں میرے ذہن میں یہ آیا کہ یہی ملک سجاد ہو سکتا ہے۔ میں بھی اس کی تاک میں بھاگا' تین چار بندے اس کے ساتھ بھاگ رہے تھے۔ شاید وہی بچے تھے۔ ممکن ہے ان کے ذہن میں یہ ہو کہ دوسری گاڑی بھی پھٹ سکتی ہے اور پھر ہوا بھی ایسے ہی اچانک ہی ہائی ایس ڈالا گاڑی ایک زور دار دھماکے سے پھٹ گئی۔ میں نے بھاگتے ہوئے ان بندوں پر فائرنگ کرنا شروع کر دی۔ اس بار انہیں فائر کی سمت کا اندازہ ہو گیا۔ انہوں نے جلدی میں پوزیشن لے لی' مگر تب تک میں دو کو ڈھیر کر چکا تھا۔ اب صرف دو بندے تھے۔ ایک وہی موٹا سا بندہ اور دوسرا اپنے حلیے ہی سے کوئی گارڈ دکھائی دے رہا تھا۔ میں کوئی لمحہ ضائع کیے بغیر اس گارڈ کا نشانہ لے لیا۔ جیسے ہی اس موٹے بندے کو اندازہ ہوا کہ وہ تنہا رہ گیا ہے' اس نے بھاگنا چاہا' مگر میں نے اس کی ٹانگوں کا نشانہ لیا۔ وہ گر گیا' میں نے آخری میگزین بدلا اور اس کے قریب چلا گیا۔ میں نے اندھیرے میں اسے سیدھا کیا اور پوچھا۔

''ملک سجاد..... اپنی آخری خواہش بتاؤ۔''

''کک..... کون ہو تم.....'' اس نے لرزتے ہوئے خوف زدہ لہجے میں پوچھا۔

''تمہاری موت..... بڑے دعوے کیے تھے نا تم نے.....'' میں نے لفظ چباتے ہوئے کہا۔

''میں ہار مانتا ہوں' میں ابھی یہاں سے چلا جاؤں گا' باقی تمہاری مرضی.....'' اس نے کہا تو میں نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

''جاؤ.....! بھاگ جاؤ' اگر بھاگ سکتے ہو' موت کوئی سزا نہیں ہے' جب بھی تمہارے ساتھ کچھ ہو گا' تجھے میں یاد آؤں گا' جاؤ بھاگ جاؤ.....''

اس نے اٹھنے کی کوشش کی' مگر نہیں اٹھ سکا' اس نے رحم طلب نگاہوں سے میری طرف دیکھا اور بولا۔

''مجھے بچا لو.....''

''نہیں' انسان کو بچایا جاتا ہے' سانپ کو نہیں..... جو برس ہا برس دودھ پلانے والے کو بھی ڈنک مار دیتا ہے..... اب تمہاری قسمت' میں جا رہا ہوں.....'' میں نے کہا اور تیزی سے اس طرف بڑھا جہاں میں نے دلبر کو چھوڑا تھا' مجھے اندازہ ہی تھا' میں جب وہاں پہنچا تو' یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہ زخمی حالت میں پڑا تھا' اندھا دھند فائرنگ میں اسے کوئی گولی لگ گئی تھی۔

''دلبر.....! اوئے دلبر..... ہوش کر.....''

''میں..... میں..... ٹھیک ہوں.....'' اس نے بڑے حوصلے سے کہا تو میں نے اسے تیزی سے اٹھا لیا' اس کی گن نجانے کدھر تھی' میں نے بائیک کے پاس پہنچ کر کہا۔

''حوصلہ رکھنا دلبر..... اور مجھے پکڑ کر بیٹھے رہنا' بس گاؤں تک پہنچ جائیں۔''

''تو فکر نہ کر.....'' اس نے کراہتے ہوئے کہا' میں نے اسے احتیاط سے بٹھایا' اور پھر بائیک بڑھا دی۔

❁ ..... ❁ ..... ❁

صبح کی روشنی ہر طرف پھیل چکی تھی۔ جسپال اور ہر پریت نے ساری رات آنکھوں میں کاٹ دی تھی۔ وہ کچھ دیر تک چھت پر رہے پھر نیچے کمرے میں آ گئے۔ انوجیت نے کچھ بندے بلوا لیے تھے' وہی رات بھر پہرہ دیتے رہے۔ انوجیت نے فون پر ہی تھانے میں اطلاع دے دی تھی مگر وہاں سے کوئی بھی نہیں آیا تھا۔ پھر ان تینوں نے فیصلہ کیا کہ وہ خود تھانے

جائیں گے' ان کی جیپ رات ہی سے وہیں کھڑی تھی۔ اس وقت میں اپنی کار میں بیٹھ کر نکل رہے تھے' کلجیت کور انہیں افسردہ نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ جسپال نے ایک نگاہ ان پر ڈالی اور پھر ہلکے سے مسکراتے ہوئے ہاتھ ہلایا اور انوجیت کے ساتھ پسنجر سیٹ پر بیٹھ گیا۔ تب اس نے کار بڑھا دی۔ ان کا رخ تھانے کی طرف تھا۔ راستے میں انہوں نے اپنی جیپ کو دیکھا' اس کا اگلا حصہ ہی ڈسٹرب ہوا تھا۔ باقی سب ٹھیک تھا۔ وہ تینوں جیپ دیکھتے ہوئے خاموش رہے۔ انوجیت نے کار آگے بڑھائی' جبکہ جسپال ان جگہوں کو دیکھنے لگا جو اس کی سمجھ کے مطابق رات اس نے بھاگ دوڑ میں پار کی تھی۔ عجیب طرح کا تاثر اس کے اندر پھیل گیا تھا' جس میں غصہ' نفرت اور انتقام کی شدت زیادہ تھی۔ وہ اپنے طور پر سوچنے لگا تھا کہ اب اس نے کیا کرنا ہے' دشمن تو اس تک پہنچ گیا ہے' یہی سوچتے ہوئے وہ تھانے کے گیٹ پر جا پہنچے۔ کار ایک طرف پارکنگ میں لگانے کے بعد وہ تینوں اس پرانی سی عمارت کے اندر چلے گئے۔ انوجیت کو معلوم تھا کہ جس پولیس آفیسر سے ملنا ہے' وہ کہاں بیٹھتا ہے' وہ تینوں اردلی کی پروا کیے بغیر کمرے میں چلے گئے۔ یہ وہی کمرہ تھا جہاں چند دن پہلے جسپال آیا تھا لیکن اب وہاں کرسی پر ایک نیا پولیس آفیسر براجمان تھا۔ وہ ایک اسمارٹ نوجوان تھا۔ شاید اس کی پہلی تعیناتی ہی یہاں ہوئی تھی۔ اس نے ان تینوں کی طرف غور سے دیکھا' اور ان کے بیٹھنے سے پہلے ہی بولا۔

''کون ہیں آپ لوگ..... اور کیسے آنا ہوا؟''

''آپ کا قصور نہیں آفیسر..... لگتا ہے آپ نے پولیس کی نوکری ابھی جوائن کی ہے۔'' جسپال نے کہا اور کرسی پر اس کے سامنے بیٹھ گیا تو وہ دونوں بھی ادھر ادھر کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

''میں سمجھا نہیں اور نہ ہی آپ نے میرے سوال کا جواب دیا ہے۔'' اس آفیسر نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''رات بھر آپ کو فون کرتے رہے' لیکن فون سن لینے کے بعد بھی کوئی ہماری مدد کو نہیں پہنچا۔'' جسپال نے قدرے اکھڑ لہجے میں کہا۔

''رات.....'' اس نے سوچتے ہوئے کہا۔ ''مجھے اس کا علم نہیں۔'' یہ کہہ کر اس نے میز پر پڑی گھنٹی بجائی تو فوراً ہی اردلی آ گیا۔ ''ست پال کو بلاؤ۔''

''یس سر.....'' یہ کہہ کر اردلی واپس مڑ گیا تو وہ جسپال کی طرف دیکھ کر بولا۔

''آپ بتائیں؟''

تبھی جسپال نے انتہائی اختصار کے ساتھ رات والے واقعے کے بارے میں بتا دیا۔ وہ بڑے غور سے سنتا رہا پھر جب جسپال کہہ چکا تو اسی دوران ست پال اندر آ گیا۔ یہ وہی شخص تھا' جس نے جسپال کو فارم بھرنے کے لیے دیا تھا۔ ست پال نے ساری بات سمجھ کر کہا۔

''سر' رات تھانے میں ایک بندے کے سوا کوئی دوسرا نہیں تھا۔ وہ اکیلا کہاں جاتا؟''

''لیکن مجھے اب تک بتایا نہیں گیا؟''

''میں بتانے والا ہی تھا جی۔'' وہ منمناتے ہوئے بولا۔

''ٹھیک ہے' ایف آئی آر درج کرو' باقی میں دیکھتا ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ جسپال کی طرف متوجہ ہو کر بولا۔ ''میں ابھی موقع دیکھتا ہوں' آپ پلیز.....''

اس نے کہا تو جسپال اٹھ گیا۔ انہیں ابتدائی رپورٹ لکھواتے کچھ دیر ہو گئی' اس سے فراغت کے بعد وہ وہاں سے چل دیے۔ وہ سمجھ گئے کہ یہاں مزید رکنا بے کار ہو گا۔

''اب کیا پروگرام ہے' ان کا انتظار کرنا ہے؟'' انوجیت نے کار میں بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

''یہ لوگ پتا نہیں کب آئیں گے' تو حویلی کی طرف چل' دیکھیں کام کتنا مکمل ہوا ہے' میں چاہتا ہوں کہ جتنی جلدی مکمل ہو جائے اتنا ہی بہتر ہے۔''

تب انوجیت نے کار کا رخ اس طرف کر لیا' کچھ ہی دیر بعد وہ اس چوک میں پہنچ گئے' جس کے ایک کونے میں ان کی حویلی تھی اور وہاں بہت ساری مزدور کام کر رہے تھے' کچھ ہی دیر بعد ٹھیکیداران کے پاس آ گیا۔ وہ کچھ دیر کام سے متعلق باتیں کرتے رہے' جسپال ابھی وہیں پر تھا کہ اس کا سیل فون بج اٹھا۔ اس نے اسکرین دیکھی' وہ وینکوور سے فون تھا۔ اس نے ریسیو کر کے ہیلو کہا تو دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

''آپ کمپیوٹر کے پاس ہیں؟''

''ابھی تو نہیں؟'' اس نے جواب دیا۔

''تو پھر آپ فوراً کمپیوٹر پر آئیں۔'' دوسری طرف سے کہا گیا اور اس کے ساتھ ہی فون بند کر دیا گیا۔ اس کے دماغ میں الارم بج گیا تھا۔ سو اس نے ٹھیکیدار سے اپنی بات سمیٹی اور واپسی کے لیے مڑ گیا۔

''اتنی جلدی۔'' ہرپریت نے پوچھا۔

''ہاں' ابھی بتاتا ہوں۔'' اس نے دور کھڑے انوجیت کو اشارے سے چلنے کا کہا اور کار کی جانب بڑھ گیا۔

جس وقت وہ پکی سڑک سے' گھر جانے والی کچی سڑک پر آئے تو کچھ پولیس والوں کے ساتھ پولیس آفیسر بھی کھڑا تھا۔ انہیں دیکھتے ہی جسپال نے کہا۔

''انوجیت' تم ذرا انہیں ڈیل کرنا' میرا گھر پہنچنا ضروری ہے۔''

''ٹھیک ہے۔'' یہ کہہ کر اس نے کچھ فاصلے پر کار روک دی' انوجیت اتر گیا تو اس نے ڈرائیونگ سنبھال لی' پھر وہ وہاں نہیں رکا اور سیدھا گھر چلا گیا۔ کار سے اترتے ہوئے اس نے کسی حد تک حیران ہرپریت کی طرف دیکھ کر کہا۔

''تم ایسا کرو' چائے کی تیز پیالی بنا کر اوپر میرے کمرے میں آ جاؤ' فوراً۔''

''کیا جوتی سے نہ کہہ دوں۔'' اس نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے کہا' تب تک وہ اندر کی جانب چل دیا تھا۔

''جو تم مناسب سمجھو۔'' یہ کہتے ہوئے وہ سیڑھیاں چڑھ گیا۔ وہ اپنے کمرے میں پہنچا' لیپ ٹاپ اٹھایا اور اسے آن کر کے صوفے پر بیٹھ گیا۔ وینکوور سے اس کا خاص دوست جسمیندر سنگھ ڈھلوں آن لائن تھا۔

''ہاں بولو!'' اس نے کہا۔

''تمہیں رویندر سنگھ کے بارے میں معلومات چاہیے تھیں نا۔''

''ہاں' تو.....'' وہ تیزی سے بولا۔

''وہ میں نے تمہیں میل کر دی ہیں تصویروں اور نقشوں کے ساتھ..... پڑھنے کے بعد ڈیلیٹ کر دینا اور باقی میں نے امرتسر میں سارا سیٹ اپ کر دیا ہے' بس تمہیں وہاں پہنچنے کی تاریخ بتانا ہوگی' باقی سارا انتظام وہ کر دے گا۔''

''میں آج ہی نکلوں گا' اور رات کے کسی پہر وہاں پہنچ جاؤں گا' یا ممکن ہے شام سے پہلے.....'' اس نے جوش بھرے لہجے میں کہا' جس میں کافی حد تک غصہ چھلک رہا تھا۔

''تو ٹھیک ہے' میں تمہیں ایک نمبر بھیج دیتا ہوں' امرتسر جاتے ہی رابطہ کرنا' اور اس بندے پر آنکھیں بند کر کے اعتماد کرنا' وہ بہت بھروسے مند ہے' تم نہیں جانتے اس کی آدھی سے زیادہ فیملی ادھر ہے' جسمیندر سنگھ نے اسے پورے اعتماد سے بتایا۔

''ٹھیک' بھیجو نمبر.....''

''اور ہاں' یہ سب کچھ میں نے اسی سے حاصل کیا ہے' میرے پاس محفوظ ہے' جب چاہے دوبارہ بھیج دوں گا۔ لیکن تم کوئی

رسک نہ لینا۔''

''اوکے' میں سمجھ گیا۔'' جسپال نے تیزی سے کہا۔ پھر کچھ وقت تک ان میں آپس کی دوستوں اور فیملی کے بارے میں باتیں ہو رہی تھیں کہ ہرپریت آ گئی۔ تبھی اس نے اسے اپنے ساتھ بیٹھنے کا اشارہ کیا تو وہ بیٹھ گئی۔ چند منٹوں بعد جسمیندر آف لائن ہو گیا۔ تبھی اس نے اپنا ان بکس کھولتے ہوئے کہا۔

''ہرپریت..... میں ابھی کچھ دیر بعد امرتسر جا رہا ہوں۔''

''کیوں' اکیلے ہی.....'' اس نے حیرت سے پوچھا۔

''ہاں' اکیلے ہی' کیا تم جانا چاہو گی میرے ساتھ..... اور جہاں تک کیوں کا سوال ہے' وہ تمہیں ابھی بتا دیتا ہوں۔''

اس وقت تک ان بکس کھل گیا تھا اور ایک میل پر اس نے کلک کر دیا' اگلے ہی لمحے اس کے سامنے ایک صفحہ کھل گیا' جس میں تصویروں کے ساتھ رویندر سنگھ کے بارے میں تفصیلات بتائی گئی تھیں۔

''اوہ..... یہ کیا.....'' ہرپریت کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

''جان گئی ہو' میں امرتسر کیوں جا رہا ہوں.....؟''

''یہ بھی تو دیکھو' جسی' اتنا پروٹوکول' اتنے باڈی گارڈ' اور یہ محل نما گھر..... تم یہ سب اکیلے کیسے کر لو گے.....''

''واہ گرو پر بھروسہ رکھو ہرپریت..... سب ہوگا' یہی تو کرنے آیا ہوں۔'' اس نے ان تصویروں کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ اس کی پوری توجہ اسکرین پر تھی اور اس میں دی گئی معلومات کو ذہن نشین کر رہا تھا۔

''تو پھر..... جسی..... میں تمہارے ساتھ جاؤں گی.....'' اچانک ہرپریت نے کہا تو وہ چونک گیا۔

''کیا کہا تم نے.....؟'' وہ کسی حد تک حیرت سے بولا تو وہ اس کی طرف دیکھ کر قدرے افسوس بھرے لہجے میں بولی۔

''میں نے کسی غیر زبان میں تو بات نہیں کی۔ میں نے وہی کہا ہے جو تو نے سمجھا ہے۔''

''ہرپریت' یہ کوئی بحث نہیں ہے' اور میں کسی سیر پر نہیں جا رہا' نجانے حالات کیسے ہوتے ہیں اور میں.....'' اس نے سمجھانا چاہا تو وہ کھڑے ہوتے ہوئے بولی۔

''مجھے یہ بتاؤ جانا کب ہے' میں اپنے طور پر تیار ہو جاؤں۔''

''اوکے.....! لیکن کلجیت پھوپھو کو تم نے خود جواب دینا ہے' میں نے نہیں۔'' اس نے ایک دم سے کہا تو وہ سنے بغیر کمرے سے نکلتی چلی گئی۔ جسپال اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا' پھر اسکرین کی طرف متوجہ ہو گیا۔

دوپہر ڈھلنے والی تھی جب وہ اوگی پنڈ سے نکلے۔ کلجیت کور نے انہیں بڑی دعائیں دے کر وداع کیا تھا۔ انوجیت انہیں جالندھر تک چھوڑنے گیا تھا۔ وہاں سے آگے وہ بس کے ذریعے جانا چاہتے تھے۔ وہ تینوں خاموش تھے اور اسی خاموشی میں وہ جالندھر جا پہنچے۔ بس اسٹینڈ پر جب وہ سامان اتار چکے تو جسپال نے انوجیت سے بغل گیر ہوتے ہوئے کہا۔

''چل اب تو جا' شام ہونے سے پہلے پہلے اوگی واپس پہنچ جا' اپنا اور بے بے کا بہت خیال رکھنا۔''

''اور تم بھی.....'' انوجیت نے گرم جوشی سے کہا پھر ہرپریت سے ملا اور گاڑی میں بیٹھ کر واپس چلا گیا۔ امرتسر جانے والی بس تیار تھی۔

رات کا پہلا پہر ختم ہونے کو تھا' جب وہ امرتسر پہنچ گئے۔ رستے ہی میں اسے جسمیندر کے دیئے ہوئے نمبر پر کال کی تھی۔ وہاں سے ایک لڑکی نے کال ریسو کی۔ وہ اسے جانتی تھی اور بس اسٹینڈ پر ہی ملنے کو کہا تھا۔ وہ بس سے اتر کر ارد گرد نگاہیں دوڑا رہے تھے کہ جسپال کا سیل فون بج اٹھا۔ اس نے اسکرین پر وہی نمبر دیکھا اور کال ریسو کر لی۔ تبھی ہیلو کے جواب میں لڑکی نے کہا۔

''آپ نے سیاہ پتلون پر نیلی دھاری والی سفید شرٹ پہنی ہے نا؟ اور ساتھ میں کاسنی رنگ کے.....''

''ہاں.....ہاں.....'' اس نے جواب دیا۔

''تو میں آپ کے بالکل سامنے کھڑی ہوں۔ میں نے سیاہ سوٹ پہنا ہوا ہے' سفید شرٹ پر ٹائی.....''

''میں نے دیکھ لیا۔'' جسپال نے کہا اور سامنے کان کے ساتھ فون لگائے لڑکی کو ہاتھ سے اشارہ کیا' وہ ان کی طرف بڑھ آئی اور پھر گرم جوشی سے ہاتھ ملاتے ہوئے شستہ انگریزی میں بولی۔

''میں کرن جیت کور' آپ مجھے کرن پکار سکتے ہیں۔ امرتسر میں آپ کو خوش آمدید کہتی ہوں۔'' پھر ہرپریت سے ہاتھ ملا کر بہت پیار سے کہا۔ ''بہت خوب صورت ہیں آپ..... آئیں چلیں۔''

یہ کہتے ہی وہ کسی روبوٹ کی مانند پلٹی اور پھر چلتی چلی گئی' وہ اپنا سامان اٹھا کر کچھ فاصلے پر کھڑی فوروہیل جیپ میں جا بیٹھے' ڈرائیونگ سیٹ پر ایک صحت مند نوجوان بیٹھا ہوا تھا' جس کا صاف رنگ' تیکھے نقوش' کلین شیو اور چہرے پر بلا کی سنجیدگی تھی۔ کرن اور ہرپریت پچھلی نشست پر بیٹھ گئیں۔ جسپال پسنجر سیٹ پر بیٹھ گیا تو اس نے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

''کمل ویر سنگھ ہوں' آپ میرے پاس ہی آئے ہیں۔''

جسپال نے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

''مطلب' آپ میزبان ہیں۔''

''جی اور کرن مجھ سے بھی بڑھ کر آپ کی میزبان ثابت ہوگی۔'' اس نے دھیمی مسکراہٹ کے ساتھ کہا پھر بیک مرر میں ہرپریت کی طرف دیکھ کر بولا۔ ''آپ ہرپریت ہیں نا.....'' یہ کہتے ہوئے اس نے گیئر لگا دیا۔

''ہاں' کیا تم جانتے ہو مجھے.....؟'' اس نے پوچھا۔

''ابھی کچھ دیر پہلے جسمیندر نے بتایا تھا' خیر' اچھا ہے' میری اور کرن کی موجودگی میں جسپال کو بوریت نہیں ہوگی۔'' اس نے اشارے میں کہا اور پھر ہلکا سا قہقہہ لگا کر ہنس دیا پھر جسپال سے مخاطب ہو کر بولا۔ ''وہ سب کمپیوٹر سے صاف کر دیا تھا نا۔''

''بالکل اور ہم نے کب.....'' وہ کہنا چاہ رہا تھا کہ کمل ویر نے کہا۔

''یہ باتیں ہم گھر جا کر کریں گے' ابھی تو آپ امرتسر کو سمجھئے اور اسے دیکھنے کی کوشش کریں' بڑا تاریخی شہر ہے۔''

''کیا تم نہیں سمجھتے ہو؟'' جسپال نے پوچھا۔

''میں تو نہ جانے کب کا سمجھ چکا' اگر فقط میں نے ہی سمجھنا ہوتا نا تو آپ کو یہاں بلانے کی ضرورت کیا تھی۔'' اس کے لہجے میں گہری سنجیدگی تھی۔

''چلیں گھر جا کر سمجھ لیتے ہیں۔'' اس نے کہا اور خاموش ہو گیا۔

کمل ویر تیزی سے جیپ بھگائے لیے جا رہا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ ایک پوش علاقے میں تھا۔ وہاں جدید طرز پر گھر بنے ہوئے تھے۔ یوں دکھائی دے رہا تھا کہ جیسے یہاں امیر طبقے کے لوگ ہی رہائش پذیر ہیں۔ پھر ایک موڑ مڑنے کے بعد کمل ویر نے کہا۔

''جسپال' غور سے دائیں طرف دیکھو' رویندر سنگھ کا گھر پہچان لو گے نا۔''

''ہاں' وہ رہا سامنے.....'' اس نے ایک گھر پر نگاہ ٹکاتے ہوئے کہا تو کمل ویر بولا۔

''ایک نظر ہی دیکھ پاؤ گے..... ہم نے یہاں رکنا نہیں۔''

''اوکے.....!'' یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گیا' لیکن اس کے اندر ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ ابھی

اترے اور دندناتا ہوا اندر گھس جائے' سامنے ہی کہیں رویندر سنگھ ملے اور وہ اپنے پسٹل کی ساری گولیاں اس کے بھیجے میں اتار دے۔ مگر یہ محض خیال تھا' اس نے اپنا سر جھٹکا اور سامنے دیکھنے لگا۔

''جسپال جی.....! جو دل چاہے کرنا' ہم بھی یہیں اور یہ بھی یہیں۔'' کمل ویر نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ تب وہ دھیرے سے مسکرا دیا۔

اس پوش علاقے سے نکلنے کے بعد' کچھ دیر بعد وہ ایک ایسے علاقے میں جا پہنچے' جہاں ابھی اتنی آبادی نہیں ہوئی تھی۔ بڑے بڑے گھر تھے' لیکن ابھی کئی زیر تعمیر تھے۔ ایک ہو کا عالم تھا' چاندنی کے ساتھ برقی قمقموں سے بہت حد تک روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ وہ ایک قلعہ نما گھر کے سامنے رک گئے' جلد ہی گیٹ کھول دیا گیا تو جیپ سمیت پورچ میں جا رکے۔

''یہ لیں جی' ہمارا گھر آ گیا۔'' کمل ویر نے کہا اور اتر گیا۔ وہ سب بھی اتر کر اندر کی جانب چل دیے۔ پہلے پہل تو یوں لگا جیسے ان کے علاوہ کوئی ہے ہی نہیں' پھر دھیرے دھیرے کچھ ملازم اور ملازمائیں نظر آنا شروع ہو گئیں' جو لفظوں سے زیادہ اشارے سمجھتے تھے۔ ''یہاں کسی قسم کا بھی تکلف نہیں' آپ اپنے کمرے سے ہو آئیں' پھر ڈنر کرتے ہیں۔''

جسپال نے سر ہلایا تو کرن انہیں لے کر کمرے کی طرف چلی گئی۔ شاہانہ انداز میں سجایا گیا کمرہ ان کا منتظر تھا۔

''کیسا لگا تمہیں کمل اور کرن..... مطلب..... ڈبل کے.....'' ہرپریت نے ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''اچھا..... بہت اچھا..... باقی اس کا کام دیکھ کر.....'' جسپال نے محتاط انداز میں کہا اور پھر واش روم کی جانب بڑھ گیا۔

نہایت پرتکلف ڈنر کے بعد جب برتن اٹھائے جانے لگے تو وہ چاروں ڈرائنگ روم میں آ گئے۔ کمل ویر نے اپنا لیپ ٹاپ کھول لیا پھر دیسی ہی معلومات کا صفحہ نکال کر بولا۔

''یہ ہے رویندر سنگھ کا گھر..... آج وہ یہاں نہیں دہلی میں ہے' لیکن اس کا پتر..... ہردیپ سنگھ آج ادھر ہی ہے' ورنہ یہ اپنے باپ کے ساتھ ہی ہوتا ہے' اس کی پتنی اور بیٹا بھی یہیں ہیں۔ ابھی ہم یہاں سے کچھ دیر بعد نکلیں گے۔''

''واؤ..... ابھی.....'' ہرپریت کے منہ سے بے ساختہ نکلا تو کمل اور کرن نے چونک کر اس کی طرف دیکھا' پھر چند لمحے دیکھتے رہنے کے بعد وہ پھر اسکرین پر دیکھ کر بولا۔

''یہ اس کے گھر کا نقشہ ہے۔'' پھر ایک جگہ نشاندھی کر کے بولا۔ ''یہاں سے ہم نے اندر جانا ہے' ہمارے لیے جو سب سے اچھی بات ہے وہ یہ کہ اس عمارت میں کتے نہیں ہیں۔ ہردیپ سنگھ کو کتے پسند نہیں ہیں' اس لیے اس نے اپنی سیکیورٹی پر بندے زیادہ لگائے ہوئے ہیں۔ یہ عمارت میں داخل ہونے کا بہترین پوائنٹ ہے۔'' اس نے ماؤس کے تیر سے ایک جگہ کی نشاندہی کرتے ہوئے کہا۔ پھر اس کے ساتھ ہی وہ پلان کی تفصیلات بتانے لگا جسے چند منٹ تک سبھی نے خاموشی سے سنا' تبھی جسپال نے سب کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''تو پھر کب چلنے کا ارادہ ہے؟''

''بس ابھی کچھ دیر بعد.....! مجھے ایک فون کال کا انتظار ہے۔'' کرن نے کمل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''اوکے.....!'' وہ گردن ہلاتے ہوئے بولا تو ہرپریت اٹھ کر اندر چلی گئی۔ چند منٹ تک ان میں خاموشی رہی پھر بوریت سے اکتاتے ہوئے جسپال پلان کے مختلف پہلوؤں پر بات کرنے لگا۔ اتنے میں ہرپریت پلٹ آئی۔ اس نے بلیو جین اور سیاہ ٹی شرٹ پہنی ہوئی تھی' اپنی زلفیں کس کر پونی کی صورت میں باندھ لی تھیں۔ ٹی شرٹ کے اوپر اس نے ایک جیکٹ پہنی تھی جو سلیولیس تھی۔ پاؤں میں گرے جاگر' وہ پوری طرح تیار دکھائی دے رہی تھی۔ سبھی نے ایک نگاہ اسے دیکھا' ممکن نے کوئی تبصرہ ہوتا لیکن ایسے میں کرن کا فون بج اٹھا۔ ہیلو کے بعد وہ کچھ دیر سنتی رہی' پھر اوکے کہہ کر فون بند کر دیا۔

''ہردیپ سنگھ' اپنی پتنی اور بیٹے کے ساتھ' اس وقت اوپر والے پورشن میں موجود ہے' وہ ان کے ساتھ بیٹھا ایک دلچسپ

انڈین فلم دیکھ رہا ہے' جو زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹہ مزید چلے گی۔''

''سیکیورٹی کی کیا پوزیشن ہے؟'' کمل نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''وہ تو وہی ہے' رہائش گاہ کے سامنے کی طرف ڈرامہ کرنا ہوگا۔'' کرن نے کہا۔

''اوکے.....! آؤ چلیں۔'' کمل نے کرسی پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا تو وہ سبھی اٹھ گئے۔

وہ ایک ہی جیپ میں نکلے تھے۔ لیکن دو تین چوراہوں کے بعد دو کاروں نے ان کا پیچھا کرنا شروع کر دیا تھا۔ یہ انہی کے ساتھ تھے۔ تقریباً آدھے گھنٹے کی ڈرائیونگ کے بعد وہ اس پوش علاقے میں پہنچ گئے۔ تبھی کمل نے بڑبڑانے والے انداز میں کہا۔

''جسپال۔! یہاں کچھ کرنا اتنا مشکل نہیں ہے لیکن کر کے فرار ہونا بہت مشکل ہے' اس لیے کسی کا انتظار کیے بغیر جسے نکلنے کا چانس ملتا ہے' وہ نکل جائے۔''

سب نے سن لیا' مگر بولا کوئی نہیں' وہ کچھ فاصلے پر کھڑی سیکیورٹی گارڈز کی ایک گاڑی کو دیکھ رہے تھے۔ اگلے چند منٹ میں وہ اس رہائش گاہ پر پہنچ گئے۔ کمل نے وہاں گاڑی نہیں روکی بلکہ سڑک کے ساتھ ہی ٹرن لے لیا' اور عمارت کی پچھلی طرف جا کر رک گئے۔ اسٹریٹ لائٹ ہر جانب روشن تھی۔ انہوں نے گاڑی رکتے ہی چشم زدن میں ادھر ادھر دیکھا اور باؤنڈری وال کے ساتھ لگ کر بیٹھ گئے۔ اس طرف جھاڑی نما پودے اور چھوٹے پھول دار درخت تھے۔ چند لمحے دبکے رہنے کے بعد کمل کھڑا ہوا۔ کرن بھی اس کے ساتھ کھڑی ہوگئی۔ کمل نے اپنے ہاتھ جوڑ کر پیٹ کے ساتھ لگائے۔ کرن نے اس پر پاؤں رکھا اور خاردار تاروں کے تلے چار دیواری پر ہاتھ کو مضبوطی سے جمایا۔ دوسرے ہاتھ سے کٹر نکالا' پھر بڑی احتیاط سے لوہے کی تار کاٹ دی۔ ایک لمحے کے لیے وہ ساکت ہوگئی۔ انہیں بتا دیا گیا تھا کہ خاردار تاروں میں بجلی کی رو کو بند کر دیا گیا ہے لیکن پھر بھی احتیاط ضروری تھی۔ تار کٹتے ہی الارم بجتے تو سارا معاملہ ہی ٹھپ ہو جاتا۔ مگر کچھ نہ ہوا' اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ اندر کی معلومات درست ہیں۔ تبھی کرن نے ہولے سے کہا۔

''اوکے.....کٹ گئی۔''

''گارڈ.....'' کمل نے ہلکے سے پوچھا۔

''سامنے تو نہیں ہیں۔'' اس نے سرگوشی میں کہا۔

''چلو پھر.....'' اس نے کہا تو کرن اُچک کر اوپر اٹھ گئی۔ اسی لمحے جسپال اور ہرپریت نے بھی ایسا ہی کیا۔ ہرپریت اوپر پہنچ گئی۔ اس وقت تک دونوں چار دیواری کی دوسری طرف کود گئی تھیں' جب کمل نے جسپال کو اوپر چڑھنے میں مدد دی' جسپال دیوار پر چپک کر لیٹ گیا اور اس نے ایک بازو سے کمل کو سہارا دیا۔ وہ آناً فاناً پیر جماتا' اوپر اٹھ گیا۔ اس سارے عمل میں ایک سے دو منٹ صرف ہوئے اور وہ چار دیواری کی دوسری طرف دبک کر بیٹھے ہوئے تھے۔

اسی اثنا میں دو کاروں کے ٹائروں کے چرچرانے کی تیز آواز گونج اٹھی۔ پلان یہی تھا کہ رہائش گاہ کے سامنے دو کاریں آمنے سامنے یوں رکیں گی جیسے حادثہ ہو جانے والا ہو پھر دونوں طرف سے لوگ اتر کر ایک دوسرے کے ساتھ گتھم گتھا ہو جائیں گے' یہاں تک کہ اسلحہ نکل آئے گا' یہی وہ وقت تھا جب ہم نے اپنے طور پر ہردیپ سنگھ تک پہنچنے کی کوشش کرنی تھی۔

وہ رہائشی عمارت کا پچھلا حصہ تھا۔ اس طرف گارڈز ہونے چاہیے تھے لیکن وہ اس وقت موجود نہیں تھے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ ادھر نہ آئیں گے۔ ایک بڑے سارے برآمدے میں اندر کی طرف ایک دروازہ تھا اس کی حالت سے لگتا تھا کہ وہ بند ہی رہتا ہوگا' جس کمرے میں متوقع طور پر ہردیپ موجود تھا' اس کے ساتھ ہی ایک لوہے کا پائپ

اوپر تک جاتا تھا' جسپال تیزی سے اس پائپ پر چڑھنے لگا' جبکہ کمل اور کرن اسی دالان میں تاریکی کا حصہ بن گئے' نیچے ہرپریت کور کھڑی تھی' جسپال کو اوپر پہنچے میں زیادہ سے زیادہ ایک منٹ لگا ہوگا' وہ کھڑکی تک پہنچ گیا۔ باہر کی طرف سے لوگوں کے ہلکے ہلکے شور کی آوازیں آنے لگی تھیں جو یقیناً وہاں پر بہت اونچی ہوں گی۔ جسپال نے کھڑکی میں سے دیکھا' سامنے ٹی وی چل رہا تھا۔ اس کے سامنے پڑے صوفے پر ایک مرد' عورت اور بچے کی گردنیں دکھائی دے رہی تھیں۔ بلاشبہ کھڑکی کا شیشہ ٹوٹنے سے آواز پیدا ہونی تھی۔ مگر یہ رسک اسے لینا تھا۔ اس کے ساتھ اندر کی طرف تو شیشہ تھا' لیکن باہر لوہے کی مضبوط جالی تھی' جسے وہ فوراً کاٹ نہیں سکتا تھا۔ یہی اس کی راہ میں رکاوٹ تھی' ورنہ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ اندر جا کر خود اپنے ہاتھوں سے ہردیپ سنگھ کا گلا دبا دے' پھر اس پر مٹی کا تیل چھڑک کر اپنی آنکھوں سے اس کے جلنے کا تماشہ کرے' اس کے پاس اپنی ان خواہشوں کو پورا کرنے کے لیے وقت نہیں تھا۔ اس نے آناً فاناً شیشہ توڑ دیا۔ جس سے اندر بیٹھے ہوئے لوگوں نے چونک کر کھڑکی کی طرف دیکھا' اس کے سامنے ہردیپ سنگھ تھا جو حیرت سے کھڑکی کی جانب دیکھ رہا تھا' اس سے پہلے کہ وہ کچھ سمجھتا اور کسی پناہ میں چھپ جاتا' اس نے ٹریگر پر انگلی رکھ دی' یکے بعد دیگرے تین فائر ہوئے' ایک فائر اس کے چہرے پر لگا تھا جس سے خون کے فوارہ ابل پڑا تھا' وہ مزید وہاں رکنا نہیں چاہتا تھا' وہ فوراً نیچے کی جانب لپکا' کھڑکی میں سے چیخنے چلانے اور کراہوں کی آوازیں آنے لگی تھیں۔

اس وقت تک کمل دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ کرن نے اپنا پاؤں اس کے ہاتھوں پر رکھا اور چار دیواری پر جا پہنچی' ایسا ہی ہرپریت نے کیا' پھر جسپال اور آخر میں کمل نے اسے اوپر اٹھا لیا' چشم زدن میں وہ چاروں دیوار کے پار تھے۔ رہائشی عمارت کے اندر بھگدڑ مچ چکی تھی۔ ایک کہرام تھا جو اٹھ گیا تھا۔ اب ان کے پاس ایک ایک لمحہ قیمتی تھا۔ وہ چاروں تقریباً ایک ہی وقت میں بیٹھے تھے۔ چابی اگنیشن میں تھی' کمل نے سٹارٹ کے لیے چابی گھمائی' انجن جاگتے ہی اس نے گاڑی بھگا دی۔ وہ اس پوش کالونی کا مین گیٹ بند ہو جانے سے پہلے وہاں سے نکل جانا چاہتا تھا' ورنہ گاڑی چھوڑ کر گلیوں اور دکانوں کے راستوں میں سے نکلنا تھا اور یہ انتہائی درجے کا رسک تھا۔ وہ کالونی میں کہاں تک بھاگتے' کرن' ہرپریت اور جسپال ہتھیار لیے بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ پکڑے جانے سے زیادہ' لڑنا زیادہ پسند کرتے تھے۔ دو تین موڑ مڑنے کے بعد سامنے مین گیٹ تھا' کمل نے رفتار دھیمی کر لی' رہائشی کالونی کے اس گیٹ پر سیکیورٹی گارڈ بھی زیادہ تھے۔

''جسپال' ذرا سا رسک بھی نہ لینا' اگر انہوں نے روکنے کی کوشش بھی کی تو اُڑا دینا۔'' کمل نے دانت بھینچتے ہوئے کہا۔ اس کی پوری توجہ ڈرائیونگ پر تھی۔ تبھی ان کی نگاہ گیٹ کے باہر والی طرف پڑی' جہاں ان کے پیچھے آنے والی کاروں کے لوگ کھڑے تھے۔ وہ کسی بھی ہنگامی صورتحال ہی کے لیے تھے' وہ لوگ اپنا ڈرامہ ختم کر کے کالونی سے باہر آ چکے تھے۔ اس وقت کالونی سے نکلنے والے مین گیٹ کا فاصلہ تقریباً دو گز رہا ہوگا' جب ایک طرف بنے ہوئے سیکیورٹی گارڈز کے کیبن سے ایک شخص تیزی سے نکلا' اس کے کان کے ساتھ سیل فون لگا ہوا تھا۔ اس نے چیخ کر کہا۔

''روکو.....روکو.....اس گاڑی کو روکو.....''

کمل نے ایک دم سے اسپیڈ بڑھا دی' اگلے ہی لمحے وہ گیٹ سے باہر تھے۔ جس وقت وہاں موجود گارڈز سمجھتے' وہ گیٹ پار کر چکے تھے۔ جیپ کو انتہائی خطرناک انداز میں دائیں جانب موڑا تو فائرنگ کی آواز آئی' دونوں سیاہ کاریں چل پڑی تھیں۔ بلاشبہ اب نہ صرف ان کا تعاقب کیا جانا تھا' بلکہ پورے امرتسر کی پولیس ان کی تلاش میں نکل پڑنے والی تھی۔ تقریباً پندرہ منٹ کی ڈرائیو کے بعد وہ رنجیت ایونیو کے گول چکر کے پاس آ گئے' تبھی کمل نے گاڑی کو ٹرن دیا اور ایک بڑی ساری شاپ کے سامنے جیپ روک لی' پھر ہنستے ہوئے بولا۔

''شریف لوگوں کی طرح اپنے اپنے ہتھیار چھپا کر باہر نکلو' فوراً۔'' یہ کہتے ہوئے' اس نے گاڑی بند کی اور اتر کر یوں

دکان کی جانب چل پڑا جیسے اسے کوئی جلدی نہ ہو وہ وقت ضائع کرنے کے لیے آیا ہے' اتنے میں وہ بھی اس کے پاس آ گئے تو اس نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔ ''اس شاپنگ مال کے اندر ہی اندر سے دوسری جانب نکلنا ہے۔ کرن اور ہر پریت الگ ہو جاؤ' کسی ٹیکسی میں بیٹھو..... رابطہ ہو جائے گا۔'' وہ شاپنگ سینٹر کی اندر چلے گئے' دونوں لڑکیاں یوں دکھائی دے رہی تھیں جیسے ان کے ساتھ کوئی مرد نہیں ہے' بظاہر مطمئن دکھائی دینے والے' تیزی سے دوسری طرف کے راستے کی جانب بڑھ رہے تھے۔ جسپال نے یونہی پیچھے مڑ کر دیکھا' ایک پولیس گاڑی ان کی جیپ کے پاس آ کر رک گئی تھی۔

''کمل نکلو۔'' اس نے بے ساختہ کہا' اور قدم بڑھا دیئے۔ دوسری جانب ٹیکسیاں اور رکشے کھڑے تھے۔ انہیں دیکھتے ہی ایک رکشے والا ان کے قریب آ گیا۔ وہ لپک کر اس میں بیٹھ گئے۔

''کدھر جانا ہے باؤ جی۔''

''جہاں اچھی سی فلم لگی ہو.....'' کمل نے تیزی سے اُکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔ یہ سنتے ہی وہ چل پڑا۔ کمبل نے تیزی سے ایس ایم ایس کرن کو بھیج دیا۔ مگر ان کی طرف سے کوئی جواب نہیں ملا' وہ دونوں کسی حد تک پریشان ہو گئے۔ تبھی اس نے کرن کو فون کر دیا۔

''کدھر ہو۔'' رابطہ ہوتے ہی اس نے پوچھا۔

''ٹیکسی میں بیٹھ کر نکل پڑے ہیں۔'' کرن نے جواب دیا۔

''ٹھیک ہے۔'' اس نے یہ کہہ کر فون بند کر دیا۔

رکشا کچھ دیر تک چلتا رہا' تبھی کمل نے اس سے کہا۔

''اوئے یار..... کدھر لے کر جا رہا ہے کچھ بتاؤ تو.....''

''باؤ جی' دوسرا شو تو شروع ہو گیا ہوگا' میں اب تک سوچ رہا ہوں کہ آپ کو کدھر لے جاؤں'

''چل پھر تو ایسا کر ہمیں کسی کھانے پینے والی دکان پر چھوڑ' اور تو جا.....'' اس نے ایک قریب آتی ہوئی مارکیٹ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ رکشے والے نے انہیں وہاں چھوڑ دیا' اور آگے بڑھ گیا۔ وہ مارکیٹ میں چلے گئے' کچھ دیر ٹہلنے کے بعد جسپال نے کہا۔

''اب چلیں' رات گہری ہو رہی ہے' زیادہ رسک نہ لیں۔''

''اب ہم نے ادھر نہیں جانا' بلکہ جب تک کسی نئے ٹھکانے کے بارے میں کرن نہ بتا دے' اب ہم نے ادھر نہیں جانا۔''

''وہ کیوں.....؟'' اس نے پوچھا۔

''وہ اس لیے کہ ہماری جیپ پکڑی گئی ہے' اگرچہ وہ چوری کی تھی لیکن دو دن سے وہ میرے استعمال میں تھی۔ لوگوں نے دیکھا ہے.....'' کمل نے ہنستے ہوئے کہا۔

''وہ گھر.....'' جسپال نے حیرت سے پوچھا تو وہ ہنستے ہوئے بولا۔

''چوکیدار جانے اور وہ گھر..... ایسے کئی ٹھکانے مل جاتے ہیں' وہاں سے اپنا سامان شفٹ ہو چکا ہوگا۔''

''واہ.....! کیا پلاننگ ہے۔''

''پچھلے دو ہفتے سے جسمیندر بائی جی نے میرے ذمے یہ کام لگایا ہوا ہے' میں نے.....'' لفظ اس کے منہ ہی میں تھے کہ اس کا سیل فون بج اٹھا' دوسری جانب کرن تھی' اس نے کالونی اور گھر کا نمبر بتا دیا اور پہنچ جانے کو کہا' تبھی فون بند کر کے بولا۔ ''لو بائی جی' ٹھکانہ مل گیا' چلیں۔'' یہ کہہ کر اس نے ادھر ادھر دیکھا' ایک ٹیکسی پکڑی اور وہ دونوں اس میں بیٹھ گئے۔

وہ ایک اوسط درجے کے سرکاری ملازمین کی کالونی تھی۔ وہاں پہنچ کر لگ رہا تھا کہ جیسے یہ تا حد نگاہ پھیلی ہوئی ہے' جلد ہی

وہ اپنے مطلوبہ نمبر والے دکان پر پہنچ گئے' کمل نے ٹیکسی چھوڑ دی' پھر کرن سے کنفرم کیا' وہ بالکونی میں آ گئی' کچھ دیر بعد وہ کمرے کے اندر تھے۔ دوسری منزل پر قدرے سکون تھا اور کافی حد تک خاموشی۔ انہوں نے جوتے اتارے اور پلنگ پر دراز ہو گئے۔

''ہر پریت کدھر ہے؟'' جسپال نے پوچھا تو وہ واپس پلٹتے ہوئے بولی۔

''کچن میں ہے' ہم نے راستے میں کچھ کھانے پینے کے لیے لے لیا تھا۔'' یہ کہہ کر وہ کمل ویر کی جانب دیکھ کر بولی۔

''ہم نے یہاں نہیں رہنا' اس لیے سونا نہیں' ہم نے صبح ہونے سے پہلے یہاں سے نکلنا ہے۔'' یہ کہہ کر وہ چلی گئی۔

''او کے میم صاحب۔'' کمل ویر نے کہا اور سامنے پڑا ٹی وی چلا دیا۔ دو چار چینل بدلتے ہی اس کا مطلوبہ چینل مل گیا۔ نیوز کاسٹر پورے جوش و جذبے کے ساتھ ایک ایم ایل اے کے بیٹے کے قتل کی خبر کے ساتھ اس کی جزئیات بتا رہی تھی۔ پس منظر میں کھڑکی سے دیوار کی کٹی ہوئی تاریں' صوفے پر خون کے دھبے' مین گیٹ والے گارڈ کا بیان' غم زدہ بیوی اور بیہوش بچہ دکھایا جا رہا تھا۔ کچھ دیر بعد رویندر سنگھ دکھایا گیا' وہ کہہ رہا تھا۔

''میں ابھی اس قتل کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا' مجھے اور میرے بیٹے کو کئی دنوں سے دھمکیاں مل رہی تھیں۔ یہ کسی کھاڑکو (دہشت گرد) گروپ کی کارروائی لگتی ہے' میں انہیں بتا دینا چاہتا ہوں کہ نہ ہم بکنے والے ہیں اور نہ جھکنے والے' اپنے دیش کے لیے ہم قربان ہو جانے کا جذبہ رکھتے ہیں.....''

''بند کر اس بہن.....'' جسپال سنگھ نے غصے میں کہا تو کمل ویر نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا اور پھر ٹی وی بند کرتے ہوئے بولا۔

''یار.....! میں یہ سمجھنے کی کوشش کر رہا ہوں کہ ملزموں کی تلاش کس سطح پر کی جا رہی ہے اور مزید آگے کس ٹریک پر تلاش ہوگی۔''

''تمہاری سوچ سے بھی زیادہ۔'' جسپال نے کہا

''کیوں.....؟'' اس نے حیرت سے پوچھا۔

''میں نے کمیشن کے دو بندے بھی پھڑکائے ہوئے ہیں' اور وہ.....'' جسپال نے کہنا چاہا تو وہ حیرت سے بولا۔

''اوہ..... اس کا مطلب ہے مجھے بھی اسی سطح پر سوچنا ہوگا۔'' یہ کہہ کر وہ چند لمحے سوچتا رہا' پھر ہنستے ہوئے بولا۔ ''اوہ واہ یار..... میں بھی پاگل ہوں..... جتنا پروٹوکول نظر آئے گا' اتنا ہی پھنسیں گے۔ تو چل سکون سے دو دن آرام کر..... پھر دیکھی جائے گی۔''

یہ لفظ کرن نے سن لیے تھے' وہ کھانا لے کر آئی تھی' اس لیے بولی۔

''کچھ بھی ہے یہاں سے نکلنا ہے' ادھر کی عورتیں بڑی کن سوئی رکھتی ہیں' فی الحال کھانا کھائیں' آؤ ہر پریت۔''

''لیکن میں کچھ اور سوچ رہا ہوں۔'' جسپال نے کہا۔

''کیا.....؟'' کمل ویر نے پوچھا۔

''یہیں کہ ابھی یہاں سے نکل جاؤں' ورنہ اوگی میں وہ انوجیت کو تنگ کریں گے۔ اور یہ امرتسر میرے لیے چوہے دان بن سکتا ہے۔'' جسپال نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ چند لمحے سوچتا رہا پھر بولا۔

''کہاں جاؤ گے۔''

''نکو دریا پھر دہلی.....'' جسپال نے حتمی انداز میں کہا تو وہ بولا۔

''چل ٹھیک ہے' پہلے کھانا کھا' پھر سوچتے ہیں۔''

وقار عظیم
پاکستانی پوائنٹ ڈاٹ کام

وہ چاروں کھانے کے لیے بیٹھ گئے اور ان کے درمیان خاموشی آن ٹھہری۔

❀ ..... ❀ ..... ❀

دلبر کا خون بہت زیادہ بہہ گیا تھا۔ اس کی حالت بہت نازک ہو رہی تھی' اس کا ہسپتال پہنچ جانا بہت ضروری تھا۔ مگر گاؤں میں اطلاع دینا بھی ضروری تھا۔ میں نے ایک لمحے کے لیے فیصلہ کیا کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔ میں نے ہسپتال جانے کو ترجیح دی۔

''اوئے دلبر.....! حوصلہ رکھنا' میں تجھے ہسپتال لے جا رہا ہوں۔ ذرا سا وقت لگ جائے گا۔''

''اوئے نہیں اوئے.....تو مجھے گاؤں لے چل' سمجھ کہانی مک گئی ہے' ہسپتال لے کر میری لاش.....''

''اوئے حوصلہ رکھ.....''

''نہیں.....جمالیا' نہیں.....تجھے نہیں پتہ.....'' دلبر نے اکھڑے ہوئے لہجے میں کہا اس وقت تک میں گاؤں جانے والی کچی سڑک پر آ گیا تھا۔ میں نے فیصلہ کر لیا کہ چند کلومیٹر کے فاصلے پر موجود ہسپتال میں دلبر کو لے کر جاؤں گا۔ میں اسے بے رحمی سے بے بسی کی موت نہیں مرنے دینا چاہتا تھا۔ میں نے تڑپ کر کہا۔

''دلبر.....! میرے ویر بس' ذرا سا دم لے.....میں تجھے ہسپتال ضرور لے جاؤں گا' میرے ویر بس ذرا سا حوصلہ۔''

''چل تو کر لے.....کوشش.....'' اس نے بے دم ہوتے ہوئے کہا اور میں نے بائیک کی اسپیڈ بڑھا دی۔ میں ابھی کچھ ہی آگے گیا تھا کہ سڑک کے ایک طرف مجھے کچھ موٹر سائیکل کھڑے ہونے کا شک ہوا۔ میں ٹھٹک گیا' اگر دشمن ہوئے تو مجھے بھی یہیں ڈھیر کر دیں گے' اور اگر زندگی ہوئی تو میرا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ میں نے رفتار کم نہیں کی اور زن سے ان کے پاس سے گزر گیا۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ بائیک میرے پیچھے لگ چکے ہیں۔ دلبر نے یقیناً پیچھے مڑ کر دیکھا تھا' اس لیے بولا۔ ''چند موٹر سائیکل والے.....ہمارے.....پیچھے.....ہیں.....''

''آنے دو.....بس تو قابو ہو کر بیٹھ.....'' میں نے سنی ان سنی کرتے ہوئے کہا لیکن حیرت یہ تھی کہ ابھی تک کسی نے فائر نہیں کیا تھا۔ میں اگر ان کی جگہ ہوتا تو اب تک بائیک گرا لیتا۔ بہرحال میں اپنی پوری توجہ سامنے رکھے ہوئے تھا' اور قصبے کے ہسپتال پہنچ گیا۔ میں نے بائیک روکی تو دلبر ایک طرف لڑھک گیا۔ میرا دل دھک سے رہ گیا۔ میں نے بائیک کو ایک طرف پھینکا اور دلبر کو قابو میں کر لیا۔ آس پاس کوئی نہیں تھا' جو میری مدد کرتا' میں نے اسے قابو کیا اور وہیں زمین پر لٹا دیا۔ اتنے میں موٹر سائیکلوں کی روشنی ہم پر پڑی' میں دیکھ ہی نہ سکا کہ دلبر کیسا ہے؟

''اوئے کیا ہو گیا اس کو.....'' چھاکے نے چیخ کر کہا تو میرے حواس ایک دم سے بحال ہو گئے' دشمنی والی لہر ایک دم سے ختم ہو گئی تھی۔ جس وقت تک وہ اتر کر میرے قریب آتے' میں نے اس کی نبض دیکھی جو بہت آہستہ چل رہی تھی۔

''اوئے دیکھو' یہاں کوئی بندہ ہے؟''

فوراً ہی وہ سب اردگرد پھیل گئے۔ ایک نے میرے ساتھ دلبر کو اٹھایا اور اسے قریب پڑے ایک بینچ پر لٹا دیا' اس کے خون سے میرے بدن پر چپچپاہٹ ہونے لگی تھی۔ کچھ ہی دیر بعد ایک ڈسپنسر آنکھیں ملتا ہوا اندر سے نکلا' پھر یوں ایک بندے کو خون میں لت پت دیکھ کر حواس باختہ سا ہو گیا۔ اس نے جلدی سے چوکیدار کو آواز دی' پتا نہیں کیا نام لیا تھا اس نے' وہ بھاگتا ہوا آیا تو ڈسپنسر نے کہا۔

''ڈاکٹر صاحب کو بلا کر لاؤ فوراً ایمرجنسی ہے۔''

وہ بھاگتا ہوا رہائشی کوارٹر کی طرف چلا گیا۔ میرے اندر ایک دم سے بے چینی اتر آئی تھی۔ دلبر' موت اور زندگی کی دہلیز پر پڑا تھا۔ اب ڈاکٹر آنے میں پتا نہیں کتنا وقت لگاتا ہے' میں نے اس بے چینی میں قریب کھڑے چھاکے سے کہا۔

''تم وہاں کیسے.....؟''

''تمہیں آنے میں بڑی دیر ہو گئی تو میں نے تمہارے پیچھے جانے کے لیے ان کو ساتھ لیا اور گاؤں سے باہر آ گیا۔ ابھی یہاں پہنچے ہی تھے کہ حویلی کے پیچھے فائرنگ کا سن کر یہاں رک گئے' ابھی مجھے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ قصبے کی طرف جاؤں یا پھر حویلی کی طرف.....اتنے میں بائیک دکھائی دی' اندھیرے میں پتا نہیں چلا کہ کون ہے' جب تو بالکل سامنے سے گزرا تو پتا چلا' بس پھر تیرے پیچھے پیچھے یہاں تک آ گئے۔''

''اچھا ہو گیا.....لیکن مجھے لگتا ہے ڈاکٹر پولیس کیس کا بہانہ کر کے اس کو ہاتھ نہیں لگائے گا۔'' میں نے بے چینی اور بے یقینی میں کہا تو وہ بولا۔

''پھر کیا کریں.....''

''تو کسی طرح جا اور رندھاوے کو یہاں لے آ..... اسے صورت حال بتا دینا' کوئی اور ہو تو کہنا راستے میں ڈکیت پڑ گئے تھے۔'' میں نے سوچ کر سمجھاتے ہوئے کہا۔

''میں سمجھ گیا۔'' یہ کہہ کر وہ تیزی سے اپنے موٹر سائیکل کی جانب بڑھا' تب تک ڈاکٹر تیزی سے آتا ہوا دکھائی دیا۔ اس نے دلبر کو ایک نگاہ سے دیکھا اور کہا۔

''مریض کو آپریشن تھیٹر میں لاؤ فوراً۔''

''تم نے.....جلدی آنا ہے۔'' میں نے چھاکے کو ایک دم رکتے ہوئے دیکھ کر کہا۔ باقی سب نے دلبر کو اٹھایا اور آپریشن تھیٹر میں جا لٹایا۔ ڈسپنسر آکسیجن سلنڈر لے آیا تو ڈاکٹر نے پوچھا۔

''ہوا کیا ہے' اتنا خون.....''

''میں اور یہ ادھر سے اپنے گاؤں جا رہے تھے۔ راستے میں ڈکیت پڑ گئے' بس انہوں نے گولیاں ماری ہیں' اب پتا نہیں.....'' میں نے تیزی سے کہا تو ڈاکٹر نے میری حالت پر ایک نگاہ دوڑائی' وہ تجربہ کار شخص لگتا تھا' ادھیڑ عمر تھا' اب پتا نہیں میری بات کا یقین کیا تھا یا نہیں' تاہم وہ تیزی سے اپنا کام کرنے لگا۔ کچھ دیر بعد دلبر کی سانس بحال ہونے لگیں تھیں۔ اس نے تیزی سے ایک کاغذ پر کچھ دوائیں وغیرہ لکھ کر دیں' اور کہا۔

''یہ کسی نہ کسی طرح لے آئیں' رات اگرچہ کافی ہو گئی ہے ممکن ہے کوئی ایک دوکان ابھی کھلی ہو۔''

میں نے کاغذ کا پرچہ لیا اور اپنے دو ساتھیوں کو دیتے ہوئے کہا۔

''فوراً لے آؤ۔ دیر نہیں کرنی۔''

انہوں نے کاغذ پکڑا اور آناً فاناً چلے گئے۔

تقریباً ایک گھنٹے کے بعد دلبر کی حالت بحال ہو گئی۔ اسے دو گولیاں لگی تھیں۔ تب تک ڈاکٹر اس کے ساتھ مصروف رہا۔ اتنے میں ایک پولیس والا اے ایس آئی' وہاں آ گیا۔ اس کے ساتھ دو سپاہی تھے۔ وہ بھی ڈاکٹر کے انتظار میں تھے۔ کچھ دیر بعد وہ باہر آیا اور مجھے دیکھ کر بولا۔

''بلاشبہ مریض کی یہ اپنی قوت مدافعت تھی کہ وہ اب تک زندہ ہے ورنہ خون بہت بہہ گیا ہے' ایک تو خون کا فوری بندوبست چاہیے.....دوسرا خدشہ ہے کہ اس کے بدن میں زہر کا اثر ہو جائے.....اس لیے جس قدر جلدی ممکن ہو سکے' اسے ضلعی ہسپتال میں لے جائیں۔ وہاں سہولتیں ہیں' یہاں نہیں ہیں۔''

''ایمبولینس تو ملنے سے رہی۔'' میں نے بڑبڑاتے ہوئے کہا پھر ڈاکٹر کی طرف دیکھ کر کہا۔ ''آپ خون لے لیں' تب تک کچھ نہ کچھ ہو جائے گا۔''

''ٹھیک ہے۔'' اس نے کہا اور واپس پلٹ گیا۔ چھاکا آ گیا تھا' تبھی مجھے پولیس والوں کا خیال آیا تو میں نے اے ایس آئی سے پوچھا۔

''رندھاوا صاحب' وہ کہاں ہیں؟''

''پتہ نہیں جی' وہ کچھ دیر پہلے آپریشن کے لیے نکلے ہیں۔ آپ رپورٹ وغیرہ لکھوائیں چل کر تھانے میں.....''

''مجھے اس وقت گاڑی چاہیے..... جو مریض کو لے کر ضلعی ہسپتال جائے' رپورٹ تو رندھاوا صاحب آئیں گے تو لکھواؤں گا۔'' میں نے کافی حد تک غصے میں کہا' جس پر پولیس والے نے مجھے گھور کر دیکھا' میں سمجھ رہا تھا کہ اس وقت اس کی کیا حالت ہوگی' میں نے کوئی پروا نہیں کی۔

''ٹھیک ہے وہ آ جائیں تو لکھوا دینا رپورٹ۔'' وہ یہ کہتا ہوا واپس مڑ گیا۔ میں نے اس کی پروا نہیں کی۔ سبھی اپنا اپنا خون ٹیسٹ کروانے چل دیئے تھے لیکن ہمارا ایک دوست موٹر سائیکل لے کر ہسپتال سے باہر چلا گیا۔ مجھے سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ اچانک کیوں نکلا ہے۔

مشرقی افق پر سرخی نمودار ہونے کو تھی' جب پوری کوشش کے باوجود دلبر کا سانس اکھڑنے لگا۔ میرا وہ دوست جو اچانک نکلا تھا' وہ ایک کار لے کر آ گیا تھا' اس کا کوئی دوست قصبے میں تھا' ڈاکٹر پوری تندھی کے ساتھ اس کی زندگی بچانے میں مصروف تھا' خون بھی دستیاب ہو گیا تھا' لیکن دلبر کی سانسیں قابو میں نہیں آ رہی تھیں۔ اچانک اس کے جسم کے سارے روم کھل گئے تھے' ایک ایک روم کانٹے کی مانند کھڑا ہو گیا' اور پھر اس کی گردن ایک جانب ڈھلک گئی۔ میرے اندر دکھ کی ایک شدید لہر سرایت کر گئی۔ مجھے وہ جیتا جاگتا دلبر یاد آنے لگا جس نے کچھ ہی دیر قبل آگ اور خون کی ہولی کھیلی تھی' میری آنکھوں کے گوشے نم ہو گئے۔

''سوری یار.....!'' ڈاکٹر نے میرے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

''میں سمجھتا ہوں ڈاکٹر۔ آپ نے بہت کوشش کی' لیکن اس کی زندگی نہیں تھی۔''

میں نے بھیگے ہوئے لہجے میں کہا تو ایک بار پھر سے میرا کاندھا تھپکا کر ڈاکٹر چلا گیا۔ ہم نے انتہائی دکھ سے ایک دوسرے کی جانب دیکھا' پھر میں چھاکے کو اس کی نعش اٹھانے کا اشارہ کر کے باہر نکلتا چلا گیا۔

اس وقت سورج نکل چکا تھا جب ہم گاؤں نورنگر واپس پہنچے۔ دلبر کے مرجانے کی اطلاع آناً فاناً پورے گاؤں میں پھیل گئی۔ ہم نے جس وقت میت ان کے گھر جا کر رکھی تو ایک کہرام مچ گیا۔ میرے کپڑوں اور بدن پر خون جم کر رہ گیا تھا' میں نے چھاکے کو اشارہ کیا اور گھر سے باہر نکل آیا۔

''بولو' کیا بات ہے۔'' اس نے میرے قریب آ کر پوچھا۔

''اس کی آخری رسومات کا اچھی طرح انتظام کرو' رقم ہے کچھ.....''

''ہاں ہے.....'' اس نے جواب دیا۔

''میں کپڑے بدل کر آتا ہوں۔ رات کے واقعہ کی سن گن لے' ملک سجاد کو میں نے رات شدید زخمی کر دیا تھا۔ اب معلوم نہیں' وہ کدھر ہے۔'' میں نے اس کے چہرے پر دیکھتے ہوئے کہا۔

''اس کا بھی پتا چل جائے گا' تم جاؤ اور جلدی سے واپس آ جاؤ۔'' چھاکے نے کہا تو میں نے اپنی بائیک لی اور گھر کی طرف چل دیا۔

گیٹ کھلا ہوا تھا اور میں بائیک سمیت اندر چلا گیا۔ صحن کے ایک کونے میں بائیک کھڑی کی اور لاشعوری طور پر ماں کو دیکھنے لگا' وہ مجھے کہیں دکھائی نہیں دیں۔ میں نے دل ہی دل میں اسے اچھا خیال کیا کہ یوں خون میں لت پت کپڑے

دیکھ کر ممکن ہے وہ گھبرا جاتیں' اگرچہ ایسا کبھی ہوا نہیں تھا کہ ماں صبح ہی صبح کسی کے گھر جائے' ممکن ہے دلبر کا سن کر کہیں آس پڑوس میں چلی گئی ہوں۔ میں نے جلدی سے نہانے اور کپڑے بدلنے کی سعی کی' تاکہ جب تک ماں آئے میں ان کپڑوں سے نجات لے لوں' میں نے الماری سے کپڑے نکالے اور باتھ روم میں گھس گیا' کچھ دیر بعد میں نہا دھو کر تازہ دم ہو گیا۔ اس وقت میں آئینے کے سامنے کھڑا کنگھا کر رہا تھا' جب چھاکا گھر میں داخل ہوا۔

''تو کیوں آ گیا ہے۔ میں ابھی آ ہی رہا تھا۔'' میں نے اونچی آواز میں کہا اور کنگھا رکھ دیا۔

''وہ رندھاوا صاحب آئے ہیں۔'' وہ دور ہی سے بولا اور باہر والا کمرے کھولنے چلا گیا۔ میں بھی وہیں چلا گیا۔ کچھ دیر بعد چھاکا باہر جا چکا تھا اور ہم دونوں آمنے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔

''یار.....! رات کمال کر دیا تو نے۔ اتنی جلدی کر دیا سب کچھ..... میں تو سوچ رہا تھا کہ دو چار دن لگ جائیں گے۔''

''بس دیکھ لیں' قسمت نے یاوری کی ہے..... مجھے دلبر کا بہت افسوس ہے' وہ رات میرے ساتھ تھا۔'' میں نے روہانسا ہوتے ہوئے کہا۔

''خیر.....! یہ تو قسمت کی بات ہے' اب سن' وہ شدید زخمی ہے اور اسے شہر لے گئے ہیں۔ اب پتا نہیں اس کا کیا بنا ہے۔ رات میری شاہ دین سے بات ہو گئی تھی' اس نے سارا واقعہ ہی الٹ دیا ہے اور نامعلوم ڈکیتوں پر ڈال دیا ہے۔ یہی کچھ تم نے کہا۔''

''تو پھر.....!'' میں نے پوچھا۔

''پھر کیا..... وہ سب تو یہاں نہیں ہیں' شاہ دین بھی بہت ڈرا ہوا ہے' ہوسکتا ہے وہ آج دن میں کسی وقت یہاں سے چلا جائے' شاہ زیب کافی نڈر ہے' میں نے اس کی طرف سے شک وشبہ لے لیا ہے۔ پیرزادوں کے خلاف' آج ان کی پکڑ دھکڑ کروں گا۔''

''ملک سجاد سے کوئی بات نہیں ہوسکی' مطلب' آپ نے اسے دیکھا بھی نہیں۔'' میں نے پوچھا۔

''نہیں نا..... خیر.....! تم اپنا بیان دے دو..... میں وقوعہ کا وقت اس سے پہلے لکھ دوں گا' جو انہوں نے لکھوایا ہے۔ اب دو چار دن کچھ نہیں کرنا' بس پیرزادوں کی پکڑ دھکڑ ہوگی تو وہ تڑپیں گے' دو دن بعد میں تمہیں بتاؤں گا کہ اب گیم کیا بنی ہے۔''

''لیکن ملک سجاد مرا نہیں ہے نا..... اس کا مجھے افسوس رہے گا۔'' میں نے جان بوجھ کر کہا۔

''اوئے اچھا ہے یہ..... زخم چاٹے گا۔ اور ادھر نورنگر میں دلبر کا قتل بھی پیرزادوں کے کھاتے میں ڈالنے کی افواہ پھیلانی ہے۔ بس..... باقی دو دن بعد.....'' رندھاوے نے سمجھاتے ہوئے کہا اور پھر اٹھتے ہوئے بولا۔ ''اب چلتا ہوں..... ادھر آ کر اپنا بیان لکھوا دینا۔''

''کوئی چائے وائے تو.....'' میں نے پوچھا۔

''پھر کبھی سہی۔'' یہ کہہ کر وہ تیزی سے نکل گیا۔ میں وہیں بیٹھا چند لمحے اس صورت حال پر غور کرتا رہا' پھر اٹھ کر باہر صحن میں آ گیا۔ میرے پیٹ میں بھوک نے ہلچل مچائی ہوئی تھی لیکن اماں ابھی تک واپس نہیں آئی تھی۔ بھیدے نے ابھی تک ناشتہ بھی نہیں پہنچایا تھا۔ میں گرم ہوتے ہوئے دماغ کے ساتھ باہر جانے کے لیے بائیک نکالی' تبھی سامنے گھر والی ماسی ناراں تیزی سے اندر آئی وہ خاصی گھبرائی ہوئی تھی۔

''او جمالے..... کدھر جا رہا ہے.....؟''

''دلبر کے گھر' کیوں خیر تو ہے' اتنی پریشان دکھائی دے رہی ہے۔''

''اب پتا نہیں' اس بات پر پریشان ہونا چاہیے یا نہیں' لیکن رات کے پچھلے پہر' ایک بڑی ساری جیپ ادھر آ کر رکی تھی' میں اس وقت جاگ رہی تھی۔ تمہاری ماں نے دروازہ کھولا تھا' وہ جیپ باہر ہی کھڑی رہی۔

''پھر.....!'' میں نے تیزی سے پوچھا۔

''کچھ دیر بعد' جب حویلی کی طرف شدید فائرنگ ہوئی تھی' اس وقت تیری ماں اور وہ لڑکی' جو چند دن پہلے تیرے پاس آئی تھی' وہ جیپ میں بیٹھ کر چلی گئیں۔''

''کیا کہہ رہی ہو ماسی تم.....'' میں نے تقریباً چیختے ہوئے کہا تو وہ ایک دم سے گھبرا گئی' پھر تیزی سے بولی۔

''میں نے پوچھا تھا کہ اچانک اس وقت کہاں جا رہی ہو؟''

''پھر کیا کہا.....'' میں نے بائیک سے اترتے ہوئے پوچھا تو اس نے ہاتھ میں ایک مڑا تڑا کارڈ میری طرف بڑھایا اور بولی۔

''اس لڑکی نے کہا تھا کہ یہ کارڈ جمال کو دے دینا۔ یہ لو.....''

میں نے وہ کارڈ تیزی سے پکڑا' اس پر کسی ڈانس پارٹی کا پتہ درج تھا۔ پشت پر ایک سیل فون نیلے رنگ کی بال پن سے گھسیٹا ہوا تھا' مجھے ایک دم سے اپنی دنیا اندھیر ہوتی ہوئی معلوم ہوئی' ایک طرف مجھے اپنی ماں پر غصہ آ رہا تھا کہ وہ مجھ سے پوچھے بغیر کیوں چلی گئی' اور دوسری طرف میں سوہنی کی اس حرکت پر پاگل ہو رہا تھا' میں ایک دم سے باہر جانے کے لیے لپکا کہ اچھو کریانے والے کی دکان پر جا کر سوہنی کو فون کروں لیکن پھر ٹھٹک گیا' کیا مجھے ایسا کرنا چاہیے یا نہیں؟ ماسی مختاراں واپس جا چکی تھی۔ میں سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ سوہنی نے ایسا کیوں کیا؟ میرا دماغ ایک دم سے ماؤف ہو گیا تھا۔

❀.....❀.....❀

یہ خوف بھی عجیب شے ہوتی ہے۔ جس شخص کے اندر وارد ہو جائے' اس کے دشمنوں کو مزید شہہ دینے کا فائدہ دے دیتا ہے۔ کیونکہ خوف کا اظہار چہرے ہی سے نہیں عمل سے بھی ظاہر ہوتا ہے اور دشمن اس کا فائدہ اٹھا لیتا ہے' یہی خوف اگر نہ رہے تو دشمن پر فتح کی طرف آخری قدم تک حوصلہ برقرار رہتا ہے اور پھر محض خوف کا تاثر کبھی کبھی منافقت کو بے نقاب کرنے میں انتہائی مدد دیتا ہے۔ منافق فقط اس وقت شہہ پکڑتا ہے جب اسے یقین ہو جائے کہ جس کے بارے میں وہ محض' عناد کے ساتھ سازش تیار کر رہا ہے' وہ خوف زدہ ہے' خوف زدہ ہونے کا یقین ہوتے ہی وہ کھل کر اپنی پوری خباثت کے ساتھ سامنے آ جاتا ہے' کیونکہ منافق بنیادی طور پر بزدل ہوتا ہے' بزدلی ہی کمینگی کو شہہ دیتی ہے۔

جسپال نے ایک دم سے محسوس کیا کہ مکمل ویرانجانے میں اسے خوف زدہ کرتا چلا جا رہا ہے۔ وہ پورے خلوص کے ساتھ اسے بچانے کے چکر میں کچھ زیادہ ہی محتاط ہو گیا تھا۔ وہ کھانا کھا چکے تھے' جب رات کا آخری پہر شروع ہو گیا تھا۔ اس وقت تک مکمل ویرنے ایک ٹیکسی کا بندوبست کر لیا تھا۔ جس کا ڈرائیور اس کا اپنا خاص آدمی تھا۔

''میں سوچ کر تو یہی آیا تھا کہ کافی دن رہوں گا' لیکن کام جلدی ہو گیا' میں جلدی آؤں گا دوبارہ۔'' جسپال نے مکمل ویر سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

''میں انتظار کروں گا۔'' اس نے مسکراتے ہوئے ہاتھ کو دبایا پھر اس نے کرن سے ہاتھ ملایا اور ٹیکسی میں بیٹھ گیا۔ ٹیکسی ڈرائیور ادھیڑ عمر کا اور کافی حد تک سانولے رنگ کا سکھ تھا جس کی داڑھی کھچڑی ہو چکی تھی۔

رات گہری ہو چکی تھی اور چاند مغربی افق کی جانب جھک گیا تھا۔ جب وہ امرتسر سے نکلے' ہرپریت پچھلی نشست پر تھی اور جسپال آگے پسنجر سیٹ پر' اس نے پسٹل پاؤں میں رکھا ہوا تھا۔ ڈرائیور نے کوئی بات نہیں کی تھی۔ اس کی شکل ہی سے لگ رہا تھا کہ وہ خاموش طبع بندہ ہے۔ اس کی تمام تر توجہ سڑک پر تھی۔ جسپال کو بھی یہ احساس تھا کہ صرف شہر سے ہی

نکلنا مشکل ہو گا' پھر آگے انہیں آسانی ہو گی۔ سڑک پر اتنا رش نہیں تھا' جیسے جیسے وہ شہر سے باہر جا رہے تھے' رش کم ہوتا چلا جا رہا تھا اور ان کی رفتار تیز ہوتی جا رہی تھی۔ اچانک ڈرائیور نے رفتار کم کر دی' کچھ ہی فاصلے پر ناکہ لگا ہوا تھا' تبھی ڈرائیور نے کہا تھا۔

''صاحب گھبرانا نہیں' میں سب سنبھال لوں گا۔''

''او کے.....!'' جسپال نے اس سے زیادہ بات کرنا پسند نہیں کیا' وہاں پر چند پولیس والے ہی تھے۔ یوں جیسے معمول کے مطابق ہی ناکہ لگا ہو۔ ڈرائیور نے ان کے قریب جا کر گاڑی روک دی۔ تبھی ایک پولیس والا آگے بڑھا اور ٹیکسی کے اندر جھانکتے ہوئے بولا۔

''کدھر سے آ رہے ہو اور کدھر جا رہے ہو؟''

''ایئرپورٹ سے.....ترن تارن جا رہے ہیں صاحب جی۔'' ڈرائیور نے معمول کے مطابق کہا۔

''مطلب فارن کی سواریاں نا.....'' اس نے معنی خیز انداز میں کہا تو ڈرائیور جلدی سے باہر نکل گیا۔ وہ سپاہی بھی اس کی جانب چلا گیا۔ ٹیکسی کے پیچھے چند لمحے کھڑے رہنے کے بعد وہ واپس آیا' ٹیکسی ویسے ہی اسٹارٹ تھی' اس نے گیئر لگایا اور چل دیا۔

''یہ ہے جی ہماری پولیس کا حال' چند نوٹ میں چاہے جو مرضی کر لو.....ادھر میڈیا پر آگ لگی ہوئی ہے اور ان کا سکون ہے۔'' ڈرائیور نے اپنے طور پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا۔ پر جسپال نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ پھر وہ بھی خاموش ہو گیا۔

اس وقت سورج نکل رہا تھا' جب وہ نکودر شہر میں داخل ہو گئے۔ جسپال کے ذہن میں تھوڑا بہت ایڈووکیٹ گل کے گھر کا پتہ تھا' لیکن ہرپریت اس بارے میں جانتی تھی۔ پھر ایک جگہ اس نے ڈرائیور سے کہا۔

''ہمیں یہیں اتار دو۔''

ڈرائیور نے اتنا ہی سنا اور سڑک کے کنارے گاڑی لگا دی۔ جسپال نے جیپ میں ہاتھ ڈال کر چند بڑے نوٹ نکالے اور اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''یہ لو.....اسے کرایہ.....''

''نہیں صاحب.....! مجھے سب کچھ مل گیا ہے' آپ جائیں۔'' اس نے دھیمی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''او کے.....! مل گیا ہو گا' لیکن یہ تمہارا ناشتہ ہے جو ابھی میں نے تمہیں کروانا تھا'' جسپال نے نوٹ اس کی جیب میں ٹھونستے ہوئے کہا اور گاڑی سے اتر گیا' ہرپریت پہلے ہی اتر چکی تھی۔ ٹیکسی ڈرائیور چلا گیا تو ہرپریت نے ایڈووکیٹ گل کو فون ملایا۔ کچھ ہی دیر بعد فون ریسیو کر لیا گیا۔

''انکل جی' میں ہرپریت.....یہاں نکودر میں.....جی آ کر بتاتے ہیں نا.....ہاں میرے ساتھ جسپال بھی ہے۔ آ جائیں۔'' یہ کہہ کر وہ وہاں کی لوکیشن بتانے لگی۔ فون بند کر کے اس نے جسپال کو دیکھا جو غیر محسوس انداز میں اس طرف دیکھ رہا تھا۔ زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ ایڈووکیٹ گل کی گاڑی ان کے پاس آن ٹھہری' وہ پھر اسی ترتیب سے بیٹھ گئے۔ تبھی گیئر لگاتے ہوئے گل نے پوچھا۔

''اچانک.....؟''

''امرتسر سے آ رہے ہیں؟'' ہرپریت بولی۔

''کیوں.....؟'' وہ چونکا۔

''وہ بلدر سنگھ کے پتر' ہردیپ کو قتل کر کے.....'' وہ دھیرے سے بولی۔

''اوہ.....! تو وہ تم لوگ تھے.....'' اس نے حیرت بھرے لہجے میں بات پوری نہ کی۔

''ہاں.....! ہم آپ کے پاس آئے ہیں' کل شام کے' اپنے قانونی مشوروں کے لیے' وہ آپ ہمیں بتادیں۔'' جسپال نے کہا تو وہ سر ہلاتے ہوئے سمجھ گیا۔

''مجھے تم پر قاتلانہ حملے اور پولیس کے رویے کے بارے میں پتا چل گیا تھا' میں نے اپنے طور پر تیاری کر لی تھی' اور کچھ معلومات بھی آپ لوگوں کے ساتھ شیئر کرنا چاہ رہا تھا' اچھا ہوا آپ لوگ آ گئے۔'' گل نے سوچتے ہوئے بتایا۔ ''یہ جو نیا پولیس آفیسر ہے نا' یہ اے سی پی رن ویر سنگھ' یہ پولیس کی اسپیشل برانچ سے یہاں تعینات ہوا ہے' ابھی سروس کو دو یا تین سال ہوئے ہیں' مگر ڈیپارٹمنٹ میں ''معصوم سانپ'' کے نام سے مشہور ہو چکا ہے۔ یہ ہم جانتے ہیں کہ وہ اندر سے کتنا ظالم ہے' خیر.....! اسے یہاں اس لیے لگایا گیا ہے کہ کمیشن کے دو بندے غائب ہو گئے' ان کے قاتلوں کا کوئی سراغ نہیں مل رہا ہے' یہاں تک کہ جس کے لیے کمیشن بنا تھا' ان بندوں تک کا پتہ نہیں چلا۔''

''پھر تو اب تک وہ ہمارے گھر پہنچ چکا ہوگا۔'' ہر پریت نے تشویش سے کہا اور انوجیت کے نمبر ملانے لگی۔

''نہیں' ابھی وہاں نہیں پہنچا' میری انوجیت سے بات ہو گئی ہے' جب تمہارا فون آیا تھا۔'' گل نے تیزی سے کہا۔ تب تک ہر پریت کا رابطہ ہو گیا' اس نے اسپیکر آن کر دیا۔

''ہاں بول ہر پریت.....''

''ہم انکل گل کے ساتھ ہیں' کوئی پرابلم تو نہیں وہاں۔''

''کوئی نہیں' بہر حال تم لوگ میرے آنے تک ادھر ہی رہنا۔ اکھٹے ہی تحصیل چلیں گے۔'' انوجیت نے کہا اور فون بند کر دیا۔ اس پر ہر پریت قدرے پریشان ہو گئی۔ اس نے اچانک فون بند کر دیا تھا' جس کا اظہار اس نے کیا تو گل بولا۔

''اوئے پتر.....! واہ گرو مہر کرے گا' تم دل چھوٹا مت کرو۔''

''اس کا لہجہ.....'' وہ بولی۔

''او میں پتہ کر لیتا ہوں' بس گھر جانے کی دیر ہے' سکون سے پوچھتا ہوں۔'' گل نے کہا اور گلی میں گاڑی موڑ دی۔ اس کا گھر اسی گلی میں تھا۔

گھر پہنچے تو ناشتہ تیار تھا۔ مسز گل نے میز سجایا ہوا تھا۔ وہ فریش ہو کر آئے تو ناشتے کی میز پر وہ تینوں تھے۔ گل نے اپنی مونچھوں کو تاؤ دیا اور بڑے نرم لہجے میں بولا۔

''سب سکون' سکھ اور شانتی ہے' فکر کی ضرورت نہیں' میں نے پتا کر لیا ہے۔''

''ٹھیک ہے انکل' ہمیں آج تحصیل آفس میں کیا کرنا ہوگا۔'' ہر پریت نے پوچھا۔

''کچھ نہیں' بس وہاں حاضری ڈالنی ہے' ادھر ادھر پھرنا ہے' ایک دو آفیسرز سے مل لیں گے اور بس۔'' گل نے پرسکون لہجے میں کہا اور ناشتے کی طرف اشارہ کیا۔ ناشتے کے دوران وہ باتیں کرتے رہے' گل نے انہیں وہ سب سمجھا دیا جو وہ انوجیت سے طے کر چکا تھا۔ تاکہ سبھی کا بیان ایک جیسا رہے' وہ ناشتہ کر چکے تو گل نے کہا۔ ''اب دو ڈھائی گھنٹے آرام کر لو' تب تک انوجیت بھی آ جائے گا۔''

''او کے انکل۔'' ہر پریت نے کہا تو جسپال بھی اٹھ گیا۔

ان دونوں کے لیے ایک ہی کمرہ تھا جو گیسٹ ہاؤس قسم کا تھا۔ الگ تھلگ اور پرسکون۔ ہر پریت نے انوجیت کو ایس ایم ایس کر دیا تھا کہ آتے ہوئے ان کے کپڑے لے آئے۔ اتنی دیر میں جسپال نے جاگر اتار کر پھینکے اور بیڈ پر لیٹ گیا۔ ہر پریت اس کے ساتھ دوسری جانب لیٹ گئی۔ تب جسپال نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''یار ہر پریت.....! کہیں تم میرے ساتھ آ کر پچھتا تو نہیں رہی ہو؟''

''یہ خیال تمہیں کیسے آیا۔'' وہ کافی حد تک غصے میں بولی۔

''یہی' اتنی بھاگ دوڑ..... یہ خون قتل و غارت.....'' اس نے کھوئے ہوئے لہجے میں کہا۔

''ابھی تو یہ کچھ بھی نہیں ہے جسی جی' ابھی تو شروعات ہیں.....'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا تو جسپال نے ایک دم موضوع بدلتے ہوئے کہا۔

''یہ تمہارا مجھے جسی کہنا بہت اچھا لگتا ہے' کیا میں بھی تمہیں' پریتو' پریتی یا.....''

''پریتے.....'' اس نے بات کاٹتے ہوئے ایک دم سے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا تو وہ سنجیدگی سے بولا۔

''برا مان گئی ہو.....؟''

''نہیں.....نہیں..... جسی جی نہیں' تم جو کہو.....'' وہ ہنستے ہوئے بولی۔

''تو پھر ٹھیک ہے' پریتی.....'' یہ کہتے ہوئے اس کے لہجے میں پیار بھرا خلوص مہک اٹھا تھا۔ جس سے ہر پریت اس کی طرف دیکھتی رہ گئی۔ وہ دونوں خاموشی سے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے' پھر جسپال نے اس کی آنکھوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ ''سو جاؤ.....! تم کافی تھک چکی ہو گی۔''

''تمہیں نیند آ جائے گی کیا؟'' ہر پریت نے دھیرے سے پوچھا۔

''کہتے ہیں کہ نیند سولی پر بھی آ جاتی ہے اور تم تو پھولوں جیسی ہو۔'' جسپال نے خمار آلود لہجے میں کہا تو وہ کروٹ لے کر دوسری جانب دیکھنے لگی' جسپال نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھا اور پھر اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگا..... نجانے کتنا وقت گزر گیا تھا۔ وہ نیند میں ڈوب گیا۔

ان کی آنکھ فون کی آواز پر کھلی۔ وہ انوجیت کا فون تھا' وہ آ چکا تھا اور گل ایڈووکیٹ کے پاس ڈرائنگ روم میں تھا۔ ہر پریت اس کے پاس جا کر کپڑے لے آئی اور پھر تیار ہو کر ان کے پاس ڈرائنگ روم میں آ گئی۔ جسپال اس سے پہلے ان کے پاس تھا۔ کچھ دیر تفصیلی باتوں کے بعد وہ تحصیل چل پڑے۔ جہاں وہ دوپہر تک رہے' پھر وہیں سے وہ اوگی پنڈ کی طرف چل پڑے' دوپہر ہو چکی تھی' جب وہ اپنے گھر پہنچے' وہاں اچھی خاصی سیکیورٹی تھی۔ اعلان ہو رہا تھا کہ اسی گاؤں میں آ کر رویندر سنگھ کے بیٹے ہردیپ سنگھ کی آخری رسومات ادا کی جائیں گیں۔ ظاہر ہے' اس پر بہت وی آئی پی لوگ آنے والے تھے۔ پولیس کی بھاری نفری ادھر ادھر پھر رہی تھی۔ تاہم کسی نے انہیں نہیں روکا تھا' اور وہ سکون سے گھر پہنچ گئے۔ ان کے آنے کے بارے میں کلجیت کور کو پہلے ہی سے خبر تھی۔ اس لیے ان کے آتے ہی کھانے کی میز سج گئی۔ پھر کھا پی کر جب وہ سکون سے بیٹھے تو کلجیت کور کو انہوں نے پوری روداد سنائی۔ انوجیت اور وہ چپ چاپ سنتے رہے' جب وہ ساری بات سن چکی تو بولی۔

''تھانے سے ایک بندہ دو بار جسپال کے بارے میں پوچھنے آیا تھا۔'' اور میں نے دونوں بار نکودر کے بارے میں بتایا ہے۔''

''اس نے بتایا نہیں کہ وہ کس مقصد کے لیے پوچھ رہا ہے؟'' انوجیت نے تیزی سے پوچھا۔

''میں نے خود نہیں پوچھا' اس سے' یہیں سے کہلوا دیا' میں سامنے ہی نہیں گئی' انہیں شک ہے تو وہ جسپال کا پوچھ رہے ہیں۔'' کلجیت کور نے کہا تو جسپال نے انوجت سے پوچھا۔

''ہوتا رہے یار۔ انوجیت یار' وہ رویندر سنگھ ادھر گاؤں میں آ تو رہا ہے' اور کسی ہنگامے کے بغیر چلا جائے' یہ کیسے ممکن ہے' اسے کچھ نہ کچھ تو احساس ہونا چاہیے۔''

''وہ ہو جائے گا' تم بس آرام کرو' میں نہیں چاہتا کہ سیکورٹی کے نام پر تجھے پکڑ لیں۔ ان کا کوئی پتا نہیں ہے ابھی دو دن پہلے ان سے تو تو..... میں میں ہوئی ہے۔'' یہ کہہ کر اس نے گلجیت کور کی طرف دیکھ کر کہا۔ ''بے بے.....! یہ اس گھر کی چار دیواری کے باہر نہ جائے۔ اس وقت دس دس کلومیٹر تک سیکورٹی پھیلی ہوئی ہے' یہ وقت کسی بھی قسم کے رسک لینے کا نہیں ہے' سمجھا دو اسے.....''

''اُو بائی جی سمجھ گیا میں' اب تقریر نہ کرو' میں نیند پوری کروں گا۔'' اس نے ہنستے ہوئے کہا اور اٹھ گیا۔

''ٹھیک ہے جاؤ۔'' اس نے کہا تو ہرپریت اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔

جسپال نے اپنے کمرے میں جا کر سائیڈ ٹیبل سے لیپ ٹاپ اٹھایا اور بیڈ پر دراز ہو کر اسے کھول لیا۔ جسمیندر سنگھ کی کئی ای میل آئی ہوئی تھیں۔ اس نے سبھی دیکھ لیں' سب میں معلومات تھیں' اسے گاؤں میں بیٹھے معلوم نہیں تھا کہ کیا ہو رہا ہے' لیکن وہ اسے یہاں کی خبریں بھیج رہا تھا' اس نے میل کا جواب دیا اور جسمیندر سنگھ کے آن لائن ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ کافی دیر گزر جانے کے باوجود آن لائن نہیں ہوا تو اسے اکتاہٹ ہونے لگی' اس نے لیپ ٹاپ بند کیا اور سونے کی کوشش کرنے لگا۔ مگر اسے نیند نہیں آئی' یونہی ادھر ادھر کی سوچیں لے کر سوچتا رہا' تقریباً دو گھنٹے یونہی لیٹے رہنے کے بعد وہ لیٹے رہنے سے بھی تنگ آ گیا۔ وہ لاشعوری طور پر الجھن کا شکار تھا' اس کا جی چاہ رہا تھا کہ اتنی بڑی سیکیورٹی کے باوجود وہ رویندر سنگھ کو بتانا چاہتا تھا کہ موت اس کے سر پر منڈلا رہی ہے۔ وہ ہنگامہ کرنا چاہ رہا تھا' وہ کھڑکی میں کھڑا تھا اور باہر کی طرف دیکھتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ اس کی پشت پر نرم نرم ہاتھوں نے چھوا۔ وہ دھیرے سے پلٹا تو ہرپریت کھڑی تھی' اس کی آنکھوں میں نرماہٹ' پیار اور چمک تھی۔ وہ چند لمحے اس کے چہرے پر دیکھتی رہی پھر نرم سے لہجے میں بولی۔

''کیا سوچ رہے ہو؟''

''سچی بات تو یہی ہے کہ رویندر سنگھ کو.....'' اس نے کہنا چاہا تو وہ ٹوکتے ہوئے بولی۔

''میرا بھی یہی خیال تھا' تم یہی سوچ رہے ہو گے' لیکن جسی' ہم بھی ہیں' وہ بھی یہیں' بلاشبہ وہ بھی کچھ ایسا ہی سوچ رہے ہوں گے' کیا ہم ان کے جال میں پھنس جائیں..... نہیں جسی نہیں..... میرے انسٹرکٹر کہا کرتے تھے' انتظار کرو' جب تک کر سکتے ہو' لیکن جب وار کرو تو پھر اتنا بھرپور ہو کہ دوسرا بچ نہ سکے۔''

''تمہارا انسٹرکٹر ٹھیک کہتا ہے پریتی.....'' اس نے ایک انگلی سے ہرپریت کے لبوں کو چھوا لاتے ہوئے کہا۔ جس کی نرماہٹ نے اس کے جسم میں گدگداہٹ پھیلا دی تھی۔ تبھی ہرپریت کی آنکھیں نیم وا ہو گئیں۔ اس نے پیار سے اپنا سر جسپال کے کاندھے سے لگا دیا تو وہ اس کے کاندھوں کو پکڑ کر سہلانے لگا۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اپنے اندر کی بے چینی کو دبانے کی کوشش کر رہا ہے۔ جب کافی وقت ایسے بیت گیا تو ہرپریت اس سے الگ ہوتے ہوئے بولی۔

''چل آ' نیچے لان میں بیٹھتے ہیں۔ چائے پیتے ہیں اور بڑی پیاری باتیں کریں گے۔''

''چل.....'' اس نے ایک دم سے کہا اور پھر دونوں کمرے سے نکلتے چلے گئے۔

اس وقت وہ دونوں' لان میں بیٹھے چائے پی رہے تھے' کمرے سے آ کر یہاں آنے تک اور پھر چائے پینے تک میں کچھ وقت لگ گیا تھا' اس دوران ہرپریت نے اپنے کالج کے قصے سنا کر اس کے ذہن سے کافی حد تک رویندر کے خیال کو نکال دیا تھا۔ وہ دونوں قہقہے لگا رہے تھے کہ ان کے چوکیدار بنتا سنگھ نے آ کر ایک پولیس مین کے آنے کی اطلاع دی۔

''کیا یہ وہی ہے جو صبح سے دوبار آ چکا ہے؟'' ہرپریت نے پوچھا۔

''جی' وہی ہے۔'' اس نے جواب دیا۔

''بلاؤ اسے.....'' جسپال نے کہا تو بنتا سنگھ واپس پلٹ گیا۔ تبھی اس نے ہرپریت کی طرف دیکھ کر کہا۔ ''لگتا ہے' اس گھر

کی نگرانی ہو رہی ہے؟''

''یہ کوئی نئی بات نہیں' اکثر ہوتا رہتا ہے۔'' ہرپریت نے کہا تو وہ کاندھے اُچکا کر بولا۔

''چلیں' دیکھتے ہیں۔''

کچھ دیر بعد ایک نوجوان سکھ پولیس مین ان کے سامنے تھا' جسپال نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا تو وہ بیٹھ گیا۔ تو اس نے پوچھا۔

''چائے پیو گے؟''

''نہیں' بس میں صاحب کا پیغام لے کر آیا تھا کہ آپ ان سے ایک دفعہ مل لیں۔'' وہ بولا۔

''خیریت۔'' جسپال نے پوچھا۔

''پتہ نہیں' میں صبح سے دوبار آپ کا پوچھنے آ چکا ہوں۔'' اس نے احساس جتا دینے والے انداز میں کہا۔

''یار بات سن' تیرے صاحب کے پاس میرا فون نمبر ہے۔ اگر ایسی ہی کوئی بات تھی تو وہ مجھے فون کر لیتا' خیر' میں اسے فون کر لیتا ہوں' نمبر بتا اس کا.....'' جسپال نے اپنا فون نکالتے ہوئے کہا۔

''اس وقت تو صاحب مصروف ہوں گے' بڑی وی آئی پی سیکیورٹی ہے جی' اس وقت.....'' اس نے یوں کہا جیسے کہہ رہا ہو کہ اس سیکیورٹی میں کوئی بندہ نہیں پھڑک سکتا۔

''تو نمبر بتا' میں کوشش کرتا ہوں۔ ورنہ پھر بعد میں کر لوں گا۔'' جسپال نے اصرار کرتے ہوئے کہا تو اس نے نمبر بتا دیا۔ اس نے پش کیا' چند بیل جانے کے بعد اس نے فون ریسیو کر لیا۔

''اے سی پی' رن ویر سنگھ چٹھہ بات کر رہے ہو؟''

''ہاں..... آپ کون.....؟''

''میں جسپال سنگھ' ابھی آپ کا بندہ میرے پاس آیا ہے' کہہ رہا ہے صبح بھی دوبار آیا ہے' آپ مجھے فون کر لیتے۔'' اس نے کافی حد تک طنزیہ انداز میں کہا۔

''اور آپ کہاں تھے؟'' اس نے پوچھا' لہجے میں ہتک آمیز غصہ تھا۔

''نکودر تھا کل سے' ابھی دوپہر کے بعد آیا ہوں' کیا کوئی کام تھا' بندے تلاش کر لیے آپ نے کیا؟ پنجاب پولیس اتنی شاندار کارکردگی دکھانے لگی ہے؟''

''ابھی میں مصروف ہوں' کل ملنا' اور ممکن ہوا تو آج ہی بات کروں گا۔ آپ کو تھانے آنا پڑے گا۔'' اس نے غصے میں کہا۔

''میں آپ کی فون کال کا انتظار ابھی سے کرنے لگا ہوں۔'' اس نے پھر طنزیہ انداز میں کہا۔ تو رن ویر بولا۔

''او کے..... ہوتی ہے ملاقات.....'' یہ کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔ جسپال نے فون جیب میں واپس رکھتے ہوئے سامنے بیٹھے پولیس مین سے کہا۔

''تمہارے صاحب سے ہو گئی ہے بات..... اب تم جاؤ۔''

''صاحب! آپ اگر ہمارا خیال رکھو گے نا' تو ہم بھی یاروں کے یار ہیں' کبھی آزما کر دیکھ لینا۔'' اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''بس جلدی سے ہماری جیپ پر حملہ کرنے والوں کے بارے میں بتا دو..... خوش کر دوں گا۔'' جسپال نے ہنستے ہوئے کہا۔

''وہ بھی مل ہی جائیں گے۔'' یہ کہہ کر وہ چل پڑا۔ وہ سمجھ گیا کہ جو پتا اس نے پھینکا ہے' وہ ضائع چلا گیا ہے۔ شاید اس نے یہ گمان کیا تھا کہ وہ کوئی بات کرے گا' مگر جسّی ایسا سب کچھ سمجھتا تھا وہ چلا گیا تو ہرپریت نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''تو وہ ملنا چاہتا ہے.....؟''

''ہاں.....! اور میرے اس گھر تک محدود رہنے کے بارے میں جاننا بھی چاہتا ہے۔'' جسپال نے سوچتے ہوئے کہا۔

''مطلب' اسے ہم پر شک ہو گیا ہے.....'' وہ ہنستے ہوئے بولی۔

''تو ہم اس کا شک رفع کر دیں گے' جیسے بھی ہوا۔'' یہ کہہ کر اس نے قہقہہ لگایا' پھر ایک ہی سانس میں سامنے دھرا کپ خالی کر دیا۔ وہ کچھ دیر اپنی اپنی سوچوں میں گم رہے پھر یونہی باتوں میں مصروف ہو گئے جیسے کچھ بھی نہ ہوا ہو۔

❀.....❀.....❀

ایک طرف جہاں میں حیران تھا کہ سوہنی یہاں آ کر اماں کو لے گئی ہے' وہاں میں حد درجہ پریشان بھی تھا کہ اماں اس کے ساتھ کیوں چلی گئی' مجھ سے پوچھے بغیر' کوئی بات کیے بغیر وہ یوں کیسے اس کے ساتھ چلی گئی' کئی خیال میرے ذہن میں آ رہے تھے' کیا سوہنی نے اماں سے جھوٹ بولا' اسے کوئی دھمکی دی' یا پھر ڈرا دھمکا کر لے گئی' سوہنی نے ایسا کیوں کیا؟ یہی بات میرے دماغ میں تیر کی طرح کھب گئی تھی' کیونکہ یہ سب ایسے موقع پر ہوا تھا جب ملک سجاد موت و حیات کی کشمکش میں تھا۔ جب سے سوہنی اتفاقیہ طور پر میری زندگی میں آئی تھی' تب سے انجانے میں ملک سجاد کے ساتھ دشمنی شروع ہو گئی تھی۔ عورت اور وہ بھی طوائف' اس کا کیا بھروسہ' وہ ایک طرف خود کو مظلوم ثابت کر رہی تھی تو دوسری جانب ممکن ہے پیسے اور لالچ کے باعث ملک سجاد سے مل گئی ہو۔ یا پھر دونوں ہی ایک دوسرے کے لیے راتب بن گئے ہوں' میں سمجھتا ہوں کہ کتے کا پھر بھی بھروسہ کیا جا سکتا ہے' مگر سانپ کا نہیں' میرے دماغ میں سے سب شے نکل گئی تھی اور صرف میری ماں کا چہرہ میری نگاہوں کے سامنے ٹک گیا تھا۔ میں نے گھر ویسے ہی کھلا رہنے دیا اور بائیک پر سیدھا چوک میں اچھو کریانے والے کی دکان پر پہنچا' اگرچہ میرے ذہن میں یہی تھا کہ یہاں سے فون نہیں کرنا چاہیے' کیونکہ اس سے میری بہت بڑی کمزوری دشمنوں کے ہاتھ میں آ سکتی تھی' لیکن پتا تو پھر بھی لگ جانا تھا' ماسی مختاراں سے کہاں یہ بات چھپائی جا سکتی تھی۔ آج نہیں تو کل پورے گاؤں کو پتہ چل جانا تھا' میں نے جاتے ہی ریسیور اٹھایا تو اچھو فوراً بولا۔

''جمال بھائی' فون کل سے خراب ہے' کوئی کال نہیں ہو گی' ٹھیک کر رہے ہیں' ممکن ہے ابھی ٹھیک ہو جائے۔'' اس کے یوں کہنے پر مجھے یوں لگا جیسے میری ماں' میری دسترس سے دور ہوتی چلی جا رہی ہے۔ میں کافی دیر تک وہاں کھڑا رہا' ممکن ہے فون جلدی ٹھیک ہو جائے اور میں کال کر لوں' یہاں تک کہ ظہر کا وقت ہو گیا پھر میں نے وہاں مزید ٹھہرنا مناسب نہیں سمجھا' اور سیدھا دلبر کے گھر کی طرف بڑھا۔ جہاں اب تک لوگوں کا رش لگ چکا تھا۔ میری نگاہیں چھا کے کو تلاش کر رہی تھیں۔ جلد ہی مجھے معلوم ہو گیا کہ وہ ساتھ والی بیٹھک میں پولیس والوں کے پاس بیٹھا ہے۔ میں اس جانب بڑھ گیا۔ دروازہ ویسے ہی بند تھا' میں نے کھولا اور اندر دیکھا' رندھاوے کے ساتھ دو پولیس والے' گاؤں کے بزرگ اور چھا کا بیٹھے ہوئے تھے۔

''لو جی' جمال بھی آ گیا ہے۔'' ایک بزرگ نے کہا تو میں بولا۔

''میں ابھی حاضر ہوتا ہوں۔ دو منٹ چھا کے سے بات کرنی ہے' میں نے.....''

''خیریت تو ہے نا جمال.....'' رندھاوے نے میرے چہرے پر دیکھتے ہوئے کہا۔ شاید میرا چہرہ پڑھ لیا تھا۔

''بتاتا ہوں' ذرا چھا کے سے بات کر لوں۔'' میں نے کہا' تب تک وہ اٹھ کر میرے پاس آ گیا۔ میں اسے لے کر بیٹھک سے باہر آ گیا۔

''اوئے جمالے بتا خیر تو ہے۔'' اس نے گلی میں آ کر پوچھا۔ تو میں نے ساری روداد اسے سنا دی۔ پھر کہا۔

''ممکن ہے! وہ ہمیں بلیک میل کریں۔''

''دیکھ جمالے.....تو اپنے آپ پر قابو رکھ' دلبر کی تدفین ہو جانے دے' تب تک جو بھی ہو گا' وہ سامنے آ جائے گا' ورنہ پھر سوہنی کو تلاش کرنا کون سا اتنا مشکل ہو گا۔''

''اگر.....اگر اس کی نیت ٹھیک نہ ہوئی تو سوہنی کو تلاش کرنا بہت مشکل ہو جائے گا۔'' میں نے کہا تو اس نے سوچتے ہوئے کہا۔

''نیت کا پتہ کیسے چلے گا.....؟ اس سے رابطہ ہو گا' یا پھر اس سلسلے میں ہم سے کوئی رابطہ کرے گا۔''

''تو پھر کیا کرنا چاہیے؟'' میں نے زچ ہوتے ہوئے پوچھا۔

''کچھ دیر تک خاموش رہ.....دلبر کو دفناتے ہی کچھ کرتے ہیں۔'' لفظ ابھی اس کے منہ ہی میں تھے کہ گلی میں پانچ چھ کاریں آ گئیں۔ ان کے درمیان ایک ہیوی فور وہیل جیپ تھی۔ وہ دلبر کے گھر سے ذرا فاصلے پر رک گئیں۔ میں ٹھٹک گیا۔ آنے والے پتا نہیں کون تھے۔ دوست تھے یا دشمن۔ میں انہیں غور سے دیکھ رہا تھا۔ تبھی فور وہیل جیپ سے پیرزادہ وقاص باہر نکلا' اس سے پہلے کئی لوگ کاروں سے نکل آئے تھے۔ یہ سب علاقے کے مختلف لوگ تھے۔ اس نے ماحول پر طائرانہ نگاہ ڈالی اور مجھ پر رک گئی۔ ہم دونوں کی نگاہیں چار ہوئیں تو وہ سیدھا میری طرف بڑھا' میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ان لمحات میں مجھے کس طرح کے ردعمل کا اظہار کرنا چاہیے' وہ بڑھتا ہی چلا آ رہا تھا اور لازمی طور پر اس کے ساتھ آئے ہوئے لوگ بھی اس کے ہمراہ تھے۔ میں کھڑا رہا' مجھ سے چند قدم کے فاصلے پر اس نے اپنا ہاتھ بڑھایا' میں نے بڑھ کر اس سے مصافحہ کیا تو اس نے مجھے گلے لگاتے ہوئے کہا۔

''مجھ سے ملو جمال' تجھ سے بہت ساری باتیں کرنی ہیں۔''

''ابھی یا.....'' میں نے سرگوشی میں کہا۔

''آں شام تک کسی بھی وقت.....'' اس نے بھی دھیرے سے کہا۔

''چلیں' ملتے ہیں کہیں.....'' یہ کہہ کر میں اس سے الگ ہوا' پھر دوسرے لوگوں سے ملنے لگا۔ اتنے میں رندھاوے کو اطلاع مل گئی' وہ بھی آ گیا۔ یوں گلی میں ایک ہجوم سا اکٹھا ہو گیا' دریاں بچھا دی گئیں تو سارے لوگ وہیں جمع ہو کر بیٹھ گئے۔ میرے دماغ میں پیرزادے کی بات سن کر ہلچل مچ گئی تھی۔ ''کیا سوہنی کا رابطہ پیرزادے سے ہے' اگر ہے تو.....'' میں مزید اس سے آگے کچھ نہ سوچ پا رہا تھا' میرے اندر سنسنی بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ جنازہ تیار ہونے میں تھوڑا سا وقت تھا۔ لاشعوری طور پر لوگوں کے ذہن میں تھا کہ گاؤں میں ہونے والی اس فوتیدگی پر شاہ زیب ضرور آئے گا' مگر حویلی والوں کی طرف سے دور دور تک کسی کی آمد نہیں ہوئی تھی۔ لوگوں کی باتوں کی ہلکی ہلکی بھنبھناہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ کچھ وقت گزر گیا' جنازہ تیار ہو گیا اور پھر لوگ لے کر قبرستان کی طرف چل دیئے۔

نورنگر کے لوگوں کے لیے پہلی مرتبہ یہ دیکھنے میں آیا تھا کہ کوئی بڑا زمیندار یوں جنازے کے ساتھ پیدل چلتا چلا جا رہا ہے۔ ورنہ پہلے تو یہی ہوتا تھا کہ وہ عین جنازہ پڑھنے کے وقت پہنچتے' یا ان کا انتظار کیا جاتا' یا پھر دوسرے تیسرے دن دعا کے وقت وہ لوگ اظہار ہمدردی کے لیے آ موجود ہوتے۔ میں خود پر جبر کرتے ہوئے چلتا جا رہا تھا۔ میری تمام تر سوچیں سوہنی اور اپنی ماں کی طرف تھیں۔ یہاں تک کہ قبرستان آ گیا۔ نماز جنازہ کے بعد لوگ دلبر کو دفنانے لگ گئے جبکہ پیرزادے نے دھیرے سے میرا ہاتھ پکڑا اور ایک طرف کو چل دیا۔ مجھے بھی تجسس تھا' لہٰذا اس کے ساتھ چلتا ہوا لوگوں سے کافی دور آ گیا۔

''جمال.....! کیا تیری میری کوئی دشمنی ہے؟'' پیرزادے نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''بالکل نہیں۔'' میں نے فوراً جواب دیا۔

''اگر میری اور سرداروں کی لڑائی ہو جائے' تو تم کس کا ساتھ دو گے؟'' اس نے پوچھا۔

''کسی کا بھی نہیں۔'' میں نے اسی لہجے میں جواب دیا۔

''کیوں.....؟'' اس نے براہ راست میری آنکھوں میں جھانک کر کہا۔

''مجھے کسی کی لڑائی لڑنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے اور پھر مجھے یقین ہے کہ تم دونوں کبھی آپس میں نہیں لڑو گے۔'' میں نے بیزاری سے کہا۔

''نہیں' میں فیصلہ کر چکا ہوں جمال' آج تک بابا سائیں مجھے روکتے آئے ہیں کہ میں سردار شاہ دین کے خلاف نہ جاؤں' مگر میری اس خاموشی نے انہیں شہ دی ہے' اگرچہ یہ تیرا اچھا فیصلہ ہے کہ تم اس لڑائی میں نہیں آؤ گے' مگر.....وہ لوگ تجھے اس طرح استعمال کر چکے ہیں کہ تجھے پتا تک نہیں چلا۔'' اس نے کسی حد تک طنزیہ لہجے میں کہا۔

''ممکن ہے' انہوں نے ایسا کر لیا ہو' لیکن.....''

''لیکن.....شک نہیں' حقیقت ہے یہ.....غور کرو' میلے سے لے کر اب تک کے واقعات پر.....وہ سیاسی طور پر اس علاقے سے اب پنجاب کی سطح پر حکمرانی کرنا چاہتا ہے' ملک سجاد جیسے کئی دوست بنائے ہیں اس نے..... بڑی مچھلی بن کر چھوٹی مچھلیوں کو نگل جانا چاہتا ہے۔ اب یہ ہماری بقا کی جنگ ہے.....ورنہ وہ ہمیں اپنا مطیع بنا کر رکھے گا' یا ختم کر دے گا.....یہ ہے تمہاری اس بات کا جواب کہ میں اس سے کیوں لڑنا چاہتا ہوں.....'' اس نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں سمجھانے والے انداز میں کہا۔

''لڑو.....لیکن ہم پر تو عرصہ تنگ ہو گیا نا..... بقول آپ کے ہم استعمال ہو گئے' وہ غریبوں کو اور آپ بھی غریبوں ہی کو اس جنگ میں جھونک دو گے.....'' میں نے غصے میں کہا۔

''یہ تو ہو گا..... جنگ میں پیادے زیادہ مارے جاتے ہیں۔ اور تم کیا سمجھتے ہو' سردار نے اپنی قوت نہیں بڑھائی' کیا ملک سجاد اگر موت و حیات کی کشمکش سے نکل آیا تو وہ ان لوگوں سے بدلہ لینے کی کوشش نہیں کرے گا' جنہوں نے اسے اس حال تک پہنچایا۔''

''تو کیا اسے آپ لوگوں نے مارا ہے؟'' میں نے مصنوعی حیرت سے کہا تو وہ تیزی سے بولا۔

''نہیں' ہم نے نہیں مارا' ممکن ہے تم نے مارا ہو؟ مگر.....وہ کھاتے میں تو ہمارے پڑ گیا نا' بات اب اس علاقے تک محدود نہیں رہی' بہت بڑھ گئی ہے۔''

''ابھی آپ اپنی بقا کی جنگ لڑیں' سیاسی طور پر' لوگوں کو بتائیں کہ انہوں نے علاقے کی عوام پر کیا ظلم کیا ہے' بات تو یہیں سے بڑھے گی نا.....'' میں نے اپنا نکتہ نظر بیان کیا۔

''تم نے اچھا کیا جو گاؤں کے لوگوں کو اکٹھا کر کے یہ بات ان کے سامنے رکھ دی تھی۔ مجھ تک پہنچی ہے بات' میں نے بھی پورے علاقے کے لوگوں کو اکٹھا کرنا ہے ایک دو دنوں میں اور سردار شاہ دین سے سوال کرنا ہے' کہ اس نے ملک سجاد کو یہاں غنڈہ گردی کی اجازت کیوں دی؟'' اس نے ایک جذبے سے کہا۔

''تو بس پھر ٹھیک ہے۔ اس کے جواب پر آئندہ کا ردعمل کر لیں گے۔'' میں نے فوراً ہی جواب دیا۔

''اس کا مطلب ہے' تم حق بات پر پہرہ دو گے؟'' اس نے پوچھا۔

''کیوں نہیں' کیا میں اس علاقے سے تعلق نہیں رکھتا۔'' میں نے جواب دیا۔

''ٹھیک ہے' میرے لیے اتنا ہی کافی ہے۔ بس دو دن دو مجھے.....'' اس نے کہا اور پھر اس جانب چل پڑا جدھر دلبر کو دفنا رہے تھے۔ وہ مجھ سے الگ ہوا تو چھا کا تیزی سے میرے پاس آیا' میں نے اسے نکلنے کا اشارہ کیا' ہم قبرستان سے نکلتے چلے گئے۔ میں دلبر کے گھر جانے کی بجائے اچھو کریانے والے کی دکان کی طرف چلا گیا۔ اس کا فون ٹھیک ہو چکا تھا۔ میں نے کارڈ پر درج نمبر ملائے' چند لمحوں بعد فون اٹھا لیا گیا۔ دوسری طرف سے سوہنی ہی بول رہی تھی۔

''مجھے معلوم تھا کہ تو مجھے فون کرے گا۔'' اس نے خمار آلود لہجے میں کہا تو میں نے غصے کو دباتے ہوئے پوچھا۔

''تو یہ بتا کہ ماں کدھر ہے اور تو اسے کیوں لے کر گئی ہے؟''

''لے' اماں سے بات کر.....'' یہ کہہ کر اس نے اماں کو فون دے دیا' کیونکہ اگلے ہی لمحے اماں کی آواز ابھری۔ ''کیسا ہے تو جمال؟''

''اماں' یہ تو نے کیا کیا.....اس کے ساتھ کیوں چلی آئی۔''

''ملک سجاد کے لوگ تجھے مارنے کے لیے گھر تک آ گئے تھے۔ سوہنی کو معلوم تھا کہ وہ ایسا کریں گے' میری جان کو خطرہ تھا وہاں' سو انہیں تو نہیں ملا' پھر اچانک خبر ملی کہ ملک سجاد کو گولیاں لگ گئی ہیں.....سوہنی مجھے اپنے ساتھ ادھر لے آئی۔''

''ادھر کہاں.....'' میں نے تیزی سے پوچھا۔

''لاہور.....یہاں اپنے گھر.....'' اماں نے جواب دیا۔

''تو ٹھیک تو ہے نا ماں.....اس نے کوئی دھمکی.....''

''اوہ' نہیں پتر.....! تو ایسا نہ سوچ.....میں بڑے آرام سے ہوں یہاں پر۔''

''یہ ملک سجاد کے کہنے پر تو.....'' میں نے کہنا چاہا۔

''او نہیں' اس کے تو فرشتوں کو بھی خبر نہیں ہے۔ وہ تو خود ہسپتال میں ہے' تو ایسا کر' یہ سوہنی سے پتا پوچھ لے.....پھر مجھے جب چاہے لینے آ جانا۔ میں محفوظ ہوں یہاں پر۔'' اماں نے دلاسہ دینے والے انداز میں کہا۔

''ٹھیک ہے' دو اسے فون.....'' میں نے کہا تو چند لمحوں بعد سوہنی لائن پر تھی۔

''دیکھ جمال..... مجھے تیری بہت ضرورت ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں اماں کو یہاں لا کر تجھے بلیک میل کر رہی ہوں۔ میں اماں ہی کو نہیں تجھے بھی بچا لینا چاہتی ہوں۔ پلیز..... یہاں میرے پاس آ جاؤ' جو کہنا ہے مجھے کہہ لو' مگر میری بات ضرور سن لو۔''

''پتہ لکھواؤ۔'' میں نے اس کی بات سنی ان سنی کرتے ہوئے کہا۔ اس نے اپنا پتا لکھوانا شروع کر دیا۔ لکھتے ہوئے مجھے یقین نہیں تھا کہ یہ درست بھی ہو گا یا غلط' لیکن میں نے لکھ لیا۔ پھر میں نے کہا۔ ''دیکھ.....! اگر یہ پتا درست نہ ہوا تو.....''

''تیری سب سے بری عادت یہی ہے کہ تو کسی پر اعتماد نہیں کرتا' جب چاہے چلے آنا' میں تجھے یہیں ملوں گی اور سن ماں کی طرف سے بے فکر ہو جا' میں نے سنبھال لیا ہے اسے۔'' اس نے بڑے پیار سے کہا تو مجھے غصہ آ گیا۔

''اوئے تو کون ہوتی ہے میری سنبھال لینے والی' دیکھ تو اماں کو لے کر ادھر آ جا' ورنہ مجھے تو آنا ہی ہے.....تجھے پاتال سے بھی نکال لوں گا۔''

''میں یہی تو چاہتی ہوں کہ تو میرے پاس ادھر آئے' کل کا آتا ہے آج آ جا۔'' اس نے پھر اسی پیار بھرے لہجے میں میرا غصہ نظر انداز کرتے ہوئے کہا' اب اس سے مزید بات کرنا فضول تھا۔ اس لیے میں نے فون بند کر دیا۔ میں نے اچھو کی طرف ایک بڑا نوٹ بڑھاتے ہوئے کہا۔

''یہ رکھ پیسے' اور یہ نمبر کسی کے ہاتھ نہیں لگنا چاہیے۔''

''پیسے بھی آپ رکھو اور یہ نمبر میں ابھی یہاں سے ختم کر دیتا ہوں' نہ ہوگا نہ مجھے پتا چلے گا' مین کسی سے کچھ نہیں کہوں گا۔''

''تو پھر تُو زندہ بھی رہے گا۔'' میں نے کہا اور نوٹ اس کے کاؤنٹر پر رکھ کر پلٹ گیا۔ چھا کا بائیک لینے چلا گیا تھا اور میں اس کے انتظار میں وہیں کھڑا ہو گیا۔

اس وقت مجھے بالکل بھی سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں اور کدھر جاؤں۔ بس ذہن میں یہی تھا کہ فوراً اماں کے پاس جا پہنچوں۔ سوہنی نے تو انکار کر دیا تھا کہ وہ اب گاؤں نہیں آئے گی' پیرزادہ اپنے طور پر مجھے آئندہ آنے والے دنوں کے بارے میں بتا چکا تھا۔ میں کسی طور اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا تھا۔ پیرزادوں اور سرداروں کے درمیان سرد مہری اب غصے میں بدل چکی تھی۔ اگر یہ لاوا پھٹ جاتا ہے تو انہی دو خاندانوں کا نقصان ہونا تھا۔ لیکن اگر وہ دونوں ''اندر کھاتے'' بیٹھ کر صلح کر گئے تو پھر علاقے سے لوگ چن چن کر ماریں گے۔ تب میرا مقصد پورا نہیں ہونے والا تھا۔ میں نے ملک سجاد کو چھوڑ کر اچھا کیا تھا یا برا' یہ میں نہیں جانتا تھا لیکن سردار اس پورے علاقے میں ''گندے'' ہو گئے تھے' ہر دماغ میں ان کے خلاف زہر بھر چکا تھا۔ یہ میری کسی حد تک کامیابی تھی۔ میں یہی جمع تفریق کر رہا تھا کہ چھا کا بائیک لے کر آ گیا۔

''چل گھر چل.....'' میں نے کہا اور اس کے پیچھے بیٹھ گیا۔ اس نے خاموشی سے بائیک بڑھا دی۔ کچھ ہی دیر بعد ہم گھر جا پہنچے۔ صحن میں نیم کے درخت تلے چارپائی بچھا کر بیٹھ گئے۔ تبھی میں نے سوہنی سے فون پر ہونے والی باتوں کے بارے میں بتا دیا۔ کچھ دیر سوچتے رہنے کے بعد وہ بولا۔

''ایسا کر چلتے ہیں لاہور' اور اماں کو لے آتے ہیں۔'' چھا کے نے کہا۔

''چل پھر..... چلتے ہیں لیکن' صرف ایک مسئلہ ہے' ہمارے دوست کہیں یہ خیال نہ کریں کہ ہم بھاگ گئے ہیں کہیں' یا اس موقع سے دشمن فائدہ نہ اٹھا لے.....'' میں نے یونہی تشویش ظاہر کی تو وہ بولا۔

''دیکھ..... ملک سجاد کا کوئی بندہ اب علاقے میں نہیں ہے' پیرزادوں اور سرداروں کی لڑائی میں تو ہم ویسے ہی دخل نہیں دیں گے۔ اول تو ان کی لڑائی نہیں ہوگی' اگر ہوئی بھی تو ہم نے تماشہ دیکھنا ہے اور وہ دو تین دن سے پہلے نہیں ہونے والی' اور اگر تجھے زیادہ ہی فکر ہے تو پھر تم چلے جاؤ' میں ادھر رہتا ہوں۔'' چھا کے نے تجویز دی۔

''تو ادھر ہی رہ یہاں گھر میں..... میں نکلتا ہوں.....'' میں نے ایک دم سے اٹھتے ہوئے کہا۔ کیونکہ اماں کے بغیر مجھے سکون نہیں آ رہا تھا۔

''رب راکھا۔'' چھا کے نے کہا تو مین نے بائیک اٹھائی اور نکلنے لگا' تب چھا کے نے میری طرف مسکرا کر دیکھا تو میں چل دیا۔

جس وقت میں قریبی قصبے میں پہنچا' تب تک سورج مغربی افق کی جانب جھک گیا تھا۔ مگر دن ڈھلنے میں کافی وقت پڑا تھا۔ میں نے اپنی بائیک ایک دوست کے گھر کھڑی کی اور اس کی گاڑی لے کر لاہور کی جانب چل پڑا۔ مجھے یقین تھا کہ میں آدھی رات سے پہلے لاہور پہنچ جاؤں گا۔

رات کا دوسرا پہر شروع ہو چکا تھا' جب میں لاہور کے ماڈل ٹاؤن میں پہنچا' گھر تلاش کرنے میں مجھے تھوڑی سی دقت تو ہوئی لیکن میں پہنچ گیا۔ میں نے گیٹ کے سامنے گاڑی روکی اور نمبر کی تصدیق کر کے کال بیل پر انگلی رکھ دی۔ زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ اندر سے ایک چوکیدار برآمد ہوا۔ اس نے مجھے سر سے پاؤں تک دیکھا اور پھر واپس مڑ کر بڑا گیٹ کھول دیا پھر اشارے سے سمجھانے لگا کہ گاڑی اندر لے آؤ۔ تبھی مجھے ایک دم سے خیال آیا کہ کہیں یہ جال نہ ہو' سوہنی نے مجھے پھنسانے کے لیے ایک پتا تھما دیا اور میں آنکھیں بند کر کے اندر چلا جاؤں' جہاں کے چوکیدار نے مجھ سے بات کرنا پسند نہیں کیا تھا' میں نے چوکیدار سے کہا۔

''جاؤ' پہلے اپنی بیگم صاحبہ کو بلا کر لاؤ۔''

چونکہ وہ گیٹ کھول چکا تھا' اس لیے نہ آگے جا سکتا تھا اور نہ کھلا گیٹ چھوڑ کر اندر پلٹ سکتا تھا۔ وہ اسی کشمکش میں تھا کہ اندر سے سوہنی برآمد ہوئی۔ میں پہلی نگاہ میں اسے پہچان ہی نہیں سکا تھا۔ اس نے پورا لباس زیب تن کیا ہوا تھا۔ سر پر آنچل یوں تھا جیسے سکارف باندھا ہوا ہو۔ صرف اس کے چہرے پر کپڑا نہیں تھا' وہ دھیمے دھیمے قدم بڑھاتی ہوئی آ گئی۔ پھر مجھے دیکھ کر بولی۔

''مجھے معلوم تھا کہ تو نہیں آئے گا ایسے' حالانکہ میں نے تجھے بالکونی سے دیکھ لیا تھا' چل آ اندر۔'' میں نے دلچسپ نگاہوں سے اسے دیکھا اور پھر گاڑی اندر لانے کے لیے لپکا۔

کچھ ہی دیر بعد میں اس کے ساتھ ڈرائنگ روم میں تھا' جہاں سامنے ہی صوفے پر اماں بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ مجھے دیکھتے ہی کھڑی ہو گئی۔ پھر مجھے گلے لگاتے ہوئے بولی۔

''مجھے معلوم تھا کہ تو آج رات ہی آ جائے گا' تو نہیں رہ سکتا میرے بغیر۔''

''اماں.....! تو مجھے یہ بتا' اس کی باتوں میں آ کر تو یہاں کیوں آ گئی۔ اس نے جھوٹ بولا کہ ملک سجاد کے بندے اس رات ہمارے گھر آئے ہیں..... میں نے پتا.....''

''یاد کر' یہ بات میں نے تم سے کہی تھی' سوہنی نے نہیں۔'' اماں نے میری تصحیح کی۔

''لیکن وہاں تو کوئی بھی نہیں آیا تھا۔'' میں نے اپنی بات پر زور دیتے ہوئے کہا۔

''آئے تھے پتر' مگر سوہنی کو وہاں دیکھ کر پلٹ گئے۔ اس لیے تو میں یہاں آ گئی ہوں۔'' اماں نے تیزی سے بتایا۔

''مگر کیوں اماں' کیا مجھ پر بھروسہ نہیں ہے۔'' میں نے غصے میں کہا۔

''ہے..... بھروسہ ہے' میں یہ بھی جانتی ہوں کہ تو میرا ہر طرح سے تحفظ کر سکتا ہے لیکن تم یہ بھی جانتے ہو کہ میں ہی وہ ذات ہوں جو تیری کمزوری ہے۔ پتر میں تجھے کہیں بھی کمزور نہیں دیکھنا چاہتی' تیرے ذمے جو مقصد ہے' تو وہی پورا کر.....'' اماں نے بے حد جذباتی انداز میں کہا۔

''لیکن اس کے پاس کیوں..... اس پر کیسے بھروسہ کیا جا سکتا ہے.....'' میں نے سوہنی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا' تب وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

''یہ باتیں بیٹھ کے بھی ہو سکتی ہیں۔''

اس کے یوں کہنے پر اماں بیٹھ گئی' پھر اس کے ساتھ وہ بیٹھی تو مجھے مجبوراً بیٹھنا پڑا۔

''سنو جمال.....! میں نے میلے والی رات ہی اپنی زندگی کا بہت بڑا فیصلہ کر لیا تھا اور وہ فیصلہ تھا کہ میں نے یہ طوائف والی زندگی ختم کر دینی ہے۔ میں لاشعوری طور پر پہلے ہی اس زندگی سے اکتائی ہوئی تھی۔ جسے بس ہلکا سا اشارہ چاہیے تھا۔ کوئی سہارا دے دے مجھے اور میں گناہوں کی اس زندگی سے چھٹکارا پا لوں۔ میں نے وہاں تمہارے پاس رہنا چاہا' لیکن تم نے مجھے نہیں رہنے دیا۔ ملک سجاد' میرا بڑا عاشق بنا پھرتا ہے' لیکن تمہارے سامنے وہ کچھ بھی ثابت نہ ہوا۔ میں یہاں سے زیادہ وہاں تمہارے گاؤں میں محفوظ تھی' تم پر بوجھ نہ بنتی اپنا خود کما لیتی' مگر تو نے مجھے ذرا بھی سہارا نہیں دیا۔''

''مجھے اب تک سمجھ نہیں آ رہی ہے کہ تم کہنا کیا چاہتی ہو' میری اماں کا اس بات سے کیا تعلق؟'' میں نے اکتائے ہوئے انداز میں کہا۔

''ہے تعلق ہے' اماں نے مجھے اخلاقی طور پر سہارا دیا' ایک جھٹکے سے میرے ذہن میں موجود گند کو نکال دیا۔ مجھے انہوں نے بتایا کہ عورت ہوتی کیا ہے' اب ان پر ہے' چلی جائیں گی تو میں دوبارہ طوائف کی زندگی کی طرف پلٹ جاؤں گی' مجھے

کوئی نہیں روک سکے گا' اگر اماں کو لے جا سکتے ہو تو لے جاؤ.....'' سوہنی نے عجیب لہجے میں کہا' جس میں غرور' محبت اور اپنے ہونے کا احساس تھا۔ وہ مجھ سے جواب مانگ رہی تھی اور میں سوچ رہا تھا کہ اب اسے کیا کہوں؟

❀.....❀.....❀

سوہنی کو دینے کے لیے میرے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ اخلاقی طور پر مجھے، اس طوائف کو لازماً سہارا دینا چاہیے تھا جو ایک بہتر زندگی کی طرف آنا چاہتی تھی۔ مگر کیا یہ حقیقت تھی یا فریب' میں اسی پر سوچ رہا تھا کہ وہ زہر خند لہجے میں بولی۔

''تم ابھی اور اسی وقت اماں کو لے جا سکتے ہو' میں تمہیں بالکل نہیں روکوں گی۔''

''تم صرف اور صرف مجھے جذباتی طور پر بلیک میل کرنے کی کوشش کر رہی ہو' طوائف رہنا یا اچھی اور عزت والی زندگی گزارنا تمہارا اپنا فیصلہ ہے' تم چاہو تو اپنی زندگی خود بنا سکتی ہو۔'' میں نے ایک کمزور سی دلیل کا سہارا لیا۔ جس کے پھسپھسے ہونے کا مجھے خود احساس تھا۔

''تو پھر جاؤ' لے جاؤ' میں اپنی زندگی جیسے چاہوں گزاروں' ملک سجاد بچ گیا تو اس کی مرضی کے مطابق اس کے اشاروں پر ناچنا ہوگا' وہ نہ رہا تو کوئی دوسرے ہیں۔ میں چاہوں بھی تو اس کرپٹ معاشرے میں باعزت زندگی نہیں گزار سکتی۔ کون دے گا تحفظ' تم جیسا کوئی.....؟'' اس بار اس کے لہجے میں سے آگ برس رہی تھی۔ میں خاموش رہا تو کہتی چلی گئی۔

''تمہیں صرف یہی اعتراض ہے کہ اماں میرے پاس کیوں ہے' کتنا تحفظ دے سکے گی مجھے یہی نا' یا شاید میں تمہارے دشمنوں سے مل کر اماں کو ضمانت کے طور پر رکھے ہوئے ہوں۔ اگر تو ایسا سوچ رہا ہے تو پھر ایسا کر' مجھے لے چل اپنے پاس' مجھے رکھ لے ضمانت کے طور پر اپنے پاس' اگر کہیں بھی کوئی گستاخی کروں' تمہیں شک بھی ہو جائے کہ میں تجھے نقصان پہنچاؤں گی تو بے شک مجھے مار دینا' تم سے پھر حساب لینے والا بھی کوئی نہیں ہوگا' بولو' تم کیا فیصلہ کرتے ہو' اماں کو یہاں رہنے دیتے ہو' یا مجھے اپنے ساتھ لے جاتے ہو' بولو.....؟''

''میں تم سے بحث نہیں کرنا چاہتا سوہنی' میں تجھے کیوں رکھوں' میرا تم سے کیا لینا دینا۔'' میں نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

''ایسے نہ کہو جمال.....! میں نے تجھے اپنا سب کچھ مان لیا ہے' میں ڈرتی ہوں اس وقت سے جس میں کوئی نقصان نہ ہو جائے۔'' اس نے بھی دھیمے لہجے میں کہا' تب میں سمجھ گیا کہ وہ مجھے باتوں کے جال میں پھنسا سکتی ہے' خواہ مخواہ کے خلوص اور ہمدردی کے لبادے میں میری سب سے بڑی کمزوری اپنے ہاتھ میں لینا چاہتی ہے' لہٰذا میں نے تمام تر باتوں کو ایک طرف رکھتے ہوئے اماں سے کہا۔

''اماں.....! چلو تمہیں یہاں نہیں رہنا' ہم چلیں۔''

''پتر.....! میں تیرے کہنے پر یہاں سے چلی جاتی ہوں' لیکن سوہنی کو بھی ساتھ لے چل۔ یہ بات میں تجھ سے کہہ رہی ہوں۔''

''ماں.....! تیرا حکم سر آنکھوں پر' تو جیسا چاہے گی' ویسا ہی ہوگا' کیا میں یہ پوچھ سکتا ہوں کہ تم اسے اپنے ساتھ لے جانے پر کیوں بضد ہو؟'' میں نے اپنے آپ پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

''یہ میں تمہیں وقت آنے پر بتا دوں گی' یہ ایک راز ہے' ویسا ہی راز جو تیرے اور میرے سینے میں دفن ہے' اور جس کی آگ نے ہم دونوں کو بے چین کر رکھا ہے۔'' ماں نے بڑے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا تو میں بری طرح چونک گیا۔ میں نے پھر مزید بات نہیں کی' میرے پاس کہنے کے لیے کچھ نہیں تھا۔ سو میں خاموش ہو گیا۔

''اماں.....! یہ اس وقت تک شک شبے میں رہے گا' جب تک اسے بتا نہ دیا' یہ آپ کا حکم تو مانے گا' لیکن یقین نہیں کرے گا' بتا دیں اسے.....اس طرح یہ بھی جان جائے کہ میں طوائف زادی نہیں ہوں۔'' یہ کہتے ہوئے وہ ایک دم سے رو دی۔ میں حیران رہ گیا کہ یہ کیسا راز ہے' تبھی اماں نے کہا۔

''تو سن لے پتر.....! یہ سوہنی' سردار شاہ دین کی بیٹی ہے۔'' دھیرے سے کہے گئے لفظوں میں اماں نے گویا دھماکہ کر دیا۔ شاید میں اس دھماکے سے اتنا نہ لرزتا' جس سے جسم کٹ پھٹ جاتا ہے' میں حیرت سے سوہنی کو دیکھ رہا تھا' وہ جس کا تعارف طوائفوں کے ٹولے میں ہوا تھا' وہ سردار شاہ دین کی بیٹی کیسے ہو سکتی ہے؟ اماں میری طرف دیکھ رہی تھیں۔ تب وہ کہتی چلی گئیں۔ ''یہ کوئی نئی یا انہونی بات نہیں ہے پتر' سردار شاہ دین جیسے جاگیردار' دولت مند عیاش' جنہوں نے جسم خریدنے کو اپنی عزت بنایا ہوا ہے' سوہنی بھی اس کا نتیجہ ہے۔''

''اس کا یقین کیسے کر لیں؟'' میں نے کہا تو سوہنی تیزی سے بولی۔

''یہی تو.....یہی تو میں چاہتی ہوں کہ یقین ہو جائے' مجھے تو پورا پورا یقین ہے اور میرے پاس اس کے ثبوت بھی ہیں۔ وہ نہ صرف میں تمہیں دکھاتی ہوں' بلکہ بتاتی بھی ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ اٹھی اور اندرونی کمروں کی طرف چلی گئی۔ میں اور اماں خاموش وہیں ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہوئے تھے۔ میں بہت کچھ کہنا چاہتا تھا اور بہت کچھ پوچھنا بھی چاہ رہا تھا۔ اماں کے چہرے پر کسی قسم کا کوئی جذبہ نہیں تھا۔ کچھ دیر بعد وہ واپس آ گئی۔ اس کے انداز میں تیزی تھی۔ وہ میرے ساتھ آ کر بیٹھ گئی۔ اس کے ہاتھ میں چند تصویریں تھیں۔ اس نے ایک تصویر میری جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔

''یہ دیکھو.....اس تصویر میں' میری ماں ہے اور سردار شاہ دین' یہ مری کی تصویر ہے اور باقی میں دیکھو.....یہ انہی دنوں کی یادگار ہیں' جن دنوں میرا اس دنیا میں آنا لکھا گیا۔'' میں نے وہ ساری تصویریں دیکھیں اور اسے واپس کرتے ہوئے کہا۔

''مان لیا کہ اس کے تمہاری ماں کے ساتھ اچھے دن گزرے ہوں گے' مگر تم.....؟''

اس پر وہ ذرا سا مسکرائی اور بولی۔

''دس پندرہ سال پہلے تم یہ سوال کرتے تو شاید میرے پاس اس کا کوئی جواب نہ ہوتا' لیکن آج اس کا ثبوت تو مل سکتا ہے' ڈی این اے ٹیسٹ' جب چاہیں کروا لیں.....'' اس نے کہا تو میں بہت کچھ سمجھ گیا۔ تبھی میں نے پوچھا۔

''کیا سردار.....ٹیسٹ کروانے پر راضی ہو جائے گا۔''

''کبھی بھی نہیں.....سنو' میں تمہیں بتاتی ہوں.....'' یہ کہہ کر وہ چند لمحے سانس لینے کو رکی پھر کہتی چلی گئی۔ ''یہ ان دنوں کی بات ہے' جب میری ماں نے مجھے ملک سجاد کو بیچ دینا چاہا' ہر طوائف کی طرح وہ بھی میرے دام کھرے کرنا چاہتی تھی۔ میں ایسا ہی سمجھتی رہی' اور شاید میں ہنسی خوشی ملک سجاد کے ساتھ چلی جاتی' اس کی رکھیل بن کر' لیکن میری ماں کچھ اور ہی چاہتی تھی' وہ سردار سے انتقام لینا چاہتی تھی۔''

''کیوں.....؟'' میں نے پوچھا۔

''طوائف بھی ایک عورت ہوتی ہے۔ عورت اپنا سب کچھ قربان کر سکتی ہے' جسے چاہتی ہے' اس پر' اپنا آپ نچھاور کر دیتی ہے لیکن اپنی ہتک برداشت نہیں کر سکتی' سردار نے میری ماں کو بہت سبز باغ دکھائے' دولت بھی لٹائی' لیکن جب اس نے بتایا کہ وہ اس کے بچے کی ماں بننے والی ہے تو سردار نے بری طرح دھتکار دیا۔ پہلی بار اسے طوائف ہونے کا طعنہ دیا' پھر اسے چھوڑ کر اپنی دنیا میں مگن ہو گیا۔'' اس نے بے حد جذباتی انداز میں کہا تو میں نے پوچھا۔

''تم اپنی ماں کے انتقام کے بارے میں بتا رہی تھیں۔''

''وہی تو..... میری ماں نے مجھے جب ملک سجاد کے ہاتھ بیچ دینا چاہا' تو ساتھ میں اسے بتا دیا کہ میں کس کی بیٹی ہوں۔'' اس نے اسی لہجے میں کہا۔

''یہ بتانے کی وجہ.....؟'' میں نے پوچھا تو وہ بولی۔

''وہ چاہتی تھی کہ ملک سجاد مجھے صرف رکھیل نہ رکھے بلکہ اپنی بیوی بنالے' اس کے دو فائدے تھے ایک تو اسے مضبوط سہارا مل جاتا ملک سجاد کی صورت میں' جب میں ان کے خاندان کی بہو بن جاتی تو وہ سردار شاہ دین کو بتاتی' میری ماں کو خوف بھی تھا کہ اگر یہ راز پہلے ہی کھل گیا تو ممکن ہے سردار ہمیں مروا دے۔'' اس نے بتایا تو میں نے پوچھا۔

''تو پھر ایسا کیوں نہیں ہوا' جو تمہاری ماں چاہتی تھی؟''

''ملک سجاد کی نیت مجھے بیوی بنانے کی نہیں تھی' اسے یہ شک تھا کہ میری ماں صرف میرا ریٹ بڑھانے کے لیے ایسی بات کر رہی ہے' وہ میری ماں کو رقم دے کر مجھے اپنے ساتھ لے جانا چاہتا تھا' اس دوران نہ صرف مجھے اپنی ماں کی اصل نیت کا پتہ چلا بلکہ ملک سجاد کی نیت کا بھی' تب میری زندگی ہی بدل گئی' میں نے خود اپنی پہچان حاصل کرنے کا پکا ارادہ کر لیا۔ مجھے میلے میں آنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی لیکن میں چاہتی تھی کہ کسی نہ کسی طرح شاہ زیب مجھے حویلی تک رسائی دے دے' ایک بار سردار شاہ دین کا سامنا ہو جائے۔''

''وہ تو تم اب بھی جا سکتی ہو' سیدھے اس کی حویلی میں چلی جاؤ' اس کی بیٹی ہونے کا دعویٰ کر دو۔'' میں نے کہا۔

''میں حویلی میں چلی جاؤں' پھر واپس آ جاؤں گی.....؟ بولو.....'' اس نے طنزیہ انداز میں کہا۔ ''سینوں میں دبا ہوا راز مٹی میں دفن ہو جاتا۔''

''تو پھر تم چاہتی کیا ہو؟'' میں نے زچ ہوتے ہوئے پوچھا۔

''میں اپنی ماں کو چھوڑ چکی ہوں' ملک سجاد کچھ عرصہ اس قابل نہیں ہے کہ مجھ تک رسائی حاصل کر لے' ممکن ہے وہ زندہ ہی نہ رہے' میں سردار شاہ دین کی بیٹی بن کر اس کی حویلی میں رہنا نہیں چاہتی' اور نہ ہی مجھے اس کی جائیداد کا لالچ ہے' میں اسے مجبور کرنا چاہتی ہوں کہ وہ مجھے پوری دنیا کے سامنے اپنی بیٹی تسلیم کر لے..... میں اسی لیے گاؤں میں رہنا چاہتی ہوں۔ یہ میری خوش قسمتی ہے جمال کہ تو مجھے مل گیا' میں تیری مضبوط بانہوں کے حصار میں رہنا چاہتی ہوں۔'' اس نے یہ کہہ کر اس طرح سانس لیا جیسے بہت بڑا بوجھ خود پر سے اتار دیا ہو۔ میں اس کی باتوں پر چند لمحے سوچتا رہا' پھر ایک دم اس سے کہا۔

''چلو.....! میرے ساتھ نور نگر چلتے ہیں' لیکن یہ یاد رکھو اگر تم نے غلط.....''

''سب یاد ہے۔'' اس نے ایک دم سے خوش ہوتے ہوئے کہا پھر بڑی ادا سے پوچھا۔ ''چلوں؟''

''چلو.....!'' میں نے کہا اور اٹھ گیا۔

''اب ایسے تو نہ کرو جمال' کچھ کھاؤ پیو' ذرا دیر بیٹھو' ابھی چلتے ہیں۔'' سوہنی نے خوش ہوتے ہوئے کہا تو میں نے ماں کی طرف دیکھا' وہ مسکرا دی تھی۔

اس وقت سورج ڈوب چکا تھا' جب جسمیندر کی ای میل آ گئی تھی اور جسپال اسے پڑھ کر سوچ رہا تھا کہ اس کا اسی گھر میں رہنا ہی ٹھیک ہے۔ اس وقت اوگی پنڈ میں انتہائی سخت سیکورٹی تھی۔ بہت ساری وی آئی پی شخصیات آخری رسومات میں شریک ہو کر واپس جا رہی تھیں۔ نہ صرف نکودر کی پولیس وہاں تعینات تھی بلکہ جالندھر سے بھاری نفری منگوائی ہوئی تھی۔ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا تھا کہ وہاں پر دوسری خفیہ ایجنسیوں کے لوگ نہ ہوں' کچھ دن قبل ہی اس نے ایجنسیوں کے دو

لوگ مارے تھے۔ جنہیں کمیشن کا حصہ بنایا گیا تھا۔ پھر ہردیپ سنگھ کا قتل کوئی چھوٹی سی بات نہیں تھی۔ شک بھری نگاہیں اُس پر تن گئی تھیں اس کے اندر کی نفرت تو اسے مجبور کر رہی تھی کہ جان جاتی ہے تو جائے' رویندر سنگھ اپنے پریوار کے ساتھ موجود ہے تو اسے ختم کر دینا چاہیے۔ وہ خود پر جبر کیے ہوئے تھا۔ ہرپریت نے اس کے ذہن کو دوسری جانب لگانے کی بہت کوشش کی تھی اور اب وہ رات کا کھانا لگوانے کے لیے نیچے چلی گئی تھی۔ اس دوران اس نے میل دیکھی تو جسمیندر سنگھ نے اسے کسی بھی طرح کے عمل سے منع کر دیا تھا اور اسے گھر تک محدود رہنے کی تلقین کی تھی۔ اس نے وجہ صرف یہی بتائی تھی کہ سیکورٹی بہت سخت ہے' وہ سوچتا چلا جا رہا تھا اور اسے اکتاہٹ ہونے لگی تھی۔ اس نے لیپ ٹاپ بند کر دیا اور اسے سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر نیچے جانے کے لیے پر تولنے لگا۔

اس وقت وہ کمرے سے نکلنے لگا تھا کہ رن ویر سنگھ کا فون آ گیا۔ اسے پوری اُمید تھی کہ وہ اسے فون لازمی کرے گا اور اس نے کر دیا' شاید وہ لاشعوری طور پر اس کا انتظار کر رہا تھا۔

''ہیلو! انسپکٹر رن ویر سنگھ' بولیں..... تھانے حاضری لگوانے کے لیے آؤں یا پھر آپ تشریف لائیں گے۔'' اس کے لہجے میں شدید طنز تھا' جیسے وہ اسے غصہ دلانے کی کوشش کر رہا ہو' حالانکہ ایسا ہی کچھ دیر پہلے رن ویر سنگھ کر چکا تھا' ذرا ہی دیر میں دوسری طرف سے آواز آئی۔

''میں تمہارے گھر کے باہر کھڑا ہوں' گیٹ کھلواؤ' تاکہ میں اندر آؤں۔''

''ابھی آیا.....'' اس نے کہا اور فون بند کر کے ہرپریت کو کال ملا دی' پھر اسے رن ویر سنگھ کے آنے کے بارے میں بتا کر کہا کہ وہ اسے اندر بلوا لے' اس دوران وہ سیڑھیاں اترتے ہوئے نیچے چلا گیا۔ اس نے دیکھا' بنتا سنگھ اندر کی جانب آ رہا تھا' وہ چند لمحے سوچتا رہا پھر خود ہی ڈرائنگ روم سے نکلتا چلا گیا اور کاریڈور میں آ کر کھڑا ہو گیا۔ اتنی دیر تک بنتا سنگھ اس کے قریب آ گیا تھا۔

''وہ جی باہر کوئی انسپکٹر رن ویر سنگھ آیا ہے۔''

''اسے اندر لے آؤ۔ اور ہاں' اس کے ساتھ اور کتنے لوگ ہیں؟'' جسپال نے بنتا سنگھ سے پوچھا۔

''اکیلا ہی ہے جی' اپنی جیپ میں۔''

''بلاؤ اسے.....'' جسپال نے کہا اور واپس اندر کی طرف چلا گیا۔ وہ جس وقت صوفے پر جا کر بیٹھا' تب تک ہرپریت کے ساتھ انوجیت بھی آ گیا۔ وہ دونوں باہر سے آتے ہوئے انسپکٹر کو دیکھ رہے تھے' جو بڑے اعتماد سے اندر کی طرف آ رہا تھا' چند لمحوں بعد وہ آ گیا' اس نے انوجیت سے ہاتھ ملایا اور ست سری اکال کہہ کر جسپال کی جانب بڑھا' اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر فتح بلائی۔

''آئیں بیٹھیں۔'' انوجیت نے کہا تو وہ پرسکون انداز میں بیٹھ گیا تو ہرپریت نے پوچھا۔

''چائے' کافی یا لسی..... کیا پئیں گے آپ..... ویسے تو ڈنر کا ٹائم بھی ہے۔''

''ایک کپ چائے..... اگر فوراً مل جائے تو..... میں زیادہ وقت نہیں لوں گا۔ کیونکہ آپ کو ڈنر بھی کرنا ہے۔'' اس نے دھیمی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا تو ہرپریت اندر کی جانب چلی گئی۔ تبھی جسپال نے کہا۔

''جی رن ویر سنگھ جی' فرمائیں۔''

''جسپال.....!'' اس نے ایک دم سے گھمبیر لہجے میں کہا۔ ''تمہاری یہاں آمد کے ساتھ ہی قتل کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا' پہلے انسپکٹر قتل ہوا' جس کی جگہ میں یہاں آیا ہوں' پھر اس کمیشن کے دو بندے' جو اس قتل کی تفتیش پر تھے اور اب رویندر سنگھ کا بیٹا ہردیپ سنگھ..... ان سب کا ایک دوسرے کے ساتھ تعلق جڑا ہوا ہے۔''

''کیسے.....؟'' جسپال نے پوچھا۔

''بظاہر ہردیپ سنگھ کا قتل اس سے جڑا ہوا دکھائی نہیں دیتا' لیکن اس کمیشن میں رویندر سنگھ بھی تو شامل تھا۔'' وہ پرسکون انداز میں بولا۔

''اچھا تو پھر.....؟'' جسپال نے اُکتائے ہوئے انداز میں پوچھا تو وہ بولا۔

''دوسری طرف اچانک ہی تمہارے ساتھ کچھ واقعات کا پیش آنا اور خصوصی طور پر رویندر سنگھ کے پتر..... بلجیت سنگھ سے تمہاری لڑائی۔''

''آپ اس سے ثابت یہ کرنا چاہ رہے ہیں کہ وہ سارے قتل میں نے کیے ہیں۔ میں ان کا الزام اپنے سر لے لوں اور آپ کے ساتھ جا کر جرم قبول کر کے پھانسی چڑھ جاؤں' آپ یہ چاہتے ہیں؟'' جسپال سنگھ نے ایک دم سے انتہائی غصے میں کہا تو رن ویر سنگھ نے بڑے سکون سے اس کی طرف دیکھا' پھر چند لمحے خاموش رہنے کے بعد بولا۔

''میں نے سنا ہے کہ تمہارے خاندان کی پہلے سے رویندر سنگھ خاندان سے چپقلش چل رہی ہے۔''

یہ سن کر جسپال نے ایک دم سے قہقہہ لگایا' پھر کچھ لمحے ہنستے رہنے کے بعد بولا۔

''مجھے یہ بتاؤ رنویر سنگھ جی..... میں تمہیں بے وقوف لگتا ہوں یا تم اتنے احمق ہو' یا پھر تم نے کوئی بھاری رشوت لے رکھی ہے' مجھے تو یہ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ تجھے پولیس آفیسر بنایا کس نے.....؟ وقت اور سرمایہ ہی برباد کیا ہے.....'' آخری لفظ کہتے ہوئے اس کے لہجے میں انتہائی درجے کا طنز تھا۔ جس پر رنویر سنگھ دھیرے سے مسکرایا اور بولا۔

''یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں.....؟''

''اور ب کے بندے..... بلجیت سنگھ کا جب پہلی بار میرے ساتھ آمنا سامنا ہوا تو کیا میں اس کے پاس گیا تھا یا وہ تڑی لگانے کے لیے میرے پاس آیا تھا۔ اس کی تفتیش کر لیتے تو معاملہ تجھ پر کھل جاتا کہ کون کیا کرنا چاہتا ہے۔ اور پھر میرے آنے سے تو بھارت میں اور بہت سارے واقعات ہو چکے ہیں' ان دنوں شاید تم انسپکٹر بن رہے ہو' جب پاکستانی ایٹمی دھماکہ ہوا ہے' کیا وہ واقعہ میں آپ پر ڈال دوں۔''

''میں خاندانی دشمنی کی بات کر رہا ہوں۔'' اس نے دھیرے سے مسکراتے ہوئے کہا اور دراصل اس کا یہی پوائنٹ تھا۔

''ہاں.....! یہ بات کرو۔'' جسپال نے پرسکون ہوتے ہوئے کہا۔ ''دیکھو انسپکٹر..... اس وقت میں صرف ایک سال کا ہوگا' یا کم جب یہ واقعات ہوئے' تم بھی جانتے ہو کہ اندرا حکومت نے سکھوں کے ساتھ کیا کیا' پھر اس کے قتل کے بعد اس کے پتر راجیو گاندھی نے کیا کچھ نہیں کیا' نسل کشی کی سکھوں کی..... یہ میرے ہوش سے پہلے کے واقعات ہیں' جو میں نے فقط سنے ہیں' اس میں کیا سچائی ہے ابھی مجھے نہیں معلوم کہ کیا ہوا تھا اصل میں' میں بھی صرف اپنی جائیداد حاصل کرنے کی فکر میں ہوں۔ وہ مجھے مل جائے تو پھر یہ دیکھا جائے گا' میں یہاں رہتا ہوں' یا نہیں رہتا ہوں' دشمنی کرتا ہوں یا نہیں کرتا ہوں۔''

''مطلب آپ کے ذہن میں دشمنی ہے۔'' رنویر مسکرایا۔

''ہاں ہے.....! کیوں نہیں ہوگی' آپ کے ماں باپ کو زندہ جلا دیا جائے تو آپ کے کیا محسوسات ہوں گے' میں نے صرف سنا ہے بے شمار ایسے لوگ ہیں جن کی آنکھوں کے سامنے ان کے بچوں کو یا بڑوں کو زندہ جلا دیا گیا' اور تمہارے جیسے بزدل اور رشوت خور قسم کے پولیس والے یہ تماشہ دیکھتے رہے' اور حکومت وہ ہے جو آج تک ان لوگوں کو انصاف نہیں دے سکی' کیا ان حقائق کو تم لوگ تسلیم کرتے ہو؟ کیا ان کے ذہنوں سے دشمنی نکال پاؤ گے.....؟''

''آپ کی بات درست ہے جسپال سنگھ جی' اور جہاں تک بلجیت کی بات ہے میں نے اس واقعہ کا نوٹس لیا ہے' پھر آپ کی جیپ پر فائرنگ والا واقعہ' میں ان سب کو ملا کر دیکھ رہا ہوں' لیکن آپ ایک احتیاط نہیں کر رہے ہیں' اوگی سے باہر جاتے ہوئے آپ بتا کر نہیں جاتے۔''

''دیکھیں.....! میں ابھی بھارت سرکار کے مطابق غیر ملکی ہوں' میں یہاں کی شہریت ثابت کرنا چاہتا ہوں' مجھے ہر وقت کا پابند نہ کریں کہ میں آپ کو بتا کر جاؤں' مجھے پتہ نہیں کب کہاں اور کس سے ملنے کے لیے جانا ہوتا ہے۔'' جسپال نے کہا۔

''لیکن آپ کو بھارتی قانون کی پاسداری تو کرنا ہوگی' آپ چاہے غیر ملکی ہوں' یا اس ملک کے شہری کی حیثیت سے رہیں۔'' رن ویر نے تحمل سے کہا تو جسپال نے بھی آرام سے کہا۔

''چلیں ٹھیک ہے' میں بتا دیا کروں گا' لیکن اگر کل تک آپ لوگوں نے بلجیت اور میری جیپ والے معاملے پر کوئی فائنل جواب نہ دیا تو میں اپنے سفارت خانے سے رابطہ کر لوں گا' یہ تو میرا حق ہے نا..... اور اس کے لیے مجھے دہلی جانا پڑے گا۔''

''یہ آپ کا حق ہے' دیکھیں' میں مانتا ہوں آپ کی طرف شک کی انگلی کی جا رہی ہے' مگر کسی کے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ آپ کو خواہ مخواہ ملوث کیا جا رہا ہو اور یہ بھی ہے کہ آپ ہی نے یہ جرم کیے ہوں' کوئی بھی صورت حال ہو سکتی ہے' میں آپ کو بہترین مشورہ یہی دوں گا کہ آپ جو شک کے دائرے میں آ چکے ہیں' تعاون کر کے اس دائرے کو ختم کر لیں' تو زیادہ بہتر ہے اور آپ کے لیے اچھا موقع بھی۔''

''مجھے تو کوئی اعتراض نہیں لیکن مجھے آپ جیسے لوگوں پر یقین نہیں' کیونکہ آپ مجھے ابھی یہاں سے لے جا کر تھانے میں بند کر سکتے ہیں' اور کوئی بھی فردِ جرم لگا کر مجھے سزا دلوا سکتے ہیں۔'' جسپال نے کہا تو اس سے پہلے رن ویر کچھ بولتا' جوتی چاہئے لے کر آ گئی' تب رن ویر سنگھ نے انوجیت کی طرف دیکھ کر کہا۔

''اصل میں جسپال سنگھ جی کو پنجاب پولیس پر اعتماد نہیں' ضروری نہیں کہ سب ایک جیسے ہوں..... انہیں تعاون کرنے کے لیے کہیں۔''

''میں تعاون کے لیے ہر وقت تیار ہوں' لیکن یہ اوگی پنڈ' یہ پنجاب میرے لیے آپ جیل تو نہ بنا دیں۔ میں کہتا ہوں کہ آپ ثابت کریں میں اپنا دفاع کر لوں گا' میں آپ پر اعتماد کیسے کروں' بلجیت سنگھ مجھے دھمکیاں دے کر گیا' اس نے مجھ پر قاتلانہ حملہ کروایا' اس کا آپ نے کیا کیا؟ اس لیے کہ وہ اب بھی اس پنڈ کا سرپنچ ہے' آپ اس کا کچھ نہیں کر سکتے' کل کسی نے اس کو مار دیا تو کیا وہ میرے سر پڑ جائے گا' ویسے آپ کی باتوں سے مجھے یہ احساس ہو گیا ہے کہ مجھے اپنے سفارت خانے کو آگاہ کر دینا چاہیے۔ اور کچھ دوسرے قانونی معاملات بھی.....''

''بہر حال ہر بندے کو اپنے تحفظ کا حق حاصل ہے' مگر ہم نے بھی قانون نافذ کرنا ہے' میں یہ کہتا ہوں کہ اگر آپ کی طرف کوئی انگلی اٹھاتا بھی ہے تو آپ کا دامن صاف ہونا چاہیے۔''

''وہ تو ہے' اور اگر کوئی الزام لگائے گا' تو میں اس کا دفاع کروں گا' یہ میرا حق ہے۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ کوئی الزام بھی نہیں لگاتا اور شک میں رکھ کر مجھے ذہنی اذیت دی جا رہی ہے'' جسپال نے تحمل سے کہا تو رن ویر سنگھ نے چائے کا ایک لمبا سپ لیا اور وارننگ دینے والے انداز میں بولا۔

''ٹھیک ہے مسٹر جسپال' میں آپ کو بتا دوں کہ آپ پر میری نگاہ ہوگی' اور میں بلجیت سنگھ کے معاملے میں بھی پوری تفتیش کروں گا' جو ٹھیک ہوگا' وہ کروں گا' بس آپ سے تعاون چاہتا ہوں۔''

''آپ نگاہ رکھیں یا نہیں' میں کوئی جرم نہیں کر رہا ہوں' میں دیکھتا ہوں آپ کی تفتیش کہاں تک جاتی ہے۔ بہر حال! آپ جو چاہیں گے' میں آپ سے تعاون کروں گا۔'' جسپال نے یوں کہا جیسے وہ مزید بات نہ کرنا چاہتا ہو' رن ویر سنگھ چپ چاپ چائے پینے کی طرف متوجہ رہا' جیسے ہی اس نے آخری گھونٹ حلق میں اتارا تو کپ رکھ کر کھڑا ہو گیا' پھر سب کی طرف ہاتھ جوڑ کر بولا۔

''بس..... میں چلتا ہوں جی اب۔''

اس پر کسی نے کچھ نہیں کہا' اس نے سب کی طرف دیکھا اور باہر کی طرف نکلتا چلا گیا' کچھ دیر بعد وہ گیٹ سے پار گیا تو سبھی بیٹھ گئے۔ تب انوجیت نے کہا۔

''کوئی تبصرہ نہیں ہوگا' ہرپریت' جاؤ بے بے کو لاؤ اور جوتی سے کہو ڈنر کے لیے۔''

''اوکے.....!'' وہ یوں سر ہلاتے ہوئے بولی جیسے اس کی بات سمجھ گئی ہو۔

ڈنر کے بعد انوجیت باہر نکل گیا' جبکہ ہرپریت اور جسپال کافی دیر تک بے بے کے پاس بیٹھے رہے۔ وہ جب اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی تو جسپال اٹھ کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ وہ رن ویر سنگھ کے ایک ایک لفظ کو سوچ رہا تھا' اسے یہی سمجھ میں آ رہا تھا کہ وہ صرف دھمکانے کے لیے آیا ہے۔ یا پھر..... یہ احساس دلانے کہ اس کی ہر وقت ان پر نگاہ ہے' ایسا کر کے وہ فقط نفسیاتی دباؤ دینا چاہ رہا تھا' یہ تو حقیقت تھی کہ ان کے پاس کوئی ثبوت کیا ایسا کوئی سراغ بھی نہیں تھا جس کا سرا پکڑ کر وہ اس تک پہنچ جاتے' اگر ایسا ہوتا تو اب تک وہ جیل کی سلاخوں کے پیچھے نہیں بلکہ کسی خفیہ ایجنسی کے عقوبت خانے میں پڑا اپنے زخم چاٹ رہا ہوتا۔

وہ اپنے کمرے میں بیڈ پر لیٹا ہوا تھا' دھیمی دھیمی روشنی تھی' کھلی ہوئی کھڑکی سے ہوا آ رہی تھی' کمرے کا ماحول خاصا خوشگوار تھا' مگر یہ ساری خوشگواریت رن ویر سنگھ کی باتوں میں تحلیل ہو کر پریشانی کا باعث بن رہی تھی۔ اگرچہ یہاں آتے ہی چند دنوں میں اس نے جو کامیابی حاصل کر لی تھی یہ اس کا عشر عشیر بھی نہیں تھا جو وہ سوچ کر آیا تھا' رویندر سنگھ کے خاندان کو ختم کرنا اس کا اولین مقصد تھا' لیکن ہردیپ سنگھ کو مار لینے کے بعد' اس کے خلاف دائرہ بہت تنگ ہوتا چلا جا رہا تھا۔ رن ویر سنگھ کی باتوں سے پختگی چھلکتی تھی' اسے یونہی اس خطرناک اور حساس علاقے میں تعینات نہیں کیا گیا تھا' اگر وینکوور میں جسمیندر سنگھ کا اسے سہارا نہ ہوتا تو شاید وہ اس قدر کامیابی حاصل نہ کر پاتا' وہ جس بین الاقوامی ریکٹ سے تعلق رکھتا تھا اس کی تو خود اسے سمجھ نہیں آئی تھی۔ بس یہی تھا کہ وہ اس کا بہت اچھا دوست تھا' جس کی جڑیں بھارتی پنجاب میں بہت دور تک پھیلی ہوئی تھیں۔ تب اچانک اسے خیال آیا کہ جسمیندر نے جن بندوں کو اس کی مدد کرنے کے لیے کہا اور انہوں نے مدد بھی دی' اگر ان میں سے کوئی پکڑا جاتا ہے تو پھر کیا ہوگا؟ اس کا کمزور ترین پہلو یہی تھا۔ ''کیا ان لوگوں کو میرے بارے میں معلوم ہوگا یا نہیں؟'' یہ سوال ہی جسپال کو پریشان کر دینے والا تھا۔ وہ انہی خیالوں میں کھویا ہوا تھا کہ اسے کمرے کا دروازہ بند ہونے کی آواز سنائی دی۔ اس نے گھوم کر دروازے کی جانب دیکھا تو حیران رہ گیا۔ اس کے سامنے ہرپریت کھڑی تھی لیکن لگتا تھا کہ وہ کسی اور سیارے کی مخلوق ہے۔ اس نے مہین سا ہلکے سبز رنگ کا گاؤن پہنا ہوا تھا۔ جس سے اس کا گورا بدن چھلک رہا تھا' کھلے گیسو' جس میں دائیں جانب سفید کلیوں کی ایک لڑی اس کی گردن پر کھیل رہی تھی' وہ خمار آلود نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ جسپال ایک لمحے کے لیے چکرا کر رہ گیا۔ ہرپریت کا یہ نیا روپ اس کی سمجھ سے بالکل باہر تھا۔ اس لیے وہ تجسس آمیز لہجے میں بولا۔

''ہرپریت' خیریت تو ہے نا' تم یوں.....''

یہ سنتے ہی وہ ایک دم سے ٹھٹک گئی' پھر چند لمحے ساکت رہنے کے بعد سر جھٹکتے ہوئے بولی۔

''واہ جسی جی' واہ' سارے رومانٹک موڈ کا ستیاناس مار دیا ہے' یہ بات کر کے۔''

''اوہ تو تم رومانٹک موڈ میں تھی اور یہ رومانٹک موڈ میں تم بھوتنی بن جاتی ہو؟'' یہ کہتے ہوئے وہ قہقہہ لگا کر ہنس دیا' اس پر ہرپریت بہ مشکل اپنی ہنسی روکتی ہوئی اس کے پاس بیڈ پر آ لیٹی' اور پھر ہنستے ہوئے مذاق اڑانے والے انداز میں بولی۔

''اس وقت تم بھی تو کسی گھوسٹ سے کم دکھائی نہیں دے رہے ہو' منہ دیکھا ہے اپنا۔''

''کیا ہوا میرے منہ کو.....'' اس نے حیرت سے پوچھا تو سنجیدگی سے بولی۔

''یار' تم نے اس رن ویر سنگھ کو کچھ زیادہ ہی سر پر سوار کر لیا ہے' وہ کچھ نہیں ہے' یاد رکھو۔ یہاں جرم وہی ہوتا ہے' جو ثابت ہو جائے' ورنہ کوئی مجرم یہاں مجرم نہیں ہے۔''

''بات یہ نہیں ہے ہرپریت..... میں صرف اور صرف یہ سوچ رہا ہوں کہ اب جتنا وقت زیادہ ہوتا جائے گا' رویندر سنگھ کے خاندان کو مارنے میں اتنی مشکل ہو جائے گی' تمہارا کیا خیال ہے' خفیہ ادارے یہاں سرگرم نہیں ہو گئے ہوں گے۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا۔

''یار.....! چھوڑ ان باتوں کو' ان کا کام ہے' انہوں نے تو کرنا ہے' ہمارا جو کام ہے' وہ ہم نے کرنا ہے' نہ ہم انہیں روک سکتے ہیں اور نہ وہ ہمیں روک سکتے ہیں۔ یہاں تک کہ ہم ایک دوسرے کو ختم نہ کر لیں۔'' ہرپریت کے لہجے نے عزم جھلک رہا تھا۔ اس پر جسپال چند لمحے خاموش بیٹھا سوچتا رہا پھر ایک دم سے مسکراتے ہوئے اس کی کمر پر ہاتھ مارتے ہوئے بولا۔

''پر اس سارے معاملے میں تمہارا اس طرح بھوتنی بن کر آنے سے کیا تعلق.....؟''

''میں نے سوچا' تم ذرا سے الجھے ہوئے ہو' پریشان ہو' میں ذرا جا کر تبدیلی لاتی ہوں' تھوڑی محبت بھری باتیں کریں گے اور..... اور کچھ اچھا وقت گزریں گے' سب کچھ بھول کر.....'' اس نے اپنے لہجے کو خمار آلود بناتے ہوئے کہا تو جسپال ہنستے ہوئے بولا۔

''تم اداکاری بہت اچھی کر لیتی ہو' کبھی فلم انڈسٹری میں کوشش کی؟''

''اوئے یار! کیا پوچھتے ہو' تم نے تو ہماری دکھتی ہوئی رگ پر ہاتھ رکھ دیا' میں نے سوچا ہوا ہے' میں اگر فلم سٹار نہ بنی تو اپنی فلم ضرور بناؤں گی' چاہے اس کے لیے مجھے جتنا بھی سرمایہ خرچ کرنا پڑے۔'' اس نے ٹھنڈی سانس کھینچتے ہوئے کہا تو جسپال بولا۔

''چل اٹھ اور جا کر کوئی ڈھنگ کے کپڑے پہن کر آ' پھر گپ شپ کرتے ہیں ممکن ہے پھوپھو یا انوجیت ادھر آ جائے اور.....''

''وہ دونوں گھر پر نہیں ہیں' صرف جوتی ہے اور وہ کچن میں مصروف ہے۔'' وہ ہنستے ہوئے بولی۔

''وہ گھر پر نہیں ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ تم بھوتنی بن کر آ جاؤ۔'' جسپال نے کہا تو وہ تیزی سے اٹھ کر ہنستے ہوئے باہر چلی گئی۔ وہ چند لمحے یونہی ساکت بیٹھا رہا' اس نے محسوس کیا کہ ہرپریت کے یوں آنے سے غبار چھٹ گیا ہے جسپال نے پھر سے لیپ ٹاپ کھول لیا۔ لیکن جسمیندر ابھی تک آن لائن نہیں ہوا تھا اور نہ ہی کوئی میل آئی تھی' وہ پرسکون انداز میں لیپ ٹاپ اسکرین میں کھو گیا۔ اس کے ذہن میں اب دور دور تک رن ویر سنگھ کے بارے میں سوچ نہیں تھی۔

تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد ہرپریت آئی تو اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹی سی ٹرے تھی۔ جس میں چائے کے دو مگ رکھے ہوئے تھے۔ جسپال نے لیپ ٹاپ بند کیا اور ایک طرف رکھ کر چائے کا مگ تھام لیا۔ اس بار اس نے کاسنی رنگ

کی شلوار اور سلولیس قمیص پہنی ہوئی تھی۔

''چھت پر چلتے ہو یا یہیں رومانس چلے گا۔'' اس نے پوچھا۔

''پریتی.....تو مجھے ایک بات بتا' یہ تو نے رومانس کس شے کا نام رکھا ہوا ہے؟''

''سچ بتاؤں۔'' اس نے چمکتی آنکھوں کے ساتھ پرجوش انداز میں کہا۔

''ہاں سچ ہی بتاؤ' جھوٹ کیوں؟''

''تو پھر سنو.....!'' یہ کہہ کر اس نے بیڈ پر آلتی پالتی ماری' چائے کا مگ سامنے رکھا اور بولی۔ ''انتہائی فضول گفتگو اور مضحکہ خیز حرکات کو میں رومانس کرنا کہتی ہوں۔''

''واہ.....! کیا خیالات ہیں۔'' جسپال نے کہا اور قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔ جس پر ہرپریت نے اسے پرشوق نگاہوں سے دیکھا اور خوش ہوگئی' وہ جو چاہتی تھی وہ اس نے پالیا تھا۔ پھر چند لمحے بعد بولی۔

''واہ گرو کی مہر ہے ہم لوگوں پر جو تھوڑا بہت شعور دے دیا ہے ورنہ ہم بھی عام لوگوں کی طرح یا تو نشہ کر رہے ہوتے یا پھر گانے بجانے والوں میں شامل ہو جاتے۔ جسی! ہم لوگ نہیں بنے اس پیار کے کھیل کے لیے' محبت ہم لوگوں کو راس نہیں' وہ محبت جس میں دل دے دیا جاتا ہے' ہمیں تو ایک مقصد کے لیے جینا ہے' اور اس مقصد کے لیے مرجانا ہے' باقی وہ سوہنا رب جانے' کیا کرتا ہے۔''

''یار' تم تو سیریس ہی ہوگئی ہو۔'' جسپال نے سنجیدگی سے کہا۔

''تم نے میرے خیالات پوچھے ہیں نا' تو سچ بتا رہی ہوں۔ میرے لیے یہ جسم اور اس جسم کی لذتیں کچھ بھی حیثیت نہیں رکھتیں' یہ ایک اضافی شے ہے' جس کا میرے مقصد سے کوئی لینا دینا نہیں ہاں انہیں میں اپنے مقصد کے لیے استعمال ضرور کر سکتی ہوں۔ جس کی ابھی تک مجھے کوئی ضرورت محسوس نہیں ہوئی' کیونکہ مجھے میرے دھرم اور ورثے کی پوری پہچان ہے' کیا تمہیں احساس نہیں ہوتا کہ میرے ویرانو جیت نے کبھی بھی مجھے شک کی نگاہ سے نہیں دیکھا' میں تمہارے ساتھ تنہا ہوتی ہوں' ایک بیڈ پر تمہارے ساتھ سوتی ہوں' کیا تم نے مجھے جذبات کے معاملے میں کوئی عام سی لڑکی پایا ہے؟'' وہ پورے جوش سے کہتی چلی گئی تھی۔

''پریتی.....! تو پہلی لڑکی ہے جو میرے اتنے قریب آئی ہے' یہ محض دل پھینک عاشق کا ڈائیلاگ نہیں اور نہ میں تمہارے سامنے جھوٹ بول رہا ہوں' وینکوور میں' کسی بھی لڑکی کا حصول عام سی بات ہے گرل فرینڈ رکھنا تو ایک پالتو جانور سے زیادہ سستا ہے' میں نہیں جانتا کہ تیرا اور میرا ساتھ کب تک رہے گا' لیکن اتنا ضرور چاہتا ہوں کہ جتنا وقت بھی گزرے اچھا گزرے۔''

''واہ گرو بہت بھلی کرے گا' تو فکر نہ کر' اور یہ جو تیری سوچ ہے نا کہ جلدی جلدی سب کو ختم کر دوں مجھے اس سے اختلاف ہے' دشمن کو وقت دو جسی' جتنا دے سکتے ہو' اس پر اعتبار نہ کرو' اسے زخم لگا دو اور پھر دیکھو کہ وہ کس اذیت میں ہے' کتا اور بندر اپنے زخم سے خود مر جاتا ہے۔ رویندر سنگھ کو زخم لگا دیا ہے' وہ اب سکون سے نہیں بیٹھے گا' اور میں تمہیں بتا دوں اب بلجیت سنگھ بھی تمہارے سامنے نہیں آئے گا' کیونکہ انہیں یقین ہے کہ یہ سب کچھ تم نے کیا ہے' کیسے کیا ہے' انہیں سمجھ نہیں آ رہی ہے۔''

''اور تمہارا کیا خیال ہی' انہیں سمجھ آنی چاہیے' یا نہیں؟'' جسپال نے پوچھا۔

''نہیں' ناچتے رہیں وہ' جب تک انہیں سمجھ آئے گی' ہم بہت کچھ کر چکے ہوں گے۔'' ہرپریت نے کہا' تبھی جسپال کا فون بج اٹھا' وہ جسمیندر کی کال تھی' اس نے جلدی سے اپنا لیپ ٹاپ اٹھایا اور اسے آن کر دیا۔ کچھ دیر بعد وہ

لمحات میں' جبکہ وہ آہستہ آہستہ اٹھ رہا تھا' میں تیزی سے اٹھا اور جوتے پہن لیے۔ فخرو آرام سے جوتے پہن کر چند قدم چلا ہی تھا کہ میں اس کے برابر جا کر بولا۔

''فخرو.....! سردار شاہ دین تو گھر میں ہے' تو نے وہاں جھوٹ کیوں بولا۔''

میرے یوں کہنے پر' اس نے طنزیہ انداز میں مجھے دیکھا اور پھر بولا۔

''تجھے زیادہ پتہ ہے یا مجھے' جو میں ہر وقت حویلی میں رہتا ہوں۔''

''حویلی میں رہنے کا مطلب یہ تو نہیں کہ تم جھوٹ ہی نہ بولو' خیر.....! ایک بات تو بتاؤ فخرو؟''

''بولو.....'' اس نے مجھے گہری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا تو میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''جوانی میں سردار نے خوب دولت لٹائی ہوگی' طوائفوں کے پاس بھی جاتا ہوگا۔''

''سردار صاحب نے دولت لٹائی یا طوائفوں کے پاس گیا' تمہیں اس سے کیا لینا دینا؟'' اس نے بغور میری طرف دیکھتے ہوئے کہا تو میں نے جذباتی ہوتے ہوئے کہا۔

''بہت کچھ لینا دینا ہے فخرو' بہت کچھ.....اتنا کچھ کہ تم اور تیرے سردار تصور بھی نہیں کر سکتے' خیر.....! تم جاؤ اور جا کر بڑے سردار صاحب کو میرا پیغام دے دو کہ اس کی بیٹی میرے پاس ہے اور.....''

''کیا بکواس کر رہے ہو تم.....سردار صاحب کی کوئی بیٹی نہیں' یہ تمہیں بھی معلوم ہے اور سارے.....''

''بکواس بند کر فخرو' اور صرف میری بات سن۔'' میں نے اچانک ہی بھناتے ہوئے کہا تو وہ میری طرف الجھتے ہوئے انداز میں دیکھ کر بولا۔

''کہو.....!''

''اس کی بیٹی ہے' ناجائز بیٹی۔ تفصیل معلوم کرنی ہو تو ملک سجاد سے پوچھ لے.....جو اس کی بیٹی کا عاشق تھا۔ جو تیرے سردار کا گہرا یار ہے۔ پھر بھی پتہ نہ چلے تو مجھ سے پوچھ لینا' لیکن تم نے نہیں آنا' بلکہ اپنے سردار کو بھیجنا۔'' میں نے غصے میں کہا تو وہ حیرت سے میری طرف دیکھ کر بولا۔

''جمال.....! تم سچ کہہ رہے ہو؟''

''ہاں سچ کہہ رہا ہوں.....کل صبح تک کا وقت ہے تیرے سرداروں کے پاس' ورنہ.....کل یہیں جب ذلبر کے لیے پورے علاقے سے لوگ آئیں گے تو ان میں سردار شاہ دین کی بیٹی بھی آ جائے گی۔ اور اگر یہاں نہ آئی تو پورے علاقے کی پنچائیت بلا کر اس میں وہ بتائے گی کہ وہ کس طرح شاہ دین کی بیٹی ہے' جاؤ اور جا کے بتاؤ اسے' وقت بہت کم ہے۔'' میں نے تیز لہجے میں کہا اور پلٹ کر بائیک لینے کے لیے چل دیا۔ فخرو چند لمحے وہیں حیرت میں گم کھڑا رہا پھر تیز تیز قدموں سے چل پڑا۔

مجھے اس وقت اچانک ہی یہ خیال آیا تھا کہ اس نے ابھی تک ملک سجاد کے بارے میں نہیں پوچھا کہ وہ اس وقت کس حالت میں ہے۔ اسے ہوش آ گیا ہے یا ابھی تک بے ہوش ہے۔ خطرے میں ہے یا خطر سے باہر' میں چاہتا تھا کہ سوہنی کے بارے میں ملک سجاد ہی اسے بتائے' تاکہ اسے پوری کہانی خود بخود معلوم ہو جائے' مجھ پر اعتبار کرتے ہوئے شاید اسے وقت لگے۔ میں نے چھاکے کا انتظار کیے بغیر اچھو کریانے والے کی دکان پر جا کر فون کرنے کا سوچا۔ دو گلیاں پار کر کے اس کی دکان تھی۔ میں نے بائیک اسٹارٹ کی اور اس طرف بڑھ گیا۔ دکان پر چند گاہک کھڑے ہوئے تھے۔ میں نے انتظار کرنا چاہا مگر اچھو فوراً ہی میری طرف متوجہ ہو کر بولا۔

''جی' بھائی فون کرنا ہے.....''

''وہی فون نمبر ملا دے۔'' میں نے کہا تو اس نے سب کچھ چھوڑ چھاڑ کے فوراً ہی نمبر ملا دیئے اور پھر ریسیور مجھے تھما دیا۔ میں نے ریسیور کان کو لگایا اور رابطہ ہو جانے کا انتظار کرنے لگا۔ کچھ ہی دیر بعد فون پک کر لیا گیا۔ مگر دوسری جانب سے آواز ملک سجاد کی نہیں تھی۔ تبھی میں نے کہا۔

''مجھے ملک سجاد سے بات کرنی ہے۔''

''جی' ان سے بات نہیں ہو سکے گی' وہ اس وقت ہسپتال میں ہیں۔'' دوسری طرف اسے کافی حد تک افسردگی میں کہا گیا تو میں نے مصنوعی حیرت سے پوچھا۔

''خیر تو ہے کیا ہوا ہے انہیں۔''

''ایک حادثہ ہو گیا تھا' اس میں انہیں شدید چوٹیں لگی ہیں۔ زخمی بھی ہو گئے تھے۔''

''اوہ.....! خطرے والی کوئی بات تو نہیں' میرا مطلب ہے' وہ ٹھیک تو ہیں نا۔'' میں نے اپنے لہجے کو جان بوجھ کر تشویش زدہ کر لیا۔

''خطرے والی بات تو ہے' لیکن بہرحال اب وہ ہوش میں ہیں۔ ڈاکٹر نے بات چیت اور ملنے ملانے سے منع کر رکھا ہے' دو چار دن میں ان سے رابطہ ہو جائے گا' ویسے آپ کون اور کہاں سے بات کر رہے ہیں.....؟''

میں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا' بلکہ خاموشی سے فون رکھ دیا۔ مجھے مزید بات کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ اچھو اپنے گاہکوں کی طرف متوجہ تھا۔ میں نے اسے مخاطب کرنا مناسب خیال نہیں کیا۔ اس لیے پلٹا اور بائیک کی طرف بڑھنے لگا۔ تب اچانک بائیں جانب سے چند لوگ بڑھے اور مجھے پتہ ہی نہ چلا کہ وہ کب مجھ پر پل پڑے۔ میں بس ایک نگاہ ہی انہیں دیکھ پایا تھا۔ یہ وہی تھے جو دلبر کے گھر کے سامنے کچھ دیر پہلے میں نے دیکھے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں لاٹھیاں' ڈنڈے اور ہاکیاں تھیں۔ ان میں سے کوئی چہرہ بھی نورنگر کا نہیں تھا۔ مجھے نہیں یاد کہ وہ کتنے تھے' بس اندازہ ہے کہ سات سے دس تک ہوں گے۔ پہلی ہاکی کی ضرب میری پشت پر کاندھوں کے پاس لگی۔ پھر ہاکیوں' ڈنڈوں اور لاٹھیوں کی یلغار ہو گئی۔ میں ان کے حصار میں تھا' ان سے بچنے کا یہی طریقہ میرے ذہن میں آیا کہ سب سے پہلے میں ان کا حصار توڑ دوں' پھر جب وہ سامنے آ جائیں تو میں کچھ کر پاؤں۔ میں نے دونوں ہاتھ اپنے سر پر رکھے اور ایک دم زمین پر بیٹھ گیا۔ پھر اگلے ہی لمحے ان کے درمیان سے ہو کر گلی کی جانب بڑھا' میں ان کا حصار توڑنے میں کامیاب ہو گیا۔ ایسے میں ایک نے لاٹھی مارنے کو بلند کی تو میں اس پر جا پڑا' دونوں ہاتھوں کے پورے زور سے اس کی لاٹھی کو ایک جھٹکا دیا۔ تب تک دو چار ضربیں میرے لگ گئی تھیں۔ لاٹھی میرے ہاتھ میں آ گئی تو میرے اندر ایک حوصلہ آ گیا۔ میں چاہے اب وار کرنے کے قابل نہیں تھا لیکن اپنا کچھ نہ کچھ دفاع تو کر سکتا تھا' چند منٹ تک میں اپنا دفاع کرتا رہا لیکن کب تک' میں نے لاٹھی کو دائیں ہاتھ سے بائیں میں لیا اور دائیں ہاتھ سے اپنا پسٹل نکالنا چاہا' یہی لمحہ میرے لیے خطرناک ثابت ہوا۔ اچانک ہی دو چار بندوں نے مجھے بری طرح جکڑ لیا۔ میں نے ان کے حصار سے نکلنے کے لیے زور آزمائی کرنے لگا' مگر نہ نکل سکا' وہ بھی شہ زور لگتے تھے۔ ایسے میں ایک کیری ڈبہ ان کے پاس آ گیا۔ انہوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ' میرے پیروں کی طرف سے پکڑ کر مجھے اٹھا لیا' میں سمجھ گیا کہ یہ مجھے اغوا کر کے لے جانا چاہتے ہیں۔ میں نے پوری قوت لگا کر ان کی گرفت سے نکلنا چاہا مگر نہ نکل سکا۔ تب تک کیری ڈبے کا دروازہ کھلا اور مجھے اس میں پھینک دیا گیا۔ میرے چوٹیں تو آئیں مگر میں نے دوسری طرف کا دروازہ کھول کر باہر نکلنا چاہا تب تک پسٹل کی نال میری گردن پر آن لگی۔

''اب زیادہ ڈرامہ کرنے کی ضرورت نہیں..... آرام سے پڑے رہو۔ جان سے نہیں مارنا چاہتے' لیکن اگر تم نے کوئی حرکت کی تو ہم ذمے دار نہیں.....'' ایک سخت لہجے والی آواز سنائی دی تو میں وہیں ساکت ہو گیا۔ درد' جلن اور

ٹیسوں سے میرا برا حال ہو رہا تھا' تبھی میں نے پوچھا۔

''کون ہو تم لوگ..... اور کیا چاہتے ہو؟''

''چپ چاپ پڑے رہو' ابھی پتہ چل جائے گا۔'' اس نے کہا ہی تھا کہ کیری ڈبہ چل پڑا۔ مجھے شدید جھٹکے لگ رہے تھے اور وہ مجھ پر اپنے پاؤں رکھے ہوئے تھا۔ میں اوندھے منہ پڑا تھا' مجھے نہیں معلوم کہ ڈبے میں اور کتنے لوگ تھے۔ مجھے لگا کہ جیسے میں اپنے حواس کھو رہا ہوں لیکن میں نے خود پر قابو رکھا' نجانے کہاں کہاں سے چلتے ہوئے تقریباً آدھے گھنٹے بعد کیری ڈبہ رک گیا۔ اس کا مطلب تھا کہ میں اپنے علاقے سے باہر نہیں یہیں کہیں ہوں۔ تبھی اس بندے کی آواز سنائی دی۔

''اپنے پیروں پر اٹھو گے یا گھسیٹ کر لے جائیں۔''

میں نے کوئی جواب نہیں دیا بلکہ کوشش کر کے اٹھا تو میرا بدن چیخ چیخ کر احتجاج کرنے لگا۔ میں اٹھا اور کیری ڈبے سے اترنے سے پہلے نظریں اٹھا کر دیکھا' میرے سامنے سردار شاہ دین کا ڈیرہ تھا۔ مجھ پر حملہ ہوتے ہی نجانے کیوں میرے لاشعور نے مجھے بتا دیا تھا کہ یہ سرداروں کے بھیجے ہوئے ہی لوگ ہوں گے۔ اور وہ ڈیرہ دیکھ کر مجھے یقین ہو گیا۔ نجانے کیوں اس وقت میرے اندر ایک اطمینان اتر آیا تھا کہ یہ کم از کم مجھے جان سے نہیں ماریں گے' بلکہ تشدد کر کے مجھ سے پوچھ گچھ ضرور کریں گے لیکن سوال یہ تھا کہ کیا فخرو اتنی جلدی حویلی پہنچ گیا تھا' کیا اس نے سوہنی کے بارے میں سردار کو بتا دیا تھا' ایسا ممکن نہیں تھا' جب تک میں اچھو کریانے والے کی دکان پر پہنچا تھا' تب تک وہ حویلی نہیں پہنچ سکتا تھا' مجھے تو زیادہ سے زیادہ پانچ منٹ لگے ہوں گے' مگر اسے حویلی تک جانے میں آدھا گھنٹہ چاہیے تھا۔ اس کا مطلب ہے یہ لوگ پہلے ہی میری تاک میں تھے۔ بھیدے کی بات سچ تھی۔ اب یہاں ڈیرے پر لا کر وہ مجھ سے کیا چاہتے تھے' یہ تو وہی لوگ جانتے تھے۔

میں سکون سے ڈیرے کی جانب چل پڑا۔ ذرا سی بھی مزاحمت نہیں کی' گیٹ پار کر' ڈیوڑھی عبور کی پھر صحن سے پہلے ہی دائیں طرف کے رو میں بنے ہوئے کمرے میں سے ایک کی جانب بڑھے' ہم برآمدے میں سے چلتے ہوئے اس کمرے میں گئے' باقی سب پیچھے رہ گئے۔ تین بندے میری پشت پر تھے۔ سامنے ہی صوفے پر شاہ زیب بیٹھا ہوا تھا' جو میری جانب طنزیہ انداز میں دیکھ رہا تھا۔

''مجھے بہت افسوس ہے جمال کہ تجھے یوں خاطر مدارت کر کے یہاں لایا گیا۔ ورنہ تم کہاں آنے والے تھے..... فنکار ہو نا' تمہیں بہت مان ہے خود پر.....'' یہ کہہ کر اس نے میری پشت پر کھڑے بندے سے پوچھا۔ ''اس کا پسٹل تو نکال لیا تھا نا.....؟''

''جی.....! ایک ہی تھا..... اب یہ نہتا ہے۔''

''ٹھیک ہے.....'' شاہ زیب نے کہا پھر میری طرف دیکھ کر بولا۔ ''میں نے تمہیں بہت عزت دینا چاہی تھی جمال.....! مگر تیرے جیسے بے اوقات لوگ عزت کے قابل ہی نہیں ہیں۔ تجھے تو اس دن شوٹ کر دینا چاہیے تھا جب میلے سے اگلے دن تم حویلی میں آ کر کتے کی طرح بھونکے تھے۔ یہ میں ہی تھا' جس نے تیری بابا سے وکالت کی تھی۔ میں نے بابا سے کہا تھا کہ تیرے جیسے کتے کو میں سدھار لوں گا' مگر بابا سچے تھے' انہوں نے کہا تھا کہ نہیں' تم سانپ ہو' ڈنگ مارو گے..... اور تم نے ثابت کر دیا۔''

''شاہ زیب.....! بے اوقات میں نہیں' تم ہو۔ دوسروں کے بازوؤں کا سہارا لے کر' دھوکا دے کر وار کرنے والا تو کتے سے بھی بدتر ہوتا ہے۔ اور تم منافقت کرتے رہے' پتہ ہے' مرد منافقت نہیں کرتا' ہیجڑا کرتا ہے منافقت..... اور تیرے

لائن تھا' رابطہ ہوتے ہی جسپال نے کہا۔

''یار' ان لوگوں کو مجھ پر شک ہو گیا ہے' پولیس آفیسر آیا تھا اور چھپے لفظوں میں دھمکی لگا گیا ہے۔''

''وہ کچھ بھی نہیں کر سکتا پیارے۔'' جسمیندر نے جواب دیا۔

''وہ کیسے.....؟'' اس نے پوچھا۔

''وہ ایسے میری جان کہ اگر ثبوت ہوگا' تبھی نا' کوئی ثبوت نہیں ہے تمہارے بارے میں.....'' اس نے جواب دیا۔

''وہ لوگ' جو میرے ساتھ تھے.....'' جسپال نے اپنا شک اس کے سامنے رکھا۔

''وہ لوگ بھارت میں ہوں گے تو انہیں پکڑیں گے' ان میں سے کچھ یہاں کنیڈا آ گئے ہیں اور کچھ تھائی لینڈ میں ہیں۔ انہیں پتہ تھا کہ کامیاب مہم کے بعد وہ بھارت میں نہیں رہیں گے' اس لیے پوری کوشش کر کے تمہارا ساتھ دے رہے تھے۔ وہ بڑے کام کے بندے تھے' اب چند دنوں تک تیرا اور میرا رابطہ نہیں ہوگا اور تو بھی سکون کر' ادھر ادھر پھر' موج کر۔''

''تمہارا کیا خیال ہی' میں سکون سے رہ پاؤں گا۔'' جسپال نے کہا۔

''یہ تو رہنا ہوگا' کیونکہ میں ابھی خود فیصلہ نہیں کر پایا کہ اب تجھے کیا کرنا ہے' میرے ساتھ یہاں کچھ مسئلے چل رہے ہیں' وہ دو چار دن لیں گے' پھر ٹھیک ہو جائے گا' بس تو نارمل رہ' زیادہ جذباتی نہ ہو۔ ہر پریت کی صورت میں تجھے بہت اچھی دوست مل گئی ہے' اس کے ساتھ اچھا وقت گزار۔'' وہ بولا۔

''ہاں.....! یہ بہت اچھی ہے۔ میرا بہت خیال رکھتی ہے۔'' جسپال نے ہر پریت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''شکریہ' جسمیندر۔'' ہر پریت نے کیمرے کے سامنے آ کر کہا۔

''نہیں پریت تم اس کی حق دار ہو۔ میں تم سے ملنا چاہتا ہوں' مجھے امید ہے کہ ہماری جلد ملاقات ہوگی۔'' اس نے کہا تو وہ پرجوش انداز میں بولی۔

''کیوں نہیں' مجھے بھی بہت شوق ہے تم سے ملنے کا۔''

''بس تم جسپال کا خیال رکھنا' دو یا تین دن' اس کے بعد میں بتاؤں گا کہ کیا کرنا ہے۔ انوجیت کو' بے بے جی کو میری طرف سے وش کرنا۔''

''جی' ضرور۔'' وہ بولی۔

''او کے جسپال' او کے ہر پریت..... بہت ساری محبت.....'' یہ کہتے ہوئے وہ آف لائن ہو گیا۔ دونوں چند لمحے اس ماحول میں رہے' پھر جسپال نے لیپ ٹاپ بند کر کے سائیڈ ٹیبل پر رکھا اور ہر پریت کی طرف دیکھ کر بولا۔

''ہوں.....! تو تم میرا خیال رکھو گی۔''

''بالکل.....'' اس نے کاندھے اچکاتے ہوئے کہا تو جسپال نے ایک دم سے اسے پکڑ لیا۔ شاید وہ اس کے لیے تیار نہیں تھی۔ اس لیے قابو میں آ گئی' جسپال نے اسے نیچے گرایا اور گہری آنکھوں سے اسے دیکھنے لگا۔ ہر پریت نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ تو جسپال نے ایک طویل مہر اس کے لبوں پر لگا دی۔

صبح کا سورج طلوع ہونے میں تھوڑا وقت تھا۔ جب میں اماں اور سوہنی کو لے کر نور نگر پہنچ گیا۔ اماں آتے ہی یوں کچن میں گھس گئی جیسے وہ یہاں سے گئی ہی نہ ہو' جبکہ سوہنی اپنے ساتھ لائی ہوئی چیزوں اور کپڑوں کو اپنی اپنی جگہ رکھنے لگی' میں نے کار گھر کے باہر ہی کھڑی رہنے دی' اور خود بائیک لے کر ڈیرے پر چلا گیا۔ بھیدہ اپنے کام میں مصروف تھا۔ اس

جیسے کئی خواجہ سرا میرے خلاف سازشیں کرتے رہتے ہیں' تو اگر مرد کا بچہ ہے نا تو میرے ہاتھ میں ہاتھ ڈال' کتوں کے غول میں کھڑا کیوں بھونک رہا ہے۔'' میں نے اسے شدید غصہ دلانے کے لیے انتہائی طنزیہ لہجے میں کہا تو وہ ایک دم سے باؤلا ہو گیا' وہ بھنا کر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ایک دم سے سرد پڑ گیا۔ شاید اسے کوئی سوچ آ گئی تھی۔ اس لیے مسکراتے ہوئے بولا۔

''یہ چلتر کسی اور کو دکھانا..... ابھی تیرے ساتھ بہت کچھ کرنا باقی ہے۔ میں اپنے ہاتھ گندے نہیں کرنا چاہتا۔'' پھر میری پشت پر کھڑے اس بندے سے کہا۔ ''لے جاؤ اسے اور شام ہونے تک اس کا جوڑ جوڑ الگ کر دو' پھر پولیس والے خود ہی اسے پار کر دیں گے' جب تک پولیس والے نہیں آتے' اس کی دھنائی ہوتی رہنی چاہیے۔''

''شاہ زیب..... میری تم سے کوئی دشمنی نہیں' لیکن تم مجھ سے دشمنی کی ابتدا خود کر رہے ہو' یہ دیکھ لو..... اتنا کچھ ہی کرنا' جتنا تم سہہ سکو.....'' میں نے اس کے چہرے پر دیکھتے ہوئے نفرت سے کہا۔

''اوئے تیری اوقات ہی کیا دشمنی کرنے والے کی..... تیرے جیسا بندہ اور ہمارا دشمن' فضول سوچ رہے ہو تم..... میں چاہوں تو ابھی تیری سانسیں بند کر دوں..... مگر میں نہیں سمجھتا کہ تجھ جیسے حقیر اور گھٹیا بندے کو میں ماروں' تیرے جیسے سنپولیے جب بھی سر اٹھاتے ہیں' ہم انہیں کچل دیتے ہیں۔''

''شاہ زیب.....! میں تمہیں اب بھی سمجھا رہا ہوں' دشمنی مت کر' ورنہ تجھے بہت مہنگا پڑے گا۔ اتنا ہی بول' جتنے لفظوں کی تو قیمت ادا کر سکتا ہے۔ بہت زیادہ بول رہا ہے تو۔'' اس بار میں نے ٹھنڈے لہجے میں سکون سے کہا۔ کیونکہ اس وقت میں شاہ زیب کے بارے میں فیصلہ کر چکا تھا۔

''بابا نے اس دن کہہ دیا تھا کہ میں تجھے مار دوں..... اور میری غلطی تھی کہ میں نے تجھے نہیں مارا' میں دیکھتا رہا کہ تو کرتا کیا ہے' تو نے جو کچھ بھی کیا ہے' اپنی اوقات سے بڑھ کر کیا ہے جمالے.....'' یہ کہہ کر اس نے مجھے لے جانے کا اشارہ کیا۔ تبھی میرے پیچھے کھڑے بندے کی گرفت مجھ پر سخت ہو گئی۔ اس نے مجھے ایک جھٹکا دیا اور کمرے سے باہر لے جانے کے لیے دھکا دیا۔ تبھی میرے اندر آگ بھر گئی۔ اس سے پہلے کہ میں اس آگ میں خود جل جاتا' میں نے خود پر قابو پا لیا۔ اس وقت ان لوگوں سے بھڑ جانے کا مطلب نری خودکشی تھی۔ میں کسی نہ کسی طرح کچھ وقت لینا چاہ رہا تھا۔ ان لوگوں نے مجھے دھکے دے کر وہاں کمرے سے نکالا اور باہر برآمدے میں لے آئے۔ بلاشبہ انہوں نے مجھے کہیں بند کر کے ہی تشدد کرنا تھا۔ میں ذہنی طور پر شدید سے شدید تشدد کے لیے تیار ہو گیا۔

میں زیادہ سے زیادہ وقت اس لیے لینا چاہ رہا تھا کہ اچھو کی دکان سے محض دو گلیاں پار دلبر کے گھر میں چھاکا موجود تھا اور دو گلیاں دور ہی میرا گھر تھا' بیچ چوراہے میں ان لوگوں نے مجھ پر حملہ کیا اور مجھے وہاں سے اٹھا کر لے آئے۔ کیا گاؤں نور نگر میں کوئی بھی ہلچل نہیں ہوئی ہوگی؟ کیا چھاکے کو معلوم نہیں ہوا ہوگا؟ ایسا ممکن ہی نہیں تھا۔ وہاں گاؤں میں پتہ چل گیا ہوگا' لیکن اس میں شک کیا جا سکتا تھا کہ انہیں یہ معلوم نہ ہو کہ میں کہاں ہوں چلتے چلتے اچانک مجھے یہ خیال آیا کہ کیا مجھے تشدد سہتے رہنا چاہیے؟ اور پولیس کا انتظار کرنا چاہیے کہ وہ کب آئے اور مجھے لے جا کر ''پار'' کر دیں۔ کیا میں اتنی آسانی کے ساتھ موت کے منہ میں چلا جاؤں گا؟ کیا رندھاوا ابھی اب تک میرے ساتھ دوہری چال چلتا آیا ہے' ایک طرف اس نے اپنے آفیسر کے ساتھ مل کر ملک سجاد اور سرداروں کو بتا دیا کہ وہ بہت کچھ کر سکتے ہیں اور دوسری طرف اس نے مجھ سے سب کچھ کروا کر' مجھے ہی نشانہ بنانے کے لیے ماحول بنا دیا۔ بلاشبہ اس نے اپنی بے عزتی کا بدلہ لیا تھا۔ اس وقت پے در پے میرے ذہن میں یہ سوال آتے چلے جا رہے تھے۔ مجھے لگا کہ جیسے سارا ماحول ہی میرے خلاف سازش کر چکا ہے۔ مایوسی تھی کہ بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ ایک طرف میں نے ملک سجاد جیسے بندے کو موت کے منہ میں پہنچا دیا تھا' یہ خیال آتے ہی میرے اندر ایک دم سے حوصلہ ابھرا..... میں نے اپنے ساتھ چلتے ہوئے لوگوں پر نگاہ ڈالی' وہ تین ہی تھے۔ باقی

نے اپنے ساتھ ایک اور بندے کو لگایا ہوا تھا' میں گیا تو حال احوال کے بعد کہنے لگا۔

''جا اندر جا کر آرام کر' اب میرے ساتھ یہ کام کر لیا کرے گا' میں نے تجھے پہلے ہی بے فکرا کر دیا ہے۔''

''ٹھیک ہے یار' پر میں آرام گھر ہی میں جا کر کروں گا' تو مجھے دودھ ڈال دے تو میں جاؤں۔'' میں نے بھی وہاں بیٹھنا مناسب خیال نہیں کیا۔

''تو چاہے جہاں آرام کر' لیکن اب بہت محتاط ہو جا۔'' اس نے لاپرواہی والے انداز میں کہا تو میں چونک گیا۔ تب میں نے پوچھا۔

''ایسے کیوں کہہ رہا ہے؟''

''کل سے' اور رات بھی' بندے پھرتے رہے ہیں یہاں پر' اب میں یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ وہ کس کے بندے تھے' یا محض چورا چکے تھے۔ مجھے جب معلوم ہوا تو دو چار فائر نکالے تھے میں نے' پھر بعد میں سکون رہا۔'' بھیدے نے تفصیل سے بتایا' اور پھر دودھ ڈالنے لگا۔ جب وہ دودھ ڈال چکا تو سیدھا ہو گیا۔

''اچھا کیا تو نے مجھے بتا دیا۔'' میں نے سوچتے ہوئے کہا۔

''جمالے.....! یہ چھیڑ جو پڑ گئی ہے اور اس میں تُو خود بھی بہہ گیا ہے' اب مجھے نہیں لگتا کہ یہ چند دن کی کہانی ہو گی۔ اس لیے تیرے جو بھی ٹھکانے ہیں' انہیں فوراً بدل لے..... دشمن کا کیا اعتبار.....'' اس نے مجھے صلاح دی' بے چارہ نہیں جانتا تھا کہ یہ کہانی میں نے خود شروع کی ہے اور میں نے ہی اسے انجام تک پہنچانا ہے۔ اور پھر کہانی کیا سے کیا ہو گئی ہے' مگر جو اس نے مجھے مشورہ دیا تھا وہ بہر حال معقول تھا۔ میں نے سر ہلایا' دودھ کا برتن اٹھایا اور ڈیرے سے نکلتا چلا گیا۔

میں گھر پہنچا تو صحن میں دھری چارپائی پر چھا کا لیٹا ہوا تھا' میں نے بائیک کھڑی کی' دودھ کا برتن اماں کو پکڑایا اور اس کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ وہ یونہی لیٹا رہا تو میں نے اس کی کمر پر دھپ مارتے ہوئے کہا۔ ''اوئے رات نہیں سویا جو یوں مردوں کی طرح پڑا ہے؟''

''ناں.....! یہ تو پھر سوہنی کو لے آیا ہے۔'' اس نے ویسے ہی پڑے پڑے کہا تو میں نے دھیمے انداز میں کہا۔

''مجھے معلوم تھا کہ تو مجھ سے یہی سوال کرے گا' آرام سے ناشتہ کر اور پھر سکون سے بتاتا ہوں کہ میں اسے کیوں لایا ہوں۔''

''دیکھ اگر تیرا کوئی اس سے پیار محبت والا معاملہ چل پڑا ہے تو بھی مجھے ابھی بتا دے' میں تمہارے راستے کی دیوار نہیں بنوں گا' بلکہ تجھے مشورہ دوں گا کہ تو اس کے پاس چلا جا اور کاندھے پر پرنا رکھ کے.....'' وہ غصے میں پتہ نہیں مزید کیا بکتا' مگر اس سے پہلے ہی میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

''[illegible] جائے گا یا جو میں کہہ رہا ہوں اس پر یقین کرے گا۔''

''یقین تو تیرا ہی کرنا ہے جمالے.....'' اس نے اسی طرح لیٹے لیٹے جواب دیا۔

''تو چل آ پھر پہلے تجھے ساری بات بتا دوں' پھر آ کے ناشتہ کرتے ہیں۔'' میں نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

''نہیں' مجھے اتنی بھی جلدی نہیں ہے۔'' اس نے کہا اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔ تبھی میں نے بھیدے کے شک کے بارے میں اسے بتایا تو وہ سر ہلاتے ہوئے بولا۔

''پیرزادوں اور سرداروں کی لڑائی تو چھڑ گئی ہے' اس میں کوئی شک نہیں' مگر سردار ابھی ہچکچا رہا ہے۔ علاقے کے جو دوسرے زمیندار ہیں' ان میں ایک دو ہی ابھی غیر جانبدار ہیں' باقی سارے ادھر یا پھر ادھر گئے ہوئے ہیں' ایک ہلچل سی

مچ گئی ہے' ممکن ہے کوئی کسی داؤ پر ہو۔''

''ظاہر ہے ہر بندے کو اپنا تحفظ کرنا ہے' سیاسی معاملات تو ہیں ہی' ان کی اتنی اہمیت نہیں' اصل بات لوگوں کے بغاوت کر دینے کی ہے' یہی میں چاہتا ہوں۔'' میں نے سوچتے ہوئے کہا۔

''ہمارے اس علاقے کے ہر گاؤں میں اور ہر بستی میں وہاں کے زمیندار یا جاگیردار کہہ لو' اس کے خلاف کچھ نہ کچھ بندے ضرور موجود ہیں' وہ خاموش ہیں' کیونکہ نہ انہیں سہارا ہے' نہ طاقت ہے اور نہ ہی ان کے پاس وسائل' ان سب کو ایک جگہ اکٹھا کرنا ہو گا۔''

''یار یہ انسانی فطرت ہے کہ وہ طاقت کی طرف اپنا جھکاؤ کرتا ہے۔ انہیں کسی دوسری طرف طاقت دکھائی دی تو وہ ادھر ہو جائیں گے' اس میں بڑا وقت لگے گا' تو یہ مت سوچ' اس منزل تک پہنچنے کے لیے ابھی بڑا وقت پڑا ہے اور بہت کچھ کرنا ہو گا' جب میں تجھے سوہنی کے یہاں آنے کے بارے میں بتاؤں گا نا' تو پھر مجھے بتانا' سمجھ لو' سارا کھیل ہی بدل گیا ہے۔'' لفظ ابھی میرے منہ ہی میں تھے کہ سوہنی کچن میں سے نکلی' اس کے ہاتھ میں ٹرے تھا' میں ہاتھ منہ دھونے کے لیے اٹھ گیا' تو وہ سوالیہ انداز میں بولی۔

''جمال.....! ناشتہ تو کرو.....؟''

''میں ہاتھ دھو آؤں۔'' میں نے آہستگی سے کہا تو وہ تیزی سے بولی۔

''تم یہیں بیٹھو میں دھلوا دیتی ہوں ہاتھ۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے ٹرے چارپائی پر رکھی' جہاں چھا کا اب اٹھ بیٹھا تھا' وہ بڑے غور سے سوہنی کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں تجسس بھری حیرت تیر رہی تھی۔ وہ ٹرے رکھ کر پلٹ گئی تو میں پائنتی کی طرف چارپائی پر بیٹھ گیا' تبھی چھا کا بولا۔

''یار.....! کیا جادو کر دیا ہے تو نے اس پر' ایسی خدمت.....؟''

''ناشتہ کر لے' پھر بتاتا ہوں' ورنہ یہ کھانا پینا یہیں بھول جائے گا۔'' میں نے پھر آہستگی سے کہا تو وہ بے چین ہو کر میری طرف دیکھنے لگا۔ سوہنی آئی اور میرے ہاتھ دھلوا کر چلی گئی۔ جب ہم ناشتہ کر چکے اور چائے کی پیالیاں خالی کر کے رکھ دیں تو میں نے باہر والے کمرے کی طرف جانے کا اشارہ کر کے اٹھ گیا۔ چھا کا بھی میرے پیچھے پیچھے آ گیا۔ اطمینان سے بیٹھ جانے کے بعد میں سوہنی کی بتائی ہوئی بات اسے بتا دی۔ تو حیرت کی انتہا پر بولا۔

''یہ تو غضب ہو گیا جمالے..... سوہنی سردار شاہ دین کی بیٹی ہے؟''

''ہاں چھا کے.....! غضب ہی ہوا ہے' اب بتا' میرا اسے یہاں لانا بنتا ہے کہ نہیں؟''

''لیکن اگر یہ سب جھوٹ ہوا تو' نری کہانی..... تو پھر.....؟'' وہ تشویش سے بولا۔

''تو پھر کیا ہوا' ایک بار تو ہلچل مچ جائے گی نا.....'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''یار سیانے کہتے ہیں کہ ایسا کوئی دعویٰ نہیں کرنا چاہیے جس پر بات دینی آ جائے۔ یہ ہم کیسے ثابت کریں گے؟'' اس نے الجھتے ہوئے پوچھا۔

''یار..... ثابت جب ہو گا سو ہو گا' مجھے ثابت کرنے کی کوئی جلدی نہیں ہے' تو دیکھتا جا' میں کرتا کیا ہوں۔'' میں نے ہنستے ہوئے کہا تو چھا کا چند لمحے خاموش رہا پھر چونک کر بولا۔

''بھیدے نے جو بندوں والی بات بتائی ہے' اگر اس کا شک درست ہوا تو..... ہمیں اپنا بندوبست کرنا چاہیے۔''

''ہاں' بندوبست تو ہونا چاہیے۔ اب تو بندوبست ہر وقت رکھنا ہو گا' ہم صرف سرداروں کے ساتھ ہی نہیں کھیل رہے ہیں' ہمیں پیرزادوں سے بھی اتنا ہی خطرہ ہے۔ اب تو علاقے کے لوگ بھی اس کھیل میں شامل ہو چکے ہیں۔'' میں

نے تحمل سے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''تو چل پھر اٹھ جا' دوستوں کو اکٹھا کرتے ہیں۔ کوئی ادھر ادھر کی خبر لیتے ہیں' کون' کس کے بارے میں' کیا کر رہا ہے۔ یونہی بیٹھے رہنے سے کیا ہوگا۔'' چھاکے نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''وہ تو کرنا ہے..... ابھی نکلتے ہیں' لیکن میرا خیال ہے' کل دلبر کے سوئم کی دعا ہے' اس پر پورے علاقے کے لوگ آئیں گے' میرا خیال ہے' تب تک نہ پیرزادے کچھ کر سکیں گے' اور نہ سردار' ورنہ وہ علاقے میں مزید گندے ہو جائیں گے۔'' میں نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

''یہ صرف تو سوچتا ہے نا' جس نے اپنا کام دکھانا ہے' وہ دکھا جائے گا' ہو سکتا ہے ملک سجاد کے بندے آ گئے ہوں..... یا سردار ہی کوئی اور کھیل کھیلنا چاہتا ہو۔ وہی جو ہم نے ان کے ساتھ کیا.....'' چھاکے نے ایک پہلو کے بارے میں توجہ دلائی تو مجھے خیال آیا۔

''یار.....! اب تک رندھاوے نے بھی کوئی رابطہ نہیں کیا۔ ممکن ہے' باہر ہی باہر سے معاملہ ہی کچھ دوسرا ہو گیا ہو۔''

''اس لیے کہہ رہا ہوں نہ کہ باہر نکلیں گے تو آس پاس کی خبر ملے گی۔'' چھاکا چارپائی سے اٹھ گیا۔

''ہاں' وہ تو ہے' چل' دلبر کے گھر ہی چلتے ہیں۔ وہاں باہر لوگ فاتحہ خوانی کے لیے بیٹھے ہی ہوں گے۔ وہاں سے کچھ معلوم ہو۔'' میں نے کہا اور اس کے ساتھ اٹھ گیا۔ دھوپ چڑھ آئی تھی' جو سارے صحن میں پھیلی ہوئی تھی۔ چند منٹوں میں چھاکے نے میرا بائیک نکالا اور ہم اس پر سوار ہو کر دلبر کے گھر کی جانب چل پڑے۔

دلبر کے گھر کے باہر کافی سارے لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ ان میں کچھ گاؤں کے تھے اور ادھر ادھر کے علاقے سے آئے ہوئے تھے' وہ سبھی زمین پر بچھی ہوئی دریوں پر تھے۔ چھاکے نے ایک طرف بائیک روکی' میں اترا اور جا کر ان میں بیٹھ گیا۔ فاتحہ پڑھی اور پھر حسب معمول باتیں ہونے لگیں۔ میں نے محسوس کیا کہ کچھ لوگ میری طرف بڑی گہری نگاہوں سے دیکھ رہے ہیں۔ وہ گاؤں سے باہر ہی کے لوگ تھے۔ چھاکا اس وقت تک دلبر کے گھر کے اندر چلا گیا تھا کیونکہ اس وقت تمام تر معاشی معاملات اس کے سپرد تھے۔ میں خاموشی سے وہاں بیٹھا رہا اور لوگوں کی باتیں سنتا رہا۔ وہاں یہ شکوہ موجود تھا کہ پیرزادے آ کر چلے گئے' علاقے کے دوسرے زمیندار بھی کسی نہ کسی طرح انہیں پرسہ دینے آئے لیکن اپنے ہی گاؤں کے سردار نہیں آئے۔ سردار شاہ دین نہیں آیا' نہ سہی لیکن شاہ زیب کو ایک بار ان کے ہاں آ جانا چاہیے تھا۔ میں نے وہاں کوئی بات نہیں کی اور نہ ہی کرنے کی ضرورت تھی۔ چاہے دبی دبی زبان ہی میں سہی' سرداروں کے خلاف لوگ بولنا شروع ہو گئے تھے۔ لوگ آتے جاتے رہے اور میں وہیں بیٹھا رہا' دوپہر ہونے کو آ گئی تھی جب سرداروں کا خاص ملازم فخرو وہاں آ گیا۔ [illegible] کے مطابق اس نے فاتحہ پڑھی اور ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگا۔ لوگوں نے دبے دبے لفظوں میں اس سے سرداروں کے نہ آنے کا گلہ بھی کیا' اس نے بتایا کہ بڑے سردار صاحب تو شہر میں ہیں اور وہاں بہت مصروف ہیں' جبکہ شاہ زیب لاہور گیا ہوا ہے۔ اپنے داخلے وغیرہ کے سلسلے میں۔ وہ صریحاً جھوٹ بول رہا تھا۔ میری اطلاع کے مطابق دونوں حویلی میں تھے۔ نجانے کیوں میرے دماغ میں اس کا جھوٹ کھٹکنے لگا۔ وہ ایسا کیوں کہہ رہا ہے؟ ممکن ہے سردار شاہ دین چلا گیا ہو' ملک سجاد کی حالت خاصی خراب تھی۔ مجھے یہ سوچ آنے لگی کہ اگر فخرو درست کہہ رہا ہے تو پھر کم از کم سرداروں کی طرف سے خطرے والی بات نہیں ہے' میرے بارے میں جو لوگ پوچھتے پھرتے ہوں گے' وہ کوئی اور ہوں گے' لیکن اگر فخرو جھوٹ بول رہا ہے تو پھر مجھے کسی نئی صورتحال کے لیے پوری طرح تیار رہنا چاہیے۔ میں یہی سوچ رہا تھا کہ ایک دم مجھے خیال سوجھا' کل آنے سے پہلے ہی ہلچل مچا دی جائے۔ میں فخرو کے اٹھنے کا انتظار کرنے لگا۔ کچھ دیر بعد وہ اٹھ گیا' انہی

''تم نے بہت اچھا کام کیا' ایسے کرو فارم ہاؤس پر آؤ' تمہارا جو بھی حساب کتاب ہے وہ کر دیتا ہوں۔''

''وہ تو ہو گیا جی' انوجیت بائی جی نے تو سب صبح ہی کلیئر کر دیا تھا۔ اب بس مجھے اجازت دیں۔ یہاں کا سامان اگر خریدنا ہو تو مجھے بتا دیں' میں جالندھر میں آپ کی مدد کر دوں گا۔'' اس نے مودب انداز میں کہا تو ہرپریت بولی۔

''بہت شکریہ' اگر ضرورت محسوس ہوئی تو ہم آپ کو خود فون کریں گے۔''

''اچھا جی' چلتا ہوں' ست سرا کال۔'' ٹھیکیدار نے کہا اور باہر نکلتا چلا گیا۔ تبھی وہ سب بھی آہستہ آہستہ باہر آ گئے پھر کار میں بیٹھ کر واپس کوٹھی کی طرف چل دیئے۔ راستے میں یونہی گپ شپ کرتے وہ واپس پہنچ گئے۔

موسم خوشگوار تھا' اس لیے وہ سبھی لان میں آ بیٹھے۔ جسپال کے ذہن میں کہیں تھا کہ بلجیت نے ابھی تک مزاحمت نہیں کی' یہ خاموشی بہرحال اسے کھٹک رہی تھی۔ اگر دیکھا جاتا تو وہ ان کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں تھا۔ اگر جسمیندر سنگھ کا ساتھ نہ ہوتا تو وہ یہاں کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ رویندر سنگھ سے بدلہ لیتے ہوئے اسے برسوں بیت جاتے' جب تک وہ یہاں نہیں آیا تھا وہ یہی سمجھتا تھا کہ چند دنوں میں اپنا کام ختم کر کے آ جائے گا' لیکن یہاں پر آ کر اسے احساس ہوا تھا کہ رویندر سنگھ کی جڑیں وقت کے ساتھ بہت مضبوط ہو گئی ہیں۔ یہ تو جسمیندر سنگھ کا سنڈیکیٹ تھا' جس نے مدد کی' ورنہ وہ ہردیپ سنگھ تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ ایک بلجیت سنگھ ہی اسے اوگی میں الجھا دینے کے لیے کافی تھا۔

''کیا سوچ رہا ہے پتر؟'' کلجیت کور نے بڑے نرم مگر متجسس لہجے میں پوچھا۔

''کچھ نہیں پھوپو.....! میں بس اوگی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔'' جسپال نے دھیمے لہجے میں کہا۔

''اوگی کے بارے میں' وہ کیا؟'' کلجیت کور نے حیرت سے پوچھا۔

''مجھے اتنے دن ہو گئے یہاں آئے ہوئے' لیکن میں نے ابھی تک پورا گاؤں نہیں دیکھا' اور نہ ہی یہاں کے لوگوں سے ملا ہوں۔'' وہ اسی لہجے میں بولا تو انوجیت نے ہنستے ہوئے کہا۔

''تو نے الیکشن لڑنا ہے یہاں سے؟''

''نہیں' الیکشن تو نہیں لڑنا' لیکن کم از کم یہاں کے بارے میں' یہاں کے لوگوں کے بارے میں بندے کو پتہ ہونا چاہیے۔''

''چلو میں بتا دیتا ہوں تمہیں' آبادی اس کی تقریباً دس ہزار لوگوں کی ہے' جن میں آدھے ہندو اور آدھے سکھ ہیں۔ کچھ مسلمانوں کے ہیں' وہ لوگ جو شودر ہیں' اب وہ عیسائی ہو رہے ہیں' انہوں نے اپنا چرچ بھی بنا لیا ہے۔ اور پوچھو.....؟'' انوجیت نے عام سے لہجے میں بتایا۔

''ظاہر ہے ان کے نظریاتی جھکاؤ جو سیاسی ہیں وہ مذہب کے تابع ہی ہوں گے۔'' جسپال نے پوچھا۔

''ایسا ہے تو' لیکن پنجاب میں سکھوں کے خلاف پتہ نہیں کیسی کیسی مہم چلائی جا رہی ہے۔ اب دیکھو' یہاں کے ہندو بالکل سکھوں کی طرح بال رکھتے ہیں' پگڑی بھی ویسے ہی پہنتے ہیں۔ مطلب ہندو یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ سکھ کوئی الگ سے قوم یا دھرم نہیں ہے۔ ہندومت ہی کا ایک حصہ ہے۔ خالصتان مہم میں ایک وجہ یہ بھی تھی۔'' انوجیت نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔

''مطلب' خالصتان تحریک ایک سیاسی ہی نہیں' ہماری ثقافت اور مذہب کا معاملہ بھی تھا؟'' جسپال نے پوچھا تو انوجیت نے اپنی ماں کی طرف دیکھا' پھر اپنے اندرونی جوش کو دباتے ہوئے تحمل سے کہنا شروع کیا۔

''دیکھو.....! تقسیم ہند تک ہندو اور گاندھی سکھوں کو اپنا مخلص دوست اس لیے کہنے پر مجبور تھے کہ انہوں نے بھارت کے قیام کے لیے بہت ساری قربانیاں دیں۔ لیکن تقسیم ہند کے بعد ہی سکھ' مجرم اور لاقانونیت کو ماننے والا گروہ قرار

دے دیا گیا۔ ہندوؤں نے یہ فیصلہ کرلیا کہ اب وقت آ گیا ہے' کون آقا ہے اور کون غلام' کون حاکم ہے اور کون محکوم۔ 1950 میں آئین بنا' جس میں سکھوں کے وجود کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا۔ یعنی انہیں تہذیبی اور ثقافتی طور پر ختم کرنے کے لیے یہ قرار دے دیا گیا کہ سکھ بھی دراصل ہندو ہی ہیں۔ اس پر سکھوں میں اپنے حقوق کی حفاظت کرنے کا شعور پیدا ہوا۔ 1966ء میں یہ تحریک اس وقت زور پکڑتی گئی جب پنجاب کی تقسیم ہوئی۔ خالصتان کا تصور تب بھی تھا اور یہ تقسیم اس تصور کو ختم کرنے کے لیے کی گئی۔ پنجاب جو خوشحال ترین ریاست تھی بدحالی کا شکار ہوگئی۔''

''تو گویا معاشی معاملہ بھی درپیش ہوا؟'' جسپال نے پوچھا۔

''سارے ہی معاملے تھے۔ ستر کی دہائی میں سکھوں کی خالصتان تحریک اٹھی' جس کا مقصد اپنی ایک الگ ریاست کا قیام تھا۔'' انوجیت نے بتایا۔

''کون سے علاقے شامل کرنا چاہتے تھے۔'' اس نے پوچھا۔

''پنجاب' ہریانہ' ہماچل پردیش' گجرات اور راجھستان کے وہ علاقے جہاں پنجابی بولی جاتی ہے۔ ان علاقوں پر مشتمل تھا۔'' انوجیت نے علاقے گنوائے تو وہ بولا۔

''پاکستانی پنجاب کو شامل نہیں کیا گیا' وہاں تو اپنا بہت کچھ ہے؟''

''تمہارے اس سوال پر میں اپنے لیڈروں کی بے عقلی پر ماتم کروں گا' محمد علی جناح نے اس قوم کو بہت بڑا موقعہ دیا تھا لیکن یہ لوگ دور اندیش نہیں تھے۔ جس کا خمیازہ آج تک بھگت رہے ہیں۔ ہمیں تحریک چلانے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ اب تو ہم ہندوؤں کے چنگل سے نکلنا چاہتے ہیں۔'' انوجیت نے جذباتی انداز میں کہا۔

''اچھا تو پھر.....'' وہ بولا۔

''1978ء میں کانپور اور امرتسر میں سکھوں کے خون سے ہولی کھیلی گئی۔ اور اسّی کی دہائی میں خالصتان تحریک اپنے عروج تک جا پہنچی۔ تب سکھوں کو کچلنے کا منصوبہ بنالیا گیا۔ 25 مئی 1984ء کو گولڈن ٹیمپل سمیت اہم گردواروں پر ایک لاکھ سے زیادہ فوج تعینات کی گئی۔ تین سے چھ جون تک آپریشن بلیو سٹار کے ذریعے سکھوں کا قتل عام کیا گیا۔ یہ صرف امرتسر تک محدود نہیں تھا' سکھ اندرا گاندھی کی کانگریس حکومت کے خلاف اٹھے۔ 31 اکتوبر کو اندرا ماردی گئی اور پھر سے پورے ہندوستان میں سکھوں کا قتل عام شروع ہوگیا۔ جس میں تیرا اور میرا پریوار' سب کچھ گیا۔''

''لیکن اب صورتحال کیا ہے' سکھ قوم کے نوجوان خالصتان تحریک پر شرمندہ نہیں ہیں کیا؟ وہ اس تحریک کو ایک گھناؤنا خواب سمجھتے ہیں' میرا نہیں خیال کہ دوبارہ اس تحریک کا جنم ہوگا۔ یہ مرچکی ہے' میرا تجربہ ہے انوجیت کہ لوگ خالصتان کی بات ہی نہیں کرنا چاہتے' خوف زدہ ہیں۔ ڈرتے ہیں' انہیں اپنی جان زیادہ عزیز ہے۔'' جسپال نے یوں کہا جیسے وہ بے حد جذباتی ہوگیا ہو اور ایسے میں وہ بات کہنا نہ چاہتا ہو جو وہ کہہ رہا تھا۔

''تم ٹھیک کہتے ہو لیکن میں نے تمہیں وہ رخ نہیں دکھایا جس میں سکھ قوم اپنی آزادی کے لیے کس طرح تیار ہو رہی ہے۔'' انوجیت نے یوں کہا جیسے وہ اسے یقین دلا رہا ہو۔

''اتنا اثر تو رہے گا میری جان' تین لاکھ سے زیادہ سکھ مارا گیا ہے' ہر سکھ ایک کہانی ہے' میرا اور تمہارا پریوار مارا گیا ہے تو آج ہم اپنے مستقبل کی پلاننگ کی بجائے انتقام لینے کی بات کر رہے ہیں۔ ایک پوری نسل محض انتقام کا سوچ سوچ کر دوسری قوم کی ایک نسل سے پیچھے رہ جائے گی۔ چھوڑو' اس کو' تم آزاد خالصتان کے لیے کام کر رہے ہو' کرتے رہو لیکن محض ہتھیار اٹھا لینے سے کچھ نہیں ہوگا۔ اپنا کلچر بچاؤ' اپنی شناخت بچاؤ' امرت دھاری سکھ اتنی تعداد میں نہیں ہو رہے جتنی تعداد میں سکھ اپنے کیس کٹوا رہے ہیں۔ جان لو کہ سکھوں میں وہ دم خم نہیں رہا۔'' جسپال نے کہا تو قریب بیٹھی ہرپریت

کور نے اچانک کہا۔

''وہ سکھ ہی نہیں ہے جس میں دم خم نہ ہو' گرو گوبند جی مہاراج کی تعلیمات ہی ایسی ہیں' میں مانتی ہوں کہ جنگجو سکھ اب دکھائی بہت کم دیتے ہیں لیکن یہ بھی سوچو کہ اب لڑائی کے انداز بدل گئے ہیں۔ دس طاقتور ترین سکھوں کے مقابلے میں ایک ذہین بندہ کافی ہے۔ اور دوسری بات شاید تم تک اس کا اثر نہ پہنچا ہو لیکن خالصتان تحریک پہلے سے زیادہ مضبوط ہوگئی ہے۔ یہاں سے نکل کر پوری دنیا میں سکھ پھیل گیا ہے۔ میں سمجھتی ہوں یہ گرو کی مرضی تھی' کیونکہ وہاں وہاں تک دھرم پھیلا جہاں جہاں تک سکھ پہنچا۔ خالصتان تحریک ہندوستان سے نکل کر پوری دنیا میں پھیل گئی ہے۔ دنیا کے ہر فورم پر جہاں سکھ کو بلایا جاتا ہے' وہاں وہ اپنا خیال دنیا کو دے رہا ہے۔ تم سے ہماری بحث نہیں' تم اپنا انتقام لو اور واپس وینکوور چلے جاؤ' یا پھر یہاں رہو گے تو خالصتان کی بازگشت تمہیں سنائی دیتی رہے گی۔'' ہرپریت نے بے حد جذباتی لہجے میں یوں کہا تھا کہ جیسے وہ ایک دم ہی سے متنفر ہوگئی ہے۔ تبھی پھوپھو کلجیت کور نے ان تینوں پر نگاہ ڈالی اور آہستگی سے بولی۔

''چھوڑو اس بحث کو' یہ سوچو کہ ارداس کے لیے کون سا دن رکھیں اور کس کس کو بلانا ہے۔ میرا خیال ہے کہ حویلی میں اپنے سارے جاننے والوں کو بلایا جائے۔''

''بالکل ٹھیک ہے لیکن اس کے ساتھ ایک کام اور بھی کیا جائے۔ بہت سارا کھانا بنایا جائے اور اوگی پنڈ کے ہر گھر میں وہ کھانا پہنچایا جائے۔'' جسپال نے کہا تو انوجیت نے کہا۔

''کھانا تو بن جائے گا لیکن ہر گھر قبول نہیں کرے گا۔ ابھی تجھے بتایا ہے کہ اس اوگی پنڈ میں آدھے گھر ہندوؤں کے ہیں' اس کا طریقہ کار یہ ہوسکتا ہے کہ کھانا بنا دیا جائے اور جس کا دل چاہے' وہ لے جائے۔''

''اوکے' جیسے تم چاہو۔'' جسپال نے کاندھے اچکاتے ہوئے کہا تو ہرپریت بولی۔

''اچھا' اب میں کچھ اپنی بات کرلوں؟''

''جی' کہو۔'' انوجیت نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''حویلی کے لیے تمام تر شاپنگ میں کروں گی۔ اور کل صبح سے میں جالندھر جایا کروں گی' وہاں سے سامان خریدنے.....''

''وہ تو ٹھیک ہے لیکن یہ ایک دن کا کام تو ہے نہیں' میرے خیال میں پہلے تم یہ طے کرلو کہ حویلی میں کیا کیا چیز چاہیے ہوگی' اور وہ کیسی ہو۔'' انوجیت نے اپنی رائے دی۔

''یہ مشورہ بھی اچھا ہے۔'' ہرپریت سوچتے ہوئے بولی۔ پھر چند لمحے سوچتے رہنے کے بعد کہا۔ ''چلو آج پھر میں طے کرلیتی ہوں۔''

اس نے کاتو کلجیت کور اٹھتے ہوئے بولیں۔

''اچھا' میں ذرا کچن میں جھانک لوں' جوتی نے آج کیا بنایا ہے۔''

''میں ذرا باہر سے ہو آؤں' کچھ لوگ انتظار کر رہے ہیں میرا' پیغام پر پیغام آ رہے ہیں۔'' انوجیت سیل فون دیکھتے ہوئے کہا اور اٹھ گیا۔ تو ہرپریت نے جسپال کی طرف دیکھ کر کہا۔

''اب تمہارا کیا پروگرام ہے؟''

''جیسے آپ کہیں..... مجھے تو یوں لگتا ہے کہ جیسے میں بنایا ہی آپ کے لیے گیا ہوں۔'' اس نے آہستگی سے مسکراتے ہوئے کہا تو ہرپریت ایک لمحے کو شرما گئی' اس کے چہرے پر سرخی آ گئی' پھر خود پر قابو پا کر بولی۔

''یہ کس فلم کے ڈائیلاگ ہیں۔''

''مجھے یاد نہیں۔'' جسپال نے ڈھٹائی سے کہا تو قہقہہ لگا کر ہنس دی۔ پھر بولی۔

''چلو آؤ' حویلی کے بارے میں تھوڑا پلان کرتے ہیں۔''

''ٹھیک ہے چلو۔'' اس نے اٹھتے ہوئے کہا تو ہرپریت بھی اٹھ گئی۔

جسپال کو اپنے کمرے میں پہنچے تھوڑی دیر ہوئی تھی' اس کے ذہن میں حویلی کے بارے میں ہی سوچ تھی کہ اچانک اس کا سیل فون بج اٹھا۔ یہ جسمیندر کی کال تھی' جس کا مطلب تھا کہ وہ آن لائن ہو جائے۔ اس نے جلدی سے اپنا لیپ ٹاپ اٹھایا اور اسے آن کر دیا۔ کچھ دیر بعد وہ آن لائن تھا۔ کچھ دیر باتوں کے بعد اس نے کہا۔

''جسپال! تم نے ابھی جالندھر جانا ہے' وہاں تم ایک ریسروٹ میں رہو گے' اور جاتے ہوئے تم رن ویر سنگھ کو بتا کر جاؤ گے۔ اس سے یہ بھی پوچھنا کہ تم پر حملے کے مجرم پکڑے گئے ہیں کہ نہیں۔''

''مجھے جالندھر میں کیا کرنا ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''اپنی جائیداد کے حصول کے لیے کچھ ضلعی آفیسرز سے ملنا ہے' جس کے لیے تم نے وہاں کے ایک وکیل کیشیو مہرہ کی خدمات لی ہیں' وہ تم سے خود آ کر ملیں گے' باقی باتیں وہ تمہیں خود سمجھا دیں گے۔''

''ٹھیک ہے' میں ابھی نکلتا ہوں۔'' جسپال نے کہا۔

''تمہیں ابھی ہی نکلنا ہوگا۔ یہ یاد رکھنا کہ تمہاری ہر پل کی نگرانی ہوگی۔ ابھی بھی تمہارے گھر کے آس پاس لوگ موجود ہیں۔'' جسمیندر سنگھ نے اسے سمجھایا۔ پھر چند ادھر ادھر کی باتوں کے بعد وہ آف لائن ہو گیا۔ اب نجانے اس میں کیا راز تھا۔ اس نے ایک لمحے کو سوچا اور ہرپریت کو فون کر دیا اس نے فون پک کر لیا۔

''خیریت تو ہے جسی جی۔'' اس کے لہجے میں ہلکی سی تشویش تھی۔

''ہمیں ابھی جالندھر جانا ہے' پھوپھو کو بتا دو اور خود بھی تیار ہو جاؤ۔ دس منٹ ہیں تیرے پاس۔''

''خیریت تو ہے نا؟'' اس نے تیزی سے پوچھا۔

''راستے میں بتا دوں گا' ویسے خیریت ہی ہے۔ ہری اپ.....'' یہ کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔ پھر رن ویر سنگھ کے نمبر ملاتے ہوئے اس نے اپنی الماری کھول دی۔ کچھ دیر بعد اسکا نمبر مل گیا۔

''جسپال جی' کیسے یاد کر لیا ہمیں؟' رن ویر سنگھ نے کافی حد تک خوشگوار موڈ میں کہا۔

''آپ کے قانون کی پاسداری کے لیے آفیسر۔ حالانکہ آپ آفیسر ہیں نہیں' مگر میں آپ کو خوش کرنے کے لیے کہہ رہا ہوں۔'' یہ کہتے ہوئے وہ دھیرے سے ہنس دیا۔

''قانون میرا نہیں' سب کا ہے' بھارت ماتا کے سارے لوگوں کا۔'' اس نے سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا تو جسپال طنزیہ انداز میں بولا۔

''اگر ایسا ہوتا نا، رن ویر سنگھ صاحب' تو مجھے یہاں آ کر اتنی محنت نہ کرنا پڑتی' بلکہ آپ کو ایسے فون بھی نہ کرنا پڑتا۔''

''کیوں.....؟'' رن ویر سنگھ نے پوچھا تو وہ بولا۔

''مجھے ابھی جالندھر جانا ہے' جہاں مجھے کچھ آفیسرز سے ملنا ہے' چونکہ آپ نے مجھے اپنی موومنٹ کے بارے میں بتانے کے لیے پابند کیا ہے' اس لیے بتا رہا ہوں۔''

''یہ تو آپ اچھا کر رہے ہیں۔'' اس نے طنزیہ انداز میں کہا۔

''ممکن ہے' میں اس بارے میں اپنے وکیل سے مشورہ کروں' کیونکہ آپ کا قانون بے چارہ اتنا اندھا ہے کہ

شاید کہیں اور ہوں' اچانک میری نگاہ' ایک ایسے بندے پر پڑی جس کے ہاتھوں میں دیسی ساخت کی ایک کاربین پڑ پڑی' تب میں نے لمحوں ہی میں فیصلہ کر لیا کہ مجھے کیا کرنا ہے' میں نے اپنے اردگرد کا جائزہ لیا۔ وہ کاربین والا میرے دائیں ہاتھ پر ذرا سا آگے چل رہا تھا۔ ایک میری بائیں جانب ساتھ چل رہا تھا اور ایک میری پشت پر تھا' ممکن تھا کہ اس کے پاس کوئی ہتھیار ہو' مگر میں نے رسک لینے کا فیصلہ کر لیا تھا' کاربین والا کاریڈر کے ستون سے چند قدم پیچھے تھا جیسے ہی وہ ستون کے پاس پہنچا' میں نے دائیں ہاتھ کو بڑھا کر اس کی گردن کو پکڑا اور چشم زدن میں ستون کے ساتھ دے مارا' اس دوران بائیں ہاتھ سے کاربین چھین لی' اس اچانک افتاد پر وہ نہ سمجھ سکے کہ میں کیا کرنا چاہتا ہوں' میں نے کاربین والا ہاتھ گھمایا اور بائیں طرف چلنے والے کے منہ پر مارا' اس سے پہلے کہ میری پشت پر آنے والا مجھے قابو کرتا' میں ایک دم نیچے بیٹھ گیا' میرے پیچھے آنے والا اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا اور میرے اوپر سے اگلی جانب گر پڑا۔ میں نے اسے وہیں دبوچ لیا اور غراتے ہوئے کاربین اس کے سر پر رکھتے ہوئے کہا۔

''ایسے ہی پڑے رہنا ورنہ بھیجا نکال دوں گا۔''

اس کے ساتھ ہی میں نے تیزی سے اس کی تلاشی لی' میرا کولٹ پسٹل اس کی ڈب میں تھا۔ میں نے وہ نکال لیا' وہ وہیں دبکا ہوا تھا' میں نے انہیں قابو تو کر لیا مگر اب انہیں سنبھالنا مشکل لگ رہا تھا۔ ستون سے ٹکرانے والا اپنے حواس بحال کر رہا تھا' جبکہ دائیں جانب والا حیرت سے مجھے دیکھ رہا تھا' میں نے پسٹل اس کی طرف کرتے ہوئے کہا۔

''آگے چل.....!'' پھر کھڑے ہوتے ہوئے نیچے پڑے بندے کو پاؤں کی ٹھوکر مارتے ہوئے کہا۔ ''چل' اے' تو بھی اٹھ..... آگے لگ.....''

میں نے ان دونوں کو آگے لگا لیا' یہ سب کچھ تقریباً ایک سے ڈیڑھ منٹ کے دورانیے میں ہوا' وہ میرے آگے آگے جا رہے تھے اور میں ان کے پیچھے تھا' آگے ڈیوڑھی تھی' چند گز کے بعد گیٹ تھا' جبکہ کاریڈور آگے تک تھا۔ میں اچانک مڑا اور ڈیوڑھی میں چلا گیا' سامنے ہی دو گن بردار چوکیدار تھے' مجھے دیکھتے ہی انہوں نے گنیں سیدھی کیں' انہوں نے تو گن سیدھی کر کے ٹرائیگر دبانا تھا' جبکہ میں نے یکے بعد دیگرے دو فائر کر دیئے' وہ بدحواس ہو کر باہر کی جانب بھاگے' میں تیزی سے گیٹ تک گیا' ممکن تھا کہ وہ گیٹ پر دائیں بائیں چھپے ہوتے اور میرے باہر نکلتے ہی فائر کر دیتے' میں نے پہلے دائیں جانب فائر کیے اور پھر بائیں جانب اور اگلے ہی لمحے جست لگا کر گیٹ سے باہر آ گیا۔ میرا اندازہ درست تھا' دائیں طرف والا گارڈ زمین پر پڑا ہوا تھا اور بائیں جانب والا دکھائی نہیں دیا۔ میں پھر وہاں نہیں رکا' جس قدر تیزی سے بھاگ سکتا تھا بھاگتا چلا گیا' میں نے زیادہ سے زیادہ تین یا چار ایکڑ کا فاصلہ طے کیا ہوگا' ڈیرے کی چھت سے فائرنگ ہونا شروع ہو گئی۔ میں نے پلٹ کر ایک نگاہ دیکھا تھا۔ ڈیرے سے کئی بندے باہر کی جانب بھاگتے ہوئے نکل رہے تھے۔ بلاشبہ انہوں نے مجھے پکڑنا تھا۔ میں بھاگتا چلا گیا۔ میں کسی نہ کسی طرح پکی سڑک تک پہنچ جانا چاہتا تھا۔ میں فصلوں کے درمیان سے آگے بڑھتے رہنا چاہتا تھا۔ وہاں سے گاؤں تقریباً ایک کلومیٹر کے فاصلے پر تھا۔ اگر گھوم کر جاتا تو زیادہ وقت لگتا تھا۔ میں بغیر رکے بھاگتا جا رہا تھا' میرے بدن میں سکت ختم ہو رہی تھی۔ نجانے کیوں جب بقا کا مسئلہ درپیش ہو تو قوت کہاں سے آ جاتی ہے' اب فائرنگ نہیں ہو رہی تھی۔ میں ہانپتا ہوا پکی سڑک تک پہنچ گیا۔

جہاں یہ ممکن تھا کہ وہاں مجھے کوئی جاننے والا مل جاتا تو یہ بھی تھا کہ میرے دشمن میری تاک میں ہوں۔ اگر میں گاؤں کی طرف جاتا تو راستے میں حویلی تھی' ورنہ شہر جانے والی سڑک تو تھی ہی' مجھے ادھر جانا تھا' اس وقت میں ان لوگوں کی نظروں سے نکلنا چاہتا تھا' میں ایک درخت کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا اور اپنی سانسیں بحال کرنے لگا' میری پشت پر پکی سڑک اور رخ اس طرف تھا جہاں سے میں بھاگ کر آیا تھا۔ مجھے اپنی سانسیں بحال کرنے میں چند منٹ لگے۔ میں درخت

کی جڑ میں بیٹھ گیا۔ اردگرد جھاڑیاں اور پودے اُگے ہوئے تھے۔ میری نگاہ پکی سڑک پر تھی کہ کوئی تو جاننے والا ادھر سے گزرے گا۔ تب اچانک مجھے دور سے پولیس جیپ اور اس کے پیچھے وین نظر آئی۔ اسے دیکھتے ہی شاہ زیب کی بات میرے ذہن میں گونج گئی کہ پولیس مجھے ''پار'' کرنے کے لیے پہنچنے ہی والی ہے' کیا رندھاوا مجھے ڈبل کراس کر گیا یا پھر معاملہ ہی کچھ اور ہے؟ وہ سڑک پر سے گزر گئے۔ اب میرے لیے وہاں پر بیٹھے رہنا ٹھیک نہیں تھا۔ میں اٹھ کر پکی سڑک پر آ گیا۔ میں حیران تھا کہ مجھے تلاش کرنے کے لیے کوئی بھی نہیں نکلا ہے۔ میں سڑک کی دوسری طرف چلا گیا۔ مجھے وہاں کھڑے چند منٹ ہی ہوئے ہوں گے کہ میرے ہی گاؤں کا ایک لڑکا فیض موٹر سائیکل پر آ رہا تھا۔ مجھے یوں کھڑا دیکھ کر اس نے موٹر سائیکل روک لیا۔

''جمال بھائی' یوں کیسے کھڑے ہو' خیر تو ہے.....؟''

''تو کہاں سے آ رہا ہے؟'' میں نے پوچھا' کیونکہ مجھے لگا جیسے اسے میرے اغوا کے بارے میں کوئی خبر نہیں ہے۔ تبھی وہ بولا۔

''قصبے گیا تھا' رات وہیں تھا۔''

''اچھا چل' مجھے گاؤں چھوڑ دے۔'' میں نے اس کے پیچھے بیٹھتے ہوئے کہا' وہ چل پڑا۔ ابھی ہم چند قدم ہی چلے ہوں گے کہ سامنے سے کئی موٹر سائیکلوں پر سوار مجھے میرے دوست نظر آئے۔ چھاکا' ان میں سب سے آگے تھا' انہیں دیکھتے ہی میں نے کہا۔ ''رک جا فیض۔''

اس نے موٹر سائیکل روک دی۔ اگلے دو تین منٹوں میں وہ قریب آ گئے۔

''کون تھے وہ.....؟'' چھاکے نے مجھے دیکھتے ہی سوال کیا۔

''شاہ زیب.....'' میں نے دھیرے سے کہا تو چھاکا ایک دم سے بھنا گیا۔

''چل.....! کدھر ہے وہ..... میں دیکھتا ہوں اس کی سرداری۔''

''نہیں ابھی نہیں۔ ادھر ابھی پولیس ہے..... وہ ہمارے حق میں نہیں' واپس چل' آج شام سے پہلے پہلے انہیں دیکھ لیتے ہیں۔'' میں نے کہا اور چھاکے کے پیچھے بیٹھ گیا۔

گاؤں کے چوک تک پہنچتے پہنچتے سب کو خبر ہو گئی کہ مجھ پر حملہ کرنے والے سردار شاہ دین کے بندے تھے۔ وہیں برگد کے درخت تلے کئی لوگ تھے' ان میں چاچا رحمت بھی تھا' جو ہمارے گاؤں کی پنچائیت کا ایک اہم رکن تھا۔ ساری روداد سننے کے بعد اس نے کہا۔

''تو ٹھیک کہتا تھا' ان کی غنڈہ گردی اب بہت بڑھ گئی ہے۔''

''ابھی تو شروعات ہوئی ہیں' اگر ہم نے کچھ نہ کیا تو ہمارے بچے ان کے غلام ہوں گے..... جیسے آج ہم بول نہیں سکتے۔''

''پتر.....! تو جو بھی کہہ ہم تیری بات پر آمین کہتے ہیں۔ سرداروں کو پتہ چلنا چاہیے کہ ہم ڈنگر نہیں انسان ہیں۔'' چاچے نے جذباتی لہجے میں کہا۔

''چاچا.....! تو نے کہہ دیا اور اب میں اس گاؤں کے لوگوں کی عزت بناؤں گا تو دیکھتا رہ' اب میں کیا کرتا ہوں' ان سرداروں کے ساتھ۔''

''تجھے اجازت ہے۔'' اس نے کہا تو گاؤں کے لوگ میری ہاں میں ہاں ملانے لگے۔ اس وقت دوپہر ہو گئی تھی جب میں گھر کی طرف چلا' چھاکا بہت غصے میں تھا۔ وہ مجھے دروازے پر ہی اُتار کر واپس چلا گیا۔ میں گھر میں داخل ہوا تو

نیم کے درخت تلے چارپائی پر اماں بیٹھی ہوئی تھی' وہ آنکھیں بند کیے تسبیح پڑھ رہی تھی۔ جبکہ سوہنی دالان میں تھی۔ مجھے دیکھتے ہی میری جانب بڑھی۔ اس کا بے ساختہ انداز دیکھ کر میں نے اماں کی طرف اشارہ کیا۔ وہ ٹھٹک کر رک گئی۔ میں اماں کے پاس جا کر بیٹھ گیا تو انہوں نے آنکھیں کھول دیں' پھر مجھے غور سے دیکھ کر جذباتی لہجے میں بولی۔

''آ گیا میرا بچہ.....''

''ہاں اماں..... بہت چوٹیں آئی ہیں۔'' میں نے کسی بچے کی طرح ماں کی گود میں سر رکھتے ہوئے کہا تو وہ میرا سر تھپتھپاتے ہوئے بولیں۔

''چوٹیں بھی تو شیر جوانوں کو لگتی ہیں۔ چل اٹھ منہ ہاتھ دھو کر آ' میں تجھے کھانا دوں۔'' یہ کہتے ہوئے وہ اٹھ گئیں۔ تبھی سوہنی قریب آ کر حیرت سے بولی۔

''اماں.....! دشمن اسے اغوا کر کے لے گئے تھے' اس کے ساتھ کچھ بھی ہو سکتا تھا' لیکن اماں تم..... تمہارا رویہ ایسے ہے جیسے کچھ بھی نہ ہوا ہو.....؟''

''تو کیا میں اسے ڈراؤں.....'' اماں نے کہا اور کچن کی جانب چل دی۔ میں نے سوہنی کی طرف دیکھا اور اندر کمرے کی جانب بڑھ گیا۔ وہ بھی میرے پیچھے پیچھے آ گئی۔

''کون تھے وہ لوگ..... کچھ پتہ چلا.....''

''شاہ زیب تھا۔'' میں نے سرسری انداز میں بتایا تو وہ چونکتے ہوئے بولی۔

''اوہ.....! تو میرا شک درست نکلا..... میں نے بھی سردار شاہ دین سے کہہ دیا۔''

''کیا..... کیا کہہ دیا..... تیری بات ہوئی اس سے.....'' میں نے چونکتے ہوئے حیرت سے پوچھا۔

''ہاں..... میں نے اچھو کی دکان سے حویلی فون کر دیا تھا' شاہ دین نے ہی اٹھایا تھا فون' میں نے اسے دھمکی دیتے ہوئے کہا کہ اگر شام تک تم صحیح سلامت واپس گھر نہ لوٹے تو اس کی تمام تر ذمہ داری سردار پر ہو گی۔''

''اس نے پوچھا نہیں کہ تم کون ہو؟'' میں نے آہستگی سے پوچھا۔

''میں نے بتایا اس کو کہا میں تمہاری بیٹی بول رہی ہوں جو ایک طوائف کے بطن سے ہے۔ وہ اتنا حیران نہیں ہوا' لیکن گھبرا ضرور گیا تھا۔ اس نے نہ اقرار کیا نہ انکار.....''

''اوہ..... تو نے جلد بازی کی..... خیر' کوئی بات نہیں۔ اب مجھے کچھ اور سوچنا پڑے گا۔ تو پانی لا پینے کے لیے۔'' میں نے کہا اور سوچ میں پڑ گیا۔ وہ پانی لانے کے لیے چلی گئی..... اور میں آئندہ لائحہ عمل کے بارے میں سوچنے لگا۔

دوپہر کے بعد موسم اچھا خاصا خوشگوار ہو گیا تھا۔ جسپال رات دیر تک ہرپریت سے باتیں کرتا رہا تھا۔ باتوں میں احساس ہی نہیں ہوا کہ رات کا آخری پہر بھی آدھا گذر گیا ہے۔ ہرپریت کے جانے کے بعد وہ کچھ دیر جاگتا رہا پھر سویا تو دوپہر کے وقت جاگا۔ وہ تیار ہو کر نیچے گیا تو پھوپھو ڈرائنگ روم میں تھی۔ اسے دیکھتے ہی بولی۔

''اور سب کے بندے' یہ تم لوگ مجھے یوں اکیلا چھوڑ کر سوتے رہتے ہو۔ میں تمہارے کھانے پینے کی فکر میں بیٹھی رہتی ہوں..... اب دیکھو' انوجیت بھی اب تک نہیں آیا' ہرپریت ابھی جاگی ہے اور تم.....''

''پھوپو.....! یہ تو چلتا ہے لیکن آپ ہمارا انتظار نہ کیا کرو' آپ کھا پی لیا کرو۔'' جسپال نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔ تبھی ہرپریت بھی آنکھیں ملتی ہوئی وہیں آ گئی۔

''گڈ ارننگ مام' گڈ مارننگ جسی۔''

''گڈ مارننگ کی کچھ لگتی..... اب دوپہر ہوگئی ہے' چل جلدی سے منہ دھو کے آ جا..... اور تو جسپال اس انوجیت کو تو فون کر' کدھر ہے.....؟''

''جی اچھا.....'' یہ کہہ کر وہ انوجیت کا نمبر ملانے لگا۔ چند لمحوں بعد اس سے رابطہ ہوگیا' وہ گاڑی میں ہی تھا' اس نے کچھ دیر بعد آنے کا کہہ دیا' ہرپریت اخبار اٹھا کر آ گئی' وہ خبریں سنانے لگی تو پھوپو نے کہا۔ ''ارے چھوڑ اسے' جوتی کے پاس جا' دیکھ کیا کر رہی ہے۔''

''بے بے..... کیا ہوگیا ہے آپ کو' کیوں غصہ ہے' کچھ دیر ہی لگ جائے گی نا' پھر کیا ہوا' ابھی تو انوجیت بھی نہیں آیا۔'' ہرپریت نے کافی حد تک تحمل اور حیرت سے پوچھا۔

''وہ جوگل کا انسپکٹر ہو کر گیا ہے نا یہاں سے' مجھے بہت خوف آ رہا ہے' وہ شکل ہی سے مکار لگ رہا تھا۔'' آخر کار پھوپو نے اپنے دل کی بات کہہ دی۔ تب جسپال نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''پھوپو جی شانت ہو جاؤ' کچھ نہیں ہوتا' بلکہ آپ تیاری کریں' پنڈ چلتے ہیں' آج سارا کام ختم ہو جانا ہے ادھر۔''

''ہاں مجھے یاد ہے' انوجیت نے بتایا تھا مجھے' چل پھر چلتے ہیں ادھر۔'' وہ ایک دم سے تیار ہوگئیں۔ کچھ دیر بعد انوجیت بھی آ گیا تب تک کھانا لگ چکا تھا۔

لنچ کے بعد وہ چاروں کوٹھی سے کار میں نکلے اور اوگی پنڈ کی طرف چل دیئے۔ پچھلی نشست پر ہرپریت اور پھوپو تھی اور پسنجر پر انوجیت' وہ حویلی ہی کے بارے میں باتیں کرتے ہوئے وہاں تک جا پہنچے۔

وہ حویلی اس دن والی رہی ہی نہیں تھی، جو پہلے دن جسپال نے دیکھی تھی۔ اسے دیکھ کر یوں لگ رہا تھا کہ جیسے آج ہی مکمل ہوئی ہے' ان کے انتظار میں ٹھیکیدار باہر ہی کھڑا ہوا تھا۔ جسپال اس سے جا کر ملا۔ پھر وہ اندر کی طرف چلے گئے' اندر سے بھی وہ بالکل نئی لگ رہی تھی۔ نیم کا درخت تراش دیا گیا تھا جو اب اچھا لگ رہا تھا۔ وہ سبھی صحن میں کھڑے تھے۔

''رب کا شکر ہے کہ اتنے برسوں بعد اس حویلی کے بھاگ بھی جاگے۔ میں نے ارداس مانی تھی۔'' پھوپو نے بڑے جذب سے کہا۔

''لیکن بے بے! ابھی اس حویلی کا کام پورا نہیں ہوا۔ اسے ابھی سجانا ہے' پوری طرح۔'' ہرپریت نے پرشوق لہجے میں کہا تو جسپال بولا۔

''میرے ذہن میں بھی ہے' ایسے کرتے ہیں' کسی انٹیریئر ڈیکوریٹر سے بات.....''

''نہیں' خود ایک ایک چیز خریدیں گے۔ میں خریدوں گی سارا سامان اور لا کر یہاں سجاؤں گی۔'' ہرپریت نے یوں کہا جیسے وہ اپنے کسی حسین خواب میں رنگ بھر رہی ہو' تبھی جسپال نے کہا۔

''اوکے.....! تم آج پلان کر لو' کہ کیا کیا خریدنا ہے' کل سے ہم سامان خرید لیں گے' پھر پھوپو بھی اپنی ارداس رکھ لے..... کیوں انوجیت۔''

''زبردست.....'' وہ ہنستے ہوئے بولا' تبھی ہرپریت نے اپنا سیل فون نکالا اور حویلی کی سبھی دیواروں' کمروں اور جہاں اسے لگا کہ اس کی فلم بنانی چاہئے' اس کی ویڈیو بنانے لگی۔ وہ سب حویلی میں گھومتے پھرتے رہے۔ کافی دیر بعد وہ دوبارہ صحن میں آ گئے جہاں ٹھیکیدار ان کا منتظر تھا' جسپال نے اسے کہا۔

مجھ پر حملہ کرنے والے لوگوں کو ابھی تک پکڑ نہیں سکا۔ ویسے مجھے نہیں لگتا کہ قانون اندھا ہے۔'' جسپال نے ہنستے ہوئے کہا۔

''تو آپ کو کیا لگتا ہے۔'' اس نے تیزی سے پوچھا۔

''کھلی آنکھوں کے ساتھ بھی اندھا بننے کا ڈھونگ کر رہا ہے۔ ورنہ اب تک وہ میرے مجرم کو پکڑ لیتا' خیر.....! دو چار دن لگ جائیں گے مجھے۔'' جسپال نے تیزی سے کہا۔

''وہاں قیام کہاں ہوگا۔'' رن ویر نے پوچھا۔

''ظاہر ہے میرا وہاں جاننے والا ایسا کوئی نہیں' کسی ہوٹل وغیرہ میں ٹھہروں گا۔ اگر آپ کسی اچھے ہوٹل یا قیام گاہ کے بارے میں بتا دیں تو.....'' جسپال نے جان بوجھ کر جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

''مجھے نہیں سمجھ آ رہی کہ آپ وہاں کیوں ٹھہریں گے۔ زیادہ سے زیادہ بیس کلومیٹر کا سفر ہے' آپ آسانی سے واپس آ سکتے ہیں روزانہ۔'' رن ویر سنگھ نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''یہ میرا معاملہ ہے۔ اسے میں بہتر سمجھتا ہوں۔ پتہ نہیں' کب' کس سے اور کہاں ملاقات ہو جائے۔ مجھے تو بہر حال اپنا مقصد حل کرنا ہے نا.....'' وہ تیزی سے بولا۔

''ٹھیک ہے' جاتے ہوئے تھانے سے.....'' رن ویر سنگھ نے کہنا چاہا مگر جسپال نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

''نہیں آفیسر.....! ایسے نہیں' میں تھانے نہیں آؤں گا۔ بہت ضروری ہے تو اپنا بندہ یہاں بھیج دو۔ میں دس پندرہ منٹ بعد یہاں سے نکل جاؤں گا۔ اوکے اینڈ بائی۔'' یہ کہہ کر اس نے اپنا فون بند کر دیا۔

''وہ تیار ہو کر ڈرائنگ روم میں آیا تو ہرپریت اپنے بیگ کے ساتھ وہاں موجود تھی۔ سوچوں میں ڈوبی ہوئی کلجیت کور بھی بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے زیادہ باتیں نہیں کیں۔ ہرپریت اس کے ساتھ جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔ جسپال نے کلجیت کور کے پاس جا کر دھیمے سے کہا۔

''پھوپو اپنا خیال رکھنا' میں نے انوجیت کو فون پر بتا دیا ہے۔''

''جا پتر۔ رب تیری خیر کرے۔'' یہ کہہ کر اس نے سر پر پیار دیا' تب وہ دونوں باہر نکل گئے۔

گاؤں میں عشاء کی اذان کب کی ہو چکی تھی۔ اس وقت چھا کا چھت پر جا کر وہ اسلحہ اکٹھا کر رہا تھا جس کی ہمیں ابھی تھوڑی دیر بعد ضرورت پڑنے والی تھی۔ میں باہر والے کمرے میں سے نکل کر صحن میں آ گیا' جہاں اماں اور سوہنی بیٹھی ہوئی تھیں۔ وہ میری طرف دیکھ رہی تھیں۔ میں ان کے پاس جا کر رک گیا اور پھر بڑی سنجیدگی سے بولا۔

''ماں' میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ اب تک تیز ہو جانے والی چھری میں اپنے دشمنوں کے گلے پر پھیر دوں' اس لیے مجھے نہیں معلوم کہ میں گھر آ بھی پاؤں گا یا نہیں' لیکن میں آنے کی بھرپور کوشش کروں گا کہ مجھے ابھی تیرا مقدمہ بھی لڑنا ہے۔ آج رات بہت بھاری ہے' گزر گئی تو سوہنی کا معاملہ کل ہی حل ہو جائے گا۔''

''بیٹا.....! میری دعائیں ہر وقت تیرے ساتھ ہیں۔ میں نہیں جانتی تو نے کیا کرنا ہے کیا نہیں' لیکن اتنا یاد رکھنا' سوہنی کے ساتھ میں نے وعدہ کیا ہے اور یہ وعدہ ہم نے نبھانا ہے۔'' اماں نے کہا تو مجھے یوں لگا جیسے ایک اور اہم ذمہ داری مجھ پر آن پڑی ہے' جسے اب فقط میں نے ہی پورا کرنا ہے۔ ممکن ہے' اس وقت میں کوئی بات کرتا' بھی اوپر منڈھیر پر چھا کے نے جھانکتے ہوئے کہا۔

''اوئے جمالے..... جلدی اوپر آ.....''

اس کے بلانے میں کچھ ایسا تھا کہ میں انتہائی تیز رفتاری سے سیڑھیاں چڑھتا چلا گیا۔ حالانکہ میرا جوڑ جوڑ درد کر رہا تھا' چھت پر پہنچا تو نہ صرف میرا سانس پھول چکا تھا بلکہ کمر میں شدید درد ہو رہی تھی۔ میرے پوچھنے سے پہلے ہی چھاکے نے سڑک کی جانب اشارہ کیا' جہاں کافی ساری گاڑیوں کا ایک قافلہ رکا ہوا تھا۔ اندھیرے میں گاڑیوں کی ہیڈ لائٹس میں گاڑیاں دکھائی دے رہی تھیں۔ یا پھر وہ لوگ جو ادھر ادھر پھر رہے تھے' ایسا ہونا معمول سے ہٹ کر تھا' مگر پھر بھی میں نے کہا۔

''ممکن ہے کوئی شادی وغیرہ ہو' بارات کے لوگ بھی ہو سکتے ہیں۔''

''لیکن باراتوں کے ساتھ اتنی بڑی تعداد میں لوگ اسلحہ لے کر نہیں گھومتے۔ غور سے دیکھو ذرا۔'' چھاکے نے یوں کہا جیسے کسی گہرے کنویں سے بول رہا ہو۔

''تو پھر کون ہو سکتے ہیں؟'' میں نے تیزی سے پوچھا تو وہ اسی لہجے میں بولا۔

''ممکن ہے ہمارا ہی کوئی دشمن ہو' ہمارا کوئی ایسا دوست نہیں ہے جو اتنا بڑا لاؤ لشکر رکھتا ہو۔''

''تو بس پھر ہو جاؤ تیار' دشمن ہو گا تو دیکھ لیں گے۔'' میں نے کہا اور اسلحے کی جانب بڑھا تا کہ اسے اٹھانے میں چھاکے کی مدد کروں' ایسے میں ہمارے گھر کا گیٹ بجا' میں نے تیزی سے اپنا پسٹل نکالا اور گلی کی طرف والی منڈیر پر پہنچا۔ گلی میں اندھیرا تھا' اور ہمارے گھر کے باہر ایک شخص کھڑا تھا' پہلی نگاہ میں وہ پہچانا نہیں گیا لیکن ذرا غور کرنے پر میں پہچان گیا۔ وہ سرداروں کا خاص ملازم فخرو تھا۔

''اس وقت اس کا یہاں کیا کام۔'' میں نے بڑبڑاتے ہوئے کہا اور سیڑھیاں اتر گیا۔ اس وقت تک چھاکا منڈیر تک چلا گیا تھا۔ میں نے گیٹ کھولا تو سامنے کھڑے فخرو نے کہا۔

''شکر ہے تم گھر پر ہی مل گئے ہو۔ باہر والا دروازہ کھولو' میں نے تم سے بات کرنی ہے۔''

''تم نے جو بات کرنی ہے' یہیں کر لو۔'' میں نے تیزی سے کہا تو وہ انتہائی تحمل سے بولا۔

''دیکھو.....! سردار صاحب' خود تم سے بات کرنے کے لیے یہاں تک آئے ہیں۔ وہی سوہنی کے بارے میں بات کریں گے' اس لیے دروازہ کھولو' اطمینان سے لیکن چپ چپاتے ہی بات کرنی ہے۔ اس لیے.....''

''اچھا.....! گاؤں کے باہر جو لشکر لے کر آئے ہو' وہ تمہی لوگوں کا ہے' میں اگر تمہاری بات نہ مانوں تو تم مجھ پر.....'' میں نے کہنا چاہا تو وہ میری بات کاٹتے ہوئے بولا۔

''تم نے بات ماننے یا نہ ماننے کا ابھی فیصلہ کر لیا ہے' یہ ٹھیک ہے کہ گاؤں کے باہر لوگ کھڑے ہیں مگر سردار صاحب یہاں گلی کی نکڑ پر ایک چھوٹی گاڑی میں ہیں۔ صرف میں اور وہ ہیں۔ بات کریں گے' اور چلیں جائیں گے' اس میں تیرا ہمارا اور گاؤں کا فائدہ ہے۔'' فخرو نے سمجھانے والے انداز میں کہا تو میں نے چند لمحے سوچا اور پھر کہا۔

''ٹھیک ہے جاؤ' لے آؤ سردار کو' لیکن اگر تیسرا بندہ ہوا تو پھر.....'' میں نے فقرہ جان بوجھ کر ادھورا چھوڑ دیا۔ میری مزید بات سنے بغیر فخرو تیزی سے واپس پلٹ گیا۔ میں نے پلٹ کر گیٹ بند کیا تو سوہنی ساتھ میں کھڑی تھی۔ اس نے مجھ سے کوئی بات نہیں کی' بلاشبہ اس نے ساری بات سن لی تھی۔ میں نے باہر والا دروازہ کھولا' لائٹ آن کی اور دروازے میں کھڑا ہو کر انتظار کرنے لگا۔ میرا ہاتھ پسٹل پر تھا کیونکہ میں نے ایک چھوٹی کار گلی میں آتے ہوئے دیکھ لی تھی۔ کچھ دیر بعد وہ میرے دروازے کے سامنے آ کر رک گئی۔ اس میں سردار کے ساتھ فخرو ہی تھا' سردار شاہ دین تیزی سے میرے کمرے میں آ گیا اور آتے ہی میری جانب ہاتھ بڑھایا' میں نے اس سے ہاتھ ملایا تو وہ بولا۔

''تجھے معلوم ہے نا کہ میں آج تک چل کر کسی کے گھر نہیں گیا۔ صرف تیرے گھر تک آیا ہوں اور تم مجھے بیٹھنے

کے لیے بھی نہیں کہو گے۔''

''سردار صاحب! اس وقت آپ میری مرضی سے نہیں' اپنی خواہش سے آئے ہیں۔ جس طرح آپ آ گئے ہیں' اس طرح آپ بیٹھ بھی خود ہی جائیں گے۔'' میں نے اپنے لہجے کو کافی حد تک طنزیہ ہونے سے بچاتے ہوئے کہا۔ تب تک وہ ایک کرسی پر بیٹھ گیا تھا۔ میں سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا' فخرو باہر کار ہی میں تھا۔ سردار چند لمحے سوچتا رہا پھر بولا۔

''میں شاہ زیب کی حرکت پر شرمندہ ہوں۔ اسے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔''

''اس نے جو کرنا تھا وہ کر لیا' مجھ سے جو ہو سکا' میں بھی کرنے کو تیار ہوں۔ آپ فکر نہ کریں' یہ معاملہ چلتا رہے گا اب' آپ سنائیں' آپ میرے گھر تشریف لائے ہیں' حکم کریں۔'' میں نے اپنے غصے کو دباتے ہوئے کہا۔ مجھے اس کی چرب زبانی اور منافقت پر ایک دم سے گرمی آ گئی تھی۔

''میرے خیال میں' سب کچھ غلط فہمی میں ہو گیا۔ تمہاری طرح وہ بھی نوجوان ہے' میں چاہتا ہوں تم دونوں آپس میں صلح کر لو' باقی پھر سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

''ٹھیک ہے' گاؤں کے چوک میں بس مجھے اور شاہ زیب کو تھوڑی دیر اکیلا چھوڑ دیں۔ پھر صلح ہی صلح ہو گی ہماری۔'' میں نے سردار شاہ دین کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا تو اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ وہ غصے میں آ گیا تھا۔ مگر میں اس وقت حیران رہ گیا جب وہ بولا تو انتہائی تحمل سے کہنے لگا۔

''دیکھ میں تم سے کچھ اور باتیں کرنے آیا ہوں۔ یہ شاہ زیب والا معاملہ کسی طرح ختم کرو' ہم وہ بات کریں۔''

''تو نہ کرو' میں نے کہہ دیا جو کہنا تھا۔'' اچانک مجھے بھی غصے نے مجبور کر دیا کہ اسے صاف جواب دے دوں۔ ''سردار جی.....! اس نے مجھے قتل کرنے کا حکم دے دیا تھا' پولیس منگوائی تھی کہ مجھے پار کر دیں۔ اور کیا یہ سب اس نے آپ کی اجازت کے بغیر کیا' اگر کیا تو بڑی نالائق اولاد ہے آپ کی' اسے تو سزا ملنی چاہیے۔''

''دیکھو' وہ میرا اکلوتا بیٹا ہے' میں اس کے لیے بہت کچھ کر سکتا ہوں' میں اس کی غلطی مان رہا ہوں نا۔'' سردار نے لجاجت سے کہا۔

''سردار جی آپ نے اگر کوئی دوسری بات کرنی ہے تو کریں' مجھے معلوم ہے کہ میرے نہ ماننے سے آپ نے کیا پلان کیا ہوا ہے۔ آپ نے جو فوج سڑک پر کھڑی کی ہوئی ہے نا' وہ میری نگاہ میں ہے' وہ فوج بھیجیں' میں نے اس کا توڑ بھی کیا ہوا ہے' میں نے بچپن سے اب تک آپ ہی کی نفسیات کو سمجھا ہے' کیوں سمجھا ہے یہ آپ بخوبی جانتے ہیں۔''

''تم گڑھے مردے مت اکھاڑو لڑکے' تم شاید اسے میری مجبوری سمجھ کر کہ میں چل کر تیرے گھر آ گیا ہوں' تو اپنی حد سے باہر ہو رہا ہے۔ اپنے آپ پر سوچ' اپنی بوڑھی ماں پر رحم کر..... تو جو مانگتا ہے' میں تجھے دے دیتا ہوں' لیکن یہ سارا تماشہ ختم کر' وہ جو میری بیٹی ہونے کی دعویدار بنی پھرتی ہے' اسے لے کر کہیں چلا جا' اس تماشے کو زیادہ لمبا کرو گے تو کچھ حاصل نہیں ہونے والا' میں.....'' وہ سمجھانا چاہ رہا تھا کہ سوہنی اندر آ گئی۔ وہ پورے لباس میں تھی اور آنچل سے سر ڈھکا ہوا تھا۔ سردار نے گھوم کر اسے دیکھا اور لفظ اس کے منہ ہی میں رہ گئے۔ وہ بولی۔

''کتنا ظالم معاشرہ ہے تمہارا' ایک عورت کو کھلونا سمجھا اور دوسری عورت جو اس کی بیٹی ہے اس سے انکار کرتے ہو۔''

''تم جو کوئی بھی ہو' جس کسی کی بھی سازش لے کر یہاں تک آئی ہو' میں وہ.....''

''اب مجھے تیرے جیسے شخص کو باپ کہنے پر شرمندگی ہو رہی ہے' میں نے سوچا تھا کہ شاید تیرے اندر کا خون جوش مارے گا' لیکن نہیں..... ایسا نہیں ہی' اپنی اولاد کو دیکھ کر تو والدین کا من تڑپ اٹھتا ہے' شاہ زیب تیرا بیٹا ہے اور میں

نہیں.....'' اس نے بڑے طنز سے کہا۔

''نہیں ہونا' اس لیے.....''

''تو یہ طے ہوا سردار شاہ دین کہ تم میرے باپ نہیں' مگر میں نے اپنا دعویٰ سچ ثابت کر دینا ہے' پھر تم نے مجھے بیٹی قبول کرنا ہے' تب میں نے انکار کر دینا ہے' پھر جو میں ثابت کروں گی' تم اس سے بھی انکار نہیں کر پاؤ گے۔''

''میں تمہیں زندہ ہی نہیں چھوڑوں گا۔'' سردار نے انتہائی غصے میں کہا۔

''دیکھو سردار! یہ گھٹیا دھمکی کسی اور کو دینا۔ تم یہ مت سمجھنا کہ میں ایک طوائف زادی' یہاں آ کر دعویٰ کروں گی اور تم اسے آن کی آن میں مار دو گے' یہ تمہاری بھول ہے۔ میں آج کی لڑکی ہوں' سارے بندو بست کر کے آئی ہوں۔ ملک سجاد جیسے بندے کو اگر موت کے منہ میں ڈال دیا ہے تو..... میں اپنا تحفظ کر سکتی ہوں۔ گولی چلا کر دیکھو' تم تو کیا شاہ زیب بھی نہیں رہے گا۔'' سوہنی نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

''دیکھو' تم بہت بول چکی ہو' تمہاری زندگی اسی میں ہے کہ رات کے اندھیرے میں اسی طرف لوٹ جاؤ جنہوں نے تمہیں سازش کے تحت یہاں بھیجا ہے' چار دن جی لو گی۔'' سردار نے نہایت غصے میں مگر دھیمی آواز میں کہا تو سوہنی نے بڑے اعتماد سے کہا۔

''یاد ہے سردار جی ایک سال قبل آپ اپنا تفصیلی چیک اپ کروانے گئے تھے لاہور' آپ کے ڈاکٹر نے آپ کو خصوصی طور پر بلوایا تھا۔''

''ہاں کیوں؟'' وہ تیزی سے بولا۔

''وہ میں نے ایک بڑی رقم دے کر ڈاکٹر کو راضی کیا تھا کہ آپ کو بلوائے اور آپ کا اور میرا ڈی این اے ٹیسٹ کروائے۔ مجھے بھی شک تھا کہ میں شاید آپ کی بیٹی نہ ہوں۔ میری ماں غلط بیانی کر رہی ہو۔ محض دولت کے لیے' آخر طوائف ہے نا..... میں نے کچھ عرصہ کی مہلت لی ہے اس سے' میں نے اپنا آپ فروخت کیا ہے اپنی ماں کو..... میں نے کہا' اگر میں ایک خاص عرصے تک اسے' اس کی سوچی ہوئی دولت سے دوگنا نہ دے دوں' اس وقت تک وہ مجھ پر اپنا کوئی فیصلہ مسلط نہیں کرے گی۔ ٹیسٹ نے ثابت کر دیا کہ تم میرے باپ ہو اور میں تمہاری ناجائز اولاد.....'' سوہنی کہتی چلی گئی۔ آخری لفظ کہتے ہوئے اس کے لہجے میں انتہائی نفرت اتر آئی' تبھی وہ چیخا۔

''یہ جھوٹ ہے' فراڈ ہے' ایسا کچھ بھی نہیں ہے' میں اسے غلط ثابت کر دوں گا۔''

''میں تو کہتی ہوں کہ تم مجھے غلط ثابت کرو' میں اس عذاب سے نکلنا چاہتی ہوں کہ میں کوئی شریف زادی ہوں' میڈیا حاضر ہے' وہاں غلط ثابت کرو' عدالت میں غلط ثابت کرو' اور یا پھر ابھی اور اسی وقت میری زبان بند کر دو' مار دو مجھے۔'' سوہنی نے بھی اسی طرح چیختے ہوئے کہا۔ سردار آنکھیں پھاڑے اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کہے اور کیا کرے' پھر سکون سے بولا۔

''تم اب بھی ہوش کرو' اور چلی جاؤ یہاں سے' خیریت اسی میں ہے۔''

''کل کا سورج' کس کے لیے کیا لائے گا' نہ تم جانتے ہو اور نہ میں..... اور ابھی تم اتنے بڑے حاکم نہیں بنے کہ مجھے یہاں اس گھر سے نکال دو' جہاں تم خود سوالی بن کر کھڑے ہو' جاؤ' اور جا کر مجھے مارنے کے لیے بندے بھیج دو' کیونکہ میں تو یہاں آئی ہی مرنے کے لیے ہوں۔ اور سنو..... میں یہاں کھڑی اتنا حق رکھتی ہوں کہ تمہیں یہاں سے جانے کے لیے کہہ دوں۔''

''تم حد سے بڑھ رہی ہو لڑکی.....'' سردار کو چھال آ گیا۔

''تو پھر مجھے میری حد میں رہنے دو سردار جی' میں بتا رہی ہوں' کل میں میڈیا کے سامنے یہ ثابت کروں گی کہ میں سردار شاہ دین ایم این اے کی بیٹی ہوں۔ اور شاہ زیب میرا بھائی ہے۔ چاہے سگا نہ سہی..... میں جب لاہور سے چلی تھی تو سارے قانونی معاملات طے کر کے آئی تھی کہ اگر میری موت ہو جاتی ہے تو اس کا ذمے دار کون ہوگا۔ مجھے کوئی خوف نہیں ہے' چاہے تو ابھی گولی مار دو' مجھے اچھا لگے گا کہ میرے باپ نے مجھے گولی ماری ہے۔''

یہ سن کر پہلے اس میری طرف دیکھا' پھر بولا کچھ نہیں اور اٹھ کر باہر نکلتا چلا گیا۔ میں تیزی سے دروازے تک گیا۔ وہ جلدی سے کار میں بیٹھ کر نکلتا چلا گیا۔

میں باہر والے دروازے کو لگا کر پلٹا تو سوہنی اندر جا چکی تھی۔ میں صحن میں گیا تو وہ اماں کو ساری روداد بتا رہی تھی۔ اسے ساری بات کہنے میں کچھ وقت لگنا تھا' لیکن مجھے یہ دیکھنا تھا کہ سڑک پر رکا ہوا قافلہ کیا کر رہا ہے؟ اس کی حرکت ہی سے میرا اگلا قدم اٹھنے والا تھا۔ میں نے چھت پر جا کر دیکھا' چھا کا ادھر ہی نگاہیں جمائے کھڑا تھا۔ میں نے تیزی سے نہایت اختصار کے ساتھ ساری روداد کہہ دی' وہ چپ چاپ سنتا رہا پھر بولا۔

''اگر یہ قافلہ گاؤں کی جانب آ جاتا ہے تو تم فوراً نیچے آ جانا' میں یہ سارا اسلحہ لے کر جا رہا ہوں' اماں اور سوہنی کو میں نے بتا دیا ہے کہ انہوں نے کہاں جانا ہے۔''

''کہاں.....'' میں نے پوچھا۔

''میرے گھر کے ساتھ..... ماسی کبریٰ کے گھر' وہ وہاں سے محفوظ مقام کی طرف چلی جائیں گی' مطلب وہاں گاڑی ہے ان کے لیے..... قصبے میں یا شہر یا لاہور..... جدھر بھی۔ وہ میں نے بندوبست کر دیا ہے' بس ان کو سنبھالنا ہے۔''

یہ کہہ کر اس نے گنیں اٹھائیں اور سیڑھیاں اترتا چلا گیا۔

میں ایک لمحے کو حیران ہو گیا کہ وہ کیا کچھ سوچ کر اس کی حفاظتی تدابیر کر رہا ہے' حالانکہ میرے اندازے کے مطابق ابھی وہ مرحلہ نہیں آیا تھا جہاں ایک گولی بھی چلتی۔ لیکن وہ جو کر رہا تھا' ٹھیک کر رہا تھا۔ میں بھی اس کی جگہ ہوتا تو پہلے حفظ ماتقدم کے طور پر کچھ کرتا' بعد میں اندازوں پر انحصار کرتا۔ میں اس طرف بڑے غور سے دیکھ رہا تھا جہاں قافلہ اب بھی رکا ہوا تھا۔ شاید سردار شاہ دین ابھی تک وہاں نہیں پہنچا تھا۔ ایسے میں میرے کاندھے پر اک نرم سا ہاتھ آن ٹھہرا۔ میں نے پلٹ کر دیکھا وہ سوہنی تھی۔ وہ بڑے جذباتی انداز میں میرے چہرے پر دیکھ رہی تھی۔ میں چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر بولا۔

''بہت جرات دکھائی تو نے' اتنی بدتمیزی کے ساتھ۔'' میں نے کہنا چاہا تو اس نے میرے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا۔ پھر لرزتی ہوئی آواز میں کہتی چلی گئی۔

''مجھے اخلاقیات پر کوئی لیکچر مت دینا جمال' وہ شخص میرے وجود کو تسلیم کرنے پر تیار نہیں صرف اس لیے کہ میں ایک گند ہوں' وہ مجھے ایک گندے وجود میں پھینک آیا تھا' مجھے میری شناخت تو اس نے کیا دینی ہے' مجھے تو یوں صاف کرنے کی بات کر رہا تھا جیسے کچرا صاف کرتے ہیں۔ وہ جرات نہیں' میرے اندر کا زہر تھا جو ہوش سنبھالنے کے ساتھ ساتھ میرے اندر بھرتا رہا ہے۔ کیا قصور ہے میرا' میری تو یہ مرضی نہیں تھی کہ میں ایک طوائف کے گھر میں پیدا ہوئی' لیکن معاشرے نے میرے ساتھ جو رویہ رکھا' مجھے جس طرح ایک نیچ' کم ذات اور گندگی جانا' وہ میرے لیے لمحہ لمحہ تازیانہ ہے' جمال' یہ نقاب ڈالے شریف زادے تو ہم سے بھی زیادہ گھناؤنے ہیں' ملک سجاد کو کس نے حق دیا ہے کہ وہ ایک وجود کو خریدے' یہی نا کہ اس کے پاس دولت ہے' کوئی اس معاشرے میں ایسا نہیں ہے جو اس سے پوچھے کہ اس کے پاس اتنی دولت آئی کہاں سے؟ نہیں جمال نہیں' مجھے کوئی اخلاقی لیکچر مت دینا۔''

اس کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔

''اور تجھے وہ اگر قبول کر بھی لے تو یہ معاشرہ قبول نہیں کرے گا۔''

''مجھے پرواہ نہیں ہے۔ اور میں اب جینا بھی نہیں چاہتی ہوں۔ موت کا ڈر میں نے کب کا ختم کر دیا ہے۔ اور تم بھی یہ جان لو جمال' اس میں ہمت نہیں ہے کہ مجھے مار سکے۔''

''تم پہلے تو مجھے یہ کہہ چکی ہو کہ اب تک ڈر سے خاموش تھی' یہ اچانک.....'' میں نے کہنا چاہا تو وہ بولی۔

''تمہاری وجہ سے جمال' صرف تمہاری وجہ سے..... میں نے جب اپنے بارے میں اماں کو سب کچھ سچ بتایا تو اماں نے بھی اپنی داستان مجھے سنا دی' یقین جانو' جس دن موت کا خوف ختم ہو گیا' میں اس دن زندہ ہو گئی۔ اماں نے مجھے زندہ کر دیا' تمہارا سہارا' میرے لئے بہت بڑا حوصلہ ہے جمال۔''

''وہ دیکھ رہی ہو سامنے.....'' میں نے قافلے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''یہ سردار شاہ دین کا قافلہ ہے' اس کے حکم پر بے تاب' ہمیں لمحوں میں ختم کر سکتا ہے۔ یہی قافلہ اگر دندناتا ہوا یہاں آئے اور ہم پر حملہ کر دے..... میرے پاس اتنی طاقت نہیں ہے۔'' میں نے اعتراف کیا۔

''لیکن تمہارے پاس حوصلے کی بہت بڑی طاقت ہے۔ یہ میں مانتی ہوں۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا تو میں نے کہا۔

''جھوٹ' جیسے کہ تم نے سردار کے سامنے بولا' یہ کب تک چل سکتا ہے۔ حالانکہ.....''

''نہیں' نہیں میں نے جھوٹ نہیں بولا جمال' جو وہاں کہا بالکل سچ کہا ہے۔ تمہارے اس گاؤں میں میرے کچھ لوگ ہیں' جو ایسے ہی کسی وقت کے لیے منتظر ہیں۔ قانونی معاملات میں طے کر کے آئی ہوں اور یہ سن لو..... میں نے پولیس کے اعلیٰ حکام سے بھی فون کروا دیا ہے۔ سردار کو یہ معلوم ہے کہ یہ معاملہ پولیس کے علم میں ہے' دیکھنا یہی قافلہ ابھی پلٹ کر جائے گا' وہ جو سوچ کر آیا تھا وہ اسے نہیں ملا' طوائف زادی ہوں' مرد کی آنکھ پہچانتی ہوں۔'' آخری لفظ کہتے ہوئے اس نے اپنی آنکھ دبا دی' ماحول ایک دم سے بدل گیا۔ چند لمحے پہلے آنسو بھری جذباتیت تھی وہ ختم ہو کر رہ گئی۔ میں اس قافلے کو غور سے دیکھنے لگا جو حرکت میں آ چکا تھا' وہ لوگ واپس جا رہے تھے۔ اور پھر کچھ وقت بعد وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔

''وہ تو گئے.....'' میں نے سرسراتے ہوئے کہا' تبھی سوہنی میرے بالکل قریب ہوتے ہوئے بولی۔

''ایسا ہی ہوگا..... اور جو کل ہونے والا ہے' اس کا بھی مجھے اندازہ ہے۔ لیکن تم شاہ زیب کے ساتھ کیا کرتے ہو' اس کا میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔''

''اس کے بارے میں تمہیں سوچنا بھی نہیں چاہیے۔'' میں نے کہا تو کھلکھلا کر ہنس دی' پھر میری گردن میں اپنی بانہیں حمائل کرتے ہوئے بولی۔

''آج بہت خوش ہوں میں.....''

''اس لیے کہ سردار کے ساتھ تمہارا آمنا سامنا ہو گیا۔'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''نہیں' میں آج تمہارے اتنے قریب ہوں۔ اب انجان نہیں بننا جمال..... زندگی کے چند حسین پل بہت سوچ سمجھ کر اور بہت خوشی سے گزار دینا چاہتی ہوں۔''

ایسے ہی لمحے میرے دماغ میں اچانک ایک خیال رینگ گیا جس کے تحت میں نے اس کی کمر میں اپنا بازو ڈالتے ہوئے اسے اپنے ساتھ لگا لیا' پھر اس کی گردن پر دھیرے سے اپنے گال مس کرتے ہوئے کہا۔

''بس ساتھ چلنا' بوجھ مت بننا۔ چلتے چلیں جائیں گے۔''

میرے یوں کہنے پر اس نے مجھے زور سے بھینچ لیا' جس کے باعث دوپہر کی لگی چوٹیں ایک بار پھر سے جاگ اٹھیں۔ اس کی گرم جوشی سے مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ کس قدر خوش ہے۔ اب میں یہ نہیں جانتا تھا کہ اس کی یہ خوشی کیسی تھی' میں نے دھیرے سے اسے الگ کیا اور بڑی نرمی سے بولا۔

''اب مجھے جانے دو' ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے۔'' اس نے کچھ نہیں کہا' صرف مسکراتے ہوئے میری طرف دیکھتی رہی' میں نے اس کی طرف نہیں دیکھا بلکہ سیڑھیاں پھلانگتا ہوا نیچے چلا گیا۔ پہلی نگاہ میں اماں مجھے دکھائی نہیں دی' جب غور سے دیکھا تو وہ دالان میں جائے نماز بچھائے سجدے میں تھیں۔ میں نے بائیک اٹھائی اور باہر کی طرف نکلتا چلا گیا۔ حالانکہ میرا جسم دوپہر کی چوٹوں سے دُکھ رہا تھا۔

گاؤں سے باہر ایک مخصوص ٹھکانے پر چھا کا سب دوستوں کے ساتھ تیار بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے جا کر بائیک روکی تو وہ تیزی سے بولا۔

''حویلی میں اچھی خاصی پولیس آ گئی ہے۔ لگتا ہے انہوں نے بہت زیادہ سیکیورٹی کر لی ہے اپنی۔''

''لیکن تو مجھے یہ بتا' رندھاوے کی کوئی خبر نہیں' اس کی طرف سے کوئی خبر نہیں آئی۔'' میں نے پوچھا تو وہ بولا۔

''اب اس کی طرف سے شاید ہی کوئی خبر آئے' کیونکہ وہ معطل ہو گیا ہے۔''

''اس کا مطلب ہے' کوئی نیا بندہ آ گیا ہے یہاں۔'' میں نے اپنے طور پر اندازہ لگایا۔

''لگتا تو ایسا ہی ہے لیکن مجھے پیرزادوں کی خاموشی اچھی نہیں لگ رہی ہے۔'' چھا کے نے مجھے اشارے میں بتایا تو میں نے چارپائی پر پھیلتے ہوئے کہا۔

''چھوڑو یار' کچھ کھانے پینے کا بندوبست کیا ہے تو کھلاؤ' بہت بھوک لگی ہے۔ کھا پی کر سوچتے ہیں کہ اب کیا کرنا ہے۔''

وہ میری بات سمجھ گیا کہ اب کیا کرنا ہے' سو اس نے موضوع ہی بدل دیا۔

میں اس وقت کچھ سوچنا چاہ رہا تھا' شام ہوتے ہی میں نے جو پلان کیا تھا' وہ یکسر بدل چکا تھا۔ اگر سردار شاہ دین میرے گھر نہ آتا تو میں کچھ اور ہی کرنے جا رہا تھا۔ میرا ٹارگٹ شاہ زیب تھا۔ میں اسے اغواء کر کے سردار شاہ دین کو نچانا چاہتا تھا۔ شاہ دین کے آنے سے اور پھر سوہنی کی اس سے تلخ کلامی کے بعد جو صورتحال بنی تھی اب اس میں شاہ زیب کا اغوا بنتا نہیں تھا۔ میرا اصل ٹارگٹ صرف یہ تھا کہ پورے علاقے کے لوگوں کے سامنے ان سرداروں سے سوال کروں کہ شاہ زیب نے مجھے اغوا کیوں کرایا اور قتل کرنے کی کوشش کیوں کی؟ اس کا نتیجہ کچھ بھی نکلتا' میرا مقصد حل ہو جاتا تھا۔ وہیں میں نے سوہنی کا قصہ چھیڑنا تھا کہ شاہ زیب مجھے صرف سوہنی کی وجہ سے قتل کرنا چاہتا ہے۔ سوہنی سردار شاہ دین کی بیٹی ہے۔ یہ ثابت ہوتا یا نہ ہوتا لیکن علاقے کے لوگوں کو اک نیا موضوع مل جاتا اور مخالفین تو اس بات کو اچھال دیتے۔ میری سوچ اپنی جگہ رہ گئی اور ساری تیاری دھری کی دھری۔ کل دن چڑھے دلبر کے ایصال ثواب کے لیے علاقے سے بہت سارے لوگ آنے والے تھے۔ افواہیں جو گردش کرتے کرتے واقعات کی صورت اختیار کر گئی تھیں' اس نے دلبر کے قتل کو بہت سنسنی خیز بنایا ہوا تھا۔ وہاں بہت سارے لوگ اکٹھے ہونا تھے اور میری کوشش تھی کہ میں وہاں پر اپنا سوال رکھوں' شاہ زیب کو اغوا کیے بغیر میرا مقصد حل ہو رہا تھا۔

''ازیار' اب کیا کرنا ہے' ہمیں تو بتاؤ۔'' میرے ہی ایک ساتھی نے اکتاہٹ سے کہا تو میں نے چونکتے ہوئے کہا۔

''اس وقت شاہ زیب کا اغوا بہت مشکل ہے' بہت ساری سیکیورٹی ہے' ایویں خواہ مخواہ بندے مروانے والی بات

ہے' میرا خیال ہے کہ آج رہنے دیں۔'' میں نے اپنی صلاح دے دی تو کچھ دیر بحث کے بعد سبھی نے مان لیا کہ میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔

''تو پھر کیا کریں' یہیں پڑے رہیں۔'' اس نے دوبارہ پوچھا۔

''نہیں اپنے اپنے گھر چلیں۔ مناسب موقع دیکھتے ہی.....'' میں نے کہا تو میرے دوست اپنی اپنی جگہ سے اٹھے اور وہاں سے نکلنے لگے' پھر کچھ دیر بعد میں اور چھاکا وہیں رہ گئے۔ ذرا ٹھہر کر ہم بھی وہاں سے نکل پڑے۔ پھر تقریباً ساری رات کسی بھی صورتحال کے لیے منتظر رہے مگر کچھ نہ ہوا۔

اس وقت سورج نہیں نکلا تھا' لیکن صبح کا نور ہر جانب پھیل چکا تھا۔ تقریباً دو گھنٹے کی نیند لے کر میں بیدار ہو چکا تھا۔ اور ٹھنڈے پانی سے نہا کر اپنی کسلمندی دور کر چکا تھا جب ہمارے گھر کا گیٹ بجا۔ میں لاشعوری طور پر کسی بھی غیر متوقع صورت حال کے لیے تیار تھا۔ میں نے اپنا پسٹل ہاتھ میں لیا اور گیٹ کی جانب بڑھ گیا۔ میں نے گیٹ کی جھری سے باہر جھانکا' تو مجھے اکیلا فخرو کھڑا دکھائی دیا۔ میں نے محتاط انداز میں گیٹ کھولا تو فخرو نے کہا۔

''اچھا ہوا تو گھر پر ہی مل گیا۔ کہیں بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔''

''میں باہر والا کمرہ کھولتا ہوں۔'' میں نے کہا اور گیٹ بند کر کے اندر آیا۔ اس وقت تک سوہنی صحن میں آ کر متجسس نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ میں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے اشارہ کیا اور باہر والا دروازہ کھولنے چلا گیا۔ فخرو نے اطمینان سے بیٹھنے کے بعد کہا۔

''مجھے سردار صاحب نے تم سے حتمی بات کرنے کے لیے بھیجا ہے۔''

''تو بولو' کیا کہتا ہے تمہارا سردار.....؟'' میں نے آہستگی سے پوچھا۔

''جو معاملہ جہاں ہے' اسے وہیں ختم کر دو۔ کروڑ دو کروڑ روپیہ اس سوہنی کو دو اور قصہ ختم کرو۔ باقی اگر تم سردار سے کچھ چاہتے ہو تو وہ بتا دو.....'' فخرو نے یوں کہا جیسے وہ اس معاملے کو ذرا بھر بھی اہمیت نہیں دینا چاہتے' ان کا خیال تھا کہ روپے پیسے سے یہ معاملہ ختم ہو جائے گا۔ سو میں نے بڑے سکون سے کہا۔

''پہلی تو بات یہ ہے فخرو کہ میرا سردار سے معاملہ الگ ہے' اور سوہنی کا الگ۔ ہاں ممکن ہے اس وقت ہم دونوں کا معاملہ ایک ہو جائے' جب ہم دونوں شادی کر لیں' کیونکہ مشترکہ دشمن کے لیے دو اجنبی دوست بن سکتے ہیں۔''

''تم یہاں تک سوچ سکتے ہو؟'' فخرو نے حیرت سے پوچھا۔

''امکانات ہیں نا' انہیں رد تو نہیں کیا جا سکتا' لیکن بہر حال ہم دونوں کے اب تک معاملات مختلف ہیں۔ میں تو چاہتا ہوں لیکن سوہنی کی تو اپنی شناخت کا معاملہ ہے۔ سردار کی بیٹی ثابت ہو جانے کا مطلب کیا ہے کہ وہ بھی اس جاگیر کی حصہ دار ہو گی' کون پاگل ہے جو اتنی بڑی جاگیر کا حصہ چھوڑ کر کروڑ دو کروڑ لے کر الگ ہو جائے' سارے ہی لوگ اس سردار کے مزارعے یا رعایا نہیں ہیں۔ عقل سمجھ رکھتے ہیں۔'' میں نے اسی سکون سے کہا۔

''لیکن تم اس سے بات تو کروا سکتے ہو۔'' فخرو نے تیزی سے پوچھا۔

''تم کرو گے بات.....'' میں نے جواب دینے کی بجائے اس سے پوچھا۔

''نہیں.....! خود سردار صاحب کریں گے بات۔'' اس نے کہا۔

''میں بلا لیتا ہوں اسے' تم اس سے بات کر کے دیکھ لو۔'' میں نے کہا اور اٹھ کر اندر جانے لگا تو سوہنی ایک دم سے اندر آ گئی اور بڑے گھمبیر لہجے میں بولی۔

''جمال' سرداروں کے اس نوکر سے کہو کہ میں اس سے بات نہیں کرنا چاہتی' میرے معاملے پر سردار شاہ دین

کے علاوہ کوئی مجھ سے بات نہ کرے۔ سردار کے لیے میرا پیغام ہے کہ دلبر کی ایصال ثواب کی محفل تک اس کے پاس وقت ہے۔ ورنہ میں نے وہاں بیٹی ہونے کا اعلان تو کر ہی دینا ہے۔''

''ٹھیک ہے' ان دونوں ہی کی بات ہو جائے گی' میں انہیں جا کر ابھی بتا دیتا ہوں۔'' فخرو نے اٹھتے ہوئے کہا تو میں نے اس سے پوچھا۔

''مگر یہ بات ہو گی کہاں؟''

''ظاہر ہے یہ بی بی صاحبہ حویلی جائیں گی' وہیں جا.....کر.....ہی بات.....'' فخرو نے اٹکتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے جمال' میں حویلی چلی جاؤں گی' لیکن کیا گارنٹی ہے کہ مجھے وہاں قتل نہیں کیا جائے گا' اس کی صرف یہی صورت ہے کہ شاہ زیب کو تمہارے حوالے کر دیا جائے تو میں حویلی چلی جاؤں گی' ورنہ ایصال ثواب کی محفل ختم ہونے کا انتظار کر لے' اب اسے کہو جائے' خواہ مخواہ وقت ضائع نہ کرے۔'' سوہنی نے تیزی سے کہا اور کمرے سے باہر نکلتی چلی گئی۔ فخرو' کتنی ہی دیر تک میرے چہرے پر دیکھتا رہا' پھر جب کچھ بھی سمجھ میں نہیں آیا تو تیزی سے اٹھ کر باہر چلا گیا۔ اور میں اس صورت حال پر مسکرا کر رہ گیا۔ حالات نے کس طرح پلٹا کھایا تھا' اب تک لوگوں کو اپنی حاکمیت کے بل بوتے پر نچانے والے' میرے اشاروں پر ناچ رہے تھے۔

اس وقت جسپال کار ڈرائیونگ کر رہا تھا اور اس کے ساتھ بیٹھی ہرپریت سڑک کے اردگرد دیکھ رہی تھی۔ وہ جالندھر بائی پاس پر تھے اور اس ریسروٹ کو دیکھنے کی کوشش کر رہے تھے' جس کے بارے میں جسمیندر نے بتایا تھا اور انہوں نے وہاں ٹھہرنا تھا' وہ مناسب رفتار سے کار لیے جا رہا تھا' اوگی پنڈ سے یہاں جالندھر آ جانے تک اس نے پوری طرح احساس کر لیا تھا کہ اس کا تعاقب ہو رہا ہے' گاؤں سے نکلتے ہی ایک سرخ رنگ کی گاڑی اس کے پیچھے لگ گئی تھی۔ شام اصل کر رات میں تبدیل ہو گئی تھی' مگر وہ سکون سے ڈرائیونگ کرتا چلا جا رہا تھا' اچانک ہرپریت بولی۔

''وہ دیکھو! وہ سامنے دائیں جانب.....اب دھیان سے گاڑی ادھر موڑ لو۔''

جسپال نے کوئی جواب نہیں دیا اور بڑی احتیاط سے گاڑی اس طرف موڑ دی' اور پھر پارکنگ میں جا کر رک گیا۔ انہوں نے اپنا بیگ وغیرہ اتارا اور کاؤنٹر کی طرف چل دیئے جہاں ایک خوبصورت سی لڑکی نے چہرے پر کاروباری مسکراہٹ سجائی ہوئی تھی۔ کاؤنٹر پر چند اور بھی لڑکے اور لڑکیاں تھیں' تبھی اس لڑکی نے انگریزی میں پوچھا۔

''جی فرمائیں' ہم آپ کی کیا خدمت کر سکتے ہیں؟''

''بہت ہی پرسکون اور اچھا سا کمرہ' جہاں زیادہ ڈسٹرب نہ کیا جائے۔'' جسپال سنگھ نے کافی حد تک اکتائے ہوئے انداز میں کہا' جس پر لڑکی نے ایک نگاہ ہرپریت پر ڈالی اور نجانے کیا سمجھ کر ذرا سی مسکراتے ہوئے بولی۔

''کیوں نہیں سر.....! بہت پرسکون اور ڈیلکس کمرہ ہو گا۔'' اس نے اس کے ساتھ ہی ایک بک لسٹ اسے تھما دی تاکہ وہ ٹیرف وغیرہ دیکھ لے۔ مگر جسپال نے اسے ایک طرف رکھتے ہوئے کہا۔

''میں نے پرسکون اور اچھا سا کمرہ کہا ہے۔''

''اوکے سر.....!'' اس لڑکی نے جلدی سے کہا اور کمرہ دینے کی فارمیلٹی میں الجھ گئی۔ پھر کچھ دیر بعد انہیں ویٹر کمرے میں چھوڑ گیا۔ اس کے جاتے ہی ہرپریت نے غصے میں کہا۔

''میں اس کاؤنٹر والی کے ہاتھ چھوڑنے لگی تھی۔ کس طرح دیکھا تھا میری طرف.....کہیں کی.....''

''یار' اس کی جو سوچ ہے وہ اس کے ساتھ' تو کیوں اپنی زبان گندی کر رہی ہے۔ چھوڑ اسے' اور جاؤ فریش ہو آؤ'

پتہ نہیں وہ کیشیو مہرہ کس وقت آ جائے۔'' جسپال کے کہنے پر وہ بنا کچھ کہے واش روم کی طرف چلی گئی۔

کچھ دیر بعد وہ ڈائننگ ہال میں تھے۔ کیشیو مہرہ آ چکا تھا اور ان سے اپنا تعارف کرا کر بیٹھ چکا تھا۔ وہ ادھیڑ عمر کا ایک ہندو بیرسٹر تھا۔ گہرا سانولا رنگ اور بال برف کی مانند سفید ہو چکے تھے۔ دراز قد اور قدرے فربہ مائل' اس نے سونے کی کمانی دار عینک لگائی ہوئی تھی۔ کھانے کا آرڈر دینے کے بعد اس نے یونہی پوچھا۔

''کمرہ آپ کو آسانی سے مل گیا نا۔ مطلب کچھ ادھر ادھر کی جرح تو نہیں کی۔''

''نہیں' میں نے اپنا ایڈریس وہی ویکوور کا ہی لکھوایا جس پر کوئی اعتراض نہیں ہوا۔'' جسپال نے کہا تو وہ سر ہلاتے ہوئے بولا۔

''یہاں پر زیادہ تر شوقین مزاج لوگ آ کر ہی ٹھہرتے ہیں نا' اگر اس طرح کا کوئی رویہ سامنے آ جائے تو گھبرائیے گا مت.....وہ.....''

''میں تو اس کاؤنٹر والی لڑکی کے جھانپڑ لگانے لگی تھی۔'' ہرپریت نے تیزی سے کہا تو کیشیو مہرہ بولا۔

''او.....تو آپ نے یہاں آتے ہی محسوس کر لیا۔ یہ تو بہرحال بھگتنا ہوگا۔ یہ جگہ ہی ایسی ہے۔ خیر.....! میں یہاں آپ سے جائیداد کے متعلق ہی نہیں' دوسرے امور پر بھی بات کرنا چاہتا ہوں۔ میں آپ کو تازہ ترین صورتحال سے آگاہ کروں گا۔ آپ کو دو دن یہاں رہنا ہوگا۔ دن بھر آپ میرے ساتھ ہوں گے' ہم مختلف آفیسرز سے ملیں گے۔ یہ صرف ایک دکھاوا ہے' میں نے آپ کا کیس بہت غور سے دیکھا ہے' اس میں سوائے سیاسی رکاوٹوں کے اور کچھ نہیں ہے۔ میں نے اوپر بات کر لی ہے' روپیہ تو خرچ ہوگا لیکن ہم یہ معاملہ حل کر لیں گے۔''

''تازہ ترین صورتحال سے.....میں سمجھا نہیں۔'' جسپال نے وضاحت چاہی۔

''وہی جو رویندر سنگھ اور اس کے بیٹے ہردیپ سنگھ کے بارے میں ہے۔ آپ اس سارے منظر میں کہیں دور دور تک دکھائی نہیں دے رہے ہیں۔ کوئی ثبوت نہیں ہی' لیکن رویندر سنگھ کو پورا یقین ہے کہ آپ کسی نہ کسی حوالے سے اس معاملے میں ملوث ہو۔ وہ کمیشن کے من راج سنگھ سے لے کر ہردیپ سنگھ تک کی کڑیاں ملا رہا ہے۔'' کیشیو مہرہ کہتا چلا جا رہا تھا۔ اور جسپال کے ساتھ ہرپریت سانس روکے اس کی باتیں سن رہے تھے۔ وہ یوں روانی سے ساری باتیں کہتا چلا جا رہا تھا جیسے سب کچھ اس کی نگرانی میں ہوا ہو' جسپال کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کیشیو مہرہ کے ساتھ کیسا رویہ رکھے' کہیں وہی اس کے گلے کا پھندا نہ بن جائے۔ لیکن جسمیندر سنگھ ایسا نام تھا جس نے اسے متعارف کرایا تھا۔ اس پر تو وہ آنکھیں بند کر کے اعتماد کر سکتا تھا۔ تبھی جسپال سنگھ نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''کیا ہے تازہ ترین؟''

''بات پنجاب پولیس کے اعلیٰ حکام تک پہنچ چکی ہے اور وہاں پر بحث و مباحثہ بھی ہو چکا ہے۔ ان کے پاس تین آپشن ہیں' پہلا کہ ان قتل کے پیچھے آتنک وادیوں کا ہاتھ ہے اور وہ دہشت گردی کرنا چاہتے ہیں۔ دوسرا یہ ہے کہ سکھوں کی خفیہ تنظیم یہ سب کچھ کر رہی ہے کیونکہ مختلف جگہوں سے یہ شواہد مل رہے ہیں کہ بھنڈارانوالہ کی خالصتان تحریک دوبارہ فعال ہونے جا رہی ہے۔ یہ آپشن زیادہ مضبوط ہے' کیونکہ بھنڈارانوالہ کے پوسٹر لگانے کی مہم کے بارے میں سنا جا رہا ہے اور تیسرا آپشن وہ ذاتی دشمنی کو دے رہے ہیں۔ اسی تیسرے آپشن میں رویندر سنگھ نے تو آپ کے خلاف واویلا مچایا لیکن اب تک کی صورتحال کے مطابق کوئی ثبوت نہ ہونے کے باعث اور آپ کی طرف سے کسی بھی قسم کے غلط رویے کے بارے میں نہ ہونے کی وجہ سے زیادہ توجہ نہیں دی جا رہی۔ میں چونکہ تین دن پہلے تھائی لینڈ سے آیا ہوں اور جسمیندر نے مجھے وہاں تمام صورتحال سے آگاہ کر دیا تھا اس.....'' اس نے کہنا چاہا لیکن جسپال نے ٹوکتے ہوئے کہا۔

''یہ پولیس والی بات جسمیندر نے بتائی ہے؟''

''نہیں.....نہیں.....اس نے نہیں.....اس نے تو مجھے تمام پس منظر بتانے کے ساتھ اب تک کی صورتحال بتائی ہے۔ آگے کیا کرنا ہے اس بارے میں بھی کچھ خدوخال ہیں میرے پاس' یہ پولیس والی ساری رپورٹ تو میں نے آ کر لی ہے نا۔ اب تک پولیس کے پاس تمہارے لیے کوئی بھی منفی پوائنٹ نہیں ہے بلکہ پلس پوائنٹ ہیں کہ تم پر قاتلانہ حملہ ہوا' تمہیں خواہ مخواہ اوگی تک محدود رکھا جا رہا ہے۔ بلجیت سنگھ نے حویلی کو دوبارہ بنانے پر رکاوٹ پیدا کرنے کی کوشش کی' اور یہ زور دیا جا رہا ہے کہ تم ہی اس ساری صورت حال کی وجہ ہو' جبکہ ثبوت کوئی نہیں۔''

''یہ بات تو ہو گئی مہرہ صاحب' سکھ تنظیم کے بارے میں ان کا کیا خیال ہے؟'' ہرپریت نے الجھتے ہوئے دھیمے لہجے میں سوال کیا۔

''وہی گومگو کی کیفیت ہے' اگر انہیں ذرا سا بھی اشارہ مل جائے تو وہ ساری توجہ اس طرف نہ لگا دیں' آپ دیکھو' اب تک ایک بھی گرفتاری نہیں ہوئی خیر.....! اب میں آپ کو مشورہ یہ دینا چاہ رہا ہوں کہ آپ اپنی ساری توجہ صرف اور صرف اپنی جائیداد کے حصول کی طرف لگا دیں' رویندر سنگھ اس راہ میں روڑے اٹکائے گا' یہی تمہاری بے گناہی بنے گی۔ کیونکہ دشمنی ان کی طرف سے ہوگی' تمہاری طرف سے نہیں۔ اوگی پنڈ میں اپنا اثر و رسوخ بڑھائیں لوگوں کو اپنے ساتھ شامل کریں۔ مطلب دفاعی پوزیشن میں آ جائیں۔ ہو سکے تو بلجیت سنگھ کے سیاسی حریف کو اپنے قریب کریں' اسے معاشی مدد دیں' وغیرہ وغیرہ۔''

''اس طرح تو میرا مقصد بہت دور تک' بلکہ میری رسائی سے بھی آگے تک نکل جائے گا۔ بہت صبر کرنا پڑے گا۔'' جسپال نے یوں کہا جیسے وہ ناکام ہو رہا ہو۔

''دیکھو.....ایک راستہ ہے قتل و غارت گردی کا۔ اس میں پولیس سے لے کر خفیہ ایجنسیاں تک آپ کے پیچھے لگ جائیں گی۔ پھر فرار کا راستہ نہیں ہوگا آپ کے پاس۔ یہ طے نہیں کہ آپ اپنا کام مکمل بھی کر لو گے یا نہیں۔ لیکن دوسرا راستہ طویل تو ہے لیکن سو فیصد امکان ہے کہ آپ رویندر سنگھ کے خاندان کو صفحۂ ہستی سے مٹا دو' مقصد انہیں ختم کرنا ہے۔''

مہرہ نے انتہائی جذباتی انداز میں کہا تو جسپال نے اچانک ہی ایک سوال کیا۔

''آپ اس سارے معاملے میں دلچسپی صرف جسمیندر کے کہنے پر لے رہے ہیں یا.....''

''میرا ذاتی مقصد بھی ہے لیکن یہ کہانی پھر کسی وقت سہی' اب تو ہم ملتے ملاتے رہے گے' لیکن قانونی مشیر کے طور پر' اس کے علاوہ ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے۔ ایڈووکیٹ گل بلاشبہ سنیئر وکیل ہیں۔ بہت سمجھدار ہیں' وہ جائیداد کا معاملہ حل بھی کر لیں گے' لیکن خفیہ والے ان پر نظر رکھے ہوئے ہیں۔ وہ سکھ تنظیم کے بڑے سرگرم رکن ہیں۔ اس وجہ سے بھی وہ آپ کی راہ میں رکاوٹ آ جاتی تھی۔ اب بھی اور اس وقت بھی آپ کی نگرانی ہو رہی ہے' گردن موڑ کر مت دیکھنا لیکن ہمارے دائیں طرف جو جوڑا بیٹھا ہے' وہ خفیہ والوں کا ہے' یہ ڈرامہ خود رچایا ہے ورنہ میں آپ سے اوگی میں آ کر بات کر سکتا تھا یا میرے چیمبر یا گھر میں بات ہو سکتی تھی۔''

''مطلب' انہیں اپنا آپ دکھایا جائے کہ ہم نہایت شریف آدمی ہیں۔'' جسپال نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''بالکل! آپ کا یہاں ہونا صرف تفریح اور میرے ساتھ لوگوں کے ساتھ ملنا ملانا ہے۔ کمرے میں بھی ایسی کوئی بات نہیں کرنا' ممکن ہے کوئی خفیہ کیمرہ' یا مائیک' لگا ہو' مطلب آپ جس قدر بہتر انداز میں ان تک اپنا پیغام پہنچا سکیں' ہو سکتا ہے یہی جوڑا آپ کے نزدیک ہونے کی کوشش کرے یا کوئی نیا آ جائے۔'' مہرہ نے مسکراتے ہوئے یوں کہا جیسے بہت دلچسپ بات بتا رہا ہو۔ اتنے میں بہرہ کھانا لگانے لگا۔

''اچھا آپ آنے والے دنوں میں خدوخال کی بات کر رہے تھے۔'' ہرپریت نے پوچھا تو مہرہ ہنس دیا اور پھر بولا۔

''اسمارٹ گرل..... میں مانتا ہوں کہ تم بہت بہادر اور ذہین ہو لیکن ابھی یہ مرحلہ طے ہو جانے دو' ابھی ہم دو دن یہاں ہیں' بہت ساری باتیں ہوں گی' فی الحال تو ہمیں کھانے پر توجہ دینی چاہیے۔''

کھانے کے دوران وہ یہاں کے عدالتی نظام' جائیداد کے امور کے بارے میں باتیں' جالندھر میں اپنے اثر و رسوخ اور ایسی ہی بہت ساری باتیں کرتا رہا۔ ان کے بارے میں باتیں ہوتی رہیں۔ یونہی گپ شپ میں کھانا ختم ہو گیا۔ پھر کچھ دیر بعد کیشیو مہرہ اٹھ کر چلا گیا۔ وہ اس کے ساتھ ڈائننگ ہال سے باہر تک آئے۔ اس دوران اس جوڑے کو انہوں نے غور سے دیکھا۔

''لو جی' پھر صبح آپ نے میرے پاس آ جانا ہے' اور آنے سے پہلے مجھے فون کر دینا ہے' ابھی میں کسی عدالت میں پیش نہیں ہو رہا اور یہ دو دن آپ کے لیے ہیں۔'' اس نے پہلے جسپال سے ہاتھ ملایا اور پھر ہرپریت سے ہاتھ ملا کر خوش دلی سے بولا۔ ''اور تمہارا سوال مجھ پر ادھار رہا۔''

''میں منتظر رہوں گی۔'' اس نے کہا تو وہ پارکنگ کی جانب بڑھ گیا۔ اور وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔

کمروں کی رَو کی دوسری جانب ایک بڑا سا رالان تھا' سبز لان جس کے کناروں پر پھول اُگے ہوئے تھے۔ اس میں بید کی نفیس کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔ دھیمی دھیمی روشنی تھی۔ وہ ایک دوسرے سے دور دور جوڑے بیٹھے ہوئے باتوں میں مصروف تھے۔ وہ بھی ایک سنسان سے گوشے میں جا کر کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

''چائے پئیں یا سوڈا.....'' جسپال نے بیٹھتے ہی پوچھا۔

''فی الحال تو چائے پیتے ہیں۔ نیند تو آئے گی نہیں ابھی' باتیں کرتے ہیں۔'' ہرپریت بولی۔ اس کے لہجے میں نجانے کیوں یاس ٹپک رہی تھی۔ جس پر جسپال نے چونکتے ہوئے پوچھا۔

''خیر تو ہے' تم یکدم اداس ہو گئی ہو؟''

''نہیں' میں اداس نہیں ہوں۔'' وہ پھر اسی لہجے میں ہی بولی۔

''کہیں مہرہ کی بات کا برا تو نہیں منایا تم نے؟'' اس نے پوچھا۔

''نہیں۔'' اس نے سر ہلاتے ہوئے دکھ سے کہا۔

''تو پھر یہ تمہارا لہجہ.....؟'' جسپال نے تشویش سے پوچھا۔

'جسپال! دیکھو ہم بحیثیت سکھ قوم' اس ملک میں غلامی کی زندگی گزار رہے ہیں' جس کے لیے ہمارے بڑوں نے قربانیاں دیں۔ اس ملک میں ہمارا تاریخی قتل ہوا جس کی آزادی کے لیے ہم نے جنگ لڑی..... اب یہاں ہم محکوم کی زندگی گزار رہے ہیں' کیا ہے ہماری قوم کا مستقبل؟''

''میں بتاؤں..... اصل میں کسی بھی حریت پسند قوم کو ختم کرنا ہو نہ تو اس میں حریت جیسے جذبے کو مار دیا جاتا ہے۔ اس کے دو طریقے ہیں میری جان' ایک تو اسے لذت پرستی پر لگا دو' جیسے آج کل سکھ قوم کے نوجوان سب سے زیادہ شراب پیتے ہیں' عورت استعمال کرتے ہیں' گندے سے گندہ گانا' سنتے ہیں' بلکہ بھی ناچ گانے کے پیچھے لگ گئے ہیں۔ تمہیں معلوم ہے کہ پنجاب دنیا بھر میں وہ خطہ ہے جہاں سب سے زیادہ شراب پی گئی ہے۔'' میرا نہیں' اقوام متحدہ کے ادارے کا سروے ہے۔ سکھ قوم کو شراب میں ڈبویا جا رہا ہے' پوری پلاننگ کے ساتھ۔ ہر گاؤں میں شراب بیچنے والی دکان ہے' کیوں نہیں ختم کرتے..... اور دوسرا طریقہ ان پر خوف مسلط کر دو' انہیں ذلیل کرو' اتنا ذلیل کرو کہ ان میں حریت کی خو ہی

نہ رہے۔ یہ سب کچھ سکھوں کے ساتھ ہو رہا ہے اور سکھ ہی اپنی جاہلیت کی بنا پر یہ سب کچھ کر رہے ہیں۔'' جسپال بھی اچانک ہی جذباتی ہو گیا۔

''تو پھر' یہ طے ہوا جسپال..... اوگی میں ہم لوگوں کے پاس جائیں گے اور اس بارے میں مہم چلائیں گے۔ انہیں اس کا شعور دیں گے۔'' ہرپریت نے جسپال کے دونوں ہاتھوں کو اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا۔

''جذباتی انداز میں فیصلہ کر لینا بہت آسان ہے لیکن اس پر عمل کرنا بہت مشکل ہے پریتو..... لیکن ہم ایسا کچھ کریں گے' کم از کم اپنی حد تک ضرور کچھ کریں گے۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے طویل سانس لیا' پھر مسکراتے ہوئے بولا۔

''میں نے چائے کا پوچھا تھا۔''

''چلو' چل کر کمرے میں پیتے ہیں۔ اگر یہاں رومانوی جوڑا بن کر رہنا ہے تو ویسا ہی رہیں۔ ایویں خواہ مخواہ خود پر ڈپریشن طاری کیا ہوا ہے۔'' یہ کہتے ہوئے ہرپریت زبردستی مسکرا دی۔

وہ دونوں اٹھ کر چہل قدمی کے سے انداز میں اپنے کمرے کی طرف جانے لگے۔ تبھی ہرپریت نے کہا۔

''جسی.....! کیا تمہیں اس کیشیو مہرہ پر یقین ہے۔ کیا یہ سب کچھ ٹھیک کہتا تھا؟''

''مجھے اس کی ذات سے کوئی دلچسپی نہیں پریتو' میرے لیے تو وہ جسمیندر رنگھ تھا' سمجھ لو کہ اس نے اپنا سایہ دو بدو ملاقات کے لیے یہاں بھیج دیا اور میں جانتا ہوں کہ اس کے بدلے اس نے مہرہ کو نجانے کتنا بڑا فائدہ دیا ہو گا جو یہ ہمارے پاس یہاں تھا۔ باقی دیکھتے ہیں' وہ دو دن میں کیا کرتا ہے۔'' جسپال نے چابی دروازے میں لگاتے ہوئے کہا' پھر اندر داخل ہوتے ہی روشنی ہو گئی۔ انہوں نے دروازہ اندر سے لاک کر لیا۔

کچھ دیر بعد وہ دونوں ایک بیڈ پر آ لیٹے۔ دونوں ہی ہلکے پھلکے لباس میں تھے۔ دھیمی روشنی میں ہرپریت کا ساتھ' جسپال کو وہ ماحول بہت اچھا لگ رہا تھا۔ قربت کا اپنا ہی ایک نشہ ہوتا ہے۔ وہ دونوں کتنی ہی دیر تک ایک دوسرے کو تکتے رہے۔ تبھی ہرپریت نے کہا۔

''جسی.....! کبھی تم نے سوچا تھا کہ تم پنجاب آؤ گے اور میرے جیسی سرپھری لڑکی سے ملاقات ہو گی اور یوں ہم ایک ہی بیڈ پر اتنے قریب ہوں گے۔''

''میں نے سوچا تو نہیں تھا' سچی بات تو یہ ہے' لیکن میرے لاشعور میں کہیں تھا کہ اگر مجھے کوئی لڑکی پسند آئی تو وہ پنجاب ہی سے ہو گی' کیونکہ پھوپھو سکھ جیت کور نے ہمیشہ پنجاب کی لڑکی کا ایک خاکہ میرے ذہن میں ابھارا تھا' جو مجھے بہت اچھا لگتا تھا' تم بالکل ویسی ہو' بس کبھی کبھی اچھی نہیں لگتی.....'' جسپال نے سوچنے والے انداز میں کہا۔

''وہ کیوں؟'' وہ چہک کر بولی۔

''جب تم یہ جین اور شرٹ پہنتی ہو اور یورپین کی طرح لگتی ہو۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

''کیا یہ بری بات ہے' نہ پہنوں؟'' اس نے اٹھلاتے ہوئے کہا۔

''ارے نہیں' ایک طرح سے یہ اچھا بھی ہے۔ چینج رہتا ہے' لیکن سچی بات ہے تم شلوار قمیص میں بہت پرکشش لگتی ہو۔'' وہ اس کے بالوں سے کھیلتا ہوا کہنے لگا۔ ''اس کے علاوہ تمہاری باتیں بہت اچھی ہیں' جس میں خلوص ہوتا ہے' ورنہ وینکور میں جس لڑکی سے بھی بات کر لو' اس کی ہر بات میں کہیں نہ کہیں کوئی مقصد یا لالچ ہوتا ہے۔''

''کیا وہ سب ایسی ہیں؟''

''اس میں ان کا قصور نہیں ہے' وہاں ماحول ہے نا ایک مادی معاشرہ ہے' جہاں صرف اپنی ذات کے متعلق ہی سوچا جاتا ہے۔'' اس نے کہا تو ہرپریت وینکوور کی باتیں کرنے لگی' اپنی باتوں میں وہ گم ہو کر کب سو گئے' انہیں احساس ہی

وقار عظیم
پاکستانی پوائنٹ ڈاٹ کام

نہیں رہا۔

صبح وقت پر تیار ہو گئے' ہر پریت نے موتیا رنگ کا شلوار قمیص پہن لیا تھا اور ہلکا ہلکا میک اپ کر لیا۔ جسپال بھی تیار ہو گیا۔ انہوں نے ناشتہ وہیں کمرے میں منگوا لیا۔ تقریباً دس بجے انہوں نے کیشیو مہرہ کو فون کیا تو اس نے انہیں گیتا کالونی کے پاس ایک چوک تک آنے کا کہا' تاکہ پھر وہ اکھٹے ہی آگے نکل جائیں۔ جس وقت وہ دونوں لابی سے گزر رہے تھے' انہیں وہ رات والا جوڑا وہیں بیٹھا ہوا دکھائی دیا۔ اگر مہرہ نے ان کی نشاندہی نہ کی ہوتی تو شاید وہ اسے اتفاق سمجھ کر نظر انداز کر چکے ہوتے۔ دونوں نے اپنا کوئی رسپانس نہ دیا اور چلتے ہوئے پارکنگ میں جا پہنچے۔

''پریتو.....! ان دونوں کے علاوہ ہم میں کوئی دلچسپی لے رہا ہے۔'' یہ دیکھو۔''

''مجھے احساس تو نہیں ہوا ابھی' میں پہلے ہی دیکھ رہی ہوں۔'' وہ بولی۔

''اچھا..... ڈرائیونگ تم کرنا' مجھے راستوں کا علم نہیں ہے۔'' جسپال نے کہا تو ہر پریت نے چابی پکڑی اور ڈرائیونگ سیٹ پر جا بیٹھی۔ دونوں نے غیر محسوس انداز میں اردگرد کا جائزہ لیا۔ انہیں کوئی دکھائی نہیں دیا۔ البتہ وہی جوڑا اب باہر آ گیا تھا۔ ہر پریت نے گاڑی نکالی اور ریسروٹ سے باہر نکلتی چلی گئی۔ تبھی جسپال مسکرا دیا۔ ریسروٹ کے باہر ایک کار کھڑی تھی۔ وہ دونوں اس میں آ بیٹھے تھے۔ ان کے بیٹھتے ہی کار چل پڑی جو ان کے تعاقب میں بڑھتی چلی آ رہی تھی۔

''پریتو.....! ہمارا تعاقب شروع ہو گیا ہے۔ اب دھیان سے۔'' جسپال نے ہنستے ہوئے کہا تو وہ بولی۔

''میں تو پریشان ہی ہو گئی تھی کہ ہم ان کی نگاہوں سے کہیں اوجھل ہی نہ ہو جائیں۔''

''نہیں' اس کی نظر ہی میں رہیں گے' جو ہمیں اپنی نگاہ میں رکھنا چاہتا ہے۔'' جسپال نے کہا تو ہر پریت نے رفتار بڑھا دی۔ درمیان میں مہرہ کا فون بھی آیا تو اس نے تعاقب کے بارے میں بتا کر موجودہ پوزیشن کے بارے میں بتایا۔ کچھ دیر بعد وہ گیتا کالونی کے اس چوک میں پہنچ گئے جہاں مہرہ نے انہیں بلوایا تھا۔ فون پر رابطہ کے بعد وہ کالونی کے پاس مل گئے۔

صبح کے وقت لوگوں کے دفتر جانے کا رش بہت حد تک کم ہو گیا تھا۔ ٹریفک اتنی زیادہ نہیں تھی لیکن پھر بھی لوگ اپنے اپنے معاملات اور زندگی کی دوڑ میں شامل ہونے کے باعث سڑک پر آ جا رہے تھے۔ کافی ٹھہراؤ سا تھا۔ مہرہ سڑک کی دوسری جانب کالونی کے گیٹ کی طرف تھا' جبکہ انہوں نے آگے کے یوٹرن سے مڑ کر واپس آنا تھا۔ ہر پریت بڑی احتیاط سے گاڑی موڑ کر چلتی ہوئی ان کے قریب آ گئی۔ مہرہ گاڑی سے باہر نکل کر ان کا انتظار کر رہا تھا۔ ہر پریت نے بھی گاڑی ان کے قریب جا کر روک دی۔ جسپال پہلے نکل کر مہرہ کی جانب بڑھ گیا۔ دونوں نے گرم جوشی سے ہاتھ ملایا۔ پھر دو چار رسمی جملوں کے تبادلے کے بعد وہ بولا۔

''یہاں میں نے آپ کو اس لیے بلایا ہے کہ اس گیتا کالونی میں ایک شخص رہتا ہے جو یہاں کے محکمہ مال کے ایک بڑے آفیسر کا سارا معاملہ دیکھتا ہے۔ جاب تو وہ کلرک کی کرتا ہے لیکن بہت پہنچی ہوئی چیز ہے۔ میری اس سے ابتدائی ملاقات تو ہو گئی تھی۔ اب آپ لوگوں سے ملاقات کرنا چاہتا ہے۔''

''اس ملاقات کا مقصد.....؟'' جسپال نے پوچھا۔

''یہ طے کرنا ہے کہ آپ اسے رقم کتنی دو گے' مطلب ڈیل ہو گی۔'' اس نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔ تبھی جسپال نے دیکھا کہ ہر پریت بھی کار سے نکل کر ان کی طرف بڑھ رہی ہے۔

''ٹھیک ہے' جیسا آپ چاہو' بات تو آپ ہی نے کرنی ہے۔'' یہ لفظ ابھی جسپال کے منہ ہی میں تھے کہ اس نے

ہر پریت کی پشت پہ موٹر سائیکل پر سوار دو نوجوانوں کو دیکھا' پیچھے بیٹھے ہوئے نوجوان نے گن ان کی طرف سیدھی کر لی تھی۔ جسپال کے دماغ میں گھنٹیاں بج گئیں۔ اس نے چیخ کر ہر پریت کو پکارا۔

''ہر پریت..... بچو.....''

اس کی آواز تیز فائرنگ میں دب کر رہ گئی۔

فائرنگ کی آواز سے ماحول جھنجنا اٹھا تھا۔ جسپال کے سامنے ہر پریت تھی اچانک ہی سڑک پر گر گئی تھی' اس کے پیچھے کار تھی' جس میں وہ حملہ آور آئے تھے۔ پھر سڑک کے دوسری طرف دور وہ یہ سڑک پر وہ موٹر سائیکل والے تھے۔ جسپال نے لمحوں میں فیصلہ کر لیا کہ اسے کیا کرنا ہے' یہ تو اسے پورا یقین تھا کہ ہر پریت کو گولی لگ چکی ہے۔ اسے سنبھالنے والے وہاں پر کوئی اور ہو نہ ہو لیکن کیشیو مہرہ تو تھا۔ اس کی کوشش تھی کہ وہ حملہ آوروں کو ہاتھ سے نہ نکلنے دے۔ یہ فیصلہ اس نے لمحے کے ہزارویں حصے میں کر لیا تھا اور اس کے ساتھ ہی وہ چلتی ٹریفک کی پرواہ کیے بغیر حملہ آوروں کی طرف دوڑا۔ اس کا رخ اس جانب سے تھا' جدھر حملہ آوروں کا منہ تھا۔ فطری طور پر انہوں نے سامنے ہی کی طرف بھاگنا تھا' اگر وہ اپنا موٹر سائیکل موڑتے تو اس میں انہیں وقت لگنا تھا' یا پھر نیا فائر کرنے کے لیے اسے گن تو سیدھی کرنا ہی تھی۔ جسپال کو اپنی جانب لپکتا دیکھ کر موٹر سائیکل سوار نے فرار ہونا چاہا۔ اس نے گیئر تو پہلے ہی لگایا ہوا تھا۔ جب تک جسپال ان کے قریب پہنچا' انہوں نے موٹر سائیکل دوڑا لی' تبھی اس کا ہاتھ فائر کرنے والے اس شخص کو لگا جو پیچھے بیٹھا ہوا تھا' ہاتھ کچھ اس طرح پڑا تھا کہ موٹر سائیکل ڈگمگا گئی۔ وہ اپنا توازن برقرار نہ رکھ پائے۔ پیچھے والا جسپال کے قابو میں آ گیا تھا۔ لیکن موٹر سائیکل چلانے والا توازن نہ ہونے کے باوجود بھی ڈگمگاتا ہوا نکل گیا۔ حملہ آور جیسے ہی زمین پر گرا وہ سپرنگ کی مانند اچھلا' اس نے گن سنبھالنے اور اٹھانے کی بھی زحمت نہیں کی اور بھاگ نکلا۔ جسپال اس کے پیچھے تھا۔ وہ سڑک پار کر کے گیتا کالونی کی مخالف سمت میں تیر ہو گیا۔ جسپال نے اسے نگاہوں میں رکھا اور اس کے تعاقب میں پوری قوت سے دوڑا۔ ان کے درمیان میں تھوڑا سا ہی فاصلہ تھا۔ وہ اپنی جان بچانے کے لیے بھاگ رہا تھا کہ پکڑا نہ جاؤں اور یہ پوری قوت صرف کر کے اسے اس لیے پکڑ لینا چاہتا تھا کہ اس حملہ آور کے پیچھے کون ہے' وہ اسے بے نقاب کرنا چاہتا تھا' وہ سڑک سانپ کی آنت کی مانند پھیلتی ہی چلی جا رہی تھی۔ تاہم لمحہ بہ لمحہ ان کے درمیان فاصلہ کم ہوتا چلا جا رہا تھا۔ جیسے ہی ہاتھ بھر کا فاصلہ رہ گیا' جسپال نے پوری قوت صرف کی اور اس پر چھلانگ لگا دی۔ یہ داؤ کارگر ثابت ہوا' حملہ آور اس کے شکنجے میں آ گیا۔ دونوں سڑک پر جا گرے' حملہ آور نے جس قدر مزاحمت کی' جسپال نے اسی قدر اسے تھپڑوں اور گھونسوں پر رکھ لیا۔ چند لمحے ہی گزرے ہوں گے' حملہ آور ہانپ گیا مگر جسپال نے اسے نہیں چھوڑا' اس نے حملہ آور کو ٹھوکروں پر رکھ لیا۔ یہاں تک کہ حملہ آور نے مزاحمت ترک کر دی۔ اور بے جان ہو کر سڑک پر پھیل گیا۔

یہ تو ہو ہی نہیں سکتا تھا کہ بھری سڑک پر دو آدمی لڑ رہے ہوں اور ان کے گرد تماشائی اکھٹے نہ ہوں' جن لوگوں نے سڑک پر فائر ہوتے دیکھا تھا' ان میں سے کچھ لوگ بھی جسپال کے پیچھے آ گئے تھے۔ جسپال نے شدت جذبات سے اس کی پسلی میں ٹھوکر مارتے ہوئے پوچھا۔

''بول' کیوں کیا فائر.....؟''

''نہیں بتاؤں گا..... تو چاہے مجھے مار دے.....'' نیچے پڑے ہوئے لڑکے نے بے جان سی آواز میں کہا۔ اور یوں لگا جیسے بے ہوش ہو۔ لاشعوری طور پر جسپال کے ذہن میں ہر پریت کا بھی خیال تھا۔ نجانے وہاں کیا منظر ہو گا۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا' ایک سائیکل رکشہ قریب کھڑا تھا' جسپال نے اسے بلایا وہ قریب آیا تو اس نے حملہ آور کو اٹھا کر اس پر تقریباً لاد دیا' پھر خود سوار ہو کر سڑک کی جانب چلنے کا کہا۔ وہ لوگوں کو حیران و پریشان چھوڑ کر سڑک کی جانب چل دیے۔

گیتا کالونی کے سامنے اچھا خاصا رش لگا ہوا تھا۔ وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہاں پولیس بھی دکھائی دے رہی تھی۔ اس نے ایک پولیس والے کو مخاطب کیا اور حملہ آور کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''یہ ہے فائر کرنے والا حملہ آور..... گرفتار کریں اس کو۔''

پھر اس نے کیشیو مہرہ اور ہرپریت کو دیکھنے کی کوشش کی' مگر وہ وہاں نہیں تھے۔

''وہ آپ کے ساتھ تھی.....'' ایک پولیس والے نے پوچھا' پھر بے ہوش حملہ آور کی طرف دیکھا۔

''ہاں' کدھر ہے اب وہ.....؟'' جسپال نے تیزی سے پوچھا۔

''انہیں یہاں قریب ہی ایک نجی ہسپتال لے گئے ہیں۔ گولی کندھے میں لگی ہے' ممکن ہے ایک سے زیادہ فائر ہوں۔''

''آپ کس تھانے سے ہیں' اور یہ.....'' جسپال کے لفظ منہ ہی میں تھے کہ اس کا سیل فون بج اٹھا' اس نے فوراً ریسیو کیا کیونکہ وہ مہرہ کا فون تھا۔

''بولیں' ہرپریت' خیریت سے تو ہے؟''

''گولی لگی ہے آخر..... تم کہاں ہو؟'' اس نے پوچھا تو جسپال نے انتہائی اختصار سے سارا واقعہ سنا دیا۔ تبھی مہرہ بولا۔

''پولیس کو میں نے ہی فون کیا تھا۔ یہاں پر جو انچارج ہے' سیوا رام سنگھ' اس سے میری بات کراؤ۔ پھر اپنی گاڑی لے کر آ جاؤ۔ پتہ میں تمہیں بعد میں سمجھاتا ہوں۔''

جسپال نے سیوا رام سنگھ کو فون دیا جو اس سے ذرا فاصلے پر کھڑا تھا' وہ ایک دو منٹ اس کی بات سنتا رہا' پھر فون واپس جسپال کی جانب بڑھا دیا۔ اس نے کہا۔

''ہاں بولو مہرہ۔''

''میں نے اس کے ذمے لگا دیا ہے' اب تم فوراً یہاں آ جاؤ' باقی میں سنبھال لیتا ہوں۔'' یہ کہہ کر اس نے پتہ سمجھایا اور فون بند کر دیا۔ اس نے ایک نگاہ حملہ آور پر ڈالی اور اپنی گاڑی میں بیٹھ کر چل دیا۔

تقریباً پندرہ منٹ کی تلاش کے بعد وہ ہسپتال کی پارکنگ تک جا پہنچا۔ وہ تیزی سے کاؤنٹر تک گیا' جہاں سے اسے ایمرجنسی کے بارے میں بتایا گیا۔ وہ وہاں جا پہنچا' تو کیشیو مہرہ نے اسے دیکھتے ہی کہا۔

''بلڈ کا بندوبست ہو گیا ہے۔ ابھی ڈاکٹر اسے آپریشن کے لیے لے جانے والے ہیں۔ تم سنبھالو' میں پتہ کرتا ہوں کہ معاملہ کیا ہے؟''

''کون ہے.....؟'' جسپال نے سرد سے لہجے میں کہا تو کیشیو نے سر ہلاتے ہوئے اس کے کاندھے کو تھپکا اور وہاں سے نکلتا چلا گیا۔

❁ ❁ ..... ❁ ❁ ..... ❁ ❁

صبح کی چمکتی ہوئی دھوپ ہر جانب پھیل چکی تھی۔ دلبر کے گھر کے سامنے شامیانے نصب تھے اور لوگ علاقے بھر سے جمع ہو رہے تھے۔ میں اچھی طرح جانتا تھا کہ ان میں دلبر کے لیے خلوص رکھنے والے کتنے ہیں اور محض دنیا دکھاوے کے لیے کون کون آئے ہیں۔ اگرچہ یہ ایصال ثواب کی محفل تھی لیکن علاقے میں مخصوص حالات کی وجہ سے جو تناؤ آ چکا تھا' اس کے لیے یہ دکھاوا ضروری تھا۔ لوگوں کی یہاں آمد سے پتہ چلتا تھا کہ کون زیادہ دھڑے بندی رکھتا ہے۔ پیرزادوں کے لوگ بڑی تعداد میں وہاں موجود تھے' جبکہ سرداروں کے حامی بہت تھوڑے تھے۔ علاقے میں یہی مشہور تھا کہ وہ ڈکیتی کی واردات میں قتل ہو گیا ہے لیکن سرداروں کو معلوم ہو چکا تھا کہ اس کی وجہ قتل کیا ہے۔ ایصال ثواب کی اس محفل میں جو ہونا تھا' وہ تو ہو ہی جانا تھا' مگر.....! وہاں یہ خدشہ بھی تھا کہ کہیں کسی نئی دشمنی کی بنیاد ہی نہ پڑ جائے۔ میں جانتا تھا کہ سرداروں کی

سرد مہری کیوں ہے؟ سوہنی پوری طرح تیار تھی کہ وہ آج اعلان کر دے گی' پھر جو تماشہ ہو گا' دیکھا جائے گا۔ اس وقت میں گھر سے نکل کر دلبر کے گھر کی جانب جانے کے لیے تیار ہو چکا تھا۔ میں جانتا تھا کہ اس بار پولیس میں رندھاوا جیسا بندہ نہیں ہے جو میری مدد کرے گا' دو دن پہلے ہی انہیں معطل کروا کے لائن حاضر کروا دیا تھا اور ان کی جگہ نئے ڈی ایس پی اور انسپکٹر آئے تھے وہ سرداروں کے اپنے ہاتھ کے بندے تھے۔ اب سرداروں کے ساتھ جو پھڈا ابھی لینا تھا' وہ بہت سوچ سمجھ کر اور بڑے حوصلے سے لینا تھا۔ سرداروں کی اپنی ایک قوت تھی' اس کے ساتھ ساتھ پولیس کے لوگ بھی ان کے اپنے ہاتھ کے تھے' وہ کسی طرح کی بھی دھونس جما سکتے تھے۔ میرے ساتھ چند ساتھی تھے' جو لڑنے بھڑنے اور اسلحہ چلانے میں ماہر تھے' لیکن سرداروں کے مقابلے میں ہم کچھ بھی نہیں تھے۔ میں ناشتہ کر چکا تھا' اور میرے ذہن میں یہی خیالات گردش کر رہے تھے۔ پھر اچانک میں نے سب کچھ اپنے دماغ سے جھٹک دیا' میں نے اپنا ریوالور اٹھایا' فالتو میگزین اپنی جیبوں میں بھرے اور باہر جانے کے لیے تیار ہو کر نکلنے لگا۔ میں اندر والے کمرے سے باہر دالان میں آیا تو سوہنی جیسے میرے انتظار میں ہی تھی' میری طرف دیکھ کر گہری سنجیدگی سے بولی۔

''جمال.....! میں نے بھی تیرے ساتھ جانا ہے' کیونکہ اماں کو میں نے پہلے ہی بھیج دیا ہے۔''

''وہ کیوں؟'' میں نے پوچھا۔

''یہ بات تو کیوں نہیں سمجھتا کہ سردار کبھی بھی' مجھے علاقے کے سامنے یہ کہنے نہیں دے گا کہ میں اس کی بیٹی ہوں۔''

''اب جو بھی ہو گا دیکھا جائے گا۔ آؤ چلیں۔'' میں نے کہا اور باہر صحن میں کھڑی بائیک کو سیدھا کیا اور اس پر بیٹھ گیا' سوہنی نے گیٹ کھولا تو میں گلی میں آ گیا۔ جب وہ میرے پیچھے آ بیٹھی تو میں نے بائیک بڑھا دی۔ اس کے ساتھ ہی میرے بدن میں سنسنی کی لہر دوڑنے لگی۔ جس میں بدن سے اٹھنے والی ٹیسیں دب کر رہ گئی تھیں۔ میں اپنی گلی پار کر کے چوک میں آ گیا۔ وہاں سناٹا تھا' چھوکریا نے والے کی دکان بھی بند تھی۔ دائیں جانب مڑ کر دوسری گلی میں دلبر کا گھر تھا۔ پہلی گلی پار کی اور پھر دوسری گلی کے سامنے آ کر مڑنے ہی والا تھا کہ سامنے سے ایک جیپ نے میرا راستہ روک لیا۔ میں اگر محتاط نہ ہوتا تو بلاشبہ اس کے ساتھ ٹکرا جاتا تھا' میرے پیچھے گلی سنسان تھی۔ سامنے سے جیپ نے روکا ہوا تھا' دائیں جانب شامیانے لگے ہوئے تھے۔ جس کے اندر بیٹھے لوگ پڑھ رہے تھے۔ بائیں جانب کی گلی خالی تھی۔ میرے فرار ہونے کا راستہ کہیں بھی نہیں تھا' تبھی میں نے سر سراتے ہوئے کہا۔

''سوہنی..... حوصلہ رکھنا' اگر گڑبڑ ہو جائے تو دلبر کے گھر کی طرف بھاگ جانا' رکنا نہیں۔''

''تم نہیں جانتے جمالے' انہوں نے ہمارا راستہ روک کر کتنی بڑی غلطی کی ہے۔'' سوہنی نے آہستگی سے کہا تو میں چونک گیا۔ وہ ایسا کیوں کہہ رہی ہے' میں اس پر زیادہ نہیں سوچ سکا' کیونکہ جیپ کے پیچھے جو کار آ کر رکی تھی' اس میں سے شاہ زیب باہر نکل آیا تھا' کار میں سے چند بندے نکلے تو ان کے پیچھے ایک جیپ اور موٹر سائیکل پر سوار لوگ آ گئے' وہ تقریباً بیس کے لگ بھگ لوگ رہے ہوں گے۔ شاہ زیب نے اپنی آنکھوں پر سے سیاہ چشمہ اتارا اور کار میں پھینکتے ہوئے اونچی آواز میں بولا۔

''جمال.....! تیرے پیچھے جو لڑکی بیٹھی ہے' اسے چپ چاپ میرے حوالے کر دے..... ورنہ اسے میں نے چھین تو لینا ہے' تو بھی اپنی جان سے جائے گا۔''

''لگتا ہے تو پاگل ہو گیا ہے شاہ زیب..... اس لیے اول فول بک رہا ہے' تمہارے لیے یہی اچھا ہے کہ میرا راستہ چھوڑ دے۔'' میں نے سرد سے لہجے میں کافی اونچی آواز میں کہا تاکہ میری آواز دور تک پہنچے۔

''تو اگر یہ سمجھتا ہے نا کہ تو ڈیرے سے بچ کر آ گیا ہے' تو یہ تمہاری بہت بڑی بے وقوفی ہے' میں نے خود تجھے جانے دیا'

تا کہ اب بھی تم سمجھ جاؤ اور اپنی حرکتوں سے باز آ جاؤ۔ اب یہ تمہارے لیے آخری موقع ہے' چلو شاباش.....''

''اور میں بھی تجھے آخری موقع دے رہا ہوں..... پہلے تیرے باپ کا ادھار تھا' اب تیرا ادھار بھی لیے پھرتا ہوں یہ نہ ہو کہ ادھار آج ہی چکا دوں۔'' میرے کہنے پر وہ چند لمحے مجھے غصے میں دیکھتا رہا' پھر اپنے بندوں کو اشارہ کیا تا کہ وہ سونی کو بائیک پر سے اتار لیں' بالکل انہی لمحات میں ان سب کے پیچھے فائرنگ نے فضا کو دہلا کر رکھ دیا۔ اس کے ساتھ ہی دائیں جانب سے شامیانوں میں سے کچھ لوگ نکل آئے اور بائیں جانب والی خالی گلی میں ایک جیپ دوڑتی ہوئی آتی دکھائی دی۔ سونی بائیک سے نیچے اتر گئی اور چلا کر بولی۔

''رشتے میں تم میرے بھائی لگتے ہو..... وہ بھی سوتیلے..... میں نہیں چاہتی کہ تم..... میرے ہاتھوں مر جاؤ۔ اس لیے جیسے آئے ہو ویسے ہی یہاں سے دفعان ہو جاؤ' کچھ دیر بعد میں خود حویلی میں آ رہی ہوں' اپنے باپ کو بتا دینا۔''

''بے غیرت طوائف..... تیری یہ جرات.....'' شاہ زیب نے غصے میں پاگل ہوتے ہوئے کہا۔

''اوئے..... بے غیرت باپ کے بے غیرت بیٹے..... میں تم سے زیادہ اچھی طرح گالیاں نکال سکتی ہوں۔ اگر تیرے کسی بندے نے کوئی فضول حرکت کی تو اس کا خمیازہ تجھے بھگتنا ہوگا۔ دیکھ رہا ہے' تو اب میرے نشانے پر ہے.....'' سونی نے غراتے ہوئے اردگرد اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ اتنی دیر میں شامیانوں کی طرف ہلچل مچ گئی تھی۔ وہاں سے لوگ باہر نکل کر ہمیں آمنے سامنے دیکھ رہے تھے۔ تبھی میں نے کہا۔

''اب جاتا ہے کہ ادھار چکاؤں.....''

یہ کہتے ہوئے میں بائیک سے نیچے اتر آیا اور اس کی جانب بڑھنے لگا۔ وہ میری طرف کھڑا دیکھتا رہا' میں اس کے بالکل قریب چلا گیا اور جا کر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ تب اس نے کہا۔

''بہت پچھتاؤ گے جمال.....''

''کہو اپنے لوگوں کو مجھ پر فائر کریں' گولی چلا کر مار دیں مجھے' کہو.....'' میں نے چیختے ہوئے کہا تو دائیں جانب سے کسی نے زور سے کہا۔

''خبردار اپنی جگہ سے کوئی نہ ہلے' ورنہ گولی مار دوں گا۔''

فطری طور پر میں نے اس طرف دیکھا تو وہ نیا ڈی ایس پی تھا' اور اس کے ساتھ کافی ساری نفری تھی' جنہوں نے ہم پر گنیں تانی ہوئی تھیں۔ تبھی سونی اس طرف منہ کر کے اونچی آواز میں بولی۔

''گولی اسے مارو آفیسر' جس نے ہمارا راستہ روکا ہے۔''

''تم لوگوں نے جدھر جانا ہے جاؤ..... شاہ زیب آپ بھی جائیں۔'' ڈی ایس پی نے تیزی سے کہا۔

''ہم نے تو حویلی جانا ہے ڈی ایس پی.....'' میں نے کہا تو شاہ زیب سمیت سبھی چونک گئے۔

''نہیں..... بالکل نہیں۔'' یہ کہتے ہوئے وہ تیزی سے آگے بڑھا۔ ''اس وقت بالکل نہیں.....'' کہتے ہوئے وہ ہمارے قریب آ گیا۔ پھر شاہ زیب کو کاندھوں سے پکڑ کر کار میں بٹھانے لگا۔ وہ بیٹھ گیا تو میں بھی واپسی کے لیے مڑا۔ میں بائیک پر آن بیٹھا تو اس نے کار واپس موڑ لی۔ کچھ دیر بعد وہ اپنے بندوں سمیت وہاں سے چلا گیا۔ سونی کے ساتھ والے بندے گلی کی نکڑ پر کھڑے رہ گئے اور ہم دلبر کے گھر کی طرف چلے گئے۔ سونی اندر گھر میں چلی گئی اور میں پنڈال میں چلا گیا۔

پنڈال میں علاقے بھر کے چیدہ چیدہ لوگ تھے۔ انہیں خبر ہو گئی تھی کہ شاہ زیب نے میرا راستہ روکا ہے۔ پیرزادہ وقاص بھی ایک طرف اپنے لوگوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ میں خاموشی سے جا کر وہاں بیٹھ گیا۔ اس وقت دعا ہو رہی تھی' جب اچانک سردار شاہ دین کی آمد ہو گئی۔ ظاہر ہے وہ اکیلا نہیں تھا' اس کے ساتھ کئی سارے لوگ تھے۔ وہ بھی ایک طرف آ کر

دعا میں شامل ہو گئے۔ دعا ختم ہوئی تھی کہ ڈی ایس پی میرے سر پر آن کھڑا ہوا۔ دھیرے سے اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

''جمال ذرا بات سننا۔''

میں اٹھ کر اس کے ساتھ ایک طرف ہو گیا اور کہا۔

''جی' بولیں۔''

''میرے ساتھ ذرا دلبر کی بیٹھک میں چلو' تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔''

اس نے کہا ہی تھا کہ میں سمجھ گیا۔ وہ رش کے اس وقت میں مجھے اپنے ساتھ رکھ کر سونی کا اعلان روکنا چاہتا تھا۔ تبھی میں نے پیرزادہ وقاص کو اشارے سے وہیں بیٹھے رہنے کو کہا اور اس کے ساتھ چل دیا۔ ہم بیٹھک میں گئے ہی تھے کہ سردار شاہ دین بھی وہیں آ گیا۔ میری طرف دیکھ کر بولا۔

''بیٹھو بیٹا! میں تم سے بات کرنا چاہتا ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

''بولیں۔'' میں نے کہا اور اس کے سامنے والی چارپائی پر بیٹھ گیا۔ ڈی ایس پی نے بھی ایک کرسی سنبھال لی۔

''اگر سونی کو بھی بلا لو.....'' شاہ دین نے کہا۔

''مجھے اس کے بلانے پر کوئی اعتراض نہیں ہے سردار صاحب' لیکن آپ نے موقع کھو دیا..... اس نے اگر یہاں بندے بلوائے ہوئے ہیں تو میڈیا کے لوگ بھی یہاں ہیں۔ ابھی تھوڑی دیر بعد وہ آپ کی بیٹی ہونے کا اعلان کر دے گی۔''

''جب ہم بات کر رہے ہیں تو اعلان کی کیا ضرورت ہے؟'' شاہ دین نے کہا تو مجھے غصہ آ گیا۔

''اس لیے کہ تمہارے بیٹے نے راستہ روک کر بے وقوفی کی ہے۔ شاید وہ ہمیں اکیلا ہی سمجھ رہا تھا۔''

''میں نے اسے بہت روکا تھا کہ ایسا مت کرو مگر اس نے میری بات نہیں مانی' وہی سوتیلے پن' جائیداد کے کھو جانے کا دکھ..... اور غصہ.....'' اس کے لہجے میں مایوسی تھی۔

''تو کیا آپ سونی کو اپنی بیٹی مان چکے ہیں۔'' میں نے چونک کر پوچھا۔

''نہیں مانوں گا تو وہ ثابت کر دے گی۔ مجھے یہ پوری طرح احساس ہے۔'' اس نے کسی ہارے ہوئے جواری کی مانند کہا۔

''ٹھیک ہے' پھر اسے کیا اعتراض.....'' میں نے کہا۔

''جمال.....! جب اور جہاں تم چاہو' سونی چاہے' وہیں بات کر لو کہ وہ کیا چاہتی ہے' لیکن ہمارا ایک سیاسی کیریئر بھی ہے' ہم سب کچھ طے کر لیں گے۔ فی الحال یہ بات ہم لوگوں کے درمیان ہی میں رہے۔ باہر نہ نکلے' اس میں ہم سب کا فائدہ ہے۔'' سردار نے یوں کہا جیسے یہ سب کچھ اسے بہت مشکل سے کہنا پڑ رہا ہو۔

''ٹھیک ہے سردار صاحب! لیکن بات وہی' کیا گارنٹی ہے کہ آپ اپنی بات سے نہیں پھریں گے۔'' میں نے کہا تو شاہ دین کے چہرے پر ایک دم سے جلال آ گیا۔ اس کا چہرہ غصے اور خفت سے سرخ ہو گیا۔ تبھی ڈی ایس پی بولا۔

''میں گارنٹی ہوں..... تم شاید یقین نہ کرو' مجھے اوپر سے احکام ملے ہیں' سردار صاحب نہ بھی چاہیں تو میں نے یہ معاملہ حل کروانا ہے' یہاں تک کہ قانونی معاملات بھی..... یہ آپ مجھ پر چھوڑ دیں۔''

''دیکھ لیں ڈی ایس پی صاحب' انہوں نے اپنی بات سے پھر جانا ہے' یہ ہمیں قتل بھی کر سکتے ہیں۔'' میں نے اسے یاد دہانی کرائی تو وہ تحمل سے بولا۔

''نہیں..... اب ایسا نہیں ہوگا۔ میں مانتا ہوں' وہ شاہ زیب کی بے وقوفی تھی' بہرحال جو معاملہ مل بیٹھ کر سکون سے طے ہو جائے' اس میں لڑنا جھگڑنا عقل مندی نہیں' سونی کا موقف بالکل ٹھیک ہے۔ اسے بلائیں تا کہ اسے بھی معلوم ہو جائے' پھر

وقار عظیم
پاکستانی پوائنٹ ڈاٹ کام

کل یا پرسوں ہم بیٹھ کر ہر چیز طے کر لیں گے۔''

''او کے.....! اسے بلانے کی ضرورت نہیں' ہو گئی بات.....'' میں نے کہا اور اٹھ گیا' وہ بھی اٹھ گئے۔

پھر کچھ ہی دیر بعد وہ اپنی اپنی سواریوں پر چلے گئے اور میں پنڈال میں آ گیا۔ پیرزادہ وقاص میرے انتظار میں اب بھی کھڑا تھا۔ اس نے مجھے دیکھتے ہی کہا۔

''ہاں بول جمالے..... جاؤں.....''

''ہاں.....! سردار شاہ دین معافی مانگ گیا ہے۔'' میں نے یونہی کہہ دیا۔

''دل نہیں مانتا' مگر تو کہتا ہے تو مان لیتا ہوں۔ خیر.....! آ کبھی ڈیرے پر یا میرے گھر' کچھ باتیں کر لیں۔'' اس نے بڑے تحمل سے کہا تو میں نے تیزی سے حامی بھری۔

''میرا بھی دل کرتا ہے' میں ایک دو دن میں آتا ہوں۔''

''چل ٹھیک ہے' پھر رب کے حوالے.....'' پیرزادہ نے کہا اور اپنی مہنگی جیپ میں بیٹھ گیا۔ وہ چلا گیا تو آہستہ آہستہ لوگ بھی جانے لگے۔ میں نے چھاکے کے ذریعے سوہنی کو پیغام بھجوا دیا تھا کہ سردار سے بات ہو گئی ہے۔

دوپہر کے بعد ہم اپنے گھر آ گئے۔ سارے بندے اپنے ٹھکانے پر جا پہنچے اور میڈیا کے لوگ واپس چلے گئے جو کہ مقامی صحافی ہی تھے۔ سوہنی اور اماں اندر کمرے میں تھیں اور میں چھاکے کے ساتھ باہر والے کمرے میں بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے اسے ساری تفصیل بتا دی تو وہ بولا۔

''جمالے.....! تو مان نہ مان' سردار کی اس میں بھی کوئی چال ہے۔ وہ وقت ٹال گیا ہے۔''

''میں بھی یہی چاہتا تھا کہ وہ وقت ٹال جائے۔'' میں نے کہا تو چھاکے نے چونک کر میری طرف دیکھا' پھر دھیرے سے مسکراتے ہوئے بولا۔

''کیا تو بھی وہی سوچ رہا ہے جو میں سوچ رہا ہوں۔''

''کیا بھلا.....؟'' میں نے پوچھا تو وہ بولا۔

''اگر بات طے ہو گئی تو معاملہ ہی ختم ہو گیا اور اگر معاملہ ختم ہو گیا تو پھر ہمارا سرداروں سے کیا لینا دینا۔ اس طرح کم از کم دشمنی تو رہے گی۔''

''بالکل! اب سوہنی کی بہت زیادہ حفاظت کرنا پڑے گی' اس کے ساتھ آئے بندوں کو ہم کب تک یہاں رکھیں گے۔'' میں نے ایک تشویش ظاہر کی۔

''اس کی تم فکر نہ کر' باکہ میں تجھے بتانے والا تھا' بہت سارے لوگ ہیں جو سرداروں کے خلاف ہیں' کسی نہ کسی طرح ان سے بدلہ لینا چاہتے ہیں۔ اب جڑ رہے ہیں ہمارے ساتھ۔ دو چار دن تک میں بتا دوں گا کہ اب ماحول کیا ہے۔ تم پوری توجہ سے یہ سوہی والا معاملہ حل کروا دو' پھر ذرا سکون سے سوچتے ہیں کہ ان سرداروں کو ناکوں چنے کیسے چبوانے ہیں۔'' اس نے انتہائی غصے میں کہا اور پھر پرسکون سا ہو کر میری طرف دیکھنے لگا۔ تب میں نے پرسکون سے انداز میں کہا۔

''چھاکے.....! جو کھیل ہم شروع کر چکے ہیں' اب چاہیں بھی تو ختم نہیں کر سکتے۔ اب یہ اس وقت تھمے گا' جب ہم نہیں رہیں گے یا وہ نہیں رہیں۔''

''یہ تو ہے' لیکن اس کھیل کے انجام پر کیا ہو گا' یہ بھی ہمیں معلوم نہیں' مگر مجھے ایک بات کی سمجھ آ گئی ہے کہ آخر طاقت میں ایسا کیا نشہ ہے۔'' چھاکے نے میری طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا تو میں سمجھ گیا کہ وہ کس کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔ میں نے اسے جواب نہیں دیا اور خاموش رہا۔ میں سوچ رہا تھا کہ اب کھانا کھا کر یہاں سے نکلیں اور کسی ڈیرے پر بیٹھ کر یہ

سوچیں کہ علاقے کے شہ زوروں' پہلوانوں اور ان لڑکوں کو اپنے ساتھ کیسے ملایا جائے جو کسی نہ کسی حوالے سے اپنی پہچان رکھتے ہیں۔ میں جانتا تھا کہ سارے ہی لوگ میرے ساتھ شامل نہیں ہوں گے لیکن جو ہوں گے وہ تو میری طاقت بنیں گے۔ میں ابھی اسی سوچ کا سرا پکڑ کر چل رہا تھا کہ باہر کسی جیپ کے رکنے کی آواز آئی۔ میں نے وہیں سے بیٹھے بیٹھے کھڑکی میں سے دیکھا' باہر ڈی ایس پی کی جیپ رکی تھی۔ چھاکے نے جلدی سے اٹھ کر دروازہ کھولا' باقی نفری باہر ہی رہی اور ڈی ایس پی اندر آ گیا۔ اگلے چند لمحوں میں وہ پرسکون انداز میں بیٹھ گیا تو گویا ہوا۔

''آج یہ نور نگر بہت بڑے فساد سے بچ گیا۔ ورنہ کتنی لاشیں گرتیں' یہ کوئی نہیں جانتا تھا۔''

''ڈی ایس پی صاحب! اگر یہ حکمران لوگ انصاف پسندی سے' دیانت داری سے اپنے معاملات چلاتے رہیں تو کسی کو بھی ان کی دولت یا جائیداد سے کوئی دلچسپی نہیں' لیکن یہی لوگ جب انسان پر انسان کی حکمرانی کے نشے میں سب کچھ بھول جاتے ہیں تو پھر ردعمل تو فطری بات ہے۔''

''تم ٹھیک کہتے ہو جمالے.....! مجھے یہاں آئے چند دن ہوئے ہیں۔ علاقے بھر میں میرے بارے میں یہی مشہور کیا گیا ہے کہ میں ان سرداروں کے ایماء پر یہاں آیا ہوں اور انہیں ہی تقویت دوں گا۔ ایسا نہیں ہی' یہ ذہن میں رکھنا۔ دوسرا میں نے یہاں آتے ہی یہاں کی امن و امان کی صورتحال کا بہت گہرائی سے جائزہ لیا ہے۔ یقین کرو اس میں' ان حالات کو خراب کرنے میں سردار شاہ دین سے زیادہ شاہ زیب کا ہاتھ ہے' میں مانتا ہوں اس بات کو.....'' اس نے صاف گوئی سے کہا۔

''یہی تو بات ہے' لیکن وہ اپنے باپ کی مرضی کے خلاف.....'' میں نے کہنا چاہا تو وہ مجھے ٹوکتے ہوئے بولا۔

''تقریباً ایک سال سے وہ اپنے باپ کی مرضی کے خلاف ہی چل رہا ہے' خیر..... علاقے کی جو بھی صورت حال ہے' میں پوری کوشش کر رہا ہوں کہ وہ کنٹرول میں آ جائے لیکن اس وقت میں تم سے جو بات کرنے آیا ہوں' سوہنی کے بارے میں ہے' میرے خیال میں اگر اسے بھی بلا لو تو زیادہ اچھا ہو گا۔''

''ٹھیک ہے بلاتا ہوں۔'' میں نے کہا تو میرے کہنے سے پہلے ہی چھاکا اندر کی طرف چلا گیا' ہمارے درمیان اتنی دیر میں خاموشی ہی رہی' کچھ دیر بعد سوہنی سر پر آنچل لیے اندر آ کر بیٹھ گئی۔ تب ڈی ایس پی نے ذرا سا کھنکارتے ہوئے کہا۔

''دیکھیں' میں جو بھی بات کروں گا' وہ میں اپنی معلومات کے مطابق کروں گا۔ جہاں آپ کو لگے کہ میری معلومات درست نہیں تو آپ مجھے بتا دیں۔ بہرحال آپ کے لیے بہت ساری باتیں نئی بھی ہوں گی۔'' یہ کہہ کر وہ چند لمحوں کے لیے خاموش ہوا' پھر کہتا چلا گیا۔ ''بلاشبہ' یہ معاملہ جو سوہنی کے اس دعوے کے بارے میں ہے کہ وہ سردار شاہ دین کی بیٹی ہے' اس وقت سامنے آیا' جب ملک سجاد کی آمد و رفت سوہنی کے گھر شروع ہوئی۔ سوہنی کی ماں نے ملک سجاد سے ڈیل کی اور اگر اس وقت ملک سجاد سے بات نہ ہوتی کہ سوہنی سرداروں کی بیٹی ہے تو شاید یہ نوبت ہی نہ آتی' خیر..... یہ معاملہ چل پڑا' ملک سجاد خود لالچی بندہ ہے' اس نے خاموشی اس لیے اختیار کی کہ ایک بار اسی اپنے نکاح میں لے آئے گا تو پھر سرداروں کو بلیک میل کرے گا۔ وہ اپنا پلان سوہنی وغیرہ سے بھی چھپا کر رکھنا چاہتا تھا' سوہنی کو جب معلوم ہوا تو اس کی اپنی سوچ بدل گئی۔ اس نے اپنی شناخت کے لیے جدوجہد شروع کر دی۔ کیا یہاں تک میری بات درست ہے؟'' اس نے سوہنی سے پوچھا تو اس نے سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔

''جی' بالکل درست ہے۔''

''ملک سجاد سے سردار شاہ دین کی نہیں' شاہ زیب کی دوستی تھی۔ سوہنی کے بارے میں جاننے کے بعد اس نے یہ دوستی

مزید گہری کرلی' اسے سبز باغ دکھانے شروع کردیئے کہ وہ پنجاب سطح کا بہت بڑا لیڈر بن سکتا ہے' تاہم انہی دنوں شاہ دین کے معالج نے اسے لاہور بلوالیا' تاکہ اس کا مکمل چیک اپ کیا جائے' یہ اس لیے ہوا کہ سوہنی نے بھاری رقم دی تھی' اس معالج کو؟'' یہ کہہ کر اس نے پھر سوہنی کی طرف سوالیہ انداز میں دیکھا۔

''یہ بھی ٹھیک ہے۔''

''لیکن اس معالج نے جہاں سوہنی کو درست بات بتائی کہ وہ اس کی بیٹی ہے' ڈی این اے ٹیسٹ رپورٹ کے مطابق' وہاں سردار شاہ دین کو بھی ساری کہانی سنادی۔ شاہ دین کو اس وقت سے علم تھا' اب وہ چاہتا تھا کہ کسی نہ کسی طرح شاہ زیب یہاں سے ادھر ادھر ہو تو سوہنی اور اس کی ماں سے ڈیل کرے' تاکہ یہ معاملہ چپ چاپ ختم ہوجائے۔ معالج سے وعدہ کرلیا تھا کہ وہ ان دونوں کو ملوائے گا' وہی ان کی ڈیل کروائے گا۔ ان کے پاس دو آپشن تھے' ایک یہ کہ انہیں کسی باہر کے ملک میں بھیج دیا اور ایک معقول رقم انہیں ملتی رہے' یا پھر انہیں مناسب جائیداد خرید کردے دے اور وہ اپنے طور پر ایک پرسکون زندگی گزاریں۔ مگر معاملہ بگڑ گیا۔''

''وہ کیسے.....'' میں نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

''وہ ایسے جمال کہ ملک سجاد کسی طور نہیں چاہتا تھا کہ سردار شاہ دین کی ان سے کوئی ڈیل ہوجائے' سوہنی اور معالج کے درمیان معاملہ چل رہا تھا۔ انہی کے گھر کے ایک نوکر سے ملک سجاد کو ساری معلومات مل رہی تھیں۔ تب اس نے اپنی گیم کھیلنی شروع کردی۔ سردار شاہ دین اور شاہ زیب کو بالکل بھی علم نہیں تھا کہ سوہنی کون ہے' انہیں دیکھا ہی نہیں تھا' جب ملک سجاد یہاں آیا اور شدید زخمی حالت میں یہاں سے گیا تو بات طے ہوگئی۔ دونوں باپ بیٹے میں اختلاف بڑھنے لگا' باپ کا موقف یہی تھا کہ وہ اپنی بیٹی کو اپنائے گا اور انہیں قبول کرلے گا' لیکن شاہ زیب انہیں سرے سے قبول ہی نہیں کررہا تھا' یہاں تک کہ وہ سوہنی کے قتل کے درپے ہوگیا۔''

''مطلب.....! اب باپ اور بیٹے کے درمیان یہ کشمکش ہے کہ سوہنی کو قبول کرلیں یا نہیں۔'' میں نے پوچھا۔

''سردار شاہ دین تو چاہتا ہے۔ شاہ زیب صرف جائیداد کی وجہ سے آڑے آیا ہوا ہے۔ شاید اب تک سوہنی کو اپنی بیٹی کے طور پر قبول کرلیتا مگر شاہ زیب نے دھمکی دی ہے کہ پھر وہ کسی کو بھی نہیں چھوڑے گا۔ جمال' شاہ زیب تمہیں سوہنی کے قتل کے لیے تیار کررہا تھا اور وہ ملک سجاد کو بھی ماردینا چاہتا تھا کہ یہ قصہ ہی ختم ہوجائے' اور تمہیں معلوم بھی نہ ہو کہ کتنا بڑا معاملہ تمہارے ہاتھوں ماضی میں دفن ہوجاتا جس کا تمہیں بھی علم نہ ہوتا۔''

''اب بات کہاں تک پہنچی ہے۔'' میں نے ساری بات سمجھتے ہوئے پوچھا۔

''شاہ دین تو چاہتا ہے کہ سوہنی کو اپنی بیٹی کے طور پر قبول کرے مگر شاہ زیب نہیں چاہتا۔ اس میں سوہنی کا طوائف ہونا ایک بڑی رکاوٹ ہے۔ دوسری طرف سوہنی اور اس کی والدہ نے آئی جی صاحب سے رابطہ کیا' اور مجھے خاص طور پر اس معاملے کو حل کرنے کے لیے یہاں تعینات کیا گیا ہے۔ سوہنی کے پاس یہ حق اب بھی ہے کہ وہ جب بھی چاہے عدالت کے ذریعے اس معاملے کو اچھال سکتی ہے۔ اس سارے تناظر میں اگر کوئی معقول حل ہوجائے تو بہت اچھی بات ہوگی' اس وقت میں آپ دونوں سے یہی مشورہ کرنے آیا ہوں۔''

''ڈی ایس پی صاحب' میں صرف یہ چاہتی ہوں کہ میرا باپ مجھے بیٹی مان لے۔ یہ آپ کو معلوم ہے کہ میری والدین کے خانے میں سردار شاہ دین ہی کا نام درج ہے۔ یہ میری شناخت کا مسئلہ ہے۔''

''یہ ٹھیک ہے' اور یہ تمہارا حق بھی ہے۔ میں اسے تسلیم کرتا ہوں' تمہیں شناخت ملے گی' اس کے علاوہ کوئی مشورہ؟'' وہ تیزی سے بولا۔

''شاہ زیب جائیداد چاہتا ہے نا' تو وہ ساری جائیداد لے لے..... مجھے بس میری شناخت دے دی جائے۔ بیٹی کے طور پر مجھے قبول کرلیا جائے' میرے لیے اتنا ہی کافی ہے۔'' سوہنی نے انتہائی جذباتی انداز میں کہا۔

''پھر ایسا کرتے ہیں' میں ان سے بات کرتا ہوں' قانونی طور پر سردار شاہ دین تمہیں اپنی بیٹی تسلیم کرلے' لیکن ساری جائیداد شاہ زیب کو مل جائے' تمہیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔''

''بالکل مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ میں اپنے حصے کی جائیداد شاہ زیب کو لکھ کردے دوں گی۔ یہاں تک کہ اپنے باپ کو بھی سنبھال لوں گی۔'' سوہنی نے ایک فخر سے کہا۔

''ٹھیک ہے' آپ کے یہ جذبات میں ان تک پہنچادیتا ہوں۔ میں خود چاہوں گا کہ شاہ زیب ایک معقول رقم تمہیں دے دے۔ پھر تم ان کی زندگی میں کوئی دخل اندازی نہیں کروگی۔''

''مجھے شاہ زیب کی زندگی میں دخل اندازی کا کوئی حق نہیں ہے' لیکن وہ اگر بہن کا حق جتائے گا تو.....؟'' اس نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

''مسئلہ تو یہی ہے نا کہ تم پھر یہ طوائف والی زندگی کو ختم کرکے گمنامی میں زندگی گزاروگی' تمہیں بھی معلوم ہے کہ ان کا ایک سیاسی کیریئر ہے۔ وہ.....'' اس نے کہنا چاہا تو سوہنی ہے ہاتھ کے اشارے سے اسے روکتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے.....! میں ایسی کوئی زندگی نہیں گزاروں گی' جس سے انہیں شرمندگی کا سامنا کرنا پڑے۔ میں وعدہ کرتی ہوں' میں اپنی ماں کو بھی اس زندگی سے نکال لوں گی' بس سردار شاہ دین میرے سر پر بیٹی کہہ کر ہاتھ رکھ دیں۔'' سوہنی کا لہجہ حد درجہ جذباتی ہوگیا تھا اور اس کی آواز بھرا گئی تھی۔

''چلیں یہ طے ہوگیا' میں آج ہی ان سے بات کرتا ہوں اور اس مسئلے کو ایک دو دن میں نمٹانے کی کوشش کرتا ہوں۔'' یہ کہہ کر اس نے میری جانب دیکھا اور بولا۔ ''ایک بات ہے جمال' تب تک' کوئی ایسا معاملہ نہ ہو کہ جس سے یہ سارا کچھ کھٹائی میں پڑ جائے' ہمیں مسئلے کو سلجھانا ہے۔''

''دیکھیں جی' میں پہلے ہی اپنا دفاع کرتا آرہا ہوں۔ علاقے میں ہونے والے قتل مجھ پر ڈالنے کی کوشش کی جارہی ہے' شاہ زیب نے براہ راست مجھے اغواء کرکے قتل کرنے کی کوشش کی اور آج کا واقعہ آپ کے سامنے ہوا۔ مجھ پر اگر وار ہوا تو میں اس کا دفاع تو کروں گا' ہاں..... خود سے کچھ نہیں کروں گا اور نہ میں نے پہلے کیا ہے۔'' میں نے بڑے تحمل سے کہا تو وہ اٹھتے ہوئے بولا۔ تب میں بھی اٹھ گیا۔

''کل دن کے وقت ہم کہیں اکٹھے ہوتے ہیں اور یہ سب طے کرلیں گے..... اب مجھے اجازت۔'' یہ کہہ کر اس نے مجھ سے ہاتھ ملایا' میں اسے دروازے تک چھوڑنے گیا' سوہنی اندر چلی گئی تھی۔ چھاکے اور میری نگاہیں چار ہوئیں تو وہ مسکرادیا' میں سمجھ گیا کہ وہ کیا چاہ رہا ہے' اس لیے میں بھی ہنس دیا۔

❁ ❁ ..... ❁ ..... ❁ ❁

جب آپریشن کے بعد ہرپریت کو آئی سی یو میں لایا گیا تب تک انوجیت ہسپتال میں آچکا تھا' وہ دونوں بے ہوش پڑی ہرپریت کو دیکھ رہے تھے' تبھی انوجیت نے بڑے تحمل اور آہستگی سے پوچھا۔

''ڈاکٹرز کیا کہتے ہیں؟''

''خطرے سے باہر ہے' شام تک ہوش آجائے گا۔ دو بلٹ اس کے کاندھے میں لگی تھیں اور ایک گردن سے ہلکا سا رگڑ کر گزری ہے۔'' جسپال نے بتایا۔

''یہ کیسے ہوا؟'' انوجیت نے پوچھا تو وہ تفصیل بتانے کے بعد بولا۔

''حملہ آوروں اور ہر پریت کے درمیان کار تھی۔ دراصل نشانہ وہ نہیں تھی' میں تھا۔ یہ تو اچانک ڈرائیونگ سیٹ سے نکل کر ہماری طرف آئی تھی۔'' جسپال نے بتایا۔

''سمجھ نہیں آئی' اصولاً تو اسے ڈرائیونگ کی طرف کا دروازہ کھول کر' اوپر سے گھوم کر تم لوگوں کی طرف آنا چاہیے تھا؟'' انوجیت نے وضاحت چاہی۔

''اس طرف ٹریفک تھی' دروازہ کھولنا خطرے سے خالی نہیں تھا' وہ پسنجر سیٹ سے نکلی تھی' اگرچہ یہ غلطی ٹریفک سے بچنے کے لیے کی گئی تھی لیکن وہ میرے اور ان حملہ آوروں کی فائرنگ کے درمیان آ گئی۔'' جسپال نے اسے تفصیلی انداز میں ہاتھ کے اشاروں کا بھی استعمال کر کے سمجھایا تو وہ سمجھ گیا۔ تب پوچھا۔

''کون تھے؟''

''میں کچھ نہیں بتا سکتا ابھی' حملہ آور میں نے پکڑ لیا تھا۔'' یہ کہہ کر اس نے پوری تفصیل بتائی اور پھر بولا۔ ''اب تم آ گئے ہو' یہاں ہر پریت کے پاس رہو' میں دیکھتا ہوں۔''

''تم کہاں جاؤ گے.....؟'' انوجیت نے تیزی سے پوچھا۔

''پولیس اسٹیشن' لیکن پہلے میں کیشیو مہرہ کو فون کروں گا۔'' یہ کہتے ہوئے جسپال نے اپنا سیل فون نکالا اور مہرہ کے نمبر ملانے لگا۔ چند لمحوں بعد رابطہ ہو گیا۔ چند باتوں کے بعد اس نے کہا۔

''تم ابھی ادھر ہسپتال ہی میں رہنا۔ باہر نکلنے کی کوشش نہیں کرنا۔ دشمن کا کوئی اعتبار نہیں۔''

''میں یہاں پابند ہو کر نہیں بیٹھ سکتا مہرہ۔ مجھے بتاؤ کہ وہ حملہ آور کون تھا' اور کس نے بھیجا ہے انہیں؟'' جسپال سنگھ نے اکتائے ہوئے انداز میں پوچھا تو مہرہ نے کہا۔

''ابھی اس سے پوچھ تاچھ نہیں کی گئی' میں ابھی پولیس اسٹیشن میں ہی ہوں۔ لگتا ہے یہ کسی گینگ کا معاملہ ہے' ورنہ اب تک پولیس والے اسے بے حال کر دیتے۔''

''تم ادھر ہی رہنا' میں آ رہا ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ پولیس اسٹیشن کی لوکیشن پوچھنے لگا۔ پھر فون بند کر کے انوجیت سے کہا۔ ''میں جا رہا ہوں۔''

''مگر جسپال تمہیں یہاں کوئی نہیں جانتا' کس سے بات کرو گے؟'' انوجیت بولا۔

''میں دیکھتا ہوں' تم میری فکر مت کرنا۔'' یہ کہہ کر اس نے انوجیت کے کاندھے کو تھپتھپایا اور باہر نکلتا چلا گیا۔

وہ پولیس اسٹیشن پہنچا تو اسے کیشیو مہرہ کی گاڑی باہر ہی دکھائی دی۔ وہ کار ایک طرف پارک کر کے اندر چلا گیا۔ ایک بڑے سے ہال کے کونے میں ایک میز کے گرد مہرہ بیٹھا ہوا تھا' اس کے سامنے ایک انسپکٹر جس نے خاکی رنگ کی پگڑی پہنی ہوئی تھی لیکن چہرے پر داڑھی نہیں تھی۔ ایک طرف ایک نوجوان سا لڑکا بیٹھا ہوا تھا۔ مہرہ نے ان سب کا تعارف کرایا۔

''یہ انسپکٹر ہیں یہاں کے' اور یہ گرمیت سنگھ چوہان ہے۔'' یہ کہتے ہوئے ان دونوں سے تعارف کرایا۔

''کیا پراگرس ہے؟''

''انسپکٹر صاحب نے ابھی تک ایف آئی آر درج نہیں کی' درخواست میں نے دے دی ہے' شام چار بجے کے بعد ایف آئی آر کٹے گی۔'' مہرہ نے کہا۔

''مجرم پکڑ لیا گیا ہے' موقع واردات دیکھا نہیں گیا' ایف آئی آر کٹی نہیں' یہ کیا مذاق ہے۔'' جسپال نے حیرت سے پوچھا تو انسپکٹر نے سرد سے اکتائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''وہ لڑکی آپ کی کیا لگتی تھی' جسے گولی لگی ہے۔''

''میری دوست' میری محسن اور میری میزبان.....'' یہ کہہ کر اس نے مہرہ کی طرف دیکھا اور پوچھا۔ ''آپ نے یہ نہیں بتایا کہ فائر دراصل مجھ پر کیا گیا تھا۔''

''میں نے سب تفصیل سے بتا دیا ہے لیکن انہوں نے ابھی تک کچھ نہیں کیا۔'' مہرہ نے سکون سے کہا۔

''تم دونوں باؤ لوگ ہو یار' تمہیں کیا پتہ کہ نوکری کس طرح کرتے ہیں۔ آپ حملہ آور کو لے کر بعد میں یہاں آئے ہیں' مگر مجھے فون پہلے آ گیا ہے' آپ لوگوں کے ساتھ کیا کرنا ہے اور اس حملہ آور کے ساتھ کیا کرنا ہے۔ یہ بھی مجھے بتا دیا گیا ہے۔'' اس نے آنکھیں جھپکائے بغیر اس سرد اور اکتائے ہوئے انداز میں کہا تو کیشیو مہرہ نے اس سے بھی سرد لہجے میں پوچھا۔

''مطلب' تم ایک کٹھ پتلی ہو۔''

''آپ کہہ سکتے ہیں۔'' اس نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا پھر ذرا سا آگے جھک کر سمجھانے والے انداز میں بولا۔ ''جس بندے نے ہمیں یہاں تعینات کروایا ہے' اس کی تو ماننی ہے نا۔ میں جانتا ہوں کہ آپ بیرسٹر ہیں' یہ فارن سے آئے ہیں لیکن..... جب معاملہ مجھ سے اوپر ہو جائے تو وہ خود ہی سنبھال لیں گے ہم نے تو اپنی ڈیوٹی کرنی ہے مہرہ صاحب۔ یہاں بیٹھ کر وقت ضائع نہ کریں' جائیں' اس لڑکی کی دیکھ بھال کریں' مجھے بھی جانا ہے کسی کام سے۔''

''مطلب اتنی دیدہ دلیری سے کہہ رہے ہو کہ تم ہماری کوئی مدد نہیں کرو گے۔'' مہرہ نے پوچھا۔

''آف کورس بیرسٹر صاحب' آپ قانونی جنگ لڑیں' جو آپ کا حق ہے' یہ جان لیں کہ آپ کی جنگ ہمارے لکھے ہوئے پر ہی ہونی ہے۔'' یہ کہہ کر اس نے اپنی ٹوپی میز پر سے اٹھائی اور اٹھنے لگا' تبھی گرمیت سنگھ نے اشارے سے بیٹھنے کو کہا' اور پھر بولا۔

''انسپکٹر..... تم شاید ابھی تک میرا نام سن کر نہیں چونکے ہو' یا پھر تم بہت بھولے بن رہے ہو' میں پرتاپ چینل سے ہوں..... جو کچھ تم نے کہا ہے' یہ ریکارڈ ہو چکا ہے۔''

''تو پھر کیا ہوا صحافی صاحب! خبریں تو روزانہ آتی ہیں' چلائیں شوق سے۔'' یہ کہتے ہوئے وہ باہر نکلتا چلا گیا۔ مہرہ کے چہرے پر تاریکی چھا گئی' وہ کچھ بھی نہیں کر سکا تھا۔ تبھی جسپال سنگھ نے سکون سے کہا۔

''میں ابھی اپنی ایمبیسی سے بات کرتا ہوں۔''

''کوئی فائدہ نہیں ہوگا' یہ کھیل ہی کچھ دوسرا کھیلنا چاہتے ہیں۔'' اس نے یوں کہا جیسے خود کلامی کر رہا ہو' پھر اچانک بولا۔ ''گرمیت اس حملہ آور کی تصویر لو' اور اسے اپنے چینل پر چلاؤ' باقی میں دیکھتا ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ اٹھ گیا۔ گرمیت اٹھا اور اس نے سلاخوں کے پیچھے بیٹھے اس حملہ آور کی ویڈیو بنائی اس نے اپنے چہرے کے آگے ہاتھ رکھ لیے وہ واپس آیا تو کیشیو مہرہ کسی کے نمبر ملانے لگا۔ گرمیت تھانے سے نکلتا چلا گیا۔ مہرہ نے اس ساری صورتحال کے بارے میں کسی کو بتایا اور کچھ کرنے کو کہا' جبکہ جسپال حیرت سے یہ دیکھتا رہ گیا کہ قانون کی پاسداری اس طرح بھی ہوتی ہے؟ تبھی مہرہ نے کہا۔

''آؤ چلیں۔''

وہ دونوں تھانے سے نکل کر باہر آئے تو جسپال کو کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا' کہ یہ ہو کیا رہا ہے۔ وہ اسے لے کر ایک اوپن ایئر ریسٹورنٹ میں لے گیا۔ وہاں بیٹھنے اور سوڈے کا آرڈر دینے کے بعد کیشیو نے کہا۔

''کچھ سمجھے ہو یہ کیا ہو رہا ہے؟''

''مجھے تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے' میرا خیال ہے اس پولیس والے کو رشوت چاہیے ہوگی جو آپ نے نہیں دی۔''

وقار عظیم
پاکستانی پوائنٹ ڈاٹ کام

جسپال نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

''نہیں جسپال' ایسا نہیں ہے' کوئی پولیس انسپکٹر اتنی صاف گوئی' مطلب اتنے دھڑلے سے ایسی بات نہیں کہہ سکتا' اس نے ہمیں ٹالا نہیں چیلنج دیا ہے' سو اس کے پیچھے صرف اور صرف قانون نافذ کرنے والا کوئی ادارہ ہی ہے' کیا تم رن ویر کو بھول رہے ہو وہ ہم سے کوئی ایسی غلطی چاہتے ہیں' جس سے ان کے شک کو یا تو تقویت ملے یا وہ شک دور ہو جائے۔''

''تو آپ کا کیا خیال ہے کہ ہم مظلوم بن جائیں اور ان سے انصاف کی بھیک مانگتے رہیں۔'' جسپال نے تیزی سے کہا۔

''نہیں' صرف اتنا کرنا ہے کہ کوئی غیر قانونی قدم نہیں اٹھانا' وہ تمہارے بارے میں یہ جاننا چاہتے ہیں کہ تمہارے رابطے کس کس سے ہیں۔ کوئی ایک بھی غلط رابطہ تمہیں شک کے دائرے سے نکال کر یقین کے شکنجے میں لے آئے گا۔ گھبراہٹ اور غصے میں ہی غلط قدم اٹھتے ہیں۔ وہ تمہاری یا ہرپریت کے اردگرد لوگوں کی رسائی دیکھنا چاہتے ہیں کہ مدد کے لیے تم لوگ کن لوگوں کو بلاتے ہو' یہیں سے ان کی تفتیش آگے بڑھے گی۔'' مہرہ نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''اس کا مطلب ہے کہ ہم کچھ نہیں کر سکتے' سوائے انتظار کرنے کے.....'' وہ مایوسی بھرے لہجے میں بولا تو مہرہ نے کہا۔

''نہیں' ہم ابھی یہاں سے اٹھ کر اے سی پی کے آفس میں جائیں گے' جو یہاں سے نزدیک ہی ہے۔''

''وہاں جا کر ان سے فریاد کریں گے کہ ایک ادنیٰ سا انسپکٹر' قانون کی پاسداری نہیں کر رہا ہے۔'' وہ تیزی سے بولا تو مہرہ نے سکون سے کہا۔

''بالکل' فریاد ہی نہیں باقاعدہ لکھ کر دیں گی' ہمیں وہاں پر کچھ وقت گزار کر واپس اس تھانے میں' اسی انسپکٹر کے پاس آنا ہے۔''

''کیا آپ بھی کوئی کھیل کھیلنا چاہ رہے ہیں۔''

''بالکل.....! لیکن اس میں تم بالکل یوں دکھائی دو گے کہ جیسے تمہیں کچھ بھی معلوم نہیں' تم پریشان ہو رہے ہو کہ آخر یہ کیا ہو رہا ہے' اس دفتر میں ہمیں تقریباً دو گھنٹے ضائع کرنے ہیں۔'' مہرہ نے سوچتے ہوئے کہا۔ وہ سوڈا پیتا رہا اور سوچتا رہا' پھر اٹھ کر اس دکان کے اندر چلا گیا۔ وہاں سے اس نے ایک فون کال کی' جو تقریباً پانچ منٹ تک چلتی رہی' پھر پیسے ادا کر کے وہ واپس مڑا' جسپال کو ساتھ لیا اور تھانے کی پارکنگ تک چلے گئے۔

وہ اے سی پی آفس میں پہنچے تو وہ اپنے آفس میں نہیں تھا۔ کیشیو مہرہ نے وہیں بیٹھ کر درخواست لکھی اور اس کے ماتحت عملہ کو دے کر ڈائری نمبر لے لیا' اس مرحلے میں تقریباً ایک گھنٹہ صرف ہو گیا۔ اگلا ایک گھنٹہ انہوں نے وہیں بیٹھ کر اے سی پی کا انتظار کیا۔ بالکل آخری چند منٹ میں وہ اپنے آفس آیا تو وہ دونوں اس کے آفس میں چلے گئے۔ وہ ادھیڑ عمر اور تجربہ کار آدمی تھا۔ کیشیو نے جب معاملہ اس کو بتایا تو وہ بولا۔

''اوہ.....! یہ تو وہی معاملہ ہے جس کی خبر ابھی چینل پر چل رہی ہے۔''

''لیکن آپ کے انسپکٹر نے ہماری کوئی بات نہیں سنی' وہ تو بات ہی کچھ اور طرح سے کر رہا ہے۔'' جسپال نے شکایتی لہجے میں کہا۔

''آپ نے درخواست دے دی ہے نا' شام تک اگر وہ اس پر کوئی کارروائی نہیں کرتا تو میں اس معاملے کو خود دیکھوں گا' آپ فکرمند نہ ہوں' میں چھان بین کروں گا کہ ایسا کیوں ہوا۔'' اے سی پی نے تشویش زدہ لہجے میں کہا اور پھر کچھ

تسلی آمیز باتوں کے بعد انہیں بھیج دیا۔ وہ دونوں اس کے آفس سے نکل آئے۔

''اب واپس تھانے جانا ہے' میرے پیچھے آنا لیکن بہت محتاط ہو کر.....'' کیشیو نے کہا اور اپنی گاڑی کی جانب بڑھ گیا۔

وہ جب تھانے پہنچے تو وہاں پر کچھ مزید چینل کے لوگ پہنچ چکے تھے۔ انہوں نے انسپکٹر کو گھیرا ہوا تھا اور اس سے سوال کر رہے تھے۔ انسپکٹر بڑے اعتماد سے جواب دے رہا تھا۔ پھر جیسے ہی ان دونوں پر نگاہ پڑی' وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

''دیکھیں' میں نے آپ کو پہلے بھی بتایا ہے کہ جس طرح پرتاپ چینل نے رپورٹ دی ہے اور جس طرح خبر کو بگاڑ کر پیش کیا ہے' اصل واقعہ ویسے نہیں ہے' میں نے چھان بین کی ہے۔ فائرنگ کا سرے سے کوئی واقعہ پیش آیا ہی نہیں ہے۔''

''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں' وہ لڑکی ہسپتال میں ہے اور زندگی اور موت کی کشمکش میں ہے۔'' ایک خاتون صحافی نے جذباتی انداز میں پوچھا۔

''آپ میری پوری بات سنیں گے تو آپ کو معلوم ہو گا نا۔'' اس نے طنزیہ انداز میں مسکراتے ہوئے کہا اور پھر بولا۔ ''اصل واقعہ صرف اتنا ہے کہ اس موٹر سائیکل سوار کی بائیک غلطی سے ان کی گاڑی کے ساتھ ٹکرا گئی' انہوں نے اتر کر اسے مارا پیٹا' جس کے گواہ موجود ہیں' بھرے بازار میں اسے رگیدا' اسے بری طرح زدوکوب کیا گیا' اور پھر تھانے میں لا کر یہ کہہ دیا کہ اس نے فائرنگ کی ہے۔''

''اس لڑکی کے جو فائر لگے' وہ کہاں سے لگ گئے۔ وہ کس کھاتے میں ہیں.....'' ایک رپورٹر نے سوال کیا۔

''اب صرف یہی مسئلہ حل کرنے والا رہ گیا ہے' میرے خیال میں دو باتیں ہیں' ایک تو کیس مضبوط بنانے کے لیے انہوں نے خود فائر کر لیے ہیں' اور دوسرا خواہ مخواہ کی سنسنی پھیلانے کے لیے یہ ڈرامہ رچایا گیا ہے۔ بہرحال تفتیش جاری ہے اور میں پوری توجہ سے اس کیس کو دیکھ رہا ہوں۔''

''یہ معاملہ کب تک صاف ہو جائے گا۔'' ایک دوسرے صحافی نے پوچھا۔

''دیکھتے ہیں' کب تک ہوتا ہے' کیا نتیجہ نکلتا ہے۔'' انسپکٹر نے کہا اور پھر ہاتھ کے اشارے سے انہیں روکتا ہوا بولا۔ ''اب بس کریں' مجھے اب کچھ مزید کام بھی کرنے ہیں۔''

''انہی لمحات میں جسپال نے ان رپورٹرز کے سامنے اپنی بات کہنا ہی چاہی تھی کہ کیشیو نے اسے روک دیا۔ اس نے مضبوطی سے جسپال کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔ چند منٹ بعد وہ چلے گئے تو انسپکٹر نے کہا۔

''آپ لوگ پھر آ گئے ہو' ممکن ہے میں آپ ہی کو ان سلاخوں کے اندر کر دوں' معاملہ وہی ہے جو میں نے ابھی میڈیا کو بتایا ہے۔''

''انسپکٹر.....! ہم نہیں جانتے کہ تم ایسا کیوں کر رہے ہو' تمہیں ایسا کرنا چاہئے بھی یا نہیں' تمہاری مرضی ہے کہ تم اس واقعے کو کیا رنگ دے رہے ہو لیکن کب تک.....'' کیشیو نے کہا تو وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

''تو جائیں نا' جا کر ایسے وسائل تلاش کریں جن سے آپ کی آواز سنی جا سکے۔ میں جانتا ہوں کہ تم لوگ ابھی اے سی پی صاحب کے آفس سے آئے ہو' کوئی فائدہ نہیں ہو گا' میری مانو' تو خاموشی کے ساتھ یہاں سے نکلو' اور جاؤ اپنے اپنے گھر.....سکون کرو.....وہ لڑکی ٹھیک ہو جائے تو اسے گھر میں آرام کرنے دیں.....گڈ لک.....'' انسپکٹر نے کہا اور باہر کی جانب چل پڑا۔ اسے گئے چند منٹ ہی ہوئے تھے جسپال نے کیشیو سے پوچھا۔

''اب کیا کریں.....؟''

''بس چند منٹ.....'' یہ کہتے ہوئے اس نے گھڑی دیکھی اور پرسکون سا ہو کر کرسی پر بیٹھا رہا۔ چند منٹ ہی گزرے تھے کہ لاک اپ کے اندر سے ایک دم سے اونچی اونچی آوازیں آنے لگیں' پھر آپا دھاپی شروع ہوگئی' تبھی ایک چیخ بلند ہوئی' جس وقت تک دوسرے اہلکار وہاں پہنچتے' اندر سے کسی کی بلبلانے کی آوازیں آتی رہیں۔ وہ دونوں بھی باہر نکلے اور لاک اپ کی سلاخوں کے سامنے چلے گئے۔ وہ جو حملہ آور تھا' وہ بے ہوش پڑا تھا' اس کے سر سے خون بہہ رہا تھا اور اس کے پیچھے چند سپاہیوں نے ایک لمبے تڑنگے شخص کو روکا ہوا تھا جو بپھرے ہوئے انداز میں اسے مارنے کے درپے تھا۔ وہ اونچی اونچی آواز میں اسے گالیاں نکال رہا تھا۔

''یہ کیا ہوا؟'' جسپال کے منہ سے سرسراتے ہوئے نکلا۔

''دیکھتے جاؤ' ہوتا کیا ہے' کھیل شروع ہوگیا ہے۔'' کیشو نے سرد مہری سے ہلکی آواز میں کہا۔ اور واپس انسپکٹر کے کمرے کی طرف بڑھا' تبھی کسی کانسٹیبل نے کہا۔

''ارے یہ مر جائے گا.....اس کے خون بہت بہہ رہا ہے۔''

''وہ دوسرے کے بھی تو اتنا بڑا زخم ہے۔''

''ہسپتال تو لے جانا پڑے گا۔ ورنہ یہ تو ہمارے گلے میں اٹک جائیں گے۔''

''اوئے صاحب کو فون لگاؤ۔''

''وہ باہر ہیں۔''

''تو پھر جلدی بلاؤ یار۔''

وہاں پر اودھم مچ گیا' مہرہ اور جسپال تماشائیوں کی مانند انہیں دیکھتے رہے۔ جسپال کے ذہن میں آ رہا تھا کہ اگر حملہ آور کہیں مر گیا تو سارا ثبوت اور وہ راستہ ختم ہو جائے گا جس سے وہ اپنے اس دشمن تک پہنچتے جس نے حملہ کروایا تھا۔ چند منٹ گزرے ہوں گے کہ انسپکٹر بھاگتا ہوا آ گیا۔ حملہ آور فرش پر پڑا تھا۔ وہ ایک ہی نگاہ میں حالات کی نزاکت بھانپ گیا۔ ان دونوں کے خون بہہ رہا تھا۔ انسپکٹر دونوں ہی کو ہسپتال لیجانے پر مجبور تھا۔ وہ چند لمحے سوچتا رہا پھر تیزی سے بولا۔

''فوراً.....فوراً انہیں ہسپتال لے چلو۔''

''سر.....ایمبولینس کے لیے فون کر دیں سر.....'' ایک کانسٹیبل نے تیزی سے کہا۔

''اوئے نہیں' بہت دیر ہو جائے گی' باہر دیکھو' کوئی وین وغیرہ مل جائے' نہیں تو ٹیکسی ہی پکڑ لینا۔'' انسپکٹر نے حکم دیا تو دو چار کانسٹیبل باہر کی جانب لپکے' تبھی مہرہ نے جسپال سے آہستگی کے ساتھ کہا۔

''چلو' نکلتے ہیں۔''

وہ دونوں اٹھے ہی تھے کہ ایک کانسٹیبل نے مہرہ سے کہا۔

''آپ کی گاڑی بھی تو ہے نا شاب' ان کو لے چلیں۔''

تبھی مہرہ نے ایک نگاہ انسپکٹر پر ڈالی اور طنزیہ لہجے میں بولا۔

''سوری.....ان دونوں میں سے کوئی مر گیا تو تیرے انسپکٹر نے سارا مدعا مجھ پر ڈال دینا ہے جاؤ.....جا کر کوئی دوسری گاڑی تلاش کرو۔''

وہ کانسٹیبل عجیب سی نگاہوں سے گھورتا ہوا ایک طرف ہو گیا جبکہ انسپکٹر نے انہیں غصے میں دیکھا۔ مہرہ نے اس کی کوئی پروا نہیں کی اور آہستہ قدموں سے چلتے ہوئے تھانے سے باہر آ گئے۔ جہاں ایک وین کو ان کانسٹیبلوں نے گھیرا ہوا تھا۔ انہوں نے ڈرائیور کو نیچے اتارا ہوا تھا' ایک ان سے بات کرنے لگا تو دوسرے تھانے کی طرف لپکے' مہرہ پارکنگ میں

اپنی گاڑی کے پاس رک گیا۔ پھر جسپال کی طرف دیکھ کر بولا۔

''تم نے اپنی گاڑی میں میرے پیچھے پیچھے آنا ہے' اگر میں گم بھی ہو جاؤں تو فون پر رابطہ کر لینا۔ کسی بھی غیر یقینی صورتحال میں واپس ہسپتال چلے جانا۔''

''کیا ایسی کوئی خطرناک بات ہے؟'' اس نے تیزی سے پوچھا۔

''میں ایک رسک لینے جا رہا ہوں۔ ہو گیا تو دیکھنا.....'' اس نے یہ کہا ہی تھا کہ ان دونوں حوالاتیوں کو باہر لایا گیا۔ وہ دونوں بے ہوش تھے اور کانسٹیبلوں نے انہیں ڈنڈا ڈولی کے انداز میں اٹھایا ہوا تھا۔ انہیں وین میں لا پھینکا تو وہ چل دی۔ اس وقت مہرہ بھی ان کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔

رش والے علاقے سے نکلتے ہی وہ ایک بڑی سڑک پر آ گئے' جیسے ہی وہ ایک موڑ مڑنے کے لیے آہستہ ہوئے' پیچھے سے آنے والی ایک سفید ویگن نے ان کا راستہ روکنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ ایک سائیڈ دبا کر انہیں رکنے پر مجبور کر دیا۔ تبھی ویگن بھی رک گئی اور اس میں سے پانچ چھ نوجوان گنیں لے کر باہر آ گئے۔ شاید کانسٹیبلوں کے ذہن میں بھی نہیں تھا کہ ایسا ممکن ہو جائے گا۔ ایک نوجوان نے آگے بڑھ کر سائیڈ ڈور کھولا اور انہیں نیچے اترنے کا اشارہ کیا۔ وہ ایک ایک کر کے اترنے لگے' تب تک ایک اور نوجوان ڈرائیور کو نیچے اتار چکا تھا۔ جیسے ہی دونوں حوالاتی اندر وین میں رہ گئے، وہ اس وین میں بیٹھ گئے' دونوں ویگنیں چل پڑیں اور وہ کانسٹیبل اور ڈرائیور وہیں کھڑے منہ تکتے رہ گئے۔ جسپال یہ سب دیکھ رہا تھا' اور سمجھ چکا تھا کہ مہرہ نے کیا کھیل کھیلا ہے' اس لیے دھیرے سے مسکرا دیا۔

آگے دو ویگنیں تھیں' اس کے پیچھے مہرہ اور اس کے بعد جسپال' تیزی سے جا رہے تھے۔ اچانک حوالاتیوں والی وین سیدھی نکلتی چلی گئی اور کراس پر سے دوسری وین دائیں جانب مڑ گئی اور مہرہ بائیں جانب چلا گیا' جسپال کو سمجھ نہیں آئی کہ ایسا کیوں ہوا لیکن اس نے مہرہ کا تعاقب جاری رکھا۔ تقریباً دس منٹ کی ڈرائیونگ کے بعد وہ ایک ایسی جگہ آ نکلے جہاں بہت کم آبادی تھی۔ زیادہ تر فیکٹریاں تھیں۔ اسے لگا کہ یہ فیکٹری ایریا ہے' مہرہ پختہ تارکول والی سڑک سے اتر کر نیم پختہ راستے پر چل پڑا اور پھر ایک فیکٹری کے آگے جا رکا' اگلے ہی لمحے گیٹ کھل گیا اور وہ اس کے پیچھے پیچھے اندر چلا گیا۔ وہ سفید وین وہاں کھڑی تھی' کچھ ہی دیر بعد وہ ایک ہال نما کمرے میں تھے' جہاں اچھا خاصا کاٹھ کباڑ پڑا ہوا تھا۔ وہیں زمین پر وہ دونوں حوالاتی پڑے ہوئے تھے۔ چند نوجوان ان کے اردگرد کھڑے تھے۔ مہرہ کو دیکھتے ہی ایک نے کہا۔

''سر.....! جگ دیو کو لے جائیں۔''

''ڈاکٹر نہیں آیا.....؟'' اس نے سوال نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

''وہ اس وقت نہیں ہے مگر ڈسپنسر ہے' وہ آ رہا ہے۔'' لفظ اس کے منہ ہی میں تھے کہ ایک ادھیڑ عمر سا بندہ ہال میں داخل ہوا۔ اس کے پاس میڈیکل بیگ تھا۔ اس نے آتے ہی ان دونوں کو دیکھا جو اس وقت ہوش میں تھے۔

''پہلے جگ دیو کی پٹی وغیرہ کرو' اسے بعد میں دیکھنا شاید اس کی ضرورت نہ پڑے۔'' مہرہ نے سرد لہجے میں کہا تو حملہ آور نے حسرت بھری نگاہوں سے مہرہ کو دیکھا' ڈسپنسر نے جگ دیو کو دیکھنا شروع کیا' تو مہرہ اس حملہ آور کے پاس بیٹھ گیا' پھر سرد سے لہجے میں غراتے ہوئے بولا۔

''دیکھ.....! اب زندگی اور موت دونوں تیرے اپنے اختیار میں ہے جو کچھ میں پوچھنا چاہتا ہوں' وہ اگر سچ بتا دے گا تو تیری مرہم پٹی کر کے تجھے اچھا کھانا دیا جائے گا' اور شہر میں سکون سے چھوڑ دیں گے۔ اور اگر نہیں بتائے گا تو مار کر ایسی گندی جگہ پھینکوں گا' جہاں پر کتے تجھے نوچ نوچ کر تیری شناخت ہی ختم کر دیں گے.....اب بول کیا کرنا ہے۔''

کیشیو مہرہ کہتا چلا جا رہا تھا اور اس حملہ آور کی آنکھوں میں وحشت کے ساتھ خوف پھیلتا چلا گیا۔ وہ چند لمحے سوچتا رہا پھر بولا۔

''انسپکٹر رن ویر..... ہم اس کے لیے کام کرتے ہیں۔'' اس نے تھوک نگلتے ہوئے کہا۔

''تمہارا تعلق فورسز سے ہے؟'' مہرہ نے پوچھا۔

''نہیں..... وہ وقتاً فوقتاً ہم سے کام لیتا ہے اور ہماری مدد کرتا رہتا ہے۔'' اس نے کہا تو وہ اٹھ کر بولا۔ ''بھگوان کے لیے..... میرا اتنا جرم نہیں ہے..... جتنا.....''

''تم نہیں جانتے۔ تم نے کیا کیا ہے' خیر.....! اگر تمہارا کہا جھوٹ ہوا تو.....'' مہرہ نے پوچھا تو ایک دم سے وہ مایوس ہو گیا' پھر گھگھیائے ہوئے لہجے میں بولا۔

''آپ تصدیق کر لیں۔''

''وہ تو میں کروں گا..... تب تک تم یہاں ہمارے مہمان رہو گے..... سچ ہوا تو چھوڑ دیں گے' جھوٹ ہوا تو.....''

جسپال یہ سب دیکھ رہا تھا اور سن رہا تھا۔ ذہن کے کسی گوشے میں یہ خیال تو تھا کہ رن ویر اسے نقصان پہنچانے کے لیے ہی اس کے ساتھ جڑا ہوا ہے لیکن وہ قانونی تناظر میں سوچ رہا تھا' اسے یہ گمان بھی نہیں تھا کہ وہ یوں غنڈہ گردی کرے گا' اس کی رگوں میں خون تیزی سے دوڑنے لگا تھا۔ اس کا من چاہ رہا تھا کہ ابھی جائے اور رن ویر سنگھ کو شوٹ کر دے' تاہم سوچنے اور اس پر عمل کرنے میں کچھ فرق ضرور ہے اور اس کے لیے وقت چاہیے ہوتا ہے۔

''آؤ چلیں.....'' مہرہ نے اس کا بازو پکڑا اور باہر کی جانب چل دیا۔ باہر برآمدے میں آ کر جسپال نے بڑے جذباتی انداز میں کہا۔

''کیشیو..... رن ویر پارٹی بن جائے گا' یہ تو میں نے سوچا بھی نہیں تھا۔''

''جسپال.....! تمہارے بارے میں میرا اندازہ یہ ہے کہ تم نہ یہاں کی دوستی سمجھ سکتے ہو اور نہ ہی دشمنی۔ یہاں قانون کی پاسداری نہیں ہے' سب سے پہلے دھرم' پھر مفاد اور اکثر اوقات دھرم کہیں پیچھے رہ جاتا ہے اور مفاد ہی سب سے پہلے ہوتا ہے۔ رن ویر کس کی لڑائی لڑ رہا ہے' نرنکاریوں کے لیے..... اپنے ڈیپارٹمنٹ کے لیے..... یا قانون کے لیے..... میں اس پر کوئی تبصرہ نہیں کرتا' لیکن جو حقیقت تمہارے سامنے آئی ہے' اس پر تم خود فیصلہ کر سکتے ہو۔''

''تو پھر فیصلہ کیشیو مہرہ..... مجھے پنڈ اوگی ہی میں رہ کر سب کچھ کرنا ہے.....'' جسپال نے سرد لہجے میں کہا تو مہرہ چونک گیا' چند لمحے سوچتا رہا پھر جوشیلے انداز میں بولا۔

''بالکل درست.....! تم اپنی زمین اور حویلی کے بارے میں فکر مت کرنا' جائیداد کا مسئلہ مجھ پر رہا' جب تک تم بلجیت سنگھ کو اپنے پاؤں کے نیچے نہیں لے لیتے ہو' تب تک تم جو بھی کرو گے..... یہ تمہارا تعاقب کریں گے۔''

''ٹھیک ہے.....'' جسپال نے فیصلہ کن انداز میں کہا اور وہاں سے چل دیے۔ دونوں گاڑی تک آئے اور آگے پیچھے نکلتے چلے گئے۔

❁ ❁ ..... ❁ ..... ❁ ❁

سہ پہر کا وقت ہو گیا تھا۔ میں دلبر کے گھر سے نکل آیا تھا' ڈی ایس پی سے بات کرنے کے بعد میں دلبر کے گھر چلا گیا تھا کہ جو لوگ اب بھی وہاں موجود ہیں انہیں معلوم ہو کہ دلبر کے لواحقین کے سر پر ہم ہیں۔ سہ پہر تک سارے مہمان وغیرہ جا چکے تھے جب سکون ہو گیا تو میں اپنے گھر کی جانب چل پڑا۔ میں پیدل ہی جا رہا تھا۔ چوک میں پہنچا تو حسب معمول برگد کے درخت تلے کافی سارے لوگ جمع تھے۔ ان میں زیادہ تر نوجوانوں ہی کی تعداد تھی۔ میں بھی ان کے پاس

جا کر ایک چارپائی پر بیٹھ گیا۔ تبھی ایک جوشیلے سے نوجوان نے مجھ سے پوچھا۔

''جمال.....! یار یہ شاہ زیب تیرے پیچھے ہی کیوں پڑ گیا ہے' کہیں اس لڑکی کا چکر تو نہیں ہے؟''

''یہ تمہارا چکر سے مراد کیا ہے؟'' میں نے جواب دینے کی بجائے اس سے پوچھ لیا۔

''یہی کہ اسے وہ پسند آ گئی ہو' جبکہ وہ تمہارے پاس ہے۔'' اس نوجوان نے کہا۔

''نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔'' میں نے انکار کرتے ہوئے کہا۔

''تو پھر بات کیا ہے۔'' اس نے تجسس سے پوچھا۔

''بس دو چار دن ٹھہر جا یار' تجھے خود بخود معلوم ہو جائے گا مگر یہ ذہن میں رکھو کہ شاہ زیب اتنا گھٹیا نہیں کہ وہ اس لڑکی کی وجہ سے میرا دشمن بن گیا ہے۔'' میں نے پھر سے انکار کر دیا تو ایک سنجیدہ سے نوجوان نے کہا۔

''جمال' پورے گاؤں میں یہ تجسس ہے' نجانے کیسی کیسی افواہیں گھوم رہی ہیں یہ تو سچ ہے نا کہ جب سے اس لڑکی کے نور نگر میں قدم پڑے ہیں قتل و غارت شروع ہو گئی۔''

''میں تیری ساری باتیں مانتا ہوں..... میں تو اس کے چکر والی بات کا جواب دے رہا ہوں۔ لڑکی کے بارے میں شاہ زیب کی سوچ وہ نہیں ہے جو یہ سوچ رہے ہیں۔ معاملات کچھ دوسرے ہیں۔ یہ ساری افواہیں اور تجسس چند دن میں ختم ہو جائے گا۔'' میں نے اشارے میں جواب دیا۔ ظاہر ہے وہ میری بات سے مطمئن تو ہونے والے نہیں تھے۔ اس لیے مجھ سے پوچھا۔

''تمہارے ساتھ دشمنی کا معاملہ کیا ہے؟''

''دیکھو.....! وہ مجھے اپنے باڈی گارڈ بنا کر اپنا غلام بنانا چاہتا ہے' سردار شاہ دین نے خود مجھ سے یہ کہا ہے' مگر میں ایسا نہیں چاہتا۔ میں جو دوسروں کو ان کی غلامی سے نکالنا چاہتا ہوں' ان کا غلام کیسے بن جاؤں۔ میرا انکار انہیں پسند نہیں آیا' اس لیے وہ میرے دشمن ہیں۔'' میں نے کچھ سچ اور کچھ جھوٹ کا سہارا لے کر انہیں مطمئن کرنے کی کوشش کی۔

''مان لی تمہاری بات' لیکن لڑکی والا قصہ کیا ہے؟'' اسی نوجوان نے بحث کرتے ہوئے کہا۔

''کہا نا دو چار دن میں معلوم ہو جائے گا۔'' میں زچ ہوتے ہوئے کہا تو وہاں پر خاموشی چھا گئی' پھر اس بارے میں کسی نے سوال نہیں کیا۔

اگرچہ میں نے انہیں جھوٹ سچ کہہ کر وقتی طور پر ان سے جان چھڑا لی تھی' لیکن مجھے یہ احساس ہونے لگا کہ گاؤں نور نگر کے مکینوں کو اس لڑکی کے بارے میں تجسس ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ اس معاملے میں کہیں نہ کہیں سوہنی کا عمل دخل ہے۔ ان کے نزدیک تو وہ ایک طوائف ہی تھی جو ناچنے کے لیے میلے میں آئی تھی اور پھر وہ میرے گھر میں ٹھہری۔ میرے ذہن میں جو ایک دم سے سوال ابھرا تھا وہ یہ تھا کہ اگر سوہنی کو سردار شاہ دین قبول کر لیتا ہے تو کیا نور نگر یا پورے علاقے کے لوگ اس انہونی کو قبول کر لیں گے؟ کیا اس قبولیت کے ساتھ سردار شاہ دین کا ماضی سامنے نہیں آئے گا؟ جس میں اس کا کردار کوئی قابل تحسین نہیں تھا۔ اگر سردار شاہ دین اسے بیٹی کے طور پر قبول کر لیتا ہے تو کیا سوہنی پر سے طوائف کا لیبل اتر جائے گا؟ کیا اسے سردار زادی کے طور پر لوگ قبول کر لیں گے؟ کیا سردار شاہ دین کی عزت و احترام کی وہ سطح رہ جائے گی جو انہوں نے اپنے تئیں بلند مقام پر رکھی ہوئی تھی؟ ایک دم سے ہی کئی سارے سوال میرے ذہن میں اترتے چلے گئے۔ میرا وجدان کہہ رہا تھا سردار اپنے رعب و دبدبے کے آگے ہر شے قربان کر دیتے ہیں۔ سردار شاہ دین کبھی بھی اپنی ساکھ' عزت و احترام' مقام اور مرتبے سے نیچے نہیں آ سکتا۔ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ وہ اپنے دل سے مجبور ہو کر اولاد کا درد محسوس کرتے ہوئے اور بیٹی کی ہمدردی میں اسے قبول کر لے گا تو وہاں اتنے ہی یہ چانس تھے کہ وہ ضرور کوئی سازش کر کے سوہنی ہی کو ختم

کردے' پھر اس کے لیے کوئی مسئلہ نہیں رہے گا' چہ جائیکہ شاہ زیب اور شاہ دین میں سوہنی کے معاملے میں مخالفت بھی پیدا ہوگئی تھی۔ ممکن ہے شاہ دین اپنی عمر کے تقاضے کو دیکھتے ہوئے خاموشی سے یہ سمجھوتہ کرلے' مگر شاہ زیب نے تو ابھی حکمرانی کرنا تھی' وہ اپنے نام کے ساتھ یہ کیسے برداشت کرسکتا ہے کہ اس کی بہن طوائف زادی ہے' اس لیے مجھے نہیں لگتا تھا کہ سردار سوہنی کے بارے میں کوئی اچھا فیصلہ کرنے والے تھے۔ اس سمجھوتے میں وہ سوہنی سے جان چھڑانے والی بات ہی کریں گے۔ کیونکہ سمجھوتے کبھی دل سے نہیں کیے جاتے' مجبوری میں کیے جاتے ہیں۔ اگرچہ میں ان نوجوانوں کے ساتھ بیٹھا گپ شپ کرتا رہا تھا' لیکن یہ سوال جو میرے ذہن میں پیدا ہو رہے تھے' مجھے بے چین کر رہے تھے۔ یہاں تک کہ شام ہوگئی اور دن ڈھل گیا۔ میں وہاں سے اٹھ کر گھر کی طرف چل پڑا۔

میں جب گھر پہنچا تو بھیدہ دودھ دے کر جا چکا تھا۔ مجھے صحن میں آتا دیکھ کر ماں نے دور ہی سے کہا۔

''منہ ہاتھ دھو کے آجا پتر..... کھانا کھالے۔''

میں وہیں سے باتھ روم کی طرف مڑ گیا۔ پھر جب پارچائی پر آکر بیٹھا ہی تھا کہ باہر کا گیٹ بج اٹھا۔

''یار اس وقت کون آگیا؟'' میں نے بڑبڑاتے ہوئے اٹھنا چاہا تو دالان میں کھڑی سوہنی نے کہا۔

''تم بیٹھو' میں دیکھتی ہوں۔'' یہ کہہ کر اس نے گیٹ کی جانب قدم بڑھا دیئے۔ تبھی اماں نے تیزی سے پکارا۔

''سوہنی.....! ادھر واپس آجا' میں دیکھتی ہوں' سوجن' سو دشمن' پتہ نہیں باہر کون ہے؟''

سوہنی کے قدم وہیں رک گئے۔ اماں اس کے قریب سے گزر کر باہر گیٹ کے پاس چلی گئی۔ کچھ ہی دیر بعد چھوٹا گیٹ کھلا اور ڈی ایس پی اندر آگیا۔ میں نے اسے دیکھ کر اٹھنا چاہا تو وہ دور سے ہی بولا۔

''بیٹھو' بیٹھو..... مجھے ذرا جلدی تھی' اس لیے میں آگیا۔''

میں اتنی دیر میں کھڑا ہوگیا تھا۔ اس سے مصافحہ کیا' تب تک سوہنی اندر سے کرسی لے آئی تھی۔ وہ اس پر بیٹھ گیا۔ تبھی اس نے سوہنی کو بھی بیٹھنے کے لیے کہا' وہ میرے ساتھ چارپائی پر بیٹھ گئی' لیکن اماں کچن کی طرف چلی گئی۔

''سوہنی.....! صبح جو ہمارے درمیان بات ہوئی تھی وہ میں نے سردار شاہ دین سے کردی اور پھر اس پر تفصیلی بات چیت بھی ہوئی' وہ مانتے ہیں کہ تم ان کی بیٹی ہو' لیکن شاہ زیب آڑے آچکا ہے۔''

''وہ تو میں نے کہہ دیا مجھے جائیداد نہیں چاہیے پھر وہ کیوں نہیں مانتا۔'' سوہنی نے تیزی سے کہا۔

''وہ صرف اس بات سے خائف ہے کہ تم ایک طوائف ہو۔ وہ اپنے ساتھ تمہارا نام جوڑنا نہیں چاہتا۔'' وہ آہستگی سے بولا۔ تب سوہنی مایوسانہ انداز میں بولی۔

''تو پھر کیا کہتے ہیں وہ.....؟''

''شاہ دین نے تو اپنا موقف بتا دیا تھا لیکن اس وقت تو معاملہ شاہ زیب کا ہے۔'' ڈی ایس پی نے کہا تو وہ غصے میں بولی۔

''وہ کیا کہتا ہے' مطلب' وہ کیا چاہتا ہے کہ میں خودکشی کرلوں۔''

''اس کا کہنا ہے کہ جتنی چاہے تم دولت لے لو..... مگر اس حق سے دستبردار ہو جاؤ کہ تم سردار شاہ دین کی بیٹی ہو۔''

''مطلب' وہ میری قانونی حیثیت قبول نہیں کرنا چاہتا۔'' سوہنی نے سوچنے والے انداز میں کہا۔

''بظاہر تو یہی لگتا ہے۔'' وہ بھی تقریباً مایوس ہوگیا۔

''او کے ڈی ایس پی صاحب' آپ نے تو محنت کی' لیکن سردار ایسا نہیں چاہتے' نہ سہی' میں کل عدالت میں رٹ

دائر کردیتی ہوں' پھر سارے ملک کو پتہ چل جائے گا' یہ رات درمیان میں ہے۔ رہی زندگی تو کل عدالت میں..... آپ بھی اپنا موقف دے دیں گے نا.....'' سوہنی نے اپنی بات کہتے کہتے اس سے پوچھا۔

''میں تو قانون کے مطابق بات کروں گا' میں بہرحال اپنی رپورٹ آج ہی بنا کر بھیج دوں گا۔ اپنے اعلیٰ افسران کو' پھر وہ جانے اور آپ یا سردار.....'' وہ آہستگی سے بولا' پھر اٹھتے ہوئے کہنے لگا۔ ''بہرحال.....! آج رات آپ اپنا خیال رکھیں' میں کچھ نفری یہاں چھوڑے جا رہا ہوں..... وہ آپ کی حفاظت کریں گے۔''

''نہیں ڈی ایس پی صاحب' یہ بچارے سارا دن کے تھکے ہوئے' رات کیا ڈیوٹی دیں گے۔ ہم خود اپنی حفاظت کرلیں گے۔''

''بیٹھو' پتر کھانا کھالو..... جو دال ساگ بنا ہے چکھ لو۔'' اماں نجانے کس وقت ٹرے میں کھانا رکھے وہاں آگئی تھیں۔

''اماں جی.....! اس وقت مجھے قطعاً بھوک نہیں ہے۔ میں سرداروں کے ہاں سے کھانا کھا کر نکلا ہوں۔ لیکن کہتے ہیں کہ کھانا سامنے آجائے تو انکار نہیں کرنا چاہیے' آپ صرف ایک کپ چائے پلا دیں' کھانا ہوگیا۔'' یہ کہہ کر وہ دوبارہ بیٹھ گیا۔ میں نے اماں کو کھانا واپس لے جانے کا اشارہ کردیا۔ تبھی سوہنی بھی اٹھ گئی۔ میں اور وہ دونوں اکیلے رہ گئے۔ تبھی وہ بولا۔

''جمال..... اتم کوئی تیسری راہ نکال سکتے ہو؟''

''تیسری راہ تو تبھی نکل سکتی ہے نا جناب کہ اگر دونوں طرف سے مخلص ہوں' اب دیکھیں سوہنی صرف اپنی شناخت چاہتی ہے' جائیداد کا حق نہیں۔ دوسری طرف سے نہ شناخت دی جا رہی ہے اور حق..... بلکہ منہ بند کرنے کی قیمت دی جا رہی ہے۔'' میں نے کہا تو وہ بولا۔

''وہی نا..... یہ تو سامنے ہے' تیسرا کوئی حل۔''

''میں وہی کہہ رہا ہوں نا کہ ایک طرف کے لوگ مخلص نہیں ہیں۔'' میں نے پھر اپنی بات پر زور دیتے ہوئے کہا تو اس نے تجسس سے پوچھا۔

''یہ تم کس بنا پر کہہ رہے ہو؟''

''اس لیے کہ انہیں یہ اچھی طرح معلوم ہے کہ سوہنی کے پاس عدالت جانے کا حق ہے' لیکن یہ حق اس وقت ختم ہو جائے گا جب وہ عدالت پہنچ ہی نہیں پائے گی' ان سرداروں کے دماغ میں کہیں ہے کہ سوہنی کی زندگی کا خاتمہ' ان کے لیے نجات ہے۔ انہوں نے قانون کی آنکھ میں دھول اس طرح جھونکی ہے کہ دونوں باپ بیٹا ڈرامہ کر رہے ہیں۔ ایک مانتا ہے' ایک نہیں مانتا۔ اور موقع پاتے ہی سوہنی نہیں رہے گی۔ حالانکہ سوہنی نے یہ بھی کہا ہے کہ وہ اپنی شناخت لے کر یہ ملک ہی چھوڑ جائے گی' تو پھر انہیں ڈر کیوں ہے؟'' میں نے تفصیل سے بتایا تو وہ چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔

''بات تو دل کو لگتی ہے' سوہنی کی زندگی کو خطرہ تو ہے' لیکن سوال یہ ہے کہ تم اس کی حفاظت کر پاؤ گے۔ وہ یہاں سے کہیں محفوظ جگہ پر چلی کیوں نہیں جاتی؟''

''میں تو اپنی پوری کوشش کروں گا کہ اس کی حفاظت کروں' اور جہاں تک چلے جانے کا تعلق ہے تو کیا آپ سمجھتے ہیں کہ وہ لاہور میں بھی محفوظ ہوگی۔ وہاں پر تو وہ زیادہ ان کے نشانے پر ہوگی۔ اب تک انہوں نے یہ ڈرامہ کیوں کیے رکھا' وہ اب اس کی موومنٹ پر نگاہ رکھیں گے۔ آج رات نکلے یا کل صبح' انہوں نے حملہ کرنا ہی کرنا ہے۔''

''تم اتنے پر یقین ہو۔'' اس نے تجسس سے پوچھا تو میں نے بڑے تحمل سے کہا۔

''جی ڈی ایس پی صاحب.....! میں بچپن سے انہیں سمجھ رہا ہوں جو کچھ یہ سوچ کر بیٹھے ہوئے ہیں' میں وہ قطعاً نہیں ہونے دوں گا کہ سوہنی میری پناہ میں ہے' آپ کیوں نہیں سمجھتے یہ ان کی جائیداد ہی کا نہیں حکمرانی کا بھی مسئلہ ہے' ایسی دس بیٹیاں وہ قربان کر دیں۔''

''سردار شاہ دین تو بہت جذباتی ہے۔''

''لیکن وہ بہت بڑا ایکٹر بھی ہے۔ بڑا زبردست ڈرامہ کرتا ہے۔'' میں نے ہنستے ہوئے کہا تو وہ بھی ہنس دیا۔

اس دوران سوہنی چائے لے کر آ گئی' وہ آہستہ آہستہ سپ لے کر پینے لگا۔ پھر بولا۔

''اب دیکھو.....! مجھے سو کام ہیں' لیکن کل سے انہوں نے مجھے الجھایا ہوا ہے۔ خیر..... تم لوگ اپنی طرف سے درخواست لکھ کر دے دو' کہ آپ کو سرداروں سے خطرہ ہے' میں اب جاتے ہوئے انہیں پابند کر جاؤں گا۔''

''سوہنی چاہے تو دے دے درخواست' مجھے ضرورت نہیں ہے۔'' میں نے کہا تو گیٹ بج اٹھا۔ اس وقت کون ہو سکتا ہے۔ میں اٹھ کر باہر کی طرف گیا' وہاں فخرو کھڑا تھا' سرداروں کا خاص ملازم۔

''ہاں بولو!''

''ڈی ایس پی صاحب یہیں ہیں۔'' اس نے پوچھا۔ حالانکہ وہ اچھی طرح چائے پیتے ہوئے نفری کے لوگ اور گاڑی دیکھ چکا تھا' میں نے پھر بھی تحمل سے جواب دیا۔

''ہاں..... ہیں۔''

''میں ان سے مل سکتا ہوں۔''

''آ جاؤ.....'' میں نے کہا اور اندر آنے کے لیے راستہ چھوڑ دیا۔ وہ میرے ساتھ ہی چارپائی تک آیا اور پھر بیٹھ گیا۔ ڈی ایس پی اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

''بولو' کیا کہنا ہے؟''

''سردار صاحب کہہ رہے ہیں کہ جاتے ہوئے حویلی کی طرف سے ہو کر جائیں۔''

''کیوں.....؟'' اس نے قدرے تلخی سے پوچھا۔

''جی' یہ تو نہیں معلوم' انہوں نے پیغام دیا.....''

''انہیں کہو کہ میں نے سارا دن گزار لیا' ان کے کام کے لیے' اب مجھے کچھ اور بھی کرنا ہے' میں ان کا ذاتی ملازم نہیں ہوں' انہیں بتا دینا کہ میں کل پورے علاقے کی خود پنچائت بلا رہا ہوں اپنے آفس میں' انہیں بھی آنا ہوگا' کیونکہ مجھے کل تک ہر صورت میں رپورٹ بنا کر بھیجنی ہے۔'' ڈی ایس پی نے نجانے کیوں ایسا کہہ دیا۔

''جی' وہ شاید آپ سے یہی کہنا چاہ رہے ہیں کہ کل کاغذات کی تکمیل کروا لیں' سردار صاحب لکھ دیں گے جو چاہیں گے.....'' فخرو نے جھجکتے ہوئے کہا جیسے اس کی چوری پکڑی گئی ہو۔ اس سے پہلے کہ ہم میں سے کوئی بولتا' سوہنی نے دالان ہی سے کہا۔

''سنو فخرو! جاؤ اور جا کر سردار صاحب سے کہہ دو' اس کے پاس صرف دو گھنٹے ہیں' میں ڈی ایس پی صاحب کی منت سماجت کر کے انہیں روک لیتی ہوں۔ اگر وہ یہاں آ کر طے کر لیں تو ٹھیک' ورنہ میں انہی کے ساتھ واپس جا رہی ہوں' پھر عدالت ہی میں ملاقات ہوگی۔ میں تو اپنے باپ کا پاس کر رہی ہوں' اگر میرا باپ ہی پاس نہیں رکھنا چاہتا تو پھر میں کیا کروں۔''

''بی بی جی.....! قانونی طور پر معاملہ طے کرنے میں عدالتی کاغذات کی ضرورت ہوتی ہے نا' وہ تو اب صبح ہی ملیں گے..... وہ یہی کہنا چاہ رہے ہیں کہ آپ کو بھی اور وہ بھی ان صاحب کے دفتر میں بیٹھ کر کاغذات تیار کروا کر.....''

''کاغذات ہیں میرے پاس۔ وہ آئیں اور ان پر دستخط کر دیں' بس..... میں اس صورت میں بھی واپس چلی جاؤں گی' یہاں نہیں رہوں گی۔'' سوہنی کے لہجے میں غصہ سلگ رہا تھا۔

''ہاں بھئی جاؤ' میں آدھا گھنٹہ یہاں انتظار کر لیتا ہوں' تب تک آ گئے سردار صاحب تو ٹھیک ورنہ ہر ایک کی اپنی مرضی.....'' ڈی ایس پی نے کہا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ پھر میری طرف دیکھ کر بولا۔ ''مجھے تھوڑا آرام کرنا ہے۔''

''چلیں۔'' میں نے باہر والے کمرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تو وہ میرے ساتھ بڑھ گیا۔

میں اس وقت کھانا کھا چکا تھا' جب چھاکا حواس باختہ سا گھر میں داخل ہوا۔ اسے کسی نے غلط اطلاع دے دی تھی کہ پولیس مجھے پکڑنے کے لیے آئی ہے' جب اسے ساری بات کا پتہ چلا تب وہ پرسکون ہو گیا۔ آدھا گھنٹہ گزر گیا تھا' ڈی ایس پی باہر والے کمرے سے اٹھ کر جانے کے لیے تیار ہو رہا تھا کہ میری توقع کے مطابق سردار شاہ دین وہاں آن پہنچا۔ باہر والے کمرے میں سردار' ڈی ایس پی' میں اور سوہنی کے علاوہ فخرو اور چھاکا بھی تھے۔ سردار چند لمحے خاموش بیٹھا رہا' پھر گویا ہوا۔

''میں سمجھتا ہوں کہ اگر بات عدالت اور عدالت سے میڈیا تک پہنچی' تب مجھے سوہنی کو اپنی بیٹی قرار دینا ہی پڑے گا' لیکن اس کے علاوہ مجھ پر کیا چارج ہوں گے۔ انہیں میں بخوبی جانتا ہوں۔ شاہ زیب کو فقط اپنی جائیداد دکھائی دے رہی ہے' جو ساکھ وہ بچانا چاہتا ہے' وہ نہیں بچے گی' میں پورے دل سے سوہنی کو اپنی بیٹی مانتا ہوں' کل عدالت میں جا کر جو قانونی کارروائی میری بیٹی چاہے' میں اس کے لیے تیار ہوں۔'' یہ کہتے ہوئے وہ اٹھا اور اس نے اپنی بانہیں پھیلا دیں۔ یہی وہ نازک ترین مرحلہ تھا' جہاں سوہنی جذبات میں آ کر کچھ بھی فیصلہ کر سکتی تھی' میں اچھی طرح جانتا تھا کہ سردار کا یہ فیصلہ بہت سوچ بچار کے بعد کیا گیا ہے' وہ باپ کے گلے لگ کر رو رہی تھی' کچھ وقت ایسے ہی گزر گیا۔ ماحول میں سوگواریت گھل گئی تھی۔ تبھی وہ اس سے الگ ہوئی اور اندر کی جانب چلی گئی۔ میں خاموش تھا۔

''ٹھیک ہے سردار صاحب! کل پھر رپورٹ بنا کر میں بھجوا دوں گا کہ فریقین میں سمجھوتہ ہو گیا ہے۔ آپ کل آ کر دستخط کر دیں۔''

''رپورٹ بنانے میں کونسا وقت لگتا ہے' آپ ابھی بنا لیں۔ ابھی دستخط کر دیتا ہوں۔'' سردار شاہ دین نے خلوص سے کہا' تبھی ڈی ایس پی نے باہر سے ایک انسپکٹر کو بلوا لیا اور اسے رپورٹ تیار کرنے کو کہا۔ ظاہر ہے کاغذ قلم تو مجھی سے مانگنا تھا' میں نے چھاکے کو اشارہ کیا کہ وہ الماری میں سے کاغذ نکال لایا' اتنی دیر میں سوہنی اندر سے برآمد ہوئی اور کمرے میں آ گئی۔ اس کے ہاتھ میں اسٹام پیپرز تھے۔ اس نے آتے ہی وہ اسٹام پیپرز ڈی ایس پی کو دے دیئے۔ پھر بولی

''آپ اسے دیکھیں اور پڑھیں' پھر میری نیت کا اندازہ لگائیں۔ یہ میں نے ایک ہفتہ قبل تیار کروائے ہیں۔ میں کچھ نہیں کہوں گی۔ آپ بابا کو بتا دیں' بابا خود پڑھ لیں۔''

ڈی ایس پی نے پہلے وہ دستاویز خود پڑھی' پھر سردار کو دے دی۔ جس میں تقریباً بیس منٹ صرف ہو گئے۔ چھاکا' کاغذات کا ایک دستہ لے کر آ گیا تھا جو اس نے انسپکٹر کو دے دیا۔

''سردار صاحب! یہ تو بڑا معقول مطالبہ ہے' یہ آپ سے شناخت مانگ رہی ہے' اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔'' ڈی ایس پی نے کہا۔

''ہاں.....! مجھے قبول کرنے میں کوئی انکار نہیں۔ میں ابھی دستخط کر دیتا ہوں۔ بس شاہ زیب سے خوف آتا ہے کہ وہ اسے نقصان نہ پہنچائے۔ یہ چاہے لاہور میں رہے یا پھر کسی غیر ملک میں' میں ہر طرح اس کے ساتھ ہوں' روپے پیسے کی فکر نہ کرنا.....'' سردار نے انتہائی جذباتی انداز میں کہا۔ پھر دستاویزات پر دستخط کر دیئے۔ کچھ دیر بعد انسپکٹر نے رپورٹ

وقار عظیم
پاکستانی پوائنٹ ڈاٹ کام

تیار کر دی' گواہان میں فخر و اور چھا کا تھے۔ ڈی ایس پی اور میں نے بھی دستخط کیے' یوں بڑے اطمینان سے یہ مرحلہ سر ہو گیا۔ ڈے ایس پی خوش تھا کہ اس نے یہ معرکہ مار لیا ہے اور اس کی محنت رنگ لے آئی تھی۔ تقریباً دو گھنٹے بعد جب اٹھنے لگے تو سردار نے اپنی جیب سے بڑے نوٹوں کی ایک گڈی نکالی اور سوہنی کو دیتے ہوئے بولا۔

''یہ رکھ لو..... تمہارے کام آئیں گے۔''

سوہنی نے بڑے آرام سے وہ گڈی پکڑی' اس میں سے آدھے نوٹ نکال کر انسپکٹر کی جانب بڑھا دیئے۔ ''یہ باہر بیٹھے ان بے چاروں کے لیے ہیں' جو صبح سے.....'' یہ کہتے ہوئے اس نے جان بوجھ کر فقرہ ادھورا چھوڑ دیا۔ ڈی ایس پی چند لمحے سوچتا رہا' پھر اس نے نوٹ لے لینے کا اشارہ کر دیا۔ پہلے سردار شاہ دین نکلا' پھر اس کے بعد پولیس والے چلے گئے۔ سوہنی بہت پہلے کاغذات لے کر اندر چلی گئی تھی۔ چھاکے نے میری طرف دیکھا اور مسکرا دیا۔ میں بھی مسکرا دیا تو وہ سمجھ گیا کہ میں کیا چاہتا ہوں' وہ باہر چلا گیا۔ میں نے دروازہ لگایا اور صحن میں نکل آیا' سوہنی اماں کے ساتھ لپٹی ہوئی بیٹھی تھی۔ خوشی سے اس کا چہرہ کھلا ہوا تھا۔ مجھے دیکھ کر وہ ٹھٹکی' مجھے لگا کہ وہ وارفتگی میں میرے گلے آ لگے گی' اس لیے بجائے ان کے قریب جانے کے چھت کی راہ لی۔

کھلی فضا میں گہرے گہرے سانس لیتے ہوئے میں خود پر قابو پا رہا تھا۔ یہ بڑی تاریخی رات ثابت ہو رہی تھی۔ سردار شاہ دین کی وہ تمکنت' وہ غرور اور حکمرانی کا خمار ختم ہو کر رہ گیا تھا۔ وہ بت پاش پاش ہو گیا جو خود کو منوانے کے لیے جبر کا ماحول بنائے ہوئے تھا۔ انسان آزاد پیدا ہوا ہے' اس پر حکمرانی کا حق صرف اور صرف اس کے تخلیق کرنے والے خالق کو حاصل ہے۔ جب خالق نے انسان کو اختیار دے دیا کہ وہ اس دنیا میں اپنی مرضی سے جیسے چاہے زندگی گزارے تو انسان کو انسان پر حکمرانی اور جبر کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ یہ ٹھیک ہے اور درست ہے کہ چراغ سے چراغ جلتا ہے' اللہ کی حکمرانی قائم کرنے کے لیے جبر کرنا اس لیے غلط ہے کہ اہمیت کردار کو حاصل ہے۔ اعلیٰ کردار اپنی روشنی سے پورے ماحول کو جگمگا دیتا ہے۔ جبر کا راستہ وہی اختیار کرتے ہیں جن کے کردار میں خامیاں ہوں' لالچ اور مفاد پرستی کا بسیرا ان کے من میں ہو' میں یہی سوچ رہا تھا کہ سیڑھیوں میں آہٹ سنائی دی۔ میں نے گھوم کر دیکھا' وہاں چھاکا تھا' اس نے اندھیرے میں مجھے دیکھ لیا تھا' اس لیے تیزی سے میری طرف بڑھا۔

''ہاں بولو' کیا صورتحال ہے؟''

''جس وقت سردار شاہ دین یہاں آیا ہے' اس وقت دونوں باپ بیٹا میں بڑی گرما گرم بحث ہوئی ہے' شاہ زیب ہر حال میں سوہنی کو قتل کر دینا چاہتا ہے' اس کا یہ خیال ہے کہ جب وہ ہی نہیں رہے گی تو اس کے ساتھ سارے ثبوت بھی ختم ہو جائیں گے' اگر کوئی انکوائری ہو گی' عدالتی معاملہ چلے گا تو یہ کوئی نئی بات نہیں' جب تک چلے گا بھگت لیں گے۔''

''اور سردار شاہ دین.....؟'' میں نے پوچھا۔

''وہ بڑا زیرک آدمی ہے' وہ اسے یہ سمجھانا چاہ رہا تھا کہ پھنکارتے ہوئے سانپ اور باؤلے کتے کو آزاد نہیں چھوڑنا چاہیے' وہ کسی لمحے بھی موت کا سبب بن سکتے ہیں۔ انہیں قابو میں کر کے جب چاہے انہیں ختم کر دیا جائے' اسے معلوم ہو چکا تھا کہ سوہنی نے اس کے گرد جو حصار بنا دیا تھا' اسے فی الحال توڑنا بہت مشکل ہے۔ اگر توڑتے ہیں تو خود دنیا کے سامنے ننگے ہو جاتے ہیں۔''

''مطلب اس نے یہ سمجھوتہ بیٹی کی محبت میں نہیں' اپنے بچاؤ کے لیے کیا ہے۔'' میں نے پوچھا تو چھاکا بولا۔

''بالکل! ایک طرف پولیس چڑھ دوڑی تھی تو دوسری جانب پورے علاقے میں بات پھیل جانے کا خوف' تیسرا سوہنی کو ہمارا سہارا مل گیا' معاملہ سانپ کے منہ میں چھچھوندر والا بن گیا۔ انہیں وہی کرنا پڑا' جو سوہنی چاہتی تھی۔

''ٹھیک ہے' اب شاہ زیب کہاں ہے؟'' میں نے اپنے اندر ابلتے ہوئے لاوے کو قابو میں کرتے ہوئے پوچھا۔

''وہ تو شام ہی سے ڈیرے پر ہے۔ اس نے بندے جو بلوائے ہوئے ہیں۔ اس کے ارادے خطرناک نہیں لگتے مجھے.....'' چھاکے نے تشویش بھرے لہجے میں کہا تو میں نے آہستگی سے کہا۔

''چھاکے..... بہت عرصے بعد آج کی رات آئی ہے۔ میں جو کچھ آج کرنے جا رہا ہوں' اس کا میں نے بہت انتظار کیا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ تو میرے لیے موت کے منہ میں بھی چھلانگ لگا دے گا' اس لیے میں.....'' میں نے کہنا چاہا مگر اس نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا۔

''یہ کیا اول فول بک رہا ہے تو..... جو کرنا ہے بتا۔''

''چل ٹھہر پھر.....'' میں نے اسے کہا اور چھت پر بنے کمرے میں چلا گیا۔ پسٹل تو میرے پاس تھا' ہی' میں نے وہاں سے کچھ میگزین لیے' تیز دھار خنجر اٹھایا اور اسے اپنی پنڈلی سے بیلٹ کے ساتھ باندھ لیا۔ دو پسٹل مزید اٹھائے جن کی شاندار کارکردگی تھی۔ وہ لے کر میں کمرے سے باہر آیا۔ تالا لگایا اور دونوں پسٹل اور میگزین چھاکے کو تھما دیئے۔ اس نے خاموشی سے وہ پکڑے اور آنکھوں کے اشارے سے پوچھا' تو میں نے جواب دیا۔ ''چل بائیک لا' پھر نکلیں۔''

ہم دونوں ہی آگے پیچھے چھت پر سے نیچے آ گئے۔ اماں اور سوہنی ابھی تک صحن میں تھیں۔ مضطرب سی سوہنی نے میری طرف دیکھا۔ میں جانتا تھا کہ وہ مجھ سے بہت کچھ کہنا چاہتی ہے لیکن' یہ وقت نہیں تھا۔ میں اسے نظر انداز کرتا ہوا چھاکے کے پیچھے باہر گلی میں آ گیا۔ وہ بائیک اسٹارٹ کر چکا تھا۔ میرے بیٹھتے ہی وہ چل پڑا۔ چوک پار کرتے ہی اس نے مجھ سے پوچھا۔

''جانا کدھر ہے.....''

''نہر کنارے' حویلی کے پچھواڑے..... فصلوں کے درمیان جو راستہ ہے' وہاں تک چل.....'' میں نے اسے جگہ بتائی تو اس نے کچھ مزید پوچھے بغیر بائیک کی رفتار تیز کر دی۔

اندھیری رات میں پہلا پہر ختم ہو چکا تھا' گاؤں میں یہ وقت بڑا پرسکون ہوتا ہے' پکی سڑک پر کوئی ذی روح نہیں تھا۔ البتہ چوک میں بیٹھے ہوئے کچھ لوگوں نے ہمیں دیکھا تھا۔ پکی سڑک پر فرلانگ بھر آگے جانے کے بعد وہ راستہ نکلتا تھا جو نہر کنارے جاتا تھا۔ چھاکے نے بائیں جانب اس کچے راستے پر بائیک موڑ لی' تب میں نے چھاکے کو آہستہ رفتار سے چلنے کو کہا۔ حویلی کے پچھواڑے پہنچ کر میں نے اسے رکنے کو کہا تو وہ رک گیا۔ میں بائیک سے نیچے اتر آیا تو اس نے سوالیہ انداز میں سرگوشی میں پوچھا۔

''یہاں کیوں..... ابھی تو نہر.....''

تب میں نے بڑے پرسکون انداز میں جواب دیا۔

''چھاکے..... میں سردار شاہ دین کو قتل کرنے جا رہا ہوں۔ تم نے میرا یہاں انتظار کرنا ہے' بائیک کو نہر کنارے لے جا کر چھپا دے' تاکہ بعد میں ہمارا ''کھرا'' انہیں نہ ملے..... واپس اس جگہ آ جانا..... واپس آ کر بائیک لے لیں گے' اگر میں دو تین گھنٹے میں نہ آیا تو تم واپس پلٹ جانا..... حویلی میں آنے کی حماقت نہ کرنا' پھر صبح ہی میرا پتہ کرنا۔''

''یار تو نے پہلے کیوں نہیں بتایا' کچھ اور بندوبست کرتے..... کہیں دوسری جگہ.....''

''بحث نہیں..... جو کہا ہے وہ کرو۔'' میں نے سختی سے کہا اور فصل کے کنارے کھال کی منڈیر پر چل پڑا۔ مجھے یقین تھا کہ جب تک میں نگاہوں سے اوجھل نہ ہوا' وہ وہیں کھڑا رہے گا۔ میں اندھیرے میں بڑے محتاط انداز سے چلتا

چلا گیا۔ اس وقت میں پرسکون ہو گیا جب میں نے محسوس کیا کہ چھا کا بائیک لے کر نہر کنارے چلا گیا ہے۔

حویلی کے پچھواڑے کی چار دیواری میرے سامنے تھی۔ بچپن سے میں اس حویلی کو دیکھتا آیا تھا اور ہمیشہ میں نے یہی سوچا تھا کہ جب کبھی بھی مجھے اس حویلی میں داخل ہونا پڑے تو میں خاموشی سے کیسے داخل ہو سکتا ہوں۔ میں نے ان گنت مرتبہ اس حویلی کا جائزہ لیا تھا اور محفوظ سے محفوظ راستہ تلاش کر کے نجانے کتنی بار خیالوں ہی خیالوں میں اس حویلی کے اندر داخل ہو چکا تھا۔ بچپن سے ایک ایک امکان میرے ذہن میں تھا اور اس کے ہزاروں حل بھی میں سوچ چکا تھا۔ میری زندگی کی سب سے بڑی خواہش ہی یہی تھی کہ محفوظ طریقے سے اس حویلی میں داخل ہو کر باہر نکل آؤں۔ مجھے اچھی طرح معلوم تھا کہ ملازمین کے کوارٹر اسی طرف ہیں اور ایک لوہے کا دروازہ اس چار دیواری میں نصب تھا جو ہر وقت کھلا رہتا ہے۔ ایک گیٹ نما دروازہ آخری سرے پر تھا' جو اس وقت کھولا جاتا تھا جب سرداروں نے ڈیرے پر ایمرجنسی میں جانا ہوتا تھا۔ ملک سجاد اسی گیٹ سے نکلا تھا۔ مجھے دیوار پھاندنے کی ضرورت نہیں تھی' میں لوہے کے اس دروازے سے باآسانی اندر جا سکتا تھا جو ملازمین کی گزرگاہ تھی۔ اس میں سب سے بڑا رسک یہی تھا کہ ملازمین کی نگاہ مجھ پر پڑ سکتی تھی' ان کی نظروں سے بچنا محال تھا۔ کیونکہ وہ حویلی کے اس طرف کھلے میں پھرتے رہتے تھے اور اس میں سو بھی جاتے تھے۔ میں دروازے کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا۔ اندر کی طرف اندھیرا تھا۔ میں نے آہستگی سے دروازہ کھولا' چند لمحے اندر کا جائزہ لیا اور اندر کی طرف چلا گیا۔ وہاں کوارٹروں سے آنے والی دھیمی دھیمی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ میں وہیں دیوار کی جڑ میں بیٹھ گیا۔ میں چند منٹ دم سادھے وہیں بیٹھا رہا۔ رات کے اس پہر ملازمین کے کوارٹروں میں خاموشی تھی۔ دو چار لوگ باہر چارپائیوں پر لیٹے ہوئے تھے' میں یقین سے نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ سوئے ہوئے ہیں یا جاگ رہے ہیں۔ مجھے وہیں بیٹھ کر یہی یقین کرنا تھا۔ میں تقریباً پندرہ منٹ وہیں اسی مقصد کے لیے بیٹھا رہا۔ جب مجھے یقین ہو گیا کہ وہ بے خبر سو رہے ہیں تو میں اٹھا اور ان کے قریب سے ہوتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

وہاں سے رہائشی عمارت تقریباً دو ایکڑ پر تھی۔ درمیان میں ایک طرف لان اور دوسری طرف سوئمنگ پول تھا۔ جس میں اس وقت پانی نہیں تھا۔ میں تیزی سے چلتا ہوا رہائشی عمارت کی پچھلی طرف آ گیا۔ یہاں بھی ایک داخلی دروازہ تھا' جو میری معلومات کے مطابق اکثر بند رہتا تھا۔ میں وہ دروازہ کھول نہیں سکتا تھا لیکن اس پر بنے ہوئے آرائشی شیڈ میرے کام آ سکتے تھے۔ سردار شاہ دین کی خواب گاہ اوپر والے پورشن میں تھی۔ میں ان شیڈز کے سہارے چڑھ کر اوپر بالکونی میں جا سکتا تھا۔ پھر ایک راہداری کے بعد سردار کی خواب گاہ تھی۔ اصل خطرہ اوپر ہی تھا۔ وہاں سیکورٹی گارڈ موجود رہتے تھے۔ میں نے اپنی ساری ہمت جمع کی اور شیڈ میں انگلیاں جما دیں' پھر اپنا وزن اٹھاتے ہوئے میں اوپر چڑھنے لگا۔ تقریباً دو منٹ بعد میرے ہاتھ بالکونی تک پہنچ گئے' میں نے اپنا سر اٹھایا اور کسی ممکنہ خطرے کو دیکھا' سامنے کی راہداری خالی تھی۔ میں چشم زدن میں بالکونی میں تھا اور اپنے حواس بحال کرنے کے ساتھ ساتھ سانسیں بھی درست کرنے کے لیے لیٹ گیا۔ کچھ دیر بعد میری سانسیں بحال ہو گئیں۔ میں اٹھا اور دبے پاؤں آگے بڑھتا چلا گیا۔ وہاں کوئی ذی روح نہیں تھا' مجھے حیرت ہونے لگی کہ وہاں کوئی سیکیورٹی گارڈ کیوں نہیں ہے؟ کیا سردار اس وقت حویلی میں نہیں؟ کیا میری محنت ضائع چلی گئی' میں ایک دم سے پریشان ہو گیا۔

میں نے اگلے چند لمحوں میں خود پر قابو پایا اور مایوسی کو جھٹک دیا۔ راہداری میں اندھیرا تھا لیکن باہر سے چھن کر آئی ہوئی روشنی میں لوہے کی گرل صاف دکھائی دے رہی تھی۔ میں آگے بڑھتا گیا۔ مجھے اچھی طرح معلوم تھا کہ سردار شاہ دین کی خواب گاہ کس طرف ہے۔ میں اس راہداری میں آ گیا' جہاں ایک طرف کمرے بنے ہوئے تھے اور دوسری طرف لوہے کی گرل سے نیچے صحن صاف دکھائی دے رہا تھا۔ صحن میں کوئی نہیں تھا اور راہداری بھی خالی تھی۔ میں حیران تھا کہ ایسا

سناٹا کیوں ہے۔ حویلی کے ملازمین کہاں چلے گئے۔ میں سب سے زیادہ سیکورٹی والوں سے محتاط تھا جو ابھی تک مجھے دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ مجھے دائیں جانب مڑنا تھا' جہاں سردار کی خواب گاہ تھی۔ میں نے بڑے محتاط انداز میں سامنے دیکھا' ویران اور خالی راہداری میں ایک بلب جل رہا تھا۔ اس کی روشنی تھی' جس سے لوہے کی گرل دکھائی دے رہی تھی۔ میں تیزی سے آگے بڑھا اور دیوار پر لگے ہوئے بورڈ کے تمام سوئچ آف کر دیئے جس سے بلب بجھ گیا تو اندھیرا چھا گیا۔ اس سے چند قدم کے فاصلے پر خواب گاہ کا دروازہ تھا' میں نے دروازے پر ہلکا سا دباؤ دیا' وہ اندر سے بند تھا۔ میں نے ایک لمبی سانس لی اور دروازے پر دستک دے دی۔ چند لمحوں بعد سردار کے کھنکارنے کی آواز آئی پھر دھیرے سے پوچھا۔

''کون ہے بھئی؟''

''جی' میں چھینہ.....'' میں نے آواز بدل کر ہلکے سے کہا۔ چھینہ اس کا باڈی گارڈ تھا اور ہمہ وقت حویلی ہی میں رہتا تھا' میں نے بچپن سے ان گنت مرتبہ اس کی آواز سنی تھی۔ مجھے لگا کہ میں نے اس کی آواز کی کاپی ٹھیک کر لی ہے۔ اگلے چند لمحوں میں دروازہ کھل گیا۔ مجھ پر نگاہ پڑتے ہی سردار کی بھنوئیں تن گئیں۔ جب تک وہ کچھ سمجھتا یا کچھ کہتا' میں نے دروازے میں اپنا پاؤں اڑس دیا' پھر پوری قوت سے دروازے کا پٹ اندر کی جانب دھکیل دیا۔ دوسرے ہاتھ سے میں نے سردار کو دھکا دیا' وہ لڑکھڑاتا چلا گیا' وہ گھگھیائے ہوئے انداز میں بولا۔

''تم پاگل ہو گئے ہو..... کیا ہوا تمہیں.....''

''آرام سے اپنے بستر پر جا کر لیٹ جاؤ' میں نے تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔ میرے خیال میں تجھے میری بات سمجھ میں آ گئی ہو گی.....'' میں نے سرد لہجے میں کہا تو اس کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں۔ چند لمحے میری طرف دیکھتا رہا' پھر مڑ گیا۔ میں نے دروازے کا لاک لگایا اور اس کے بستر پر چلا گیا۔ جہاں وہ سکون سے لیٹ گیا تھا۔

''بولو.....! کیا کہنا ہے تمہیں.....؟'' اس نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا تو میں نے بڑے سکون سے کہا۔

''یاد کرو سردار' اس وقت کو یاد کرو جب تو نے جوانی کے خمار میں میرے باپ کو قتل کر دیا تھا۔''

''وہ..... وہ ایک حادثہ تھا۔'' اس نے لرزتے ہوئے کہا۔

''نہیں' وہ حادثہ نہیں تھا' تم نے جان بوجھ کر میرے باپ کو قتل کیا تھا' اب تم سمجھ گئے ہو گے کہ میں تم سے اتنی نفرت کیوں کرتا ہوں۔''

''جمال..... پتر..... تمہیں غلط فہمی ہو گئی ہے' سارا گاؤں جانتا ہے کہ وہ ایک حادثہ تھا' اللہ بخشے تیرا باپ بڑا پکا نشانے باز اور بہترین شکاری تھا۔ میرا تو وہ بڑا اچھا دوست تھا۔ ہم نے جوانی کا بڑا حصہ ساتھ میں شکار کھیلتے ہوئے گزارا ہے' اور میرے باپ نے تیرے باپ کو یہ زمین دی تھی۔ تمہیں بہکا دیا ہے کسی نے.....'' اس نے نرم لہجے میں سمجھایا۔

''نہیں سردار نہیں..... تم جھوٹ بولتے ہو..... یہ زمین میرے باپ نے اس وقت بنائی تھی جب یہ کسی کی نہیں تھی' خود الاٹ کروائی تھی حکومت سے' یہ احسان نہ جتا' میں مانتا ہوں کہ میرا باپ بہت اچھا شکاری تھا' نشانہ بازی مجھے ورثے میں ملی' یہ سچ ہے تم دونوں نے بہت شکار کیا' لیکن وہ تیرے جیسا بے غیرت نہیں تھا۔''

''یہ تم کیا کہہ رہے ہو.....'' وہ تیزی سے بولا۔

''بچپن سے..... میں نے اس تحقیق میں وقت گزارا ہے سردار..... جس وقت میری ماں اس گاؤں میں بیاہ کر آئی' تو نے اپنی نیت بری کر لی' میرے باپ کے ہوتے ہوئے تو کچھ نہیں کر سکتا تھا' تو نے میرے باپ کو گولی مار دی' بہانہ کر دیا کہ گولی بھول سے لگ گئی ساری دنیا جھوٹ بول سکتی ہے' لیکن میری ماں جھوٹ نہیں بول سکتی۔''

''تم..... غلط۔''

''خاموش بے غیرت.....'' میں نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر کہا۔ ''تم نے میری ماں کو مجبور کرنا شروع کر دیا..... تا کہ وہ تیری بات مان لے..... میں اس وقت پیدا ہونے والا تھا' تو نے بڑا انتظار کیا' لیکن میری ماں نے صبر سے کام لیا..... وہ نہ صرف تیرے ظلم سہتی رہی' بلکہ صبر سے آج کے وقت کا انتظار کرتی رہی..... کیا اس کی صرف یہی سزا تھی کہ وہ ایک مجبور' بیوہ اور غریب عورت تھی۔''

''میں اب تجھے کیا کہوں.....'' اس نے کہنا چاہا تو میں نے اس کے ہونٹوں پر انگلی رکھ دی' پھر بولا۔

''دیکھ قدرت کے کھیل کتنے نرالے ہیں' تو نے میری ماں کے بارے میں اپنی نیت خراب کی تھی' اس پر ظلم کیے' اسے مجبور کرتے رہے..... اب تیری بیٹی' میرے گھر میں ہے میں اس کے ساتھ جو مرضی کروں' تو مجھے نہیں روک سکتا..... روک سکتا ہے.....؟''

''دیکھ جمال' وہ میری جوانی کی بھول تھی' میں بہک گیا تھا' تو مجھے معاف کر دے اور سوہنی کو یہاں سے جانے دے..... میں تیرے پاؤں پڑتا ہوں۔'' سردار نے منت بھرے انداز میں دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔

''یہ تو قدرت کا کھیل تھا' ورنہ میں تجھے ویسے ہی قتل کرنا چاہتا تھا۔'' میں نے کہا تو اس نے حسرت بھری نگاہوں سے مجھے دیکھا اور پھر بولا۔

''تو مجھے مار دے..... مجھے کوئی دکھ نہیں ہوگا' لیکن وعدہ کر' میری بیٹی کو خراب نہیں کرے گا' اسے یہاں سے دور بھیج دے گا.....''

''میں نے کچھ نہیں کرنا سردار..... اب جو کچھ کرنا ہے' تیرے شاہ زیب ہی نے کرنا ہے' میں بڑے صبر سے اسے برداشت کرتا چلا آ رہا ہوں' صرف اسی دن کے لیے..... ساری زندگی تیرے بچے' کتوں کی طرح جائیداد پر لڑیں گے' چاہیے تو یہ تھا کہ تو زندہ رہتا اور یہ تماشا خود اپنی آنکھوں سے دیکھتا' لیکن میرا وعدہ ہے کہ تو نے میرے ہاتھوں مرنا ہے۔'' میں نے بڑے سکون سے کہا تو اس نے غیر محسوس انداز میں اپنا ہاتھ سرہانے کی طرف بڑھایا' جسے میں نے محسوس تو کر لیا' مگر کچھ نہ کہا' میں یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ کرنا کیا چاہتا ہے' اگلے ہی لمحے اس نے اپنے سرہانے کے تلے سے پسٹل نکال لیا' میں ہنس دیا' اور پھر ایک جھٹکے سے ہاتھ مارا تو اس کا پسٹل دور جا گرا۔

''یوں اکیلے کو مارنا.....''

''بکواس بند کر..... تو نے جو ظلم کیے ہیں' انہیں یاد کر اور مرنے کے لیے تیار ہو جا.....'' میں نے کہا ہی تھا کہ اس نے شور مچانے کے لیے منہ کھولا' میں نے پوری قوت سے ایک گھونسہ اس کے منہ پر دے مارا' پھر چشم زدن میں پنڈلی کے ساتھ بندھا خنجر نکال لیا۔ وہ دہشت زدہ ہو گیا۔ پھر میں نے اسے مزید وقت نہیں دیا۔ اگلے ہی لمحے میں نے اس کے گلے پر خنجر پھیر دیا۔ خون کی تیز دھار نکلی' میں بچتا ہوا اٹھ گیا' وہ اپنے بستر پر خرخراتے ہوئے تڑپنے لگا۔

میں بڑے سکون کے ساتھ اس کا تڑپنا دیکھتا رہا۔ میری ماں کی آہوں' سسکیوں اور آنسوؤں سے جو زخم میرے دل پر لگے ہوئے تھے' ان پر مرہم لگتا ہوا محسوس ہوا۔ وہ اپنی آخری سانسوں پر تھا۔ میں اسے مرتا ہوا دیکھتا رہا' یہاں تک کہ اس نے ہچکی لی' اور ساکت ہو گیا۔ اب میرے لیے وہاں ٹھہرنا فضول تھا' میں نے خنجر کو پنڈلی کی بلٹ میں اڑسا' پسٹل نکالا اور باہر کی طرف لپکا۔ میں نے پوری احتیاط سے دروازہ کھولا' پھر راہداری میں جھانکا' وہاں کوئی نہیں تھا۔ میں جس راستے سے آیا تھا' اسی طرح واپس پلٹنے لگا۔ بالکنی سے اتر کر میں بھاگتے ہوئے ملازمین کے کوارٹرز تک گیا۔ وہ اسی طرح سکون اور مزے سے سو رہے تھے۔ میں نے لوہے والے دروازے کو کھولا اور حویلی سے باہر آ گیا۔

باہر گھپ اندھیرا تھا۔ مجھے احساس نہیں تھا کہ میں نے حویلی میں کتنا وقت گزارا تھا' مجھے یقین تھا کہ چھاکا وہیں

کہیں ہوگا' میں تیزی سے فصلوں کے درمیان سے ہوتا ہوا کچی سڑک تک گیا' جہاں سامنے ہی چھاکا کھال کی منڈیر پر بیٹھا ہوا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی کھڑا ہو گیا۔

''ہوں.....'' اس نے سرگوشی میں ہنکارا بھرا' اس کا مطلب تھا کہ میں کیا کر کے آ رہا ہوں' تب میں نے آہستگی سے جواب دیا۔

''مار دیا سردار کو..... اب چل نہر کنارے۔''

اس نے میری بات کا نہ کوئی جواب دیا اور نہ ہی کچھ تبصرہ کیا' وہ فوراً پلٹ گیا۔ ہم آگے پیچھے تیزی سے فصلوں کے درمیان چلتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ نہر کنارے اس جگہ آ گئے جہاں چھاکے نے بائیک چھپائی ہوئی تھی۔ اس نے جلدی سے بائیک نکالی' اسٹارٹ کی' تب تک میں پیچھے بیٹھ گیا تھا۔ اس نے بائیک بڑھا دی۔ ہم نہر کنارے چلتے ہوئے نور نگر کا چکر کاٹ کر دوسری طرف سے گاؤں میں داخل ہو گئے۔ گاؤں میں سناٹا تھا۔

''میرا خیال ہے' تو گھر میں نہ سو' میری طرف آ جا۔'' چھاکے نے صلاح دی۔

''نہیں' اس طرح شک ہو سکتا ہے' میں گھر ہی رہوں گا۔'' میں نے کہا تو راستے میں چھاکے کا گھر آ جانے پر اسے اتارا' پھر میں اپنے گھر کی جانب بڑھ گیا۔ اندھیرے گاؤں کی سنسان گلیاں پار کرتا ہوا' میں اپنے گھر کے دروازے پر جا پہنچا۔

گیٹ اماں ہی نے کھولا' میں بائیک لیتا ہوا صحن میں چلا گیا۔ بائیک کھڑی کر کے میں واپس پلٹا تو اماں کے ساتھ سوہنی دالان میں تھی۔ وہ دونوں ہی سوالیہ انداز میں مجھے دیکھ رہی تھیں۔ میرے کپڑوں پر جا بجا خون کے چھینٹے تھے۔ میں نے پنڈلی سے بندھے بلٹ میں سے خنجر نکالا جو اب بھی خون آلود تھا' وہ میں نے اپنے ہاتھ پر رکھتے ہوئے کہا۔

''ماں.....! یہ خون اس بے غیرت انسان کا ہے' جس سے بدلہ لینے کا سبق تو نے مجھے بچپن سے دیا تھا۔ مار دیا میں نے سردار شاہ دین کو.....'' یہ کہتے ہوئے میں نے اماں کے چہرے پر دیکھا' جہاں جیت کی خوشی کا خمار تھا' ماں کے چہرے پر خوشی کا وہ اظہار تھا جس میں کسی مقصد کی تکمیل کا عنصر ہوتا ہے۔ دنیا میں بہت کم لوگ ہیں جو اپنے مقصد کی تکمیل اپنی زندگی میں دیکھ پاتے ہیں اور اس خوشی کا سرور وہی جانتے ہیں' ایسا ہی کچھ اس وقت میری ماں کے چہرے پر تھا۔ اس لمحے میں نے سوہنی کے چہرے کی طرف دیکھا' وہ سرخ تھا' گال حد سے زیادہ سرخ تھے' آنکھیں بھیگی ہوئی اور لب بھینچے ہوئے' سردار شاہ دین کچھ بھی تھا اور کیسا ہی تھا' آخر اس کا باپ تھا۔ اس کا دکھ فطری تھا۔ وہ ایک لفظ بھی نہیں کہہ پائی تھی۔ میں اس کے باپ کا قاتل اس کے سامنے قتل کا اظہار بھی کر رہا تھا۔ یہ بہت جذباتی لمحات تھے' میں وہاں زیادہ دیر نہیں رکا' میرے ہاتھ میں خنجر یونہی پکڑا ہوا تھا۔ تبھی میری ماں نے ہولے سے کہا۔

''جا' اسے صاف کر کے' اپنا آپ بھی دھو لے' اس کا غلیظ خون تمہارے بدن پر نہیں ہونا چاہیے۔''

میں نے سنا اور سوہنی کی طرف دیکھے بغیر باتھ روم کی طرف چل دیا۔

میری ماں نے مجھے وہیں کپڑے دے دیئے اور پرانے کپڑے لے جا کر انہیں آگ لگا دی۔ یہ مجھے اس وقت پتہ چلا جب میں باتھ روم سے باہر آیا۔ کپڑے جل چکے تھے۔ میں اندر نہیں گیا۔ مجھے سوہنی کے دکھ کا احساس تھا مگر میں اسے کوئی دلاسہ نہیں دے سکتا تھا' اس لیے میں اپنی جائے پناہ چھت پر چلا گیا۔ وہی میرے لیے سکون کا گوشہ تھا۔ میں نے سارے ہتھیار اپنی جگہ واپس رکھے' اپنا پسندیدہ پسٹل لی اور چھت پر پڑی چارپائی پر آ لیٹا۔ اس وقت میں اپنے اندر اتری ہوئی طمانیت کو محسوس کر رہا تھا۔

❁ ❁ ..... ❁ ..... ❁ ❁

اس وقت رات کا دوسرا پہر چل رہا تھا۔ ہسپتال میں خاموشی تھی۔ جسپال کی آنکھوں میں نیند کا شائبہ تک نہیں تھا۔ وہ ایک ٹک ہر پریت کے چہرے پر دیکھ رہا تھا' جو خواب آور دوائیوں کے زیر اثر محو خواب تھی۔ وہ جس وقت یہاں پہنچا تھا' اسے سی سی یو سے وارڈ میں منتقل کر دیا گیا تھا۔ انوجیت نے نجی کمرہ میں ہر پریت کو رکھا اور اس کے جاگ جانے کا انتظار کر رہا تھا۔ جسپال نے اسے جانے کے لیے کہا تا کہ وہ آرام کر لے' وہ اسے آرام کرنے کا مشورہ دیتا رہا' یوں کچھ بحث کے بعد جسپال اسے ریسرورٹ میں بھیجنے میں کامیاب ہو گیا۔ وہ گاڑی لے کر نکل گیا' تب سے جسپال اسے دیکھتا جا رہا تھا اور اس کی سوچیں اسے اپنے حصار میں لیے ہوئے تھیں۔ وہ اس وقت تک بہت کچھ سوچ چکا تھا۔ اگرچہ اسے بھارت آئے بہت تھوڑے دن ہوئے تھے لیکن وہ یہ سمجھ چکا تھا کہ یہاں محض جنگل کا قانون چل رہا ہے۔ جس کی طاقت ہے' وہی اپنی من مانی کرتا ہے' پتہ نہیں کب وینکوور میں ایک بحث کے دوران کسی بندے نے ایک بات کی تھی بھارت کے بارے میں' وہ اسے پوری سچائی کے ساتھ دکھائی دے رہی تھی۔ اس نے کہا تھا کہ بھارت پر الزام ہے کہ وہ ایک سیکولر ملک ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ وہاں ہندو راج کر رہے ہیں۔ چند ہندو خاندانوں نے پورے ملک کے لوگوں کو یرغمال بنایا ہوا ہے اور مذہب کو وہ ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ ہندو دھرم میں چونکہ طاقت کی پوجا کی جاتی ہے اس لیے وہ طاقت ہی کی عبادت کرتے ہیں اور اس کو مانتے بھی ہیں۔ اگر سامنے کمزور ہے تو ہندو پوری طاقت استعمال کر کے اسے کچل دینے میں ذرا برابر بھی نہیں ہچکچاتے' لیکن اگر سامنے سے کوئی طاقت ور آ جائے تو پھر کتے کی طرح دم دبا کر کونے میں لگ کر بیٹھ جاتے ہیں۔ یہی ان کی حکومت کا فلسفہ ہے اور یہی ان کی خارجی پالیسی کی بنیاد۔ وہ بھارت اور بھارتی معاشرے کو سمجھ گیا تھا۔ یہاں صرف کمزور کو دبایا جاتا ہے اور طاقت ور کے ساتھ وہ دوستی کا تعلق بنانے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں لیکن ہندو اپنی فطری منافقت نہیں چھوڑ سکتے۔ ایسا ہوتا ہے کہ ہر قوم کا اپنا ایک مزاج ہوتا ہے۔ یہ مزاج ماحول سے نہیں بنتا' بلکہ ان نظریات کی وجہ سے خود بخود بن جاتا ہے' جو وہ قوم رکھتی ہے۔ اب یہ ایک الگ بحث ہے کہ اس میں موروثی اثرات زیادہ شدید ہوتے ہیں کہ وہ اپنی نظریات کو اپنانے پر مجبور کر دیتے ہیں' یا نظریات آئندہ آنے والی نسلوں کی وراثتی حیثیت میں شامل ہو جاتے ہیں۔ وہ انہی خیالوں میں الجھا ہوا تھا کہ ہر پریت کے کراہنے کی آواز آئی۔ وہ چونک گیا اور فوراً ہی اس کے قریب چلا گیا۔ ہر پریت ہوش میں آ رہی تھی۔ اس نے جلدی سے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ لمس کا احساس پا کر ہر پریت نے آنکھیں کھولیں اور مسکرانے کی موہوم سی کوشش کی جس پر جسپال کے من میں پیار بھری لہر سرائیت کر گئی اور بے حد جذباتی ہو گیا' تبھی اس نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

''کیسی ہو؟''

اس پر وہ بولنے کے لیے کوشش پر ناکام ہو گئی' اس کے لب ہی لرزے تھے' باقی بات آنکھوں سے کہہ دی' اوہ تڑپ کر رہ گیا۔

''پریتی..... یہ سب کچھ میری وجہ سے ہوا' میں اس پر شرمندہ ہوں' تم .....موت.....'' اس نے کہنا چاہا تو ہر پریت نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں دبا لیا' اور آنکھوں میں یہی تاثر تھا کہ وہ ایسی بات نہ کہے۔ ''میں جانتا ہوں کہ تمہیں میری بات اچھی نہیں لگ رہی ہے لیکن یہی حقیقت ہے پریتی..... تم بس جلدی سے ٹھیک ہو جاؤ' مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ کس نے ہم پر حملہ کروایا ہے اور اس کے پیچھے کون ہے؟ میں انہیں چھوڑوں گا نہیں.....''

اس کے یوں کہنے پر ہر پریت کی آنکھوں میں تجسس اتر آیا۔ وہ پوچھنا چاہ رہی تھی کہ وہ کون ہے جسپال اسے بتاتا رہا کہ وہ کون ہے' وہ پوری روداد سنتی رہی' یوں جسپال ہی باتیں کرتا رہا اور وہ سنتی رہی۔ اس دوران نرس آ گئی' اس نے چارٹ پر لکھی ہوئی ہدایت کے مطابق اسے انجکشن دیا' میڈیسن دی اور پلٹ گئی' ہر پریت دوبارہ سو گئی' لیکن جسپال کی

آنکھوں میں سے نیند اڑ گئی تھی۔

صبح کی روشنی پھیلنے کے ساتھ ہی ہسپتال میں گہما گہمی شروع ہو گئی تھی۔ انوجیت واپس آ گیا تھا۔

''تم ایسا کرو جسپال..... تم ریسرورٹ چلے جاؤ اور جا کر آرام کرو' یا پھر واپس اوگی پنڈ چلے جاؤ۔ اور بے بے کو بھیج دو' ان کا ہر پریت کے پاس ہونا ضروری ہے۔''

''جیسے تم کہو انوجیت' لیکن میرا یہاں رہنا زیادہ ٹھیک رہے گا۔ اگر بے بے آ جائے تو آسانی رہے گی' اوگی میں تمہارا ہونا زیادہ ضروری ہے۔'' اس نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔

''ٹھیک ہے میں ابھی نکلتا ہوں۔ دوپہر تک بے بے کو یہاں لے آؤں گا یا پھر کسی کے ساتھ انہیں بھیج دوں گا۔'' اس نے سوچنے والے انداز میں کہا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ اس کا اوگی میں ہونا زیادہ ضروری ہے۔ وہ کچھ دیر بعد بیٹھ کر چلا گیا تو جسپال ڈاکٹر کے کمرے میں جا پہنچا۔ کچھ دیر یونہی باتوں کے بعد اس نے پوچھا۔

''ڈاکٹر صاحب.....! اندازاً ہر پریت کو ٹھیک ہونے میں کتنا وقت لگے گا؟''

''میرے خیال میں تین ہفتے تو لگ جائیں گے زخم بھرنے تک..... وہ نوجوان ہے اور کوئی ایسی بیماری وغیرہ والا مسئلہ بھی نہیں۔'' ڈاکٹر نے بتایا۔

''یہاں سے کب ڈسچارج ہو پائے گی۔'' اس نے پوچھا۔

''یہی کوئی آٹھ سے دس دن تک..... کم از کم ایک ہفتہ.....'' اس نے بتایا۔

''اوکے ڈاکٹر..... میں یہی چاہ رہا تھا کہ مجھے پتہ چل جائے آخر ہمیں یہاں کتنے دن رہنا ہے۔'' جسپال نے بے دھیانی میں کہا اور پھر اس سے اجازت لے کر اٹھ گیا۔ وہ تیزی سے سوچ رہا تھا کہ یہ ہفتہ اسے جالندھر میں کیسے گزارنا ہے۔ وہ بے تاب تھا کہ وہ جلد از جلد اوگی پنڈ واپس چلا جائے اور رن ویر کو چھیڑے بغیر وہ بلجیت سنگھ کو اپنا نشانہ بنائے۔ کیونکہ رن ویر یہی چاہتا تھا کہ جسپال اس پر کھل جائے اور وہ اپنی تفتیش کے ڈانڈے اس کی ذات کے ساتھ باندھ دے..... وہ اپنے شک کو یقین میں بدلنا چاہتے تھے اور اس راستے سے جسپال کو بچنا تھا۔ اس نے اپنا سیل فون نکالا اور کیشیو مہرہ کو فون کر دیا۔ چند لمحوں بعد اس نے فون ریسیو کر لیا' تب اس نے ڈاکٹر کی معلومات اسے دے دیں۔

''تم ایسے کرو جسپال' میں ہسپتال ہی کے نزدیک گیتا کالونی ہی میں تمہارے رہنے کا بندوبست کر دیتا ہوں ہوٹل وغیرہ میں تم محفوظ نہیں ہو گے۔ تم ریسرورٹ سے اپنا سامان لے کر وہاں آ جانا' میں تمہیں کچھ دیر بعد کال کرتا ہوں۔''

''اوکے.....!'' یہ کہہ کر اس نے فون بند کر دیا اور پھر ہر پریت کے پاس چلا گیا۔ وہ بے خبر سو رہی تھی۔ وہ ایک طرف کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس کے اندر بھونچال اٹھا ہوا تھا۔ دشمنوں نے اسے کم از کم ایک ہفتے تک کے لیے ہسپتال تک محدود کر دیا تھا۔ تبھی اچانک اس کے ذہن میں یہ خیال آیا۔ اگر ہائی وے ہوٹل اس کے لیے محفوظ نہیں ہے تو کیا یہ ہسپتال اس کے لیے محفوظ ہو سکتا ہے؟ اس خیال نے اسے مزید مضطرب کر دیا' وہ جس قدر اس خیال پر سوچتا چلا جا رہا تھا' بہت سارے پہلو اس کے ذہن میں آتے چلے گئے۔ اس نے جلدی سے فون کال انوجیت کو ملائی' وہ ابھی جالندھر شہر سے نکلا ہی تھا۔

''خیریت تو ہے نا جسپال.....'' اس نے پوچھا تو جسپال نے اپنا خیال اسے بتایا۔

''کہہ تو تم ٹھیک رہے ہو' خیر.....! میں کچھ دیر بعد تمہیں فون کرتا ہوں.....'' یہ کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔ جسپال نے کرسی کے ساتھ ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں۔

اس وقت وہ نجانے سوچ کی کس راہ پر نکلنے والا تھا' اس کے سامنے آنکھیں موندے ہر پریت پڑی تھی' جس کے لیے اس کے دل میں نجانے کس قدر پیار امنڈ رہا تھا۔ اس کے ساتھ بتائے وقت کی بازگشت اسے جذباتی کرتی چلی

جارہی تھی۔ تبھی دروازے پر ہلکی سی آہٹ ہوئی' پھر اس کے ساتھ ہی انسپکٹر اندر آ گیا' جسپال نے اسے سر سے پاؤں تک دیکھا اور بولا۔

''اوئے انسپکٹر.....! یہ تیری پولیس چوکی نہیں ہے جو تو بلا اجازت اندر آ گیا ہے' چل باہر نکل۔''

''میں تم سے بات کرنے آیا ہوں.....'' اس نے کافی حد تک دھیمے لہجے میں کہا تو جسپال نے اٹھ کر سرد سے لہجے میں کہا۔

''تجھے کہا ہے نہ نکل جا' تو بس نکل جا.....''

''دیکھ میں تجھ سے بات کرنے آیا ہوں۔'' اس بار اس نے غراتے ہوئے کہا تو جسپال نے پوری قوت سے تھپڑ اس کے منہ پر مار دیا۔ انسپکٹر کو یہ گمان بھی نہیں تھا کہ وہ ایسا کر سکتا ہے۔ اس لیے لڑکھڑاتا ہوا دروازے میں جا لگا۔ جسپال نے اسے سنبھلنے کا موقع ہی نہیں دیا اور دوسرا تھپڑ مار دیا پھر بازو سے پکڑ کر باہر راہداری میں نکال لیا۔ باہر دو پولیس والے کھڑے ہوئے تھے' انہوں نے اپنے انسپکٹر کا حشر دیکھا تو چھڑانے کے لیے لپکے۔ تبھی اردگرد شور مچ گیا کہ پولیس والے ایک بندے کو مار رہے ہیں۔ وہ ایک نجی ہسپتال تھا اور وہاں پر سیکورٹی والے بھی تھے۔ وہ سبھی تقریباً ایک سے ڈیڑھ دو منٹ تک آپس میں بھڑتے رہے۔ جسپال نے اگر دو ماریں تو انہوں نے چار مار دیں' تب تک سیکیورٹی والے آن دھمکے' انہوں نے الگ الگ کرتے ہوئے جسپال کو ایک طرف کیا' تبھی ان کے بڑے نے پوچھا۔

''یہ ہنگامہ کیوں ہے؟''

''میں اس سے بات کرنے آیا تھا اور یہ میرے گلے پڑ گیا..... اسے نہیں معلوم کہ وردی کیا ہوتی ہے..... میں اب تجھے بتاتا ہوں.....'' انسپکٹر نے انتہائی غصے میں کہا۔

''اوئے بے غیرت سچ بتا' تو مجھ سے رشوت مانگنے آیا تھا' ورنہ سخت کارروائی سے ڈرا رہا تھا' یہ چھوڑو..... مجھے ہسپتال کے ہیڈ سے ملواؤ' میں پوچھوں' یہ ہمارے کمرے میں اجازت کے بغیر کیسے آیا' چلو اس کے پاس چلو.....'' جسپال نے تیزی سے مگر اونچی آواز میں کہا۔

''انسپکٹر..... کیا آپ نے اجازت لی تھی؟'' سیکیورٹی گارڈ نے پوچھا۔

''ہمیں کیا اجازت لینے کی ضرورت ہے اوئے۔'' انسپکٹر نے بھنا کر کہا۔

''تو چلو' پھر ہیڈ کے پاس..... وہی آپ کا فیصلہ کرتے ہیں۔'' سیکیورٹی گارڈ نے کہا۔

''تو ہمیں روک کے دکھا.....'' انسپکٹر نے غصے میں کہا تو جسپال نے ایک تھپڑ مزید جڑ دیا اور چیخ کر بولا۔

''میں روکوں گا تمہیں' تو یہاں سے جا کر دکھا۔''

اس چیخ و پکار میں لوگوں کا رش بڑھنے لگا تھا۔ تبھی ہسپتال کا ہیڈ اور مالک بھاگتا ہوا' وہاں آ گیا۔ وہ موٹی توند والا شخص تھا' جس کی سانس پھولی ہوئی تھی۔ اس نے آتے ہی پوچھا۔

''کیا بات ہو گئی.....؟''

سیکیورٹی گارڈ نے اپنی طرف سے تفصیل بتائی تو جسپال نے کہا۔

''یہ کیسا قانون ہے یہاں پر' گولی بھی ہم پر چلی اور یہ دھمکیاں بھی ہمیں لگا رہا ہے۔ اور آپ' کیا یہاں سیکیورٹی ایسی ہی ہے' جو چاہے' جس وقت چاہے کسی کا آ کر گریبان پکڑ لے' کیا یہ آپ کی اجازت سے ہمارے کمرے میں گھسا ہے۔''

''میں اس کے پاس آیا تھا کہ زخمی کا بیان لے لوں۔'' انسپکٹر نے حالات اور ماحول کو سمجھتے ہوئے کافی حد تک تحمل سے کہا تو ہیڈ نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

''تو آپ کو پہلے ہم سے اجازت لینی چاہیے تھی۔ ہم سے پوچھنا چاہیے تھا کہ مریض اس حالت میں ہے کہ وہ بیان دے بھی سکتا ہے یا نہیں' یہ تو کوئی طریقہ نہیں۔''

''میرے پاس اتنا وقت نہیں تھا.....'' انسپکٹر نے کہا تو جسپال بولا۔

''اسے اپنے کمرے میں بٹھائیں اور میڈیا کو یہاں بلوائیں' اس کے سامنے اس کا چہرہ ننگا کریں..... کل سے اس کو حملہ آور پکڑ کر دیا ہے' اس کا اس نے کچھ نہیں کیا' اور بیان لینے یہاں آ پہنچا ہے۔'' یہ لفظ اس کے منہ ہی میں تھے کہ اسے کیشیو مہرہ کا چہرہ دکھائی دیا۔ اس کے ساتھ کچھ لوگ بھی تھے۔ اس نے آتے ہی صورت حال کے بارے میں آگاہی لی اور ہیڈ کو اپنا تعارف کرا کر بولا۔

''یہ اب آپ کی ذمہ داری ہے' کہ آپ اس انسپکٹر کے خلاف کیس بنوائیں' اسے اپنے کمرے تک محدود رکھیں' میں ابھی میڈیا والوں کو بلاتا ہوں.....'' یہ کہہ کر اس نے اپنا سیل فون نکالا اور نمبر پش کرنے لگا۔ تبھی ہیڈ کی جان پر بن گئی۔ ظاہر ہے معاملہ میڈیا میں گیا تو اس کے ہسپتال کے بارے میں بھی غلط تاثر جانے والا تھا۔ وہ منت بھرے لہجے میں بولا۔

''آپ..... ذرا ٹھہریں..... ہم آفس میں بیٹھ کر بات کرتے ہیں..... آیئے.....'' یہ کہتے ہوئے اس نے میرا بازو پکڑا اور اپنے آفس کی جانب چل پڑا۔

انسپکٹر حالات کی نزاکت کو بھانپ گیا تھا۔ ممکن ہے آفس میں سکون سے بیٹھنے تک عقل آ گئی ہو۔ اس نے سب کے بیٹھتے ہی معذرت خواہانہ لہجے میں کہا۔

''بلاشبہ مجھ سے غلطی ہوئی ہے' مجھے آپ سے اجازت لے کر ان کے کمرے میں جانا چاہیے تھا۔ میں اس پر معذرت خواہ ہوں۔''

''وہ تو ٹھیک ہے تم آئے کس لیے تھے؟'' جسپال نے غصے میں پوچھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اپنا سارا غصہ اس پر اتار دے۔

''دیکھیں..... آپ کو غلط فہمی ہو گئی ہے' آپ میری بات سنیں تو میں آپ کو بتاؤں.....'' اس نے تمیز سے کہا۔

''اچھا چلو بولو۔'' کیشیو مہرہ نے تیزی سے کہا۔

''میں انہیں بتانے آیا تھا کہ کل جو حملہ آور انہوں نے ہم تک پہنچایا تھا' وہ تھانے سے بھاگ گیا ہے' اور اس سے.....''

''انسپکٹر کیوں جھوٹ بولتے ہو تم..... کل تم نے ہمارے سامنے اپنے دو حوالاتیوں کو ہسپتال روانہ کیا تھا' کیا ایسا نہیں ہے؟'' کیشیو نے طنزیہ انداز میں کہا تو وہ دھیرے سے بولا۔

''میں بس اس پر آپ سے بات کرنے آیا تھا' وہ حملہ آور.....''

''کیا ہوا اسے.....؟'' جسپال نے تیزی سے کہا۔

''وہ دونوں حوالاتی اغوا ہو گئے ہیں یا ان کے ساتھی انہیں چھڑا کر لے گئے ہیں۔ میں اپنے کل والے رویے کی معافی مانگتا ہوں۔ میں چاہ رہا تھا کہ آپ سے مل کر اس صورت حال کو سلجھا لوں۔'' انسپکٹر نے یوں کہا جیسے کہہ رہا ہو اس کے ہاتھ سے شیشے کا گلاس چھن کر ٹوٹ گیا ہو' تبھی کیشیو نے کہا۔

''تم ایسا کرو انسپکٹر.....! اپنے تھانے جاؤ' میں نے عدالت میں آج کیس دائر کر دینا ہے' میں اے سی پی سے ابھی ملوں گا' اور تمہاری کارکردگی بتاؤں گا' انسانی حقوق کی تنظیمیں خود تم سے پوچھ لیں گی' مہلا دل (خواتین محاذ) کو بھی متحرک کر دوں گا' اور میڈیا خود بخود ان کی طرف متوجہ ہو جائے گا' تم جاؤ' اب ہم خود سنبھال لیں گے۔''

''ٹھیک ہے جی' اگر آپ یہی چاہتے ہیں تو مزید کیا کہہ سکتا ہوں۔'' انسپکٹر کو لگا کہ شاید ان تلوں میں تیل نہیں ہے یا پھر شاید اسے اپنی انسپکٹری کا جوش آ گیا ہوگا' یہ دونوں باتیں اپنی جگہ بجا' لیکن جسپال سمجھ رہا تھا کہ اسے انسپکٹر رن ویر اور اس کے ڈیپارٹمنٹ کی پوری آشیرواد حاصل ہے' وہ وہاں سے اٹھا اور تیزی سے نکلتا چلا گیا۔ تبھی کیشیو مہرہ نے ہیڈ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''دیکھیں جناب' آپ نے بھی سن لیا ہوگا' کہ اصل میں معاملہ کیا ہے۔ آپ فوراً اپنے متعلقہ اداروں کو اطلاع دیں' اس واقعہ کی' آپ اپنا تحفظ کر لیں' ممکن ہے کل کہیں جواب دہی ہو جائے۔''

جسپال یہ اچھی طرح سمجھ رہا تھا کہ یہ محض دھمکی ہے' ممکن ہے مستقبل میں ایسا کچھ نہ ہو' جس وقت کیشیو مہرہ نہیں آیا تھا' اس کے دماغ میں یہ کہیں بھی نہیں تھا کہ وہ اس واقعہ کو کیسے استعمال کر پائے گا۔ لیکن اس کے شاطر دماغ نے کر لیا وہ تو محض اپنا غصہ انسپکٹر پر اتارنا چاہتا تھا' وہ دونوں ہیڈ کے کمرے سے باہر آ گئے تھے اور پھر تیزی سے ہرپریت کے کمرے کی طرف چلے گئے۔ جسپال نے ایک بار اندر جھانک کر دیکھا' ہرپریت محو خواب تھی۔

''میں نہیں چاہتا کہ تم یہاں جالندھر میں ان لوگوں کے ساتھ دکھائی دو جو کسی نہ کسی حوالے سے جرم کی دنیا سے منسلک ہیں۔ میں نے گیتا کالونی ہی میں تمہارا بندوبست کر دیا تھا' مگر اس واقعے کے بعد مجھے نہیں لگتا کہ تم محفوظ رہو گے' اس لیے تمہیں کسی ایسے بندے کے ساتھ رکھنا ہوگا' جہاں کم از کم تمہارا تحفظ ہو سکے۔'' کیشیو نے سوچنے والے انداز میں کہا۔

''لیکن یہاں ہرپریت.....؟'' جسپال نے کہنا چاہا تو وہ بولا۔

''یہ انوجیت کی ذمہ داری ہوگی' دشمن ہمیں ایک جگہ محدود کر دینا چاہتے ہیں' ایسا نہیں ہونا چاہیے۔''

''ہمیں محدود کرنے سے انہیں کیا فائدہ ہوگا؟'' اس نے پوچھا۔

''وہ ہمیں دیوار کے ساتھ لگا کر یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ ہم مدد کے لیے کس کی طرف دیکھتے ہیں یا کون ہماری مدد کو آتا ہے؟ اس سے سارا معاملہ آسانی سے سمجھ میں آ جائے گا۔ دوسرا ہمارے ایک جگہ محدود ہو جانے سے اگر ان پر کوئی حملہ نہیں ہوتا تو بھی وہ سمجھ جائیں گے..... تم ان کے سامنے بھی رہو' لیکن انہیں نقصان پہنچا دو..... میں یہی چاہتا ہوں۔''

''اب کرنا کیا ہے.....؟''

''فوراً تم اوگی میں چلے جاؤ..... اور تمہارا آمنا سامنا بلجیت سے ہو جائے شرط یہ ہے کہ وہ تم پر حملہ آور ہو' ملازمین کی صورت میں کچھ بندے تیرے ساتھ بھیج دوں گا۔''

''ٹھیک ہے' انوجیت آ جائے تو میں اوگی پنڈ چلا جاؤں گا۔''

''اوکے.....! میں دوپہر دو بجے کے قریب تجھے ریسورٹ میں ملتا ہوں۔ وہیں تجھے بتاؤں گا کہ میں نے کیا کیا ہے۔'' یہ کہہ کر اس نے کلائی پر بندھی گھڑی میں وقت دیکھا اور باہر نکلتا چلا گیا۔ وہ چند لمحے کمرے کے باہر کھڑا رہا' پھر ہرپریت کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔ وہ ہنوز محو خواب تھی۔ اس کے چہرے پر پیلاہٹ واضح تھی' وہ اس میں کھویا ہوا تھا کہ انوجیت کا فون آ گیا۔

''جسپال' ہسپتال میں کیا ہنگامہ ہو گیا؟''

''ہو کر ختم بھی ہو گیا۔'' یہ کہہ کر اس نے اختصار سے ساری بات کہہ دی۔ تب وہ بولا۔

''میں ایک گھنٹے میں ہسپتال آ جاتا ہوں' لیکن میرے آنے سے پہلے ہی کچھ لڑکے وہاں آ جائیں گے۔ اب ہرپریت کی ذمہ داری مجھ پر ہے۔''

''میں انتظار کر رہا ہوں۔'' جسپال نے کہا تو اس نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

تقریباً ایک گھنٹے کے بعد پھوپھو کلجیت کور کے ساتھ انوجیت آ گیا۔ اس نے آتے ہی کہا۔

''جسپال.....! اب تو آزاد ہے' جو چاہے کر' میں ہرپریت کو سنبھال لوں گا۔''

''پتر.....! یہ حالات تو کچھ بھی نہیں ہیں۔ اس سے آگے بہت سخت حالات آنے والے ہیں۔ دشمن بہت طاقتور ہے' اور یہ جنگ کب تک رہے گی' اس کا کوئی پتہ نہیں' میری ہرپریت تو ایک دو ہفتے بعد ٹھیک ہو جائے گی لیکن رب تیری خیر کرے۔ دشمن تیری تاک میں ہیں۔''

''رب خیر ہی کرے گا پھوپھو..... تو دل تھوڑا نہ کر' مجھے اوگی پنڈ جانے دے' پھر میں بلجیت سنگھ کو بھی دیکھ لیتا ہوں' اور رن ویر کو بھی' ایک نہ ایک دن تو آمنے سامنے ہونا ہی ہے۔'' اس کے لہجے میں سے غصہ چھلک رہا تھا۔

''جو کچھ بھی ہے پتر' لیکن جنگ میں جوش سے زیادہ ہوش کی ضرورت ہوتی ہے۔ تیرے دشمن طاقتور ہی نہیں' انتہائی چالاک بھی ہیں۔'' کلجیت کور نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''میں آپ کی بات ذہن میں رکھوں گا پھوپھو جی.....'' یہ کہہ کر اس نے انوجیت کی طرف دیکھا' پھر ایک نگاہ ہرپریت پر ڈالی اور باہر کی طرف نکلتا چلا گیا۔ اس کا رخ ریسورٹ کی طرف تھا' جہاں کچھ دیر بعد اس سے کیشیو مہرہ نے آن ملنا تھا۔ وہ جالندھر بائی پاس پر موجود ریسورٹ پہنچا تو اسے یقین ہو گیا کہ کوئی اس کا تعاقب نہیں کر رہا ہے۔ اس نے جاتے ہی اپنا سامان سمیٹا اور بیگ تیار کر کے باہر کاؤنٹر تک آ گیا۔ اس نے وہاں ادائیگی کی' یہاں تک کہ اس میں دو بج گئے اور کیشیو کا فون آ گیا۔ وہ وہیں پر پہنچ رہا تھا۔

وہ دونوں لابی میں بیٹھے ہوئے تھے۔ کیشیو اسے بتا چکا تھا کہ اس نے اے سی پی کو مطلع کر دیا ہے اور دوسری درخواست گزار دی ہے۔ چند چینل کے رپورٹرز کے ساتھ رابطہ کر کے' انہیں اس راہ پر لگا دیا ہے وہ خود ہی خبر بنا کر چلائیں گے۔ وہ صحافیوں کو چلانے کا ہنر جانتا تھا' اس نے کافی حد تک ان کی ضرورت پوری کر دی تھی اور وہ جی جان سے اس کی مدد کرنے کو تیار ہو چکے تھے۔

''اب تم سکون سے اوگی پنڈ جاؤ' اور تمہارا پہلا ٹارگٹ یہی ہونا چاہیے کہ بلجیت سنگھ کسی نہ کسی طرح اپنے بل سے نکلے اور پھر جس طرح پہلے دھمکیاں دے گیا تھا اسی طرح پھر دے' دوسری طرف تم نے رن ویر کو دباؤ میں رکھنا ہے کہ تم پر حملہ آوروں کا کیا بنا' چاہے روزانہ تمہیں پولیس چوکی جانا پڑے۔''

''میں سمجھ گیا کہ تم کیا کہنا چاہ رہے ہو' یہاں ہر حال میں ہرپریت کا خیال رکھنا' میرا سارا دھیان ادھر رہے گا۔'' جسپال نے آہستگی سے کہا تو کیشیو ہنستے ہوئے بولا۔

''اب اوگی اتنا بھی دور نہیں ہے یار' بیس منٹ کا راستہ ہے' جب دل چاہے آ جانا' اور پھر کبھی کبھی تجھے عدالت میں بھی آنا ہوگا شاید' میں نے مقدمہ بھی تو دائر کر دیا ہے' اگرچہ فیصلہ دو چار برسوں میں تو نہیں ہونے والا۔''

''کیشیو.....! تم میری جائیداد والا معاملہ جلد سے جلد حل کر دو' باقی میں دیکھ لیتا ہوں۔'' جسپال نے یوں کہا جیسے اس کی زنجیریں کھل جائیں گی۔

''صرف ایک یا دو ہفتے' تمہارا کیس متعلقہ محکمے کے اہلکاروں نے دیکھ لیا ہے' اب بس ان کے ساتھ رشوت طے ہونی ہے۔''

''تو وہ کرو نا..... دیر کس بات کی ہے؟'' جسپال نے تیزی سے کہا۔

''وہ بھی ہو گیا سمجھو' میں نے ایک دو دن میں فائنل کر لینا ہے۔'' وہ اطمینان سے بولا۔

''اندازاً کتنی رقم مانگ سکتے ہیں' میں اس کا.....'' جسپال نے کہنا چاہا تو وہ ٹوکتے ہوئے بولا۔

''نہیں ضرورت.....جسمیندر نے اکاؤنٹ میں خاصی رقم ڈال دی ہے' تم اس کی فکر نہ کرو۔''

''چل ٹھیک ہے پھر' میں نکلتا ہوں۔'' وہ اٹھتے ہوئے بولا۔

''ہاں وہ میں نے تمہارے لیے دس بندوں کا انتظام کر دیا ہے' وہ تیرے ساتھ حویلی میں رہیں گے' میں نے انہیں اوگی بھیج دیا ہے۔'' کیشیو نے اس سے اٹھ کر ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے۔'' جسپال نے سر ہلاتے ہوئے کہا اور دونوں باہر کی جانب چل دیئے۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد وہ اوگی پہنچ گیا۔ وہ سیدھا کوٹھی گیا۔ وہاں اس نے سامان وغیرہ رکھا پھر جوتی کو بتایا کہ حویلی میں رہنے کے لیے کوئی بندوبست نہیں ہے' وہاں چند لوگوں نے رہنا ہے' اس لیے کم از کم ان کے سونے کا بندوبست کرنے کے لیے بستر نکال دے اور رات کا کھانا تیار کر دے۔ ایسی ہی باتیں بتا کر وہ حویلی کی طرف چل پڑا۔ وہ راستے ہی میں تھا کہ اس کا سیل فون بج اٹھا۔ وہ رن ویر کا فون تھا۔

''واپس اوگی آنے پر خوش آمدید کہتا ہوں جسپال.....''

''اچھا کیا' تم نے خود فون کر لیا' ورنہ میں تیری طرف خود آنے والا تھا۔'' اس نے سرد لہجے میں کہا۔

''تو اب آ جاؤ' میں چوکی ہی میں بیٹھا ہوا ہوں۔ کیا تمہارے ساتھ ہر پریت نہیں آئی' سنا ہے کسی نے اسے گولی ماردی تھی۔''

''اب تمہیں ساری بات کا پتہ ہے تو کیوں چغل خور عورتوں کی طرح کن سوئیاں لے رہے ہو۔'' یہ کہہ کر وہ قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔

''سنا ہے تم نے حویلی میں بدمعاش بھی بلا لیئے ہیں۔ دیکھنا' یہ جو کچھ بھی کریں گے' اس کی تمام تر ذمہ داری تم پر ہوگی۔''

''میں اپنی ذمہ داری جانتا ہوں رن ویر' تم نہیں جانتے ہو۔ اب تک کیا تفتیش کی تم نے.....لگتا ہے تمہیں اب اپنا نام بدلنا پڑے گا۔ وہ کیا کہتے ہیں انہیں جو کسی کا پھینکا ہوا اٹھا کر کھاتے ہیں۔'' اس نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ لیکن غصہ اس کے لہجے سے چھلک گیا تھا۔

''جسپال.....! تم مجھے نہیں جانتے.....مگر آہستہ آہستہ جان جاؤ گے.....میں بندے پر فوراً ہاتھ نہیں ڈالتا' بلکہ اسے مجبور کر دیتا ہوں کہ وہ خود چل کر میرے پاس آئے' تمہیں بھی آنا ہوگا۔ پھر تم جتنے سوال کرنا' میں ان کے جواب دوں گا اور اگر سوال نہ کر سکے تو پھر جواب فوراً دینا۔'' اس نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

''اب تو چل پڑے ہیں رن ویر.....دیکھنا' کیا ہوتا ہے۔'' جسپال نے کہا اور فون بند کر دیا۔

وہ اوگی پنڈ میں پہنچ کر حویلی کے سامنے جا رکا تھا۔ حویلی کے باہر دیگیں چڑھی ہوئی تھیں۔ ایک ٹرک سائیڈ میں کھڑا تھا جس میں سے مزدور سامان اتار کر اندر لے جا رہے تھے۔ سامنے ہی ایک نوجوان سکھ لڑکا کھڑا تھا' جس نے سفید پتلون' پیلے اور ہلکے سبز رنگ کی شرٹ اور سفید ہی پگڑی پہنی ہوئی تھی۔ اس کی چھوٹی چھوٹی داڑھی تھی' وہ اس کی گاڑی کی طرف متوجہ تھا۔ جس یال جب کار سے اتر کر دروازہ بند کر چکا تو وہ آگے بڑھا اور زوردار انداز میں ہاتھ ملاتے ہوئے بولا۔

''میں پریال سنگھ ہوں بائی جی' باقی کو میں ہی لیڈ کروں گا۔''

''اوہ پریال.....! کیسے ہو؟ یہ دیگیں اور یہ سامان.....؟'' اس نے ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔

''دیگیں اس لیے چڑھائی ہیں کہ لوگ یہاں سے آ کر کھانا لے جائیں۔ لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے نا کہ حویلی اباد

ہو گئی ہے اور باقی رہی سامان کی بات تو بائی جی ہم نے یہاں رہنا ہے بستے گھروں میں سامان کے بغیر کیسے رہا جا سکتا ہے۔''

''مطلب.....تم لوگ سارا بندوبست کر کے آئے ہو۔'' جسپال نے کہا۔

''جی بائی جی' کیشیو صاحب نے کہا ہے کہ آپ کو فون کال بھی نہ کرنی پڑے' رقم کا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔''

''کیشیو صاحب بہت اچھے ہیں۔'' میں نے کہا تو وہ حویلی کی جانب بڑھتے ہوئے بولا۔

''آئیں' میں آپ کو سب سے ملواتا ہوں۔''

''ہاں چلو۔'' جسپال نے کہا اور دونوں اندر کی جانب بڑھ گئے۔

❁ ❁ ❁.....❁ ❁

دن اچھا خاصا نکل آیا تھا جب میری آنکھ کھلی' میں چھت پر ہی پڑا تھا۔ مجھے کسی نے جگایا ہی نہیں تھا۔ میں رات سونا نہیں چاہتا تھا لیکن نجانے اتنے زوروں کی نیند کہاں سے آ گئی۔ سورج کی گرمی کا احساس ہی تھا' جس نے مجھے جاگنے پر مجبور کر دیا۔ میں نے ادھر ادھر دیکھا' پھر اٹھ کر نیچے آ گیا۔ میں سیدھا باتھ روم میں گیا۔ وہاں خوب نہا کر کسلمندی دور کی' واپس اندر کی طرف آیا تو کمرے میں ناشتہ لگا ہوا تھا۔ مگر نہ اماں دکھائی دی اور نہ سوہنی۔ میں نے ناشتہ کیا' ٹھنڈی لسی کے گلاس نے پرسکون کر دیا۔ میں اس وقت گلاس رکھ کر تھوڑا سکون کرنا چاہ رہا تھا کہ سوہنی کمرے میں آئی' وہ کافی حد تک سوگوار سی تھی۔ میں نے ایک نگاہ اس کی طرف دیکھا' وہ ایک ٹک میری طرف دیکھے چلی جا رہی تھی۔ اس کے لب دھیرے دھیرے لرزاں تھے۔ میں فی الحال اس کا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس لیے فوراً ہی باہر جانے کا سوچا' میں نے اپنا جوتا پہنا اور باہر جانے کی نیت سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے بھانپ لیا کہ میں جانا چاہتا ہوں' اس لیے سوہنی نے بڑے نرم انداز میں اپنا ہاتھ میرے کاندھے پر رکھ دیا۔ میں نے مڑ کر اسے دیکھا' اس نے ایک لمحہ میری آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں اور پھر میرے گلے لگ کر زار و قطار رونے لگی۔ میں نے اسے رونے دیا۔ ہچکیوں اور سسکیوں میں اس کا بدن لرزنے لگا۔ میں نے اسے سنبھالا دیا اور خود سے الگ کرتے ہوئے کہا۔

''یہ کڑوا گھونٹ تو تجھے پینا ہی ہوگا سوہنی۔''

''میں.....میں.....تو ذہنی طور پر پہلے ہی تیار تھی۔ مگر اتنی جلدی ایسا ہو جائے گا' یہ میں نے نہیں سوچا تھا.....باپ.....ملا بھی.....تو بس چند گھنٹے.....'' یہ کہتے ہوئے وہ پھر سے رونے لگی۔

''سوہنی.....! جتنا رو سکتی ہو' اپنے باپ کو رو لو' پھر اس کے بعد نہیں رونا.....سوچو' تم چند گھنٹے کے باپ کو رو رہی ہو' جو تمہیں بھی زندہ نہیں دیکھنا چاہتا تھا' میں بھی تو ہوں.....جسے باپ کے لمس کا احساس تک نہیں' مجھے میرے باپ کی شفقت چھیننے والا وہی شخص تھا' اب رو لو جتنا رونا ہے.....'' میں نے بہت حد تک اپنے جذبات پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

''کیا میں اپنے باپ کی میت پر جا نہیں سکوں گی۔ میں اس کا چہرہ آخری بار نہیں دیکھ سکوں گی؟'' سوہنی نے کہا۔

''میں اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا' میں ابھی باہر جاؤں گا' باہر کی فضا کیا ہے' اس بارے میں معلومات لوں گا' پھر کچھ کہہ سکتا ہوں۔'' میں نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

''اگر ممکن ہو سکے تو خدارا.....'' اس نے منت بھرے انداز میں کہا تو میں نے اس کی آنکھوں سے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

''سوہنی.....اتنی نرم دل مت بنو' جو لوگ اس دنیا سے چلے جاتے ہیں' انہیں بھولنا پڑتا ہے۔ نہ بھولیں تو روگ بن جاتا ہے۔ جس کی مثال میں ہوں۔ مردہ چہروں کو آنکھوں میں مت رکھو۔ لیکن اگر تم چاہتی ہو تو حویلی چلی جاؤ' میں اماں کے ساتھ تمہیں بھیج دیتا ہوں۔ مجھے نہیں لگتا کہ.....'' میں نے فقرہ جان بوجھ کر ادھورا چھوڑ دیا۔

''اماں تو صبح کی وہاں چلی گئی ہیں۔ میں جانتی ہوں کہ مجھے وہاں دھتکار دیا جائے گا۔'' سوہنی نے کسی حد تک خود پر قابو پالیا تھا۔

''پھر بھی تم چاہتی ہو؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''ضروری تو نہیں کہ بندے کی ساری خواہشیں پوری ہو جائیں۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے ایک گہری سانس لی اور بیڈ پر بیٹھ گئی۔ اس نے میرا ہاتھ نہیں چھوڑا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ میں بھی اس کے پاس وہیں بیٹھ جاؤں' میں نے لمحہ بھر کو سوچا اور پھر اس کے پاس بیٹھ گیا۔

''دیکھ سوہنی' تجھے چاہے جائیداد کی بھوک ہے یا نہیں لیکن شاہ زیب کو ہے' وہ کسی صورت بھی تجھے زندہ نہیں دیکھنا چاہے گا۔ اب تجھے اپنے اپنے راستے سے ہٹانے کا وہ کوئی طریقہ بھی آزمائے' ممکن ہے وہ تجھے بہن کا مان اور عزت دے کر حویلی بھی لے جائے یا پھر سیدھے سبھاؤ قتل کروانے کی کوشش کرے یا ممکن ہے کوئی سازش کر کے قتل کروائے..... اس سے کچھ بھی بعید نہیں ہے۔''

''میں جانتی ہوں جمال.....! مجھے جائیداد کی قطعاً کوئی بھوک نہیں۔ اور نہ ہی میں اس کے لیے کوشش کروں گی' میری ماں کے پاس اتنا سرمایہ ہے کہ میں سکون سے زندگی گزار لوں' اور اگر میری ماں بھی مجھے اپنے گلے نہ لگائے تو مجھے اتنا یقین ہے' تُو مجھے ضرور اپنی جوتیوں میں جگہ دے دے گا۔'' سوہنی نے کچھ اس انداز سے کہا کہ میرے دل میں اس کے لیے ہمدردی' پیار اور محبت کی لہریں ایک دوسرے سے اٹھکیلیاں کرتی ہوئی کہیں دور تک پھیل گئیں۔

''یہ یاد رکھو' میں اب تجھے کبھی نہیں چھوڑوں گا' لیکن کبھی بھی تم پر نہ اپنا دعویٰ رکھوں گا اور نہ جبر کروں گا' تم اپنی مرضی کی مالک ہو' جو چاہو سو فیصلہ کرو۔'' میں نے اپنی سوچ کا اظہار کر دیا۔ تبھی اس نے مسکراتے ہوئے میری طرف دیکھا اور بولی۔

''میں تجھے اپنا دل دے چکی ہوں جمال' ایک عام لڑکی جب اپنا دل دے دیتی ہے نا' تو پھر وہی اس کا سب کچھ ہوتا ہے' وہ چاہے جان لے لے یا زندہ رکھے..... میں تو پھر ایک طوائف ہوں' طوائف کا جس پر دل آ جائے نا' وہ.....'' سوہنی نے کہنا چاہا تو میں نے اس کے ہونٹوں پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ پھر گہری سنجیدگی سے کہا۔

''کیا تم ایسا نہیں کر سکتی ہو کہ خود کو طوائف سمجھنا چھوڑ دو' اس زندگی کو بھول جاؤ؟''

''تم چاہو تو.....'' اس نے بڑے گھمبیر لہجے میں جواب دیا۔

''سوہنی.....! میں تم سے جھوٹ نہیں بولوں گا' میں تم سے محبت محسوس کرتا ہوں اور بلاشبہ تم اتنی پیاری ہو' ایسی ہو کہ تم سے محبت کی جائے' لیکن مجھے خود پر اعتماد نہیں ہے' آج میں ہوں' پتہ نہیں اگلے چند لمحوں میں' یا محض چند گھڑیوں میں نہ رہوں [illegible] سنسناتی ہوئی گولی' میرا جسم ٹھنڈا کر دے..... اور پھر.....''

''ایسا نہ کہو جمال.....!'' اس نے تڑپ کر کہا۔

''نہیں..... مجھے کہنے دو..... جس طرح کی جنگ میں نے چھیڑ لی ہے اس میں بہت کچھ بھی کچھ نہیں ہے۔ کل اگر شاہ زیب مجھے اپنے ڈیرے پر مار دیتا تو کیا ہوتا' زندگی اور موت بے شک اللہ کے ہاتھ میں ہے لیکن یوں بھی تو ہو سکتا ہے نا میری باقی زندگی کسی جیل خانے میں گزر جائے' یا میں اشتہاری بن جاؤں۔ زندہ ہوتے ہوئے بھی تم تک رسائی نہ ہو؟'' میں نے اسے اس حقیقت سے آگاہ کیا جس کے بارے میں وہ بھی اچھی طرح آگاہ تھی۔ وہ چند لمحے سوچتی رہی پھر بولی۔

''تم ایسا کیوں نہیں سوچتے ہو کہ تمہارا جو مقصد تھا' وہ پورا ہو چکا۔ ہم یہ جگہ' یہ علاقہ ہی چھوڑ دیتے ہیں۔ میں اپنی

زندگی کو چھوڑ دیتی ہوں۔ ہم کسی دوسری جگہ ایک نئی زندگی کا آغاز کریں۔''

''بہت اچھی بات ہے۔ میں بھی ایک پرسکون زندگی چاہتا ہوں' ایک پرسکون گھر کا خواب میرے اندر بھی ہے' لیکن سوہنی' کیا یہ سب ایک دو دن میں ہو سکتا ہے' ہمیں یہاں سے سمیٹ کر کسی نئی جگہ پر جا کر' نئی زندگی شروع کرنے میں کچھ دن تو لگیں گے۔ میں تیری بات مان لیتا ہوں' پھر بھی اگر میری زندگی میں سکون نہ رہا' وہی سب کچھ ہوا' جو میں نے تمہیں پہلے کہا ہے تو پھر.....؟'' میں نے تیزی سے کہتے ہوئے اس سے پوچھا۔

''وہ جب وقت آئے گا تو دیکھا جائے گا۔''

''سوہنی..... تب مجھے وہ زندگی چھوڑتے ہوئے بہت دکھ ہوگا۔ اتنا دکھ کہ شاید تم اس کا تصور بھی نہ کر سکتی ہو۔ اس وقت میری اکیلی جان ہے' میرے ساتھ کچھ بھی ہو جائے' مجھے کچھ فرق نہیں پڑنا۔''

''تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ اس وقت تم اکیلی جان ہو' کیا اماں نہیں ہے' کیا میں نہیں ہوں۔'' اس نے تڑپ کر کہا۔

''سن.....! جب اماں نے مجھے یہ راستہ دکھایا تھا تو ساتھ میں یہ سبق بھی دے دیا تھا کہ پتر' خود کو اکیلا ہی سمجھنا' میری فکر مت کرنا' میرے بارے میں سوچو گے تو کچھ بھی نہیں کر پاؤ گے' یہ سبق میں نے یاد رکھا' اس نے مجھے حوصلہ دیا' آج میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو چکا ہوں لیکن یہ کامیابی ابھی ادھوری ہے' شاہ زیب نے پلٹ کر مجھ پر وار کرنا ہے' اور میں بزدلوں کی طرح یہاں سے بھاگ جانا نہیں چاہتا' یہیں رہنا چاہتا ہوں' اور جہاں تک تمہاری بات ہے' تمہارا یہ چند دن کا ساتھ مجھے یوں لگتا ہے جیسے ہم صدیوں سے ایک ہوں۔ بلاشبہ تم مجھے اچھی لگتی ہو' لیکن تم بتاؤ' کیا میں ان حالات میں ایک گھر بنا سکتا ہوں' تمہارے خوابوں میں رنگ بھر سکتا ہوں۔'' میں بے حد جذباتی ہو گیا تھا' اس لیے کہتا چلا گیا۔

''جمال.....! تم جو سوچو' جو چاہو' میں تمہاری ہوں' زندگی کے آخری لمحے تک میں تیری منتظر رہوں گی' میں اپنا آپ تیرے لیے وقف کر چکی ہوں۔'' اس نے آہستگی سے کہا اور اپنا سر میرے کاندھے پر رکھ دیا۔ تبھی میں نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''زندگی میں بھی جینا چاہتا ہوں' لیکن اک ذرا صبر' میں نے خود یہاں نہیں رہنا' یہاں سے دور بہت دور چلے جانا ہے' تم جانتی ہو کہ میں یونہی اچانک اس کھیل سے نہیں نکل سکتا۔ ذرا وقت لگے گا' اور تم میرے ساتھ اس وقت تک کا انتظار کر لو۔''

''میں تمہاری ہوں' تم میری زندگی کے مالک ہو۔ جو چاہو اور جیسا فیصلہ کرو' مجھے قبول ہوگا۔'' اس نے حتمی انداز میں کہا۔ تبھی میں نے اس کی زلفوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے کہا۔

''بس یہی یقین رکھنا کہ میں تمہارا ہوں اور تمہارا ہی رہوں گا۔ یہ چند دن' چند ہفتے بھی ہو سکتے ہیں' چند مہینے' پھر ہم ایک نئی زندگی کا آغاز کریں گے اور اگر میں نہ رہا تو.....''

''ایسا مت سوچو.....'' اس نے جلدی سے خود کو الگ کر کے میرے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

''تم یہ باتیں برداشت نہیں کر پا رہی ہو' تمہیں تو میرے ساتھ چلتے ہوئے بہت بہادر ہونا پڑے گا۔ بہت حوصلہ رکھنا پڑے گا۔'' میں نے اس کے ہونٹوں کی نرماہٹ کو اپنی انگلی کی پور سے محسوس کرتے ہوئے کہا۔

''تم دیکھنا جمال' میں تیرے رنگ میں خود کو کیسے رنگتی ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ دوبارہ میرے کاندھے سے لگ گئی۔ میں کچھ دیر اس کی پیٹھ تھپکتا رہا' ایسے میں گیٹ بجنے کی آواز آئی..... وہ مجھ سے الگ ہو گئی' میں اٹھا اور گیٹ تک گیا۔ باہر چھاکا تھا' وہ خاموشی سے چلتا ہوا میرے ساتھ دالان میں آ کر بیٹھ گیا۔ کچھ دیر بعد ادھر ادھر دیکھا اور پوچھا۔

''اماں نہیں ہے؟''

''وہ حویلی گئی ہے۔ سنا ہے سردار شاہ دین قتل ہو گیا ہے۔'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ مقصد یہی تھا کہ وہ اس حوالے سے مجھے مزید باتیں بتائے۔

''ہاں..... سنا تو یہی ہے' کوئی کہتا ہے اس نے خودکشی کر لی ہے' اور کوئی کہتا ہے قتل ہوا ہے' وہ کوئی بہت ہی ظالم قاتل تھا جس نے اس کے نرخرے پر خنجر پھیر دیا۔ ویسے اگر وہ خودکشی کر لیتا تو زیادہ اچھا نہیں تھا؟'' چھاکے نے سرسری انداز میں پوچھا۔

''میرے خیال میں اس کے ذہن میں یہ بات نہیں آئی ہوگی۔ خیر..... پتہ چلا کہ شاہ زیب کیا کہتا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''وہ ابھی تک خاموش ہے۔ پولیس آئی تھی صبح صبح..... کیونکہ قتل کا پتہ ہی صبح چلا ہے۔ رات سارے ملازمین اور سیکیورٹی گارڈ ڈیرے پر تھے۔ وہاں کیا کھچڑی پکتی رہی ہے یہ تو ابھی معلوم نہیں ہوا۔ مجھے چاچا بیرو ابھی نہیں ملا' میں ایک چکر اس کے گھر کا لگا آیا ہوں' وہ حویلی میں ہے' آتا ہے تو معلوم ہو جائے گا۔''

''تو پولیس کے آنے کے بارے میں بتا رہا تھا۔'' میں نے پوچھا۔

''ہاں پولیس آئی تھی' انہوں نے لاش کو قبضے میں لے لیا ہے اور قصبے والے ہسپتال میں لے گئے ہیں۔ شاہ زیب بھی ساتھ ہے' یقیناً اب ایف آئی آر درج ہوگی' سردار تو پورا زور لگا دیں گے قاتل پکڑنے کے لیے۔''

''علاقے کی کیا صورتحال ہے' کیا علاقے میں یہ بات گردش نہیں کر رہی ہے کہ شاہ زیب اپنے باپ کا قاتل خود بھی ہو سکتا ہے' اس نے کسی کرائے کے قاتل سے یہ قتل کروایا' کیونکہ وہ اپنے باپ سے ناراض تھا' سیکیورٹی والوں کے ساتھ ڈیرے پر تھا' شک تو جاتا ہے نا اس کی طرف.....'' میں نے سوچتے ہوئے کہا۔

''ہاں..... یہ تو ممکن ہے کہ ایسی بازگشت بھی ہو' پھر ناراضگی کی وجہ بھی سامنے آئے گی' پولیس والے تو جانتے ہیں نا کہ شاہ زیب ناراض تھا' ایک دوسرے کے ساتھ اچھی خاصی جھڑپ بھی ہو چکی تھی۔'' چھاکے نے بھی سوچتے ہوئے کہا۔

''تو اچھا ہے ناراضگی کی وجہ معلوم ہو جائے' علاقے میں پتہ چلے گا تو ساری کہانی لوگوں پر کھل جائے گی' میرا خیال ہے سوہنی کو اس علاقے میں عزت و احترام ملنا چاہیے۔ یہ ثابت کرنا ہوگا کہ وہ طوائف نہیں ہے۔'' میں نے چھاکے کی طرف دیکھ کر کہا۔

''سب کچھ ممکن ہے' جمالے..... دیکھیں اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔ شاہ زیب پر ہی ہے نا کہ وہ شک کی انگلی کس کی طرف کرتا ہے۔ پھر وہیں سے بات چلے گی۔ میرے خیال میں یہ چند دن تو وہ کچھ نہیں کر پائے گا۔ ظاہر ہے ان کے تعلق کا دائرہ وسیع ہے۔ اس کا اپنا ایک سیاسی اثر و رسوخ بھی تھا' یہ سلسلہ چلے گا' پھر دیکھیں گے کیا ہوتا ہے۔'' وہ یوں بولا جیسے راوی ابھی چین ہی چین لکھتا ہے۔

''گاؤں کے لوگ کیا کہتے ہیں۔ نور نگر میں تو حیرت پھیل گئی ہوگی۔'' میں نے پوچھا۔

''ہاں' حیرت تو ہے وہ سوچ رہے ہیں کہ اتنے بڑے بندے پر ہاتھ کس نے ڈال دیا۔ خیر.....! جمالے جو ہونا تھا وہ تو ہو گیا' تم ذہن میں رکھنا کہ اس قتل کی تفتیش بڑے اعلیٰ پیمانے پر ہوگی اور ہو سکتا ہے اگر شاہ زیب نے چاہا تو..... ورنہ کچھ بھی نہیں ہوگا۔'' اتنا کہہ کر اس نے آہستگی سے کہا۔ ''تم بہت محتاط رہنا۔''

''میں محتاط ہی ہوں۔ میں بہت کچھ سوچ چکا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ شاہ زیب کیسی سوچ رکھتا ہے۔ میں نے اس کے بارے میں ابھی کچھ نہیں کرنا' ہاں اگر اس نے کچھ کیا تو اپنا دفاع کرنا تو بنتا ہے چھاکے.....''

''وہ تو ہے..... خیر.....! اب دیکھتے ہیں کہ اپنے منہ سے ہوا کیا نکالتا ہے تو پھر سوچیں گے کہ ہمیں کیا کرنا ہے.....'' یہ کہہ کر اس نے ادھر ادھر دیکھا اور پوچھا۔ ''اماں تو حویلی گئی ہے' کیا سوہنی بھی گھر پر نہیں ہے۔''

اس نے اتنا ہی پوچھا تھا کہ کچن میں سے سوہنی نے آواز دی۔

''ہاں چھاکے کیا بات ہے' میں ادھر چائے بنا رہی ہوں تمہارے لیے۔''

''بس یہی کہنا تھا میں نے..... جلدی سے بنا لاؤ.....'' اس نے کہا اور میری طرف دیکھ کر مسکرا دیا۔ اس سے پہلے کہ ہم کوئی بات کرتے' گیٹ پر دستک ہوئی' میں قدرے حیران ہوا کہ اماں کو دستک دینے کی کیا ضرورت' دروازہ تو کھلا ہوا ہے ممکن ہے کوئی اور ہو' یہی سوچ کر میں اٹھا اور گیٹ تک گیا۔ میں نے باہر جھانکا تو سامنے ڈی ایس پی کھڑا تھا' اس کے اردگرد بہت ساری پولیس کی نفری تھی۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''میں باہر والا کمرہ کھولتا ہوں۔''

یہ کہہ کر میں نے گیٹ بند کرنا چاہا تو اس نے میرا بازو پکڑ لیا' پھر بڑے سرد سے لہجے میں بولا۔

''میں تمہیں گرفتار کرنے کے لیے آیا ہوں۔ چالاکی دکھانے کی کوشش کی تو گولی مار دوں گا۔'' میں نے اس کے چہرے پر دیکھا اور پھر پلٹ کر اندر کی جانب نگاہ دوڑائی' سوہنی اور چھاکا مجھے دیکھ رہے تھے۔ میرے سامنے ڈی ایس پی' میرا بازو پکڑے ہوئے میری گرفتاری کا اعلان کر چکا تھا۔

❁ ❁ ..... ❁ ..... ❁ ❁

''میں بھاگوں گا نہیں ڈی ایس پی صاحب! اور نہ میں یہ پوچھوں گا کہ مجھے کیوں گرفتار کیا جا رہا ہے۔ چلیں' میں چلتا ہوں آپ کے ساتھ.....'' میں نے تحمل سے کہا تو وہ غصے اور رعب زدہ لہجے میں بولا۔

''تم بھاگ سکتے بھی نہیں ہو۔ اگر بھاگ سکتے ہو تو بھاگ کر دکھا دو۔''

اس کا انداز مجھے چیلنج کرنے والا تھا۔ مگر میں نے خود کو ٹھنڈا رکھتے ہوئے کوئی جواب نہیں دیا۔ میں سوچ چکا تھا کہ میں نے کسی قسم کی کوئی مزاحمت نہیں کرنی۔

''کہا نا..... گرفتار کر لیں مجھے۔'' میں نے کہا تو اسی غصے بھرے لہجے میں بولا۔

''یہ نہیں پوچھو گے کہ میں تمہیں کس جرم میں پکڑ کر لے جا رہا ہوں؟''

''میں نے کوئی جرم نہیں کیا' اور کوئی چاہے تو بکری چوری کا الزام بھی لگا سکتا ہے۔ آپ گرفتار کرنے آئے ہیں تو کر لیں مگر میں یہ ثابت کر دوں گا کہ میں نے یہ قتل نہیں کیا' محض مجھے پھنسایا جا رہا ہے۔ یہ آپ بھی جانتے ہیں۔'' یہ کہتے ہوئے میں نے دھیرے سے اپنا بازو چھڑوایا اور پولیس وین کی جانب بڑھ گیا جو مجھ سے چند قدم کے فاصلے پر کھڑی تھی۔

''ہتھکڑی لگاؤ اسے.....'' اس نے اونچی آواز میں اپنے کسی ماتحت سے کہا۔ اگلے ہی لمحے ایک کانسٹیبل آگے بڑھا اور اس نے مجھے ہتھکڑی لگا دی۔ میں اس کے ساتھ پولیس وین میں جا بیٹھا۔ میں نے دیکھا سوہنی گیٹ کی درز سے مجھے دیکھ رہی تھی' اس کی آنکھیں حیرت سے پھیلی ہوئی تھیں۔ میں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے اطمینان رکھنے کو کہا' تب تک وین چل دی' اس کے آگے پیچھے گاڑیوں کا قافلہ یوں چل پڑا جیسے کسی اشتہاری مجرم یا پھر کسی دہشت گرد کو پکڑا جاتا ہے۔

جلد یا بدیر ایسا ہونا ہی تھا۔ میں چاہے لاکھ محتاط رہتا' کوئی ثبوت بھی نہ ہوتا لیکن شاہ زیب نے پھر بھی مجھے گرفتار ضرور کروانا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ یہ قتل میرے سوا کوئی اور کر ہی نہیں سکتا تھا۔ اب یہ الگ بات تھی کہ وہ مجھ پر یہ جرم ثابت کر سکتا تھا یا نہیں۔ مجھے اس کے سیاسی اثر و رسوخ اور تعلقات کا پوری طرح اندازہ تھا۔ وہ چاہے جرم ثابت کر سکتا

یا نہیں لیکن قانونی شکنجے میں جکڑ کر مجھے انتہائی کمزور کرنے کی بھرپور کوشش ضرور کر سکتا تھا۔ لاشعوری طور پر میں بھی یہی چاہتا تھا کہ وہ مجھ پر الزام لگائے اور میں اس میں بری ہو جاؤں' پھر کوئی بھی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ سردار شاہ دین کو میں نے مارا ہے۔ اب یہ شاہ زیب سے اک نئی طرح سے جنگ تھی۔ اس نے مجھے پھانسی گھاٹ لے جانا تھا اور میں نے اسے بچ کر دکھانا تھا۔ اب یہ کیسے ممکن ہو پاتا' اس بارے میں قطعاً نہیں جانتا تھا' ہاں مگر اس جنگ کی شروعات ہو چکی تھی۔ میں اس سے کسی اور طرح کی جنگ لڑنا چاہتا تھا لیکن اس نے پہل کر دی تھی۔ پولیس گاڑیوں کا قافلہ تیزی سے چلتا چلا جا رہا تھا۔ اس وقت میں بالکل بھی یہ نہیں سوچ رہا تھا کہ اب آگے کیا ہوگا' لیکن لاشعوری طور پر مجھے پریشانی تو لاحق ہو گئی تھی۔ مقدمہ بازی میں نجانے کتنا وقت لگے' فی الحال تو ضمانت کروانے پر ہی سارا زور لگ جانا تھا۔ میں نے تمام تر سوچوں کو جھٹک دیا۔ اب جو ہونا تھا وہ ہو کر ہی رہنا تھا۔

قصبے کے تھانے میں یہ گاڑیوں کا قافلہ آ کر رک گیا۔ میرے اترنے سے پہلے ہی پولیس نفری نے مجھے گھیرا ہوا تھا۔ تاثر یہی تھا کہ جیسے کسی بہت بڑے مجرم کو گھیرے میں رکھا ہوا ہے۔ میں جانتا تھا کہ یہ مجھ پر نفسیاتی دباؤ ہے۔ اور اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا تھا کہ پولیس میرے بارے میں کس حد تک سنجیدہ ہو چکی ہے۔ اب یہ مجبوری میں تھا یا فرض شناسی کے باعث' میں نہیں جانتا تھا۔ مجھے اس گھیرے میں ڈی ایس پی کے کمرے میں لے جایا گیا' جو ذرا ہٹ کر تھا۔ وہی ڈی ایس پی جو رات تک ہمارے اور سردار کے درمیان سمجھوتہ کروا رہا تھا اب وہی آفیسر بنا مجھے گھور رہا تھا۔

''دیکھو جمال! کسی بھی قسم کی چالاکی یا ہوشیاری دکھانے کا مطلب اپنی موت کو آپ دعوت دینا ہوگا۔ تم پر سردار شاہ دین کے قتل کا ہی الزام نہیں بلکہ اس کے ڈیرے پر حملہ کرنے' وہاں چھ قتل کرنے کا بھی تم پر الزام ہے' کوشش کریں گے کہ ہم آج ہی تمہیں عدالت میں پیش کریں اور تمہارا ریمانڈ لے لیں۔ مجھے امید ہے کہ تم ہمارے ساتھ تعاون کرو گے۔''

''ڈی ایس پی صاحب! آپ مجھ پر جتنے چاہے الزام لگا لو' یہ آپ کا اختیار ہے یا پھر آپ کی مجبوری' کیا آپ مجھے یہ بتانا پسند کریں گے کہ مجھ پر الزام لگانے والا کون ہے؟ کس نے کہا ہے کہ یہ سب میں نے کیا ہے؟''

''سردار شاہ زیب نے تمہارے خلاف ایف آئی آر درج کروائی ہے۔ نامزد پرچہ ہے تمہارے خلاف۔'' ڈی ایس پی نے کہا۔

''ٹھیک ہے جناب! اب قتل مجھ پر ڈال دیا گیا ہے' پرچہ بھی ہو گیا ہے تو میں بھگتوں گا۔'' میں نے بڑے تحمل سے کہا۔

''بس تمہیں یہی بتانا تھا کہ تم پر کیا الزامات ہیں' تعاون کرو گے تو میں تمہارے لیے نرم گوشہ پیدا کر سکتا ہوں ورنہ.....'' یہ کہتے ہوئے اس نے جان بوجھ کر فقرہ ادھورا چھوڑ دیا۔ اس ورنہ کہنے کے بعد بڑے معنی خیز انداز میں دیکھا تھا۔ اس کا مقصد میں سمجھ گیا تھا' وہ محض مجھے نفسیاتی دباؤ اور خوف زدہ کرنا چاہتا تھا۔ اس نے مجھے لے جانے کا اشارہ کیا تو انسپکٹر نے میرا بازو پکڑا اور باہر کی جانب لے جانے لگا۔ انہی لمحات میں پیرزادہ وقاص اسی دفتر میں داخل ہوا۔ اس نے آتے ہی ماحول کا جائزہ لیا' پھر سیدھا ڈی ایس پی کے پاس جا کر ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

''آپ جمال کو گرفتار کر کے لے تو آئیں ہیں لیکن جب تک میں اس کی ضمانت نہ کروا لوں آپ نے اس کو ہاتھ بھی نہیں لگانا' یہ نہ ہو کہ آپ اس پر تشدد کریں۔''

''آپ بیٹھیں تو سہی۔'' ڈی ایس پی نے انسپکٹر کو رکنے کا اشارہ کرتے ہوئے پیرزادہ وقاص سے کہا مگر وہ بیٹھا نہیں' کھڑے کھڑے بولا۔

''نہیں' میں بیٹھنے کے لیے نہیں آیا' بس جمال کا پتہ کرنے آیا تھا' اور یہ تصدیق کرنے آیا تھا کہ اس کی گرفتاری ڈال دی ہے یا نہیں۔''

''کیا مطلب ہے آپ کا.....'' ڈی ایس نے تیوری چڑھا کر کہا۔

''مطلب یہ کہ گرفتاری ڈالیں گے تو میں ضمانت کراؤں گا' اگر آپ اس کی گرفتاری ہی نہیں ڈالتے اور رات کو..... یا کسی وقت بھی.....'' یہ کہتے ہوئے اس نے اشارے سے ختم کرنے کی بات کی۔

''مطلب آپ کا یہ کہنا ہے کہ ہم اسے ماورائے عدالت قتل کر سکتے ہیں؟'' اس نے غصے میں کہا۔

''ظاہر ہے ایسا ہوتا ہے اور ہو رہا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ شاہ زیب نے ہمدردی کی آڑ میں کہاں تک رسائی حاصل کر لی ہے۔ محض الزام پر آپ نے اسے گرفتار کر لیا' ایسا کیسے ہو گیا؟'' پیرزادہ وقاص نے کافی حد تک غصے میں کہا تو ڈی ایس پی نے تحمل سے کہا۔

''اگر آپ یہ ساری باتیں سمجھتے ہیں تو پھر اپنی رسائی بتائیں اور دکھائیں' یہ تو اپنی اپنی ہمت کی بات ہے۔''

''ٹھیک ہے' میں کوئی آپ سے ہمدردی کی بھیک نہیں مانگنے آیا' بس یہی بتانے آیا ہوں کہ ضمانت ہو جانے تک آپ اس پر نہ تشدد کریں اور نہ ہی ذہنی اذیت دیں گے۔'' یہ کہہ کر وہ پلٹا اور سیدھا میرے پاس آ کر میرے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ ''سن جمال! میں ساری بات سمجھ سکتا ہوں' میں نے اپنی کوشش شروع کر دی ہے' انہوں نے ابھی تک تمہاری گرفتاری نہیں ڈالی' اس کا مطلب ہے کہ کہیں نیت میں فتور ہے' شام ہونے تک انہوں نے اگر گرفتاری نہ ڈالی تو پھر جو مجھ سے ہو سکا میں کروں گا' تم حوصلہ رکھنا' اور آنکھیں کھلی رکھنا' باقی میں دیکھ لیتا ہوں۔''

''ٹھیک ہے۔'' میں نے کہا تو وہ تیزی سے باہر کی طرف چل دیا۔ انسپکٹر نے ڈی ایس پی کی جانب دیکھا اور پھر مجھے لے کر آفس سے نکلتا چلا گیا۔

جس وقت انہوں نے مجھے گرفتار کیا تھا' اس وقت میرے ذہن میں اتنا کچھ نہیں تھا۔ پیرزادہ وقاص کے آنے تک میرے ذہن میں کہیں کہیں کچھ خدشات تھے' مگر مجھے یقین نہیں آ رہا تھا لیکن وہ آ کر ڈی ایس پی کے سامنے بات کھول گیا تھا اور مجھے ان کی نیت کا اندازہ ہو گیا۔ تب مجھے اپنی فکر ہی نہیں لاحق ہوئی' بلکہ گاؤں میں موجود اماں اور سوہنی کے بارے میں بھی خطرہ محسوس ہونے لگا۔ شاہ زیب جیسا بندہ انتقام میں آ کر کچھ غنڈے میرے گھر پر بھیج دے تو..... اس سے آگے میں نہ سوچ سکا' میرے اندر غصے کی لہر دوڑنے لگی۔ میں اس معاملے کو جس قدر آسان سمجھ رہا تھا' ویسا نہیں تھا' مجھے پولیس کے شکنجے میں کس کر وہ کچھ بھی کر سکتا تھا' میں ایک دم سے مضطرب ہو گیا۔

❀

اوگی پنڈ میں سورج غروب ہو چکا تھا۔ جسپال نے حویلی سے فون کر کے جوتی کو بتا دیا تھا کہ وہ بستروں وغیرہ کا بندوبست نہ کرے' وہ کافی دیر تک پریال سنگھ کے ساتھ حویلی میں رہا پھر واپس کوٹھی آ گیا۔ وہ مسلسل ہرپریت کو سوچے چلا جا رہا تھا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ وہ اس کے بغیر اس گھر میں تھا۔ اب تک اس نے کئی بار انوجیت کو فون کر کے ہرپریت کے بارے میں پوچھ لیا تھا۔ ہر بار اس نے تازہ صورت حال سے آگاہ کیا تھا' جو ہنوز پہلے ہی کی طرح تھی۔ اس وقت وہ ڈرائنگ روم میں بیٹھا انہی سوچوں میں کھویا ہوا تھا کہ بنتا سنگھ اندر آ گیا۔

''ہاں کیا بات ہے بنتا سنگھ.....؟'' اس نے پوچھا۔

''وہ جی' باہر پنڈ سے کچھ بندے آپ سے ملنے کے لیے آئے ہوئے ہیں۔'' اس نے بتایا۔

''کون ہیں؟''

''اوگی پنڈ ہی سے ہیں۔ کوئی دس بارہ بندے ہیں۔'' بنتا سنگھ نے دس بارہ پر زور دیتے ہوئے کہا تو جسپال نے اس کی طرف دیکھا پھر سوچتے ہوئے کہا۔

''اچھا چلو انہیں لان میں بٹھاؤ' میں آتا ہوں۔''

''جی ٹھیک ہے۔'' یہ کہہ کر وہ واپس پلٹ گیا۔ تبھی اس نے انوجیت کو تازہ ترین صورت حال کے بارے میں بتایا کہ پہلے تو کبھی یوں لوگ ملنے کے لیے نہیں آئے تھے۔

''ان سے ملو' دیکھو کون ہیں' اور بات کیا کرتے ہیں۔ پھر مجھے تفصیل سے بتانا' تبھی بات سمجھ میں آئے گی' ممکن ہے یہ بھی بلجیت سنگھ کی کوئی چال ہو۔''

''ٹھیک ہے' میں ان کی بات سن کر ہی تم سے بات کرتا ہوں۔'' جسپال نے کہا اور پھر فون بند کر دیا۔ بنتا سنگھ نے پہلے لان میں کرسیاں رکھیں' پھر ان لوگوں کو بلا لایا' جسپال انہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ مختلف عمر کے لوگ تھے۔ جیسے ہی وہ بیٹھے تو اس نے جوتی کو بلا کر کہا۔

''وہ باہر جو بندے آئے ہیں ان کے لیے کوئی مشروب وغیرہ بھیج دو۔''

''میں سوڈا بھجوا دیتی ہوں۔'' جوتی نے کہا اور کچن کی طرف چلی گئی اور وہ باہر ان لوگوں کے پاس چل آ گیا۔ اس نے ہاتھ جوڑتے ہوئے سب کو فتح بلائی اور ان کے پاس بیٹھ گیا۔ تبھی ان میں سے ایک ادھیڑ عمر بندے نے اپنا تعارف کرایا۔

''جسپال سنگھ جی' میں اوگی پنڈ میں رہتا ہوں' میں نے آپ کے باپو کو بھی دیکھا ہے' اور میرا اس سے بہت اچھا تعلق رہا ہے۔ میرا نام رام داس ہے اور میں ہندو ہوں۔'' یہ کہہ کر اس نے ساتھ آئے لوگوں کا تعارف کرانا شروع کر دیا۔ ان میں کچھ سکھ تھے' کچھ ہندو' ایک بندہ مسلمان تھا اور دو ان میں شودر تھے جو اب عیسائی مذہب اختیار کر چکے تھے اور انہوں نے باقاعدہ اپنا چرچ وہاں بنایا ہوا تھا۔ سب لوگوں کا تعارف کرا دینے کے بعد اس نے کہا۔ ''ہم لوگ آپ سے کیوں ملنے آئے ہیں' یہ سوال آپ کے ذہن میں تو ہو گا؟''

''جی' بالکل۔'' اس نے آہستگی سے جواب دیا۔

''جب آپ اوگی میں آئے تو میں سمجھ گیا تھا کہ اب کلوندر سنگھ کی نسل آگے بڑھے گی' اسے بالکل مار نہیں دیا گیا ہے۔ ہم اگر زبان سے کچھ نہ بھی کہیں' مگر ہم جانتے ہیں کہ آپ کے خاندان کے ساتھ کیا ہوا تھا۔ اور اس کا ذمے دار کون تھا' آج سے نہیں اور نہ سا کا چوراسی کے بعد سے' ہم بہت پہلے ہی سے بلجیت سنگھ اور اس کے خاندان کے مخالف چلے آ رہے ہیں۔ وہ کونسا ظلم ہے جو انہوں نے ہم پر نہیں ڈھایا' ہم غریب پہلے اس کے باپ رویندر سنگھ کے ظلم کا شکار ہوتے رہے اب وہ ہم پر مسلط ہے۔ میں سوچتا رہا کہ آپ سے ملوں' آپ کو کچھ اور نہیں تو کم از کم اخلاقی مدد ہی دوں..... لیکن ایسا نہ کر سکا۔''

''اب اتنے دنوں بعد آپ آئے.....؟'' جسپال نے پوچھا۔

''پہلے تو ہم نے یہی سوچا کہ آپ کے پاؤں یہ بلجیت لوگ لگنے نہیں دیں گے' لیکن آج جب کہ حویلی دوبارہ سے آباد ہو گئی ہے تو مجھے یقین ہو گیا ہے کہ آپ ادھر رہیں گے۔ چاہے یہ کچھ مرضی کر لیں۔ اس لیے میں آپ سے ملنے کے لیے آ گیا۔'' رام داس نے کسی حد تک جذباتی انداز میں کہا۔

''آپ کا شکریہ کہ آپ آ گئے' میں آپ سب کو خوش آمدید کہتا ہوں۔'' جسپال نے جواباً کہا۔

''اس پنڈ کی سیاست بھی کچھ عجیب سی ہے۔ جو کچھ تھوڑا بہت دلیر ہے یا اس کے تعلقات ہیں' وہ ان لوگوں کے ساتھ شامل ہے۔ میں نے کئی بار پنچائیت کا الیکشن لڑا مگر ہار گیا۔ غریب کی تو یہاں شنوائی ہی نہیں ہے۔ کوئی پرچہ ہو' کوئی

الزام ہو' ہم غریبوں پر ہی لگتا ہے۔'' وہ کہتا چلا گیا۔

''کیا کرتے ہیں یہ.....؟'' اس نے پوچھا۔

''اپنی حاکمیت جتانے اور ان پر جبر رکھنے کے لیے وہ کچھ بھی کرتے ہیں۔ کوئی بندہ ان کے سامنے سر نہیں اٹھا سکتا۔ آپ دیکھیں آپ آئے اور آپ کے آتے ہی انہوں نے کیا کچھ نہیں کیا۔'' وہ تیزی سے بولا۔

''یہ تو ہوتا ہے رام داس۔ اگر ظلم سہنے والے نہ ہوں تو ظالم بھی نہ ہوں اور یہ بھی فطری بات ہے کہ آدمی ہمیشہ طاقت کی طرف اپنا جھکاؤ رکھتا ہے۔ پولیس ان کے ساتھ ہے تو کیا ہوا۔ اگر عوامی طاقت متحد ہو جائے تو کوئی ظالم نہ رہے۔'' جسپال نے کہا تو اتنے میں بنتا سنگھ اندر سے سوڈے کی بوتلیں ٹرے میں رکھ کر لے آیا۔ پھر اس نے فرداً فرداً سب کو دیں۔

''بات یہ ہے جسپال جی' لوگ ان کے خلاف متحد تو ہو جائیں' لیکن ان کی پہنچ دہلی تک ہے' پولیس جس کو چاہے اور جب چاہے ذلیل کر دے' اور وہ جو مرضی کر لیں' انہیں کھلی چھوٹ ہے' آپ ہی کے ساتھ جو ہوا' صاف ظاہر ہے کہ اس رات بلجیت کے غنڈوں نے آپ پر حملہ کیا' وہ اسی گاؤں کے یا ساتھ والے گاؤں سے تعلق رکھتے ہیں۔ مجھے پتہ ہے تو پولیس کو کیسے نہیں پتہ' مگر انہوں نے کچھ بھی نہیں کیا۔''

''اب نہیں کر پائیں گے رام داس' میں اب یہیں حویلی میں ہوں۔ بلجیت سنگھ یا اس کا کوئی غنڈہ کسی کے ساتھ بھی زیادتی کرتا ہے تو مجھے بتاؤ' ہم دیکھ لیں گے انہیں۔'' جسپال نے انہیں حوصلہ دیا۔

''بس جی' ہمیں کوئی حوصلہ دینے والا ہو' ہمارے سر پر ہو تو ہم بھی اپنی عزت بچا لیں۔'' رام داس نے یوں کہا جیسے وہ جسپال سے یہی بات کہلوانا چاہتا تھا۔ ایک لمحے کو تو اسے یوں لگا جیسے یہ بھی کوئی بلجیت ہی کی سازش ہو گی لیکن اگلے ہی لمحے اس نے سوچا' چلو سازش ہی سہی' کچھ ہلچل تو ہے۔ پھر وہاں آئے مختلف لوگ اپنی اپنی کہتے رہے۔ بلجیت سنگھ نے کس طرح وہاں جبر اور خوف کی فضا طاری کی ہوئی ہے۔ اس بارے میں مختلف واقعات سناتے رہے۔ تقریباً ڈیڑھ گھنٹے بعد وہ لوگ وہاں سے چلے گئے۔ ان کے جاتے ہی اس نے انوجیت کو ان بندوں کے بارے میں اور ان کی گفتگو کے بارے میں آگاہ کیا۔ جس پر اس کا یہی تبصرہ تھا کہ وہ واقعتاً سچ کہہ رہے ہیں۔ ہندو کمیونٹی کی وجہ سے بلجیت سنگھ اس رام داس پر کم ہی ہاتھ ڈالتا ہے۔ رام داس فطری طور پر وہاں کی چودھراہٹ چاہتا تھا کیونکہ اوگی پنڈ میں سکھ اور ہندو کمیونٹی تقریباً برابر ہی تھی۔ بلجیت سنگھ اس لیے ان پر حاکم تھا کہ ایک تو ان کا سیاسی طور پر اکالی دل سے تعلق تھا' دوسرا پنجاب میں وہ ویسے ہی ہندوؤں کو دبا کر رکھتے تھے۔ رام داس کی سیاسی وابستگی گھوم پھر کر بی جے پی سے بنتی تھی۔ اگر کانگریس سے ہوتی تو شاید اس طرح کی صورت حال نہ بنتی۔ انوجیت اور اس کی تنظیم نے کبھی اس لیے انہیں منہ نہیں لگایا تھا کہ وہ ان کی تنظیم کے خلاف تھے۔ اس نے انوجیت سے صورتحال سمجھ لی اور کوئی تبصرہ نہیں کیا۔

رات کے کھانے پر وہ اکیلا ہی تھا۔ اس نے بھوک مٹانے کے لیے تھوڑا بہت کھایا اور پھر اوپری منزل پر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ کمرے میں جاتے ہی اسے ہرپریت یاد آ گئی۔ آج اگر وہ ساتھ ہوتی تو حویلی میں جشن کا سماں ہوتا۔ اس دن حویلی پھر سے آباد ہو گئی تھی۔ ایک بار اس نے مذاق میں کہا تھا کہ جس دن حویلی دوبارہ آباد ہوئی تو ساری رات وہاں دھما چوکڑی مچائے گی۔ گاؤں کے لوگوں کو مدعو کرے گی' لڑکیاں ناچے گیں' خوب کھانا پینا چلے گا' اور یہ ایک یادگار جشن ہو گا لیکن ایسا نہیں ہو پایا تھا' یادگار جشن بنانے والی' اس وقت اپنے حواسوں ہی میں نہیں تھی۔ ایک لمحے کے لیے اس کا دل کٹ کر رہ گیا۔ ہنستی مسکراتی جوانی سے بھرپور ہرپریت کا ساتھ لمحوں میں چھوٹ گیا تھا۔ اب نجانے وہ کب تک تندرست ہو کر اس کے شانہ بشانہ چل سکے گی۔ اس کے ذہن میں وہ ماضی کے منظر گردش کرنے لگے جب موت کی آنکھوں میں

آنکھیں ڈالتے ہوئے وہ اس کے ساتھ تھی۔ وہ کتنی ہی دیر تک ہر پریت کو سوچتا رہا۔ تبھی اچانک اس کا سیل فون بج اٹھا۔ وہ کیشیو مہرہ کی کال تھی۔ اس نے ریسیو کرتے ہوئے ہیلو کہا تو اس نے تمہید باندھے بغیر کہا۔

''جسپال! تم اپنے گھر کے پچھواڑے سے یوں نکلو کہ کسی کو پتہ نہ چلے' کیونکہ سامنے کے گیٹ پر اور پھر آگے راستے پر رن ویر سنگھ کے بندے تعینات ہیں۔ ان کی نگاہوں سے بچتے ہوئے تم فصلوں کے درمیان سے سڑک تک پہنچو۔''

''ٹھیک ہے' اس کے بعد.....؟''

''وہاں سڑک پر تمہیں فور وہیل جیپ ملے گی' اس میں صرف ایک ہی بندہ ہوگا' تمہارا نمبر اس کے پاس ہے' وہ تم سے رابطہ کرلے گا۔ آگے کی ساری تفصیلات وہ تمہیں بتا دے گا' فوراً نکلو۔''

''او کے.....''

جسپال نے کہا اور فون بند کرتے ہی اس نے تیاری میں پانچ سے سات منٹ لگائے۔ پھر بڑی احتیاط کے ساتھ ڈرائنگ روم میں آیا' اس وقت جوتی کچن میں تھی اور دوسرے ملازمین میں سے فقط بنتا سنگھ گیٹ پر دکھائی دے رہا تھا۔ جسپال ٹہلنے والے انداز میں کوٹھی کی پچھلی جانب گیا' ٹینس کورٹ اور سوئمنگ پول کے درمیان سے نکلتا ہوا' وہ باؤنڈری وال تک جا پہنچا۔ وہ اس کے قد سے دو فٹ اونچی تھی' اس نے ادھر ادھر دیکھا' ذرا سے فاصلے پر اسے پلاسٹک کا ڈرم دکھائی دیا' اس نے وہ اٹھایا' دیوار کے ساتھ سیدھا کر کے رکھا' پھر اس پر چڑھ کر دیوار کی ساتھ لگ گیا۔ اب دیوار اس کے سینے تک تھی۔ اس نے باہر کا جائزہ لیا تو دوسری طرف خاصی گہرائی تھی۔ وہ چند لمحے کھڑا سوچتا رہا پھر ایک دم سے اس کے ذہن میں یہ خیال آیا کہ نجانے کچھ دیر بعد صورتحال کیا ہو۔ اگر واپسی بھی اسی طرف سے ہوئی تو یہاں سے چڑھنا مشکل ہوگا اور فوری طور پر کوٹھی کے اندر نہیں آسکے گا۔ اسے واپسی کا راستہ بنا کر رکھنا چاہیے۔ وہ ڈرم سے نیچے اتر آیا اور پھر اسی تلاش میں اس نے اسٹور کا رخ کیا۔ اسے یقین تھا کہ وہاں سے سیڑھی مل جائے گی۔ ذرا سی تلاش کے بعد اسے دیوار کے ساتھ رکھی سیڑھی دکھائی دی' اس نے فوراً ہی وہ اٹھائی اور دیوار کے ساتھ لگا کر اس پر چڑھ گیا۔ اسی طرح اس نے دوسری طرف سیڑھی رکھی اور نیچے اتر آیا۔ اس کے آگے فصلیں تھیں۔ اس نے سیڑھی کو دیوار سے ہٹایا' اور فصلوں کے درمیان چھپا کر رکھ دیا۔ وہ چند لمحے کھڑے ہو کر ادھر ادھر کا جائزہ لیتا رہا پھر فصلوں کے درمیان بنے کھال میں سے سیدھا چل پڑا۔ اس کا رخ سڑک کی طرف تھا۔ اس نے اپنا سیل فون ہاتھ میں کرلیا تھا تاکہ جونہی کال آئے تو وہ فون ریسیو کرلے۔ سڑک تک پہنچتے ہوئے اسے تقریباً پندرہ منٹ لگ گئے۔ وہ وہاں پر جا کر رک گیا۔ اسی لمحے جالندھر سے آنے والے راستے کی طرف سے ہیڈ لائٹس روشن ہوئیں اور تیزی سے قریب آتی چلی گئیں۔ ایک فور وہیل جیپ زن سے اس کے پاس سے گزر گئی پھر آگے جا کر اینٹوں والے راستے پر رک گئی۔ وہاں سے اس نے ٹرن لیا اور واپسی کے لیے آہستہ آہستہ چل پڑی' اگلے ہی لمحے اس کا سیل بج اٹھا۔

''ہاں بولو.....!'' جسپال نے محتاط انداز میں کہا۔

''میں سڑک پر ہوں آپ کہاں ہیں سر.....'' دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

''میں تمہیں دیکھ رہا ہوں' آجاؤ' میں بھی سڑک پر ہوں۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے فون بند کر دیا اور آگے بڑھ کر سڑک کنارے آگیا۔ تب تک جیپ بھی اس کے پاس آگئی تھی۔ رکتے ہی دروازہ کھلا اور وہ اس میں بیٹھ گیا۔ وہ موٹا سا نوجوان سکھ تھا' جس نے نیلی جینز' ہلکی زرد شرٹ اور سر پر سیاہ رنگ کی پگڑی باندھی ہوئی تھی۔ جیپ چل پڑی تو اس نے کہا۔

''مجھے آپ سنی کہہ لیں جی' ہم یہاں سے تقریباً دس کلومیٹر کے فاصلے پر ایک گاؤں ہے' مادھو پور اس کے

درمیان میں رہنا ہے' رن ویر سنگھ اس وقت اس گاؤں میں سے نکلا ہے' کہیں بھی اس سے آمنا سامنا ہو سکتا ہے۔''

اس نے کہا تو جسپال کے بدن میں سنسنی خیزی پھیل گئی۔ جس کے ساتھ ہی اس کے اندر کی وحشت عود کر آئی۔

''یہ پکا ہے کہ وہ وہاں سے نکل چکا ہے؟''

''جی' وہ نکل چکا ہے' اس نے پی ہوئی ہی' وہ یونیفارم میں نہیں ہے اور اس کے ساتھ صرف ایک آدمی ہے' وہ بھی پولیس والا ہی ہے۔ وہاں وہ ایک شادی پر گیا ہوا تھا۔'' سنی نے تفصیل سے بتایا اور پھر اپنا سارا دھیان سڑک پر لگا دیا۔ اِکا دُکا گاڑیاں اس کے قریب سے گزر کر جا رہی تھیں۔ پھر اس نے جالندھر جانے والا روڈ چھوڑ دیا اور ایک موڑ کے قریب جیپ روک لی۔ پھر اس نے سیل فون پر کسی سے رابطہ کیا۔ کچھ دیر سنتا رہا پھر فوراً ہی گاڑی اسٹارٹ کر کے سڑک بلاک کر دی۔ اس کے ساتھ ہی بولتا گیا۔

''سر جی.....! اب جو سفید رنگ کی ماروتی آ رہی ہے وہ اسی میں ہے' اس کے پیچھے ہمارے بندے ہیں۔''

سنی نے گاڑی کچھ اس طرح روکی تھی جیسے اس میں کچھ خرابی آگئی ہو' اس نے بونٹ اٹھا دیا تھا۔ جسپال نیچے اتر آیا۔ اس کی نگاہیں مادھو پور کی طرف سے آنے والی ماروتی پر لگی ہوئی تھیں کہ وہ کب دکھائی دیتی ہے۔ اگلے ہی لمحے کسی گاڑی کی روشنی دکھائی دی۔ سنی نے اونچی آواز میں کہا۔

''وہ آگیا سر جی' الرٹ.....''

یہ سنتے ہی جسپال سڑک کی دوسری جانب چلا گیا۔ اگلے ہی چند لمحوں میں سفید ماروتی تیزی سے آتی ہوئی ایک دم سے آہستہ ہوگئی اور پھر ایک لمحے میں رک گئی۔ یہ ہونا ہی تھا' سنی نے جیپ کھڑی ہی اس انداز سے کی تھی' اس اثناء میں پیچھے آنے والی کار بھی وہیں آن رکی۔ اس نے رکتے ہی زور زور سے ہارن دینا شروع کر دیا۔ بلاشبہ یہ رن ویر پر نفسیاتی وار تھا۔ اچانک رن ویر نے پسنجر سیٹ والا دروازہ کھولا اور بھنا کر کہا۔

''بند کرو ہارن..... دیکھتے نہیں ہو روڈ بلاک ہے۔''

اس پر پیچھے والی کار نے پھر ہارن دے دیا۔ وہ شدید غصے میں سنی کے پاس آیا اور چلا کر بولا۔

''تمہیں گاڑی کھڑی کرنے کی تمیز نہیں' یہ کیسے روڈ بلاک کیا ہوا ہے۔''

اتنی دیر میں پچھلی گاڑی سے تین لوگ نکلے اور اس کی طرف آگئے' تبھی جسپال چلتا ہوا رن ویر کے سامنے آگیا۔ وہ اسے دیکھ کر چونک گیا۔

''جسپال سنگھ آپ یہاں.....؟''

''ہاں' میں یہاں۔'' جسپال نے سکون سے جواب دیا۔

''کیسے.....؟'' رن ویر نے اپنے مخصوص طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

''اس لیے۔'' جسپال نے کہا اور پسٹل کا رخ ماروتی میں بیٹھے ہوئے ڈرائیور کی طرف کر کے فائر کر دیا۔ یکے بعد دیگرے چار فائر کرنے کے بعد' اس نے رن ویر کے چہرے پر دیکھا' جہاں رنگ اُڑ گیا تھا۔

''یہ تم اچھا نہیں کر رہے ہو.....'' اس نے پھٹی ہوئی آواز میں کہا۔

''اور تم نے ہر پریت پر فائر کر کے اچھا کیا ہے۔'' وہ ایک دم غصے میں بولا۔

''اوہ..... تو آخر بلی تھیلے سے باہر آ ہی گئی۔'' یہ کہہ کر وہ قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔

''میں جانتا ہوں کہ تم اپنے ڈیپارٹمنٹ میں معصوم سانپ کے نام سے جانے جاتے ہو۔ اس لیے میں نے چاہا کہ..... تیرے جیسے گھٹیا سانپ کا شکار کروں..... اور پتہ ہے سانپ کو کیسے مارا جاتا ہے' اس پر فائر نہیں کرتے..... اس کا سر

کچلتے ہیں۔'' جسپال نے دانت پیستے ہوئی کہا تو وہ طنزیہ انداز میں بولا۔

''جسپال' میں تمہیں صرف ایک موقع دیتا ہوں' آج رات یہاں سے نکل جاؤ' بلکہ کل تک یہ ملک بھی چھوڑ دو' پھر نہیں کہنا کہ میں نے تجھے خبردار نہیں کیا..... تم.....'' لفظ اس کے منہ ہی میں رہ گئے تھے۔ جسپال نے پوری قوت سے پسٹل کا دستہ اس کے جبڑے پر دے مارا' ایک لمحے کے لیے رن ویر سنگھ کی آنکھوں میں سے حیرت جھلکی اور پھر دوسرے ہی لمحے وہ لڑنے کے لیے تیار ہوگیا۔ رن ویر نے دائیں ہاتھ سے جسپال کا گلا پکڑنا چاہا مگر اس نے کلائی پکڑلی۔ پھر پسٹل سنی کی جانب اچھالتے ہوئے وہی ہاتھ رن ویر کی گردن پر ڈال دیا۔ اس کے ساتھ اسے دھکیلتا ہوا پیچھے کی طرف دھکا دے دیا۔ وہ لڑکھڑا گیا' تبھی جسپال نے دونوں ہاتھوں کا مکا بنایا اور پوری قوت سے اس کی ٹھوڑی پر دے مارا۔ رن ویر چکراتے ہوئے کولہوں کے بل زمین پر گر گیا۔ جسپال نے زوردار ٹھوکر اس کے منہ پر ماری' اس کے بعد جسپال نے اسے ٹھوکروں پر رکھ لیا۔ رن ویر کا چہرہ لہولہان ہوگیا تھا۔ وہ کھکھیانے لگا مگر جسپال نے اسے نہیں چھوڑا' یہاں تک کہ اس پر دیوانگی طاری ہوگئی۔ ہرپریت کا انتقام اُس کے اندر سے وحشت بن کر ابھرا تھا۔ رن ویر سنگھ ساکت ہوا سڑک پر یوں پڑا تھا کہ ٹانگیں کھلی ہوئی اور بازو پھیلے ہوئے تھے۔

''جلدی کریں سر جی' کوئی بھی گاڑی آسکتی ہے۔'' سنی نے اونچی آواز میں کہا تو جسپال چونک گیا۔ اس نے پسٹل کے لیے ہاتھ بڑھایا' سنی نے دے دیا۔ جسپال نے رن ویر کے کاندھے پر رکھ کر ایک گولی چلائی' رن ویر تڑپ اٹھا۔ اس کے منہ سے بھیانک چیخ نکل گئی۔

''ہرپریت کے یہیں گولیاں لگی ہیں۔ پتہ چلا..... کتنا درد محسوس ہوتا ہے۔'' ''جسپال..... مجھ..... مجھے..... چھو..... چھوڑ..... دو.....'' رن ویر نے انتہائی مشکل سے کہا۔

''نہیں رن ویر..... میں اپنے دشمن کو تو معاف کرسکتا ہوں' کسی منافق کو نہیں۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے پسٹل کی نال اس کے ماتھے پر رکھ دی پھر اپنا سر نفی میں ہلاتے ہوئے بولا' ''نہیں میں تجھے گولی نہیں ماروں گا۔'' یہ کہتے وہ تیزی سے اٹھا' اس کے پیروں کی طرف سے پکڑ کر گھسیٹتا ہوا سڑک کے ایک طرف لے گیا پھر اس کو ایک درخت کے پاس لے جاکر اس کا سر جنونی انداز میں درخت کے تنے سے ٹکرانے لگا۔ خون کے چھینٹے اڑنے لگے' اور پھر تڑخ کی آواز کے ساتھ اس کا سر پھٹ گیا۔ جسپال نے زوردار ٹھوکر اس کی گردن پر ماری تو ہڈی ٹوٹنے کی آواز صاف سنائی دی۔ رن ویر کی گردن ڈھلک چکی تھی۔ تبھی جسپال واپس پلٹا' سنی جیپ واپس موڑ چکا تھا۔ بعد میں آنے والے تماشہ دیکھتے رہے تھے۔ وہ بھی اپنی گاڑی میں جا بیٹھے۔ جیسے ہی جسپال جیپ میں بیٹھا' سنی نے جیپ چلادی۔ اگلے چند لمحوں میں اس نے انتہائی رفتار کردی۔ جسپال خود پر قابو پا رہا تھا۔ اسے احساس ہی نہیں تھا کہ جیپ کس قدر تیزی سے جارہی ہے۔ وہ جالندھر اور نکودھر روڈ پر چڑھ چکے تھے۔ جس وقت سنی نے فون پر کام ہوجانے کے بارے میں بتایا' تبھی جسپال نے پوچھا۔

''سنی..... اب تم نے کدھر جانا ہے؟''

''میں واپس جالندھر جاؤں گا۔ میں بھی اسی شادی میں آیا ہوا تھا۔''

''اوکے.....!'' اس نے کہا اور خاموش ہوگیا۔ کچھ ہی دیر بعد وہی مقام آگیا' جہاں سے جسپال جیپ میں بیٹھا تھا' وہ وہاں اتر گیا۔ سنی نے جیپ موڑی اور جالندھر کی جانب چل دیا۔ جسپال کو دور کوٹھی دکھائی دے رہی تھی۔ وہ فصلوں کے درمیان سے ہوتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ تقریباً پندرہ منٹ بعد وہ کوٹھی کی پچھلی دیوار کے ساتھ جا پہنچا۔ اسے کوئی جلدی نہیں تھی۔ وہ چند لمحے وہیں کھڑا رہا۔ پھر سیڑھی تلاش کرکے دیوار کی ساتھ لگائی' پھر وہ اسی طرح اندر چلا گیا۔ اس نے سیڑھی اٹھا کر اسٹور میں رکھی' اب گھر کے اندر جانے کا مسئلہ تھا۔ ممکن ہے جوتی نے اندر سے دروازے بند کرلیے

ہوں' وہ گھوم کر صدر دروازے کی طرف گیا۔ وہ کھلا تھا' وہ اندر داخل ہوگیا۔ کچن میں روشنی تھی' وہ نگاہیں بچا کر اوپری منزل کی جانب بڑھ گیا۔

وہ نہا کر اور کپڑے تبدیل کرکے باہر آگیا۔ خون آلود کپڑے اس نے پانی میں بھگو دیئے تھے۔ وہ پرسکون سے انداز میں اپنے بیڈ پر آکر لیٹا تو اسے لگا جیسے ہرپریت کا اُدھار چکانے کے بعد وہ ایک انجانے بوجھ سے آزاد ہوگیا ہے۔ اسے نیند آنے لگی تھی۔ مگر وہ سونا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے اپنا لیپ ٹاپ اٹھایا اور اسے آن کردیا۔ جسمیندر سنگھ توقع کے مطابق آن لائن تھا۔ اس نے خود ہی مبارک باد کا پیغام بھیج دیا۔ دونوں کچھ دیر تک باتیں کرتے رہے۔ جو اشاروں کنائیوں میں ہی تھیں۔ پھر اس کے بعد وہ آف لائن ہوگیا۔ اس نے بھی لیپ ٹاپ بند کیا' لائٹ آف کی اور سونے کے لیے لیٹ گیا۔

❀

سہ پہر ہی سے میں حوالات میں بند تھا۔ میرے ساتھ چند دوسرے لوگ بھی تھے۔ ان سے باتیں کرتے ہوئے وقت کٹ جانے کا احساس ہی نہ ہوا۔ اس وقت رات گہری ہوگئی تھی۔ لیکن ابھی تک انہوں نے کھانا نہیں دیا تھا۔ میں بھوک سے نڈھال ہوچکا تھا' حیرت مجھے اس بات پر تھی کہ سوائے پیرزادہ وقاص کے ابھی تک نورنگر سے کوئی بندہ نہیں آیا تھا۔ کسی نے بھی خیر خبر نہیں لی تھی۔ نجانے کیوں میرے دماغ میں الجھن بڑھنے لگی تھی۔ کوئی دوسرا میرے پیچھے آتا یا نہ آتا' چھاکے نے ضرور آنا تھا۔ اس سے کچھ ہوسکتا یا نہیں مگر اس نے مجھ سے آکر یہ ضرور پوچھنا تھا کہ وہ کیا کرسکتا ہے۔ مگر وہ بھی نہیں آیا تھا۔

سچا انسان کبھی بھی سامنے سے مار نہیں کھاتا اور نہ ہی اسے سازشی اور منافق شکست دے سکتے ہیں۔ سچا انسان اس وقت شکست سے دوچار ہوکر مار کھاتا ہے جب اس کی پیٹھ میں خنجر گھونپا جائے۔ ظاہر ہے پیٹھ میں خنجر گھونپنے والے وہی لوگ ہوتے ہیں جن پر سچا انسان اعتماد کرچکا ہوتا ہے۔ وہ بڑا زہریلا' گھناؤنا اور پرلے درجے کا گھٹیا انسان ہوتا ہے جو یہ ثابت نہ ہونے دے وہ کوئی سازش کررہا ہے یا اعتماد جیتنے کے لیے منافقت کی انتہا پر پہنچ جاتا ہے۔ اصل میں وہ منافقت ہی کیا جس کے بارے میں پتہ چل جائے۔ بہرحال کچھ بھی ہے منافق..... راندہ درگاہ ہے۔

گہری رات کے سناٹے میں پورا تھانہ یوں لگ رہا تھا کہ جیسے سبھی سو رہے ہیں۔ ہر طرف سناٹا تھا' میرے ساتھ حوالات میں بند لوگ سو رہے تھے۔ تھوڑی دیر کوئی اپنا سر کھجاتا' یا پنڈلی کھجالیتا' اس کے بعد خراٹے بجتے جو کم از کم وہاں زندگی کا احساس دے رہے تھے۔ میری آنکھوں میں نیند کا شائبہ تک نہیں تھا۔ میں سلاخوں کے ساتھ بیٹھا باہر کا منظر دیکھتے ہوئے اُکتا چکا تھا۔ مجھے ایک طرف جہاں یہ الجھن تھی کہ چھاکا میرے پیچھے نہیں آیا تھا' دوسری جانب مجھے یہ پریشانی بھی تھی کہ تھانے میں لاکر مجھے اب تک پوچھا ہی نہیں گیا تھا۔ بقول پیرزادہ وقاص انہوں نے میری گرفتاری نہیں ڈالی تھی۔ وہ اپنی طرف سے کوشش کرکے گرفتاری ڈلوا کر ضمانت کے لیے کوشش کررہا تھا۔ نجانے کیوں میری چھٹی حس مجھے کسی خطرے کا احساس دلا رہی تھی۔ صورتحال وہ نہیں تھی جو مجھے دکھائی دے رہی تھی۔ یوں لگ رہا تھا کہ اس خاموشی کے اندر کوئی طوفان آنے والا ہے۔ قصبے کی مسجد میں لگے گھڑیال سے بارہ بجنے کا احساس ہوا تو میرے اندر بے چینی بڑھنے لگی۔ کچھ ہی دیر بعد میں وہاں سے اٹھ کر لیٹنے کے لیے کوئی جگہ تلاش کررہا تھا کہ مجھے باہر سے سرگوشی سنائی دی۔ میں نے تیزی سے مڑ کر دیکھا تو وہ سادہ کپڑوں میں ایک کانسٹیبل تھا' جو کئی بار مجھے مل چکا تھا۔ میں تیزی سے سلاخوں کے پاس آیا تو کچھ فاصلے پر دکھائی دینے والا سنتری اپنی ڈیوٹی پر نہیں تھا۔

''تم.....؟'' میرے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

''وقت بہت کم ہے.....سنتری واش روم گیا ہے۔ میں اندر سے اپنا کام ختم کر کے اپنے کوارٹر کی طرف جا رہا ہوں' میں نے دیر اس لیے کی ہے کہ تمہیں پیغام دے دوں۔'' اس نے سرگوشی میں کہا۔

''پیغام.....کس کا پیغام.....اور کیا؟'' میں نے پوچھا۔

''رندھاوا صاحب کا پیغام ہے' انہوں نے یہ ساری کارروائی دیکھنے کو میری ذمہ داری کیا' ڈیوٹی لگائی ہے۔ خیر چھوڑو' پیرزادہ وقاص تیرے ساتھ منافقت کر رہا ہے۔ وہ ڈی ایس پی صاحب کے سامنے خواہ مخواہ شور مچا کے چلا گیا ہے' نرا ڈرامہ کر رہا ہے وہ.....اب تک کاغذات میں نہ تمہاری گرفتاری پڑی ہے اور نہ ہی شاہ دین قتل کیس میں جو ایف آئی آر درج ہوئی ہے اس میں کہیں بھی تمہارا نام نہیں ہے' نامعلوم افراد کے بارے میں ہے وہ.....'' اس نے آہستگی سے مجھے معلومات دیں۔

''تو پھر.....کیا کرنا چاہ رہے ہیں یہ.....'' میں نے تیزی سے پوچھا۔

''ایسا اسی وقت ہوتا ہے میری جان' جب ماورائے عدالت ہی بندے کو پار کرنا ہو۔ میں نے رندھاوا صاحب کا پیغام تم تک پہنچا دیا' اب تم اپنا دھیان کر لو۔'' اس نے یہ کہتے ہوئے ادھر ادھر دیکھا۔

''مطلب پیرزادہ اور شاہ زیب آپس میں مل گئے ہیں۔'' میں نے اپنے طور پر کہا تو کاندھے اچکا کر بولا۔

''مجھے تھانے سے باہر کا علم نہیں کہ وہاں کیا ہو رہا ہے' میں تو شام سے تھانے کے اندر ہوں' صرف یہی دیکھنے کے لیے کہ تمہاری گرفتاری ڈالی گئی ہے یا نہیں۔ اب تم جانو اور تمہارا کام' میں جا رہا ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ یوں بن گیا جیسے میرے لیے اجنبی ہو۔ پھر بڑے ہی طنزیہ لہجے میں کہا۔ ''تم بھی سو جاؤ' اب تمہارے لیے تھانے میں کوئی بستر تو لا کر نہیں دے گا' نہیں سوئے گا تو خود بخود دو چار راتوں کے بعد عادت پڑ جائے گی۔''

اس کے عقب میں سنتری آ گیا تھا۔ میں سمجھ گیا کہ اس نے بات کیوں بدل دی ہے۔

''تم لوگ اتنے وحشی ہو' کھانے تک کا نہیں پوچھتے' پیسے میں دیتا ہوں' باہر سے کچھ منگوا دو۔'' میں نے کہا تو وہ بولا۔

''باہر اس وقت تیرا باپ بیٹھا ہے ہوٹل کھول کے۔ شام کے وقت کہتا کسی کو تو وہ لا دیتا۔ اب صبح ہونے کا انتظار کر.....سو جا وہاں ایک کونے میں لگ کے۔''

تبھی سنتری نے کہا۔

''او باؤ جی' آپ جاؤ' آرام کرو جا کر' ان حوالاتیوں سے بات کر لو تو پھر ان کی بک بک ہی بند نہیں ہوتی۔''

اس نے مجھے دیکھا اور پھر وہاں سے نکلتا چلا گیا۔ مجھے بھوک کا احساس کچھ زیادہ ہی ستانے لگا تھا۔ لیکن جیسے ہی مجھے پیرزادے کی منافقت کا خیال آیا تو میں سب کچھ بھول کر اس بارے میں سوچنے لگا۔ مجھے یہ یقین تو تھا کہ جلد یا بدیر ان دونوں کی آپس میں صلح ہو جانے والی ہے۔ یہ بھی ممکن تھا کہ ان کی آپس میں لڑائی ہوئی ہی نہ تھی۔ صرف ہمیں بے وقوف بنانے کے لیے یہ سارا ڈرامہ کر رہے ہوں۔ بہرحال کچھ بھی تھا' یہ معلومات مل جانا کہ میری گرفتاری نہیں ڈالی گئی ہے' میرے لیے انتہائی تشویش کی بات تھی۔ وہ مجھے کسی بھی وقت یہاں حوالات سے نکال کر مار سکتے تھے۔ میری وہ رات اس ادھیڑ بن میں گزر گئی۔ وہ میرے ساتھ کیا کرنا چاہتے ہیں؟ اگر انہوں نے مجھے قتل ہی کرنا تھا تو یہاں حوالات میں بند کرنے کا ڈرامہ کرنے کی کیا ضرورت تھی' وہ مجھے دہیں راستے میں آسانی کے ساتھ مار سکتے تھے۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا' آخر وہ چاہتے کیا ہیں؟ یہ تو مجھے احساس ہو گیا تھا کہ انہوں نے اپنے تعلقات استعمال کر کے مجھے یہاں حوالات میں بند کروا دیا تھا۔ بات اب نچلی سطح تک محدود نہیں رہی تھی۔ سردار شاہ دین کے جہاں سیاسی تعلقات لامحدود تھے وہاں وہ ایم

این اے بھی تھا۔ اس قتل کی تفتیش تو بڑے پیمانے پر ہونا تھی۔

صبح کی روشنی جب پھیلنے لگی تو میں اپنے طور پر رائے قائم کر چکا تھا کہ ان کی قاتل تک رسائی ہو یا نہ ہو' قاتل کون ہو سکتا ہے' اس بارے میں انہیں یقین ہو یا نہ ہو لیکن وہ یہ طے کر چکے تھے کہ مجھے ہر حال میں ختم کرنا ہے' اب اس کا طریقہ واردات کیا ہو گا' یہ وہی جانتے تھے۔

تھانے میں تھوڑی بہت ہلچل ہو چکی تھی۔ رات والا سنتری تبدیل ہو چکا تھا۔ میرے ساتھی حوالاتیوں کے کچھ ملنے والے ان کے لیے کھانے پینے کا سامان لے آئے تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ میں نے کچھ نہیں کھایا' ایک نوجوان حوالاتی نے مجھے اپنے ساتھ کھانے میں شریک کر لیا۔ میں نے اس کے تعلق دار کو چند نوٹ دیئے کہ وہ باہر سے چائے لے آئے۔ وہ چلا گیا مگر ابھی واپس نہیں پلٹا تھا کہ تھانے میں حوالاتیوں کی گاڑی آ گئی۔ تھانے کے دروازے بند کر دیئے گئے۔ سنتری نے حوالات کا دروازہ کھولا اور ہم سب کو باہر نکلنے کے لیے کہا۔ صرف دو لوگوں کو وہیں رہنے دیا' باقی سب کو ہانک کر گاڑی میں بٹھا دیا گیا۔ ہمیں قصبے سے شہر کی عدالت میں لے کر جانا تھا۔ کچھ دیر بعد گاڑی چل دی۔ میرے ذہن میں یہ الجھن بڑھنے لگی کہ جب میری گرفتاری نہیں ڈالی گئی تو مجھے جج کے سامنے پیش کیسے کیا جائے گا' اگر وہ گرفتاری ڈال چکے ہیں تو پھر رندھاوے کا پیغام کیا تھا؟ یہ سب کیا ہے مجھے کچھ بھی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ میری سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ماؤف ہوتی چلی جا رہی تھی۔ تبھی میں نے ایک دم سے ساری الجھن اپنے ذہن سے جھٹک دی۔ اب جو ہونا تھا وہ ہو کر ہی رہنا تھا۔

قیدیوں کی گاڑی قصبے سے باہر نکل آئی تھی۔ چند حوالاتی تھے' جنہیں جج کے سامنے پیش کرنے کے لیے عدالت میں لے جایا جا رہا تھا۔ وہ سب اپنی اپنی سوچوں میں گم تھے۔ میں اپنے ذہن سے ہر سوچ جھٹک چکا تھا' گاڑی ہچکولے کھاتی ہوئی آگے بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ اچانک ایک جگہ گاڑی رک گئی' پھر تیزی سے پچھلا دروازہ کھولا گیا اور ایک سپاہی اندر آتے ہی میری طرف دیکھ کر بولا۔

''چل باہر آ.....''

''اگر نہ آؤں تو.....'' میں نے اس کی بات کو سمجھتے ہوئے کہا' تبھی انسپکٹر کا چہرہ نمودار ہوا' وہ میری طرف دیکھ کر بولا۔

''ہم تجھے نیچے اتار لیں گے.....شرافت اسی میں ہے کہ تم خود اپنے پیروں پر چل کر آ جاؤ۔''

میں نے ایک لمحہ کے لیے اس کی طرف دیکھا اور اٹھ کر نیچے آ گیا۔ میں سمجھ گیا تھا کہ وہ مجھے مار کر یہیں کہیں پھینک دیں گے۔ تو پھر کیوں نہ لڑ کر ہی مرا جائے۔ تبھی میں نے انسپکٹر کی طرف دیکھ کر کہا۔

''تم لوگ کیا چاہتے ہو' صاف بتاؤ۔''

''ادھر دیکھو' اس نے ایک سمت اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ سڑک سے ذرا ہٹ کر فصلوں کے درمیان کچا راستہ جا رہا تھا' وہاں ایک فور وہیل جیپ کھڑی تھی' جس کے باہر پیرزادہ وقاص دونوں ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔ اس کی آنکھوں پر چشمہ تھا۔ ''جاؤ' چلے جاؤ' وہ جانے اور تم۔''

میرے سامنے ایک مزید سوالیہ نشان آن ٹھہرا تھا۔ کیوں اتنی دلچسپی لے رہا ہے مجھ میں.....؟ اس وقت عافیت اسی میں تھی کہ پولیس کے نرغے سے نکل کر پیرزادہ وقاص کے ساتھ چل دوں۔ وہ کیوں دلچسپی رکھتا ہے' یہ تھوڑی دیر بعد کھل جانے والا تھا۔ میں اس کی طرف چل پڑا تو پولیس والے قیدیوں کی گاڑی سمیت چل دیئے۔ میں اس کے پاس پہنچا تو اس نے بڑی گرمجوشی سے میری جانب ہاتھ بڑھایا۔

''جمال! ایک نئی زندگی مبارک ہو۔''

میں نے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے پوچھا۔

''نئی زندگی' میں سمجھا نہیں۔''

''آؤ' میرے ساتھ' سکون سے چل کر بیٹھتے ہیں' پھر بات کرتے ہیں۔'' یہ کہہ کر اس نے اپنا ہاتھ چھڑایا اور ڈرائیونگ سیٹ پر جا بیٹھا۔ میں اس کے ساتھ پسنجر سیٹ پر آیا تو اس نے جیپ بڑھا دی۔ اس کا رخ قصبے کی طرف تھا۔ پہلی بار میں نے پیرزادہ وقاص کو اکیلے دیکھا تھا' ورنہ ہمیشہ اس کے ساتھ گارڈ ہوتے تھے۔ میں وہاں سے بھاگنا چاہتا تو آسانی سے بھاگ سکتا تھا' لیکن اس کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ قصبے کی طرف چل پڑا تھا۔ میں خاموش رہا اور اسکے بات کرنے کا انتظار کرتا رہا۔ اس کی توجہ سڑک پر تھی اور وہ بڑی تیز رفتاری سے جیپ بڑھائے چلا جا رہا تھا۔ وہ قصبے سے پہلے ہی دائیں جانب ایک کچی سڑک پر مڑ گیا۔ جبکہ ہمارا گاؤں نورنگر قصبہ پار کر کے تھا۔ میں سمجھ گیا کہ وہ نہ تو اپنے گاؤں میران شاہ جانا چاہتا ہے اور نہ ہی نورنگر' وہ کوئی تیسری اور نئی جگہ تھی۔ تقریباً تین کلومیٹر کا فاصلہ طے کرنے کے بعد ایک جنگل شروع ہو گیا۔ میں پہلے وہ علاقہ دیکھ چکا تھا' مگر یہ بات برسوں پہلے کی تھی۔ جب ہم شکار کے شوق میں ادھر آتے تھے۔ مجھے اچھی طرح علم تھا کہ جنگل کے پار دریائی علاقہ شروع ہو جاتا ہے' جنگل تقریباً ڈیڑھ کلومیٹر تھا' مگر جنگل کے سامنے سے آدھا کلومیٹر کچی سڑک جاتی تھی' جہاں گاؤں اور بستیاں آباد تھیں۔ ہم جنگل کے سامنے سے گزر گئے' وہ پھر بھی خاموش رہا۔ یہاں تک کہ پھر دائیں جانب ایک تنگ سی کچی سڑک پر آ گیا جو ایک ڈیرے پر جا کر ختم ہوئی۔ وہ حویلی نما ڈیرہ کچی مٹی سے بنا ہوا تھا۔ وہ گاڑی لیے حویلی نما ڈیرے کے اندر ہی چلا گیا۔ جیپ رکتے ہی کئی سارے لوگ آگے بڑھے۔ انہوں نے بڑے تپاک اور عاجزانہ انداز میں پیرزادہ کو سلام کیا۔ اس طرح وہ مجھ سے ملے کچھ دیر بعد انہوں نے ہمارے لیے ایک کمرہ کھول دیا' جس میں جدید طرز کے بیڈ اور دیگر سامان تھا۔ ہلکی ہلکی گرمی ہو رہی تھی' ایک ملازم نے اے سی چلا دیا' تبھی پیرزادہ جوتے اتارتے ہوئے بولا۔

''جمال.....! نہا لو' اور فریش ہو جاؤ' اتنے میں کھانا آ جاتا ہے' وہ کھا کر باتیں کرتے ہیں۔'' پھر ملازم کی طرف دیکھ کر بولا۔ ''جمال کے لیے کپڑے لے آؤ۔''

یہ سنتے ہی وہ واپس مڑ گیا۔ پیرزادہ وقاص بیڈ پر لیٹ گیا' میں باتھ روم میں گھس گیا۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد ہم کھانے سے فراغت کے بعد چائے پی رہے تھے۔ تب اس نے بڑے سکون سے کہا۔

''جمال! تجھے پولیس کے ہاتھوں مروانے کا پلان شاہ زیب ہی کا ہے۔ اس نے ڈی ایس پی کو مجبور کر دیا کہ وہ تجھے ماورائے عدالت ہی قتل کرے۔ ڈی ایس پی نے واقعتاً تمہاری گرفتاری نہیں ڈالی' جس وقت وہ تجھے گرفتار کرنے گیا تھا' اس نے تبھی میرے ساتھ بات کر لی تھی۔ میں جو وہاں پہنچا' چیخا' چلایا' وہ سب ڈرامہ تھا۔ شام تک ڈی ایس پی نے شاہ زیب کو باور کرا دیا کہ وہ مجبور ہو گیا ہے' اب کیا کرے؟''

''کیا کہا پھر شاہ زیب نے.....؟'' میں نے پوچھا تو وہ تیزی سے بولا۔

''اس نے تمہیں رات ہی کو مار دینے کے لیے حکم دے دیا تھا۔ اور شاید ڈی ایس پی رات ہی تجھے حوالات سے نکال کر مار دیتا' اگر شاہ زیب ایک دوسری طرح کی خباثت نہ دکھاتا۔''

''وہ کیا.....؟'' میں نے تجسس سے پوچھا۔

''اس نے پلان یہ دیا کہ جمال کو راستے ہی میں کہیں مار کر واپس گھر لایا جائے' یعنی نورنگر اور وہیں پولیس مقابلے کا ڈرامہ کیا جائے' مطلب پولیس جمال کو گرفتار کرنے آئی مزاحمت میں وہ مارا گیا۔ اور.....''

''اور.....تمہارے گھر کو آگ لگ گئی۔'' اس نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

''میرے گھر کو آگ لگ گئی؟'' میں نے تڑپتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں جمال! وہ تیرے گھر کو آگ لگا کر تیری ماں اور سوہنی کو بھی قتل کر دینا چاہتا تھا۔ مگر شاید قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔''

''یار وقاص.....! تم صاف لفظوں میں بتاؤ۔'' میں نے اکتائے ہوئے کہا۔

''صاف لفظوں میں بات یہ ہے جمال! اس نے تمہارے قتل کا انتظار ہی نہیں کیا اور رات تمہارے گھر کو آگ لگوا دی ہے۔''

''کیا.....؟'' میں تڑپ اٹھا۔ میری نگاہوں میں میری ماں گھوم گئی۔

''لیکن.....لیکن.....پوری بات سنو..... مجھے جب ڈی ایس پی نے بتایا کہ شاہ زیب کیا چاہتا ہے' تو میں نے فوراً تمہارے دوست چھاکے کو اطلاع کروا دی۔ جس وقت شاہ زیب کے بندے تمہارا گھر جلانے کے لیے پہنچے' اس وقت تک وہ وہاں سے نکل چکے تھے۔ کہاں گئے' اس کا مجھے نہیں علم۔ لیکن میں نے ڈی ایس پی کو سختی سے منع کر دیا کہ وہ تجھے کچھ نہ کہے..... بلکہ جس طرح تمہیں لے کر آیا ہوں اسی طرح اسے واپسی کا کہہ دیا..... اس نے اپنا وعدہ پورا کیا اور تجھے میرے حوالے کر دیا۔''

''اماں اور سوہنی کے بارے میں کچھ پتہ چلا' چھاکا کدھر ہے۔'' میں نے تیزی سے پوچھا۔

''باوجود کوشش کے میرا ان سے رابطہ نہیں ہو سکا۔ تمہیں ملنے سے پہلے تک میں نے ان کے بارے میں کسی بھی اطلاع کا انتظار کیا' ادھر تمہاری طرف بھی آنا تھا۔ اس سے زیادہ میران شاہ نہیں رک سکا' ہو سکتا ہے آج کل میں پتہ چل جائے۔'' پیرزادہ وقاص نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا تو میں بے چین ہو گیا۔

''وہ سب کیسے ہو گیا..... میرے دوست تھے وہاں..... چھاکا جان دے دیتا' پر.....ہو سکتا ہے وہ بھی..... پیرزادہ وقاص' یار مجھے ایک بار نورنگر لے چل۔ پھر میں دیکھ لیتا ہوں سب کو.....''

''میں تجھے لے جانے کو ابھی لے جاتا ہوں' مگر تو نہیں جانتا' انہوں نے بلوائیوں کی طرح تیرے گھر پر حملہ کیا ہے' اب کچھ نہیں وہاں پر..... اس نے کتوں کی طرح اپنے بندے تیرے پیچھے چھوڑ دیئے ہیں۔ اسے شاید تم نہیں' سوہنی درکار ہے' جو اس کی جائیداد کی حصہ دار بن گئی ہے۔''

''تو کیا تم جانتے ہو.....'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''یہ جو ڈی ایس پی ہے نا' یہ اپنا بندہ ہے' نجانے کس کوشش سے یہاں لگوایا ہے اسے' اس نے جب مجھے بتایا تو مجھے تیری اور شاہ زیب کی دشمنی کے بارے میں اندازہ ہوا۔ خیر..... اگر مجھے سوہنی کے بارے میں معلوم ہو جاتا تو میں پوری جان سے اس کا تحفظ کرتا۔''

''میں تلاش کر لوں گا اسے..... میری ماں..... چھاکا.....'' میں روہانسا ہو گیا۔

''جہاں تک میرا اندازہ ہے جمال' یہ لوگ کسی محفوظ جگہ ہوں گے' کیونکہ اس حملے سے کچھ دیر پہلے چھاکے تک اطلاع پہنچ چکی تھی۔ اب اگر قسمت نے ساتھ نہ دیا ہو تو الگ بات ہے۔'' اس نے غیر یقینی انداز میں کہا۔

''وہی تو میں کہہ رہا ہوں' میں نورنگر جاتا ہوں' وہاں جا کر ساری بات معلوم ہو جائے گی۔ اور پھر شاہ زیب نے اتنا بڑا ادھار میرے سر چڑھا دیا ہے' اسے بھی تو اتارنا ہے۔''

''میں تم سے یہ نہیں پوچھوں گا جمال کہ تم نے سردار شاہ دین کو قتل کیا ہے یا نہیں' لیکن اب تیری ان کے ساتھ لڑائی بن چکی ہے' کیا اب تو ان کے خلاف میرا ساتھ نہیں دے گا۔'' پیرزادہ وقاص نے وہ بات کہہ دی' جس کے لیے اس

نے میری مدد کی تھی۔ میں سوچ رہا تھا کہ اب تک اس نے اپنے مطلب کی بات کیوں نہیں کی ہے' میں نے ایک لمحہ تاخیر کیے بنا کہا۔

''پیرزادہ..... اگر تم یہ کہو کہ میں اب پھنس گیا ہوں اور تم مجھے اس مشکل سے نکال رہے ہو' اس کے عوض تمہارا ساتھ دوں تو میرا انکار ہے' لیکن اگر دشمن کا دشمن سمجھ کر میرا ساتھ مانگو تو میں تیار ہوں۔ یہ میں نے اس لیے کہا ہے کہ تم جاگیرداروں کا کوئی پتہ نہیں ہوتا کہ کب ایک دوسرے سے صلح کر کے درمیان کے لوگوں کو مسل دو۔'' میں نے صاف گوئی سے کہا تو وہ ہنس دیا۔ پھر بڑے گھمبیر لہجے میں بولا۔

''جمال.....! سیدھی سی بات ہے' اگر اس علاقے پر میری حکمرانی ہو جاتی ہے تو مجھے اور کیا چاہیے' میں سردار شاہ دین کی سوچ اور سیاست کو نہیں پا سکتا تھا۔ مگر شاہ زیب کو تو نیچا دکھا سکتا ہوں' صاف اور سچی بات یہ ہے کہ تم اپنا انتقام لینا' میں پوری مدد میں دوں گا۔ میں اب شاہ زیب کو اپنا ہم پلہ نہیں دیکھنا چاہتا۔ اسے ختم کر دینا چاہتا ہوں' میری سیاست کچھ بھی رہے' لیکن تمہارے آڑے کبھی نہیں آؤں گا۔''

''مطلب' تم میرے ساتھ شانہ بہ شانہ کھڑے نہیں ہو گے۔ میرے حلیف کے طور پر سامنے کبھی نہیں آؤ گے۔'' میں نے اس کی بات سمجھتے ہوئے کہا تو وہ پوری سنجیدگی سے بولا۔

''یونہی سمجھ لو' اس کی ایک وجہ ہے' جسے تم بخوبی جان سکتے ہو' کچھ جگہیں' کچھ تعلقات کے دائرے اور کچھ مفادات کے مرکز ایسے ہوتے ہیں کہ بندہ مجبور ہو جاتا ہے' وہاں میں کہہ سکتا ہوں کہ میں جمال کو نہیں روک سکتا کہ میرا اس پر کوئی حق نہیں' تم سمجھ سکتے ہو نا میرے بات.....''

''ٹھیک ہے' میں نے مان لی تیری بات' اب پل نور نگر۔'' میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''ہم ابھی چلتے ہیں لیکن یہ ذہن میں رکھنا' اس نے اپنے باپ کے قتل میں تیری گرفتاری ضرور ڈلوانی ہے۔ وہ چاہے گا کہ تو پولیس ہی کے ساتھ ٹکرا کر ختم ہو جائے۔'' پیرزادہ نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''یہ ساری بعد کی باتیں ہیں' تو پہلے مجھے نور نگر پہنچا' پھر سب دیکھ لوں گا۔'' میں نے کہا اور جوتے پہن کر اٹھ گیا۔

ہمارے درمیان جو طے پانا تھا' وہ پا گیا تھا۔ دوپہر سر پر تھی۔ وہ باہر سے کچا ڈیرہ، اندر سے جدید طرز پر سجا ہوا' مجھے اچھا لگا تھا۔ میں اس علاقے میں بہت پہلے پھرتا رہا تھا' لیکن یہ حویلی نما ڈیرہ پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا' صحن میں آ کر میں نے پوچھا۔

''یہ ڈیرہ کس کا ہے؟''

''چوہدری شاہ نواز کا۔'' اس نے بتایا تو وہ گرانڈیل قد کا شخص میرے ذہن میں آ گیا۔

''یا، وہ تو قصبے میں.....''

''یہ اس کا وہ ڈیرہ ہے جہاں خاص لوگ ہی آ کر ٹھہرتے ہیں۔ باقی تم سمجھ دار ہو۔'' اس نے گول مول سی بات کی تو میں نے بھی زیادہ تجسس دکھانے کی ضرورت محسوس نہیں کی اور ویسے بھی اس وقت میرے دماغ میں صرف اور صرف نور نگر چھایا ہوا تھا۔ میری کوشش تھی کہ میں جلد از جلد وہاں پہنچ جاؤں۔

جس وقت ہم جیپ میں بیٹھ کر وہاں سے چلے تو میرے اندر بے شمار وسوسے ابھرنے لگے۔ میری اماں کا چہرہ بار بار میری نگاہوں میں پھر رہا تھا۔ وہی ایک گھر جس میں میری ماں نے جوانی بیوگی کی حالت میں گزاری تھی۔ جسے کبھی وہاں خطرہ نہیں رہا تھا اور نہ کبھی اس نے مجھ پر خوف مسلط ہونے دیا تھا' وہی گھر جلا دیا گیا تھا۔ میرے اندر جیسے آگ لگی ہوئی تھی' وہی آگ جس نے میرے گھر کو جلایا تھا' سوہنی کا ساتھ اگرچہ چند دنوں کا تھا' لیکن انہی چند دنوں میں اس نے میرے

انتظار کی طوالت کو ختم کر کے میری فتح کو قریب کر دیا تھا۔ میں جو ایک طویل سفر طے کرنے کی سوچ رہا تھا' وہ اس نے مختصر کر دیا' اور چھاکا..... میرے بچپن کا دوست ہی نہیں' میرے بھائیوں جیسا مخلص ساتھی تھا' جس کے بغیر میں خود کو ادھورا سمجھتا تھا' میری آنکھوں کے سامنے ایک تصویر ہٹتی تو دوسری آ جاتی' جیپ جس طرح تیز رفتاری سے بڑھتی چلی جا رہی تھی' اس سے کئی گنا رفتار سے میرا خون کھول رہا تھا۔ صورتحال کیا تھی' میں اس سے ناواقف تھا' دل نہیں مان رہا تھا کہ انہیں کچھ ہو گا' لیکن ذہن شاہ زیب کی خباثت سے انکار نہیں کر رہا تھا۔ اس نے جو اتنا بڑا اقدام اٹھایا تھا' اب اس کا خمیازہ تو بھگتنا تھا' شاہ زیب نے۔ میں نے خود کو پرسکون کرنے کے لئے سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا لی۔

جسپال کی آنکھ کھلی تو دوپہر ہونے والی تھی۔ کسی نے بھی اسے نہیں جگایا تھا۔ اس نے اپنا سیل فون اٹھا کر دیکھا' وہ بند تھا' اس نے سیل فون آن کر دیا' اور پھر فریش ہو کر نیچے ڈرائنگ روم میں آ گیا۔ وہ اپنے ساتھ سیل فون اور لیپ ٹاپ بھی اٹھا لایا تھا۔ جوتی اس کے لیے لسی لے آئی جسے پیتے ہی اس نے کہا۔

''جوتی.....! میرے لیے چاہے کھانا لگا دو یا ناشتہ' میں نے جالندھر جانا ہے ہر پریت کا پتہ کرنے۔''

''وہ تو ٹھیک لیکن انوجیت بائی جی نے کہا ہے' کہ جب تک وہ نہ آ جائیں' آپ کو کہیں نہ جانے دیا جائے۔ انہوں نے دو تین گھنٹے پہلے فون کیا تھا۔''

''چلو ٹھیک ہے' میں بات کر لیتا ہوں۔'' اس نے کہا اور لیپ ٹاپ کھول لیا' تاکہ رن ویر کے بارے میں کوئی خبر دیکھ سکے۔ پنجابی گرومکھی تو اسے پڑھنی نہیں آتی تھی' اس لیے انگلش اخبار ہی دیکھتا رہا' آخر ایک اخبار میں اسے دو کالمی خبر مل گئی۔ جس کی تفصیلات میں یہی درج تھا کہ دہشت گردوں نے پولیس انسپکٹر رن ویر سنگھ کو قتل کر دیا۔ وہ کئی دنوں سے دھمکیاں دے رہے تھے وغیرہ وغیرہ۔ وہ گول مول سی خبر تھی' جس سے کسی کے بارے میں اندازہ نہیں ہو پا رہا تھا۔ وہ خبر پڑھنے کے بعد تھوڑی دیر سوچتا رہا' ممکن ہے اس سے کیشو مہرہ نے رابطہ کیا ہو اور اس کا فون بند ملا ہو' وہ خود اس سے رابطہ نہیں کرنا چاہتا تھا' وہ حد درجہ محتاط ہو گیا تھا۔ اسے یہ تو یقین تھا کہ خفیہ والے اس پر نگاہ رکھے ہوئے ہیں۔ بعید نہیں تھا کہ فون بھی کہیں ٹریس ہو رہا ہو' اگرچہ سیل فون کے معاملے میں ذرا مشکل تھا لیکن پھر بھی احتیاط کا تقاضہ یہی تھا۔ شاید انوجیت اسی مقصد کے لیے جالندھر سے آ رہا ہو' اس نے انوجیت کے نمبر ملا دیئے۔ چند لمحوں بعد رابطہ ہو گیا تو اس نے بتایا۔

''یار میں راستے میں ہوں' بیس منٹ تک پہنچ جاؤں گا۔''

''چلو ٹھیک ہے' آ جاؤ تو پھر اکٹھے حویلی چلیں گے۔'' جسپال نے کہا۔

''نہیں' میرے پاس حویلی جانے کے لیے وقت نہیں ہو گا' بس میں آ رہا ہوں۔'' اس نے تیزی سے کہا اور فون بند کر دیا۔ جسپال کے پاس سوائے انتظار کے اور کوئی کام نہیں تھا۔ سو وہ ناشتہ کر چکا تھا جب گھر کے سامنے گاڑیاں رکنے کی آواز آئی۔ اس کے ساتھ ہی بنتا سنگھ نے گیٹ کھول دیا۔ پہلے انوجیت کی گاڑی اندر آئی اور پھر ایمبولینس اس کے پیچھے پیچھے آ گئی۔ جسپال کا دل دھک سے رہ گیا۔ کہیں ہر پریت.....؟ وہ اس سے آگے کچھ نہیں سوچ سکا' وہ تیزی سے پورچ میں آ گیا۔ انوجیت تیزی سے اپنی گاڑی میں سے نکلا' تب تک ایمبولینس میں سے پھوپھو کلجیت کور نکلیں' ڈرائیور نے عقبی دروازہ کھولا اور پھر دونوں نے بڑی احتیاط کے ساتھ سٹریچر اتارا۔ جسپال کے دماغ میں آندھیاں چلنے لگی تھیں۔ وہ اپنی جگہ ساکت ہو گیا۔ تبھی انوجیت نے اشارہ دے کر ہر پریت کو اپنے پاؤں پر کھڑا کیا تو جسپال کی سانس میں سانس آئی۔ وہ تیزی سے بولا۔

''او یار.....! اس کا کتنا وزن ہو گا۔ ہاتھوں پر اٹھا لو۔''

''چل پتر.....! آ جا' اور اٹھا کر لے جا اسے اندر۔'' کلجیت کور نے مسکراتے ہوئے کہا تو ہر پریت نے جسپال کی طرف ایک زخمی مسکراہٹ سے دیکھا جسپال آگے بڑھا اور ہر پریت کو بڑے آرام سے اٹھا لیا' پھر اس کے کمرے تک لے جا کر بڑے آرام سے بیڈ پر لٹا دیا۔ کچھ ہی لمحوں بعد انوجیت ایمبولینس والے کو بھیج کر آ گیا۔ تبھی جسپال نے پوچھا۔

''یار ڈاکٹر نے تو کہا تھا کہ کم از کم دس دن لگیں گے اور تم اسے.....''

''پہلے تو یہی کہا تھا' لیکن رات انہوں نے ہر طرح سے مطمئن ہو جانے کے بعد یہی کہا کہ اب زخم بھرتے بھرتے بھرے گا' گھر میں زیادہ آسانی سے دیکھ بھال ممکن ہو گی' بس کچھ احتیاطیں کرنے کو اور تین دن بعد چیک اپ کا کہا ہے۔'' اس نے پوری تفصیل بتا دی۔

''اب کیسا محسوس کر رہی ہو ہر پریت.....'' اس نے آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''بہت اچھا' یہاں گھر میں تو سکون ہے' وہاں ایک طرح سے بے زاری تھی۔'' وہ ہلکے سے مسکراتے ہوئے بولی۔ تب انوجیت نے جسپال کو اشارے سے باہر بلایا' وہ دونوں باہر لان میں چلے آئے تو اس نے پوچھا۔

''رن ویر کو کس نے مارا ہے؟''

''میں نے.....؟'' جسپال نے دوٹوک لہجے میں جواب دیا۔

''کیسے.....؟'' اس نے پوچھا تو جسپال نے تفصیل بتا دی۔ جسے وہ بڑے دھیان سے سنتا رہا پھر بولا۔ ''میرا خود اسے مارنے کا پلان بن چکا تھا' سب لوگ تیار تھے۔ اس لیے میں ڈاکٹر کے سر چڑھ گیا کہ وہ ہر پریت کو گھر بھیج دے' مجھے تو صبح پتہ چلا' خیر.....! اب تم سنبھالو یہاں' مجھے اپنے کچھ تنظیمی لوگوں سے ملنا ہے اور ایک لیڈی ڈاکٹر کا بندوبست کرنا ہے جو ہر پریت کے زخم کی روزانہ پٹی کر جایا کرے' شام تک لوٹ آؤں گا۔''

''ٹھیک ہے.....'' جسپال نے کہا تو وہ انہی قدموں پلٹا اور اپنی گاڑی لے کر کوٹھی سے نکلتا چلا گیا۔ جسپال وہاں سے سیدھا ہر پریت کے کمرے میں چلا گیا۔ جو بلاشبہ اس کے انتظار میں تھی۔ وہ اسے دیکھ کر مسکرا دی اور پھر آنکھ کا ہلکا سا اشارہ کرتے ہوئے دھیرے سے بولی۔

''آؤ بیٹھو۔''

''پھوپھو کہاں ہے؟'' وہ اس کے پاس بیٹھتے ہوئے بولا۔

''وہ بہت تھکی ہوئی تھیں' میں نے انہیں آرام کرنے کا کہا ہے' تم سناؤ۔'' وہ دھیرے سے بولی۔

''میں ابھی کچھ دیر پہلے تمہارے پاس آنے لگا تھا' تمہاری ضرورت پڑ گئی تھی۔''

''آنے لگا تھا تو آ جاتے؟'' وہ بولی۔

''یار' وہ گروکھی نہیں نہ آتی نا' میں نے ایک خبر دیکھنی تھی۔'' جسپال نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ایسی کوئی خاص خبر تھی؟'' اس نے پوچھا۔

''ہاں' خاص ہی تھی' پتہ نہیں تجھے انوجیت نے بتایا ہے کہ نہیں' میں نے اس بندے کو مار دیا ہے' جس نے تجھ پر فائر کروایا تھا۔''

''واقعی.....کون تھا وہ؟'' وہ خوشگوار حیرت سے بولی۔

''رن ویر.....رات.....میں نے.....'' اس نے کہا اور باقی بات اشاروں میں سمجھا دی۔ پھر ہر پریت کے اصرار پر اس نے تفصیل بتا دی کہ کیسے پتہ چلا اور پھر کیسے مارا' وہ باتیں کرتے رہے' یہاں تک کہ سہ پہر ہو گئی۔ اس دوران لیڈی ڈاکٹر آ گئی جو رسول پور کلاں کی رہنے والی تھی۔ اس نے آ کر انجکشن دیا اور دوائیں دیں۔ کچھ دیر بعد ہر پریت

سو گئی۔ ڈاکٹر چلی گئی تو جسپال حویلی جانے کے لیے تیار ہو گیا۔ وہ گاڑی لے کر جیسے ہی گیٹ پار کر کے باہر آیا تو اس کے سامنے دو جوان آن کھڑے ہوئے' جسپال نے سوالیہ نگاہوں سے ان کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''کون ہو تم لوگ اور میرا راستہ کیسے روکا ہے؟''

''ہمارا تعلق پولیس ڈیپارٹمنٹ سے ہے اور ہمیں حکم ہے کہ آپ کو گھر تک محدود رکھا جائے۔'' ان میں سے ایک نے تیزی سے کہا۔

''کیوں؟'' اس نے حیرت سے پوچھا۔

''یہ میں نہیں جانتا' لیکن آپ گھر تک ہی محدود رہیں گے۔'' دوسری بار اس کا لہجہ قدرے سخت تھا۔

''جس نے مجھے گھر تک محدود کرنے کا حکم دیا ہے' اس سے وجہ بھی پوچھو' ورنہ میرا راستہ مت روکو' جب معلوم ہو جائے تو مجھے بتا دینا' میں پنڈ جا رہا ہوں حویلی.....'' یہ کہہ کر اس نے اپنی گاڑی بڑھا دی۔ اسے بہر حال یہ معلوم ہو گیا کہ معاملہ خاصا گھمبیر ہو گیا ہے اور پوری سنجیدگی کے ساتھ اسے گھیرنے کی کوشش ہو رہی ہے۔ اس کے اردگرد خطرہ بڑھ گیا تھا۔ دفعتاً اس کے ذہن میں ایک خیال رینگ گیا۔ اس نے اپنے سیل فون سے رن ویر کے نمبر ملانے شروع کر دیئے۔ دوسری طرف بیل جاتی رہی' کافی دیر بیل جانے کے بعد فون کسی نے ریسیو کر لیا' تبھی جسپال نے کہا۔

''آپ کون بات کر رہے ہیں' مجھے رن ویر سنگھ سے بات کرنا ہے۔''

''آپ کون ہیں؟'' دوسری طرف سے پوچھا۔

''میں جسپال سنگھ ہوں رن ویر سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ انہیں فون دیں۔'' اس بار وہ ذرا سخت لہجے میں بولا۔

''رن ویر سنگھ جی' کل رات شہید ہو گئے ہیں' میں ان کا بھائی بات کر رہا ہوں۔''

''اوہ.....'' وہ بولا' پھر لمحہ بھر کہا۔ ''ٹھیک ہے' میں تھانے بات کرتا ہوں۔'' یہ کہہ کر اس نے فون بند کر دیا' وہ گاڑی لیے سیدھا تھانے جا پہنچا' وہ ڈیوٹی پر چند کانسٹیبل تھے اور ایک ایس آئی' تعارف وغیرہ کے بعد ڈیوٹی پر موجود اے ایس آئی سے پوچھا۔

''کیا آپ نے اپنے بندے میرے گھر پر لگائے ہوئے ہیں۔''

''ہم نے نہیں لگائے' یہ اوپر سے احکام آئے ہیں اور وہ بندے بھی چندی گڑھ سے آئے ہیں۔'' وہ بولا۔

''کیوں.....؟'' اس نے پوچھا۔

''رن ویر سنگھ رات قتل ہو گئے ہیں۔ دوسرے پولیس انسپکٹر ہیں' جن کا تھوڑے ہی دنوں میں قتل ہوا ہے۔ اس کی بڑے پیمانے پر تفتیش کی جا رہی ہے' اور سیدھی بات ہے کہ آپ پر بھی شک ہے۔''

''ٹھیک ہے' اس کا کوئی کاغذی ثبوت ہے تو مجھے دیں' میں آپ کے ساتھ پورا تعاون کروں گا۔ لیکن اگر یونہی پولیس کو مجھ پر مسلط کیا گیا تو پھر میں اپنے وکلا سے مدد لینے کی ضرورت مجبوراً کروں گا۔ یہ بات اپنے آفیسر تک پہنچا دیں۔''

''آپ ان سے خود بات کیوں نہیں کر لیتے۔'' اس نے کہا۔

''میں نہیں' میرے وکلا کریں گے' چندی گڑھ کونسا دور ہے' تین ساڑھے تین گھنٹے کا سفر ہے' اگر یہ اتنا ہی ضروری ہوا تو میں ضرور ایسا کر لوں گا' میں پھر یہاں کے نہیں اعلیٰ حکام سے بات کروں گا۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا۔

''اب دیکھیں جی میں کیا کر سکتا ہوں۔'' ڈیوٹی کانسٹیبل نے بے چارگی سے کہا۔

''ٹھیک ہے' اب میں خود دیکھتا ہوں اس معاملے کو۔ عجیب رویہ ہے۔'' جسپال نے کہا اور وہاں سے اٹھ گیا۔ اس کا رخ حویلی کی طرف تھا۔

جسپال کو حویلی میں چہل پہل اچھی لگی تھی۔ تقریباً سبھی کمروں میں رہائش ہوگئی تھی۔ وہ دالان میں دھری ایک کرسی پر بیٹھ گیا تو پریال سنگھ اس کے پاس آ بیٹھا تو اس نے پوچھا۔

''کہو پریال! کیسا لگا ماحول؟''

''ماحول تو بہت اچھا ہے جی' آج صبح سے میں کچھ مشکوک بندے دیکھ رہا ہوں حویلی کے اردگرد' کہیں یہ ہم پر سک نہ کر رہے ہوں کہ یہاں کا تھانیدار ہم نے مارا ہے۔'' یہ کہہ کر وہ کھلکھلا کر ہنس دیا۔

''شک کرنے کو تو مجھ پر بھی کیا جا سکتا ہے مگر تم لوگ پھر بھی محتاط رہنا۔'' جسپال نے عام سے لہجے میں کہا تو پریال نے پوچھا۔

''ویسے بائی جی' وہ گروپ جوان تھانیداروں کو مار رہا ہے' ان کا مقصد کیا ہو سکتا ہے؟''

''تمہیں کیسے پتہ چلا کہ کوئی گروپ ہے جو ان تھانیداروں کو مار رہا ہے۔'' جسپال نے چونک کر پوچھا۔

''حویلی کے باہر وہ جو ستھ (چوپال) ہے نا' میں کافی دیر ادھر بیٹھا رہا ہوں' لوگ باتیں کر رہے تھے۔ اب یہ لوگوں کا اندازہ ہی ہے نا' کوئی کچھ کہتا ہے' کوئی کچھ۔'' اس نے بتایا۔

''انہوں نے تمہارے بارے میں بھی پوچھا ہوگا کہ تم کون ہو اور حویلی میں کیوں رہتے ہو؟'' جسپال نے اچانک موضوع بدلتے ہوئے پوچھا۔

''پوچھا تھا' اور میں نے بتایا کہ ہم جسپال بائی جی کے ملازم ہیں۔ انہوں نے ہمیں یہاں لا کر رکھا ہے' کیونکہ انہیں یہاں پر موجود کچھ لوگوں سے خطرہ ہے' میرا خیال ہے یہ پیغام بلجیت سنگھ تک پہنچ بھی گیا ہوگا۔'' اس نے سنجیدگی سے بتایا۔

''چلو اچھا ہے۔ لیکن پریال' یہ دھیان رکھنا تمہاری طرف سے پہل نہیں ہونی چاہیے۔ کوئی جان کو آ جائے' تبھی وار کرنا' ورنہ تصادم سے ہر ممکن بچنے کی کوشش کرنا' کیونکہ وہ چاہیں گے کہ تم لڑو اور وہ کسی نہ کسی جال میں پھنسا لیں۔'' جسپال نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''جی' بائی جی!'' اس نے مودبانہ انداز میں کہا' تبھی کچن کی طرف سے ایک لڑکی برآمد ہوئی جس نے سیاہ اور سفید دائروں والی قمیص شلوار پہنی ہوئی تھی اور سر پر سفید آنچل تھا' وہ ہاتھ میں ٹرے لیے نمودار ہوئی تھی۔ اسے دیکھ کر جسپال نے پوچھا۔

''یہ کون ہے؟''

''یہ میری سویٹی ہے بائی جی' بہت جلد ہم شادی کرنے والے ہیں۔ باقی' یہ وہیں ہوتی ہے جہاں میں ہوتا ہوں۔ میرے بغیر رہ نہیں سکتی نا۔'' یہ کہہ کر وہ ہنس دیا۔

''ست سری اکال جی۔'' سویٹی نے ٹرے رکھا اور ہاتھ جوڑتے ہوئے فتح بلائی۔

''ست پری اکال..... کیسی ہو؟'' جسپال نے بڑے نرم لہجے میں پوچھا۔

''جی' بالکل ٹھیک ہوں۔ آپ چائے پئیں۔'' یہ کہہ کر وہ تیزی سے پلٹ گئی۔ اچھی خاصی نوعمر اور خوبصورت لڑکی تھی۔ دونوں نے اپنا اپنا مگ اٹھا لیا۔ چائے کے دھیرے دھیرے سپ لینے لگے۔ اس دوران پریال اپنے بارے میں بتاتا رہا کہ کس طرح وہ سٹوڈنٹس سیاست میں رہا اور اب بدمعاشی کے علاوہ اور کوئی کام نہیں ہے۔ کس طرح وہ ایک گروپ بنانے میں کامیاب ہو گیا ہے جس سے اب بہت سارے کام وہ بڑی سہولت سے کر لیتا ہے۔ وہ اپنی باتوں میں مگن تھے کہ باہر سے ایک نوجوان نے ان کے پاس آ کر کہا۔

''باہر جی' کچھ لوگ آئے ہیں' جسپال جی' وہ آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ کہیں تو بلا لاؤں انہیں۔''

''نام نہیں پوچھا ان کا۔'' پریال نے کافی حد تک غصے میں کہا۔

''پوچھا تھا' لیکن انہوں نے بتایا کچھ نہیں۔ بس ان کو باہر آنے کا کہا ہے۔'' اس نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

''اچھا چل' میں آتا ہوں۔'' جسپال نے کہا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ پریال اس کے ساتھ ہی اٹھ گیا۔ اس کے ساتھ ادھر ادھر بیٹھے لوگ بھی اٹھ کر باہر کی سمت چل پڑے۔ جسپال نے حویلی کے پھاٹک پر آ کر دیکھا' باہر کافی سارے لوگ کھڑے تھے جن کے درمیان ایک کار کھڑی تھی اور اس کے پیچھے پرانے ماڈل کی جیپ تھی۔ ان کافی سارے لوگوں کے درمیان شلوار قمیص اور بھاری پگڑی کے ساتھ بلجیت سنگھ کھڑا تھا۔ اس کی آنکھوں سے شعلے ابل رہے تھے اور وہ انتہائی نفرت و حقارت سے جسپال کی طرف دیکھ رہا تھا۔ جسپال نے اچٹتی ہوئی نگاہ سب پر ڈالی اور گیٹ کے قریب کھڑے بندے سے پوچھا۔

''ہاں بھئی' کیا بات ہے؟''

''سردار بلجیت سنگھ جی' آئے ہیں۔ چلو ان کی بات سنو۔''

''اچھا' تو یہ ہے' بلجیت سنگھ۔'' پریال سنگھ نے تیزی سے کہا اور پھر اپنے پیچھے کھڑے ہوئے شخص کی طرف دیکھ کر مخصوص اشارہ کیا جسے جسپال نہیں دیکھ سکا تھا۔ وہ بلجیت سنگھ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا۔

''جس نے ملنا ہے وہ یہاں تک خود آ جائے' جاؤ جا کر کہہ دو۔'' اس نے قد اونچا کیا تھا کہ اس کی آواز دور تک سنائی دے' جس پر وہ سب چند لمحے کے لیے تو خاموش کھڑے رہے پھر ایک ادھیڑ عمر کا بندہ آگے بڑھا اور اس کے پاس آ کر سکون سے بولا۔

''جسپال سنگھ' میں اس گاؤں کا پنچ ہوں' دلبیر سنگھ نام ہے میرا اور ہمارا سرپنچ سردار بلجیت سنگھ ہے تمہیں شاید گاؤں کے ریتی رواج کا نہیں پتہ' اس لیے ہم سب مل کر تمہارے پاس آئے ہیں تاکہ تمہیں سمجھا سکیں' ورنہ پنچائیت کو یہ قانونی حق بھی حاصل ہے کہ وہ گاؤں کے کسی بھی شخص کو اپنے پاس حاضر ہونے کا کہہ دے۔''

''جی بولیں' میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔'' جسپال نے تحمل سے پوچھا۔

''کیا ہم یونہی کھڑے کھڑے بات کریں گے' ہمیں بیٹھنے کے لیے نہیں کہو گے؟'' دلبیر سنگھ پنچ نے پوچھا۔

''کیوں نہیں سردار جی ہم آپ کو بیٹھنے کے لیے کیوں نہیں کہیں گے' آخر کو آپ چل کر میرے گھر آئے ہیں۔'' یہ کہہ کر جسپال نے مڑ کر پریال سے کہا۔ ''ان سب کو بٹھاؤ اور ان کے لیے کچھ کھانے پینے کا بھی بندوبست کرو' جلدی۔''

''جی' بائی جی۔'' پریال نے کہا اور مڑ گیا۔ کچھ ہی دیر بعد اندر سے چارپائیاں نکل کر باہر آنے لگیں۔ وہ ''ستھ'' میں برگد کے درخت کے نیچے ہی بیٹھتے جا رہے تھے۔ پنچ اور سرپنچ کے لیے کرسیاں رکھ دی گئیں' انہی کے مقابل جسپال کو بھی ایک کرسی پر بٹھا دیا گیا۔ تبھی دلبیر سنگھ نے بڑے ٹھنڈے اور تحمل بھرے انداز میں کہا۔

''دیکھ بھئی جسپال سنگھ' کسی بھی پنچائیت کا کام جہاں مسئلے مسائل کا فیصلہ کرنا ہے' وہاں اس کا یہ فرض بھی ہے کہ وہ امن و امان رکھنے میں پوری مدد دے اور ایسا غیر قانونی کام نہ ہونے دے جس سے امن و امان خراب ہو سکتا ہو' اس لیے ہم تمہیں سمجھانے آئے ہیں کہ یہ جو تم نے حویلی آباد کر لی ہے اور اس میں غنڈے لا کر بٹھا دیئے ہیں' یہ ٹھیک نہیں ہے۔''

''اگر میں آپ کی ان ساری باتوں پر لکیر پھیر دوں تو.....؟'' جسپال نے سکون سے جواب دیا۔

''یہ کیا کہہ رہے ہو تم؟'' دلبیر سنگھ نے سخت لہجے میں کہا۔

''میں نے اچھے لفظ استعمال کیے ہیں بزرگو' ورنہ دوسرے لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ میں آپ کی ان ساری

باتوں کو جھوٹا ثابت کردوں۔'' وہ اسی پرسکون لہجے میں بولا۔

''دیکھو' تم گھر پر آئی ہوئی پنچائیت کی بے عزتی کر رہے ہو۔ تمہیں ایسا کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔'' اس بار دلبیر سنگھ نے کافی حد تک سختی سے کہا۔

''میں نے کوئی غلط تو نہیں کہا۔ بجائے بے عزتی محسوس کرنے کے آپ مجھ سے یہ سوال کیوں نہیں کرتے کہ میں کیسے غلط ثابت کرسکتا ہوں۔'' وہ تحمل سے بولا۔

''بولو..... تم بتاؤ.....'' دلبیر نے غصے سے پوچھا۔

''میں نے کچھ بھی نہیں کیا اور آپ پنچائیت میرے گھر لے کر آ گئے ہیں۔ میری کوئی غلطی بتاؤ' آپ امن وامان کی بات کرتے ہو تو بتاؤ مجھ پر جو قاتلانہ حملہ ہوا ہے' اس پر آپ لوگوں نے میرے گھر پر آ کر افسوس تک نہیں کیا' کجا آپ وہ لوگ تلاش کرنے میں میری مدد کرتے۔''

''ہم مانتے ہیں پتر کہ ہم افسوس کرنے تیرے گھر نہیں گئے' پہلی تو بات ہے کہ تمہارا گھر ہے کون سا؟ دوسری بات تم اپنا معاملہ لے کر پنچائیت کے پاس نہیں آئے' ہم تجھے کیوں پوچھتے پھرتے' تم تو پولیس کے پاس گئے ہو' اب تم جانو اور پولیس.....'' دلبیر نے دلیل دیتے ہوئے کہا مگر جسپال کو اس کی بات چبھ گئی' وہ طنزیہ لہجے میں بولا۔

''یہ حویلی' وہ کوٹھی' کس کی ہے' میری نہیں تو اور کس کی ہے؟''

''نہ یہ حویلی تیری ہے اور نہ وہ کوٹھی تیری' قانون اس بات کو نہیں مانتا' تم تو ابھی تک یہ ثابت نہیں کر سکے ہو کہ تم واقعی ہی کلوندر سنگھ کے پتر ہو۔ جس دن تمہیں اپنے بارے میں ثبوت مل جائے' اس دن آ کر بات کرنا۔ اب کوئی اور بات ہے تو کہو۔'' دلبیر سنگھ نے صاف لفظوں میں اس سے کہہ دیا کہ وہ اسے تسلیم ہی نہیں کرتے۔

''تو پھر تم لوگ کیا کرنے آئے ہو میرے پاس؟'' جسپال غصے میں آ گیا' مگر تحمل سے بولا۔

''یہی کہ تم نے جو غیر قانونی طور پر اس حویلی پر قبضہ کیا ہے' اسے ختم کرو' اور یہ جو منڈھیر (جتھہ) تم نے یہاں اکھٹی کر رکھی ہے اسے چلتا کرو۔ ہمیں نقص امن کا خطرہ ہے۔''

''کیوں خطرہ کیوں ہے؟ انہوں نے کسی کو کچھ کہا' کسی سے زیادتی کی' کسی کو کائی بُرا بھلا کہا' یا پنچائیت کو خوف ہے ان سے؟'' جسپال نے پوچھا۔

''جب تم نے بنیادی طور پر ہی غلط کام کیا ہے تو باقی سارے غیر قانونی کام ہیں۔ پنچائیت کو یہ اختیار ہے کہ تمہارا سامان اٹھا کر باہر پھینک دیں۔ اس کے لیے ہم پولیس سے بھی مدد لے سکتے ہیں۔'' دلبیر سنگھ نے کہا تو جسپال کو انتہائی غصہ آ گیا۔ وہ کھڑا ہو کر بولا۔

''میں آپ کو بزرگ مانتے ہوئے آپ کی دل سے عزت کرتا ہوں۔ یہ جو حویلی ہے' میرے باپ کی ہے' اور اب میں اس کا مالک ہوں۔ یہاں پر موجود سب لوگ یہ بات کان کھول کر سن لیں اور سمجھ بھی لیں کل میرے باپ سمیت میرے خاندان کا خون کیا گیا' آج اگر میرا ہو جائے گا تو کوئی پروا نہیں۔ میں آیا ہی اس خاطر ہوں کہ یہاں مجھے قتل کر دیا جائے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ میرا خون کون کرتا ہے۔ اب جس میں ہمت ہے وہ حویلی کی جانب بڑھے' وہاں سے سامان اٹھا کر باہر پھینکنے کا حوصلہ کرے' میں ابھی دیکھ لیتا ہوں اس کو۔''

''دیکھا لڑائی والی بات ہو گئی نا..... تم کر رہے ہو نا لڑنے کی بات۔'' دلبیر سنگھ نے کہا

''بس دلبیر سنگھ جی' بس! مجھے نہ منافقت آتی ہے اور نہ میں جھوٹ بولتا ہوں۔ ایک سچے سکھ کا کرتو یہ ہی سچ ہوتا ہے۔ سچے بادشاہ گرونانک مہاراج نے سکھی کی بنیاد ہی سچ پر رکھی ہے۔ تم کیسے سکھ ہو جو جھوٹ اور منافقت کی بات کر رہے

ہو۔ شرم کرو' لڑنے کی بات میں کر رہا ہوں' یا تم لڑنے کے لیے آئے ہو اتنا لاؤ لشکر لے کر۔''

''زبان سنبھال کر بات کراوئے' میں ابھی تک خاموش اس لیے رہا ہوں کہ دلبیر سنگھ جی بات کر رہے تھے' چل روک تو کیسے روکتا ہے۔'' بلجیت سنگھ نے کھڑے ہو کر کہا تو دلبیر سنگھ نے جلدی سے کھڑے ہو کر اسے بٹھا دیا۔

''تم بیٹھو بلجیت سنگھ' میں بات کر رہا ہوں نا۔'' یہ کہہ کر اس نے جسپال سے کہا۔ ''اولڑ کے! شام سے پہلے تک یہ حویلی خالی کر کے چلے جاؤ' ہاں جب تم اس کے مالک ہونے کا ثبوت لے کر آ جاؤ پنچائیت کے پاس تو بے شک یہاں پر رہنا' یہ ہمارا فیصلہ ہے۔''

''اور میں تم لوگوں کا فیصلہ نہیں مانتا۔ اب جو کرنا ہے کر لیں۔'' جسپال نے لاپرواہانہ انداز میں کہا۔

''چلو اوئے! اس کا سامان باہر پھینکو اور نکالو اسے یہاں سے۔'' بلجیت سنگھ نے انتہائی غصے میں کہا تو چند لوگ آگے بڑھے' تبھی جسپال نے اونچی آواز میں کہا۔

''بلجیت' شروعات تم کر چکے ہو۔ یہ تمہاری دوسری باری ہے۔ اب بھاگنا نہیں۔'' جسپال نے کہا اور اس کی طرف بڑھا' بلجیت کے اردگرد چند لڑکے ہو گئے۔ پریال سنگھ اور اس کے ساتھیوں نے بھی گنیں سیدھی کر کے بولٹ مار لیے۔

''رُک جاؤ۔'' دلبیر نے چیخ کر کہا۔ ''میں کہتا ہوں رُک جاؤ۔''

''دلبیر سنگھ آج فیصلہ ہو ہی جائے۔'' جسپال نے کہا تو وہ درمیان میں آتے ہوئے بولا۔

''نہیں' ہم لڑنے نہیں آئے پنچائیت کا فیصلہ سنانے آئے ہیں۔ شام تک کا وقت ہے تیرے پاس' پھر نہ کہنا کہ زیادتی ہو گئی۔'' پھر سب لوگوں سے مخاطب ہو کر بولا۔ ''چلو..... چلو' واپس'' تبھی جسپال نے اونچی آواز میں کہا۔

''سنو دلبیر سنگھ جی' اور وہ بھی جو یہاں موجود ہیں' آج کان کھول کر سن لو' جس میں بھی ہمت ہے' جو جب چاہے میرے ہاتھ میں ہاتھ ڈال سکتا ہے' میں بڑھ کر کسی پر وار نہیں کروں گا' اور نہ دھوکے سے سازش کر کے گھیرنے کی کوشش کروں گا' ایسا ہیجڑے کرتے ہیں۔ دس ہیجڑے مل کر ایک مرد کو مار سکتے ہیں' لیکن میں مرد اسے سمجھتا ہوں جو سامنے آ کر للکار کر وار کرے۔ تم میں سے اب بھی کوئی چاہتا ہے تو آئے' میرے ہاتھ میں ہاتھ ڈال لے۔''

وہاں پورے مجمع میں خاموشی رہی' بلجیت سنگھ کی آنکھوں میں خون اُترا ہوا تھا' تبھی دلبیر سنگھ نے کہنا چاہا۔

''دیکھو جسپال۔''

''نہیں صرف میری سنو اب..... میں جب سے یہاں آیا ہوں' مجھ پر طرح طرح کے الزامات لگائے جا رہے ہیں۔ ہیجڑوں کی طرح چھپ کر وار کیا جا رہا ہے۔ مجھے مجبور کیا جا رہا ہے کہ میں بھی مقابلے پر اتر آؤں' جہاں تک ہو سکا' میں قانون ہی کی زبان میں بات کروں گا' اور باقی رہی شام کی بات تو شام کس نے دیکھی' جو پنچائیت کا فیصلہ ہے وہ کر لے' پھر میرا جو فیصلہ ہو گا' وہ میں سناؤں گا۔''

''ہم نے بھی قانون کے مطابق تم سے بات کہہ دی ہے۔ اب شام تک تمہیں انتظار کرنا ہو گا۔'' دلبیر سنگھ نے کہا اور لوگوں کو گھیر کر واپس لے جانے لگا۔ جسپال نے بلجیت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں' وہ کچھ دیر ایک دوسرے کو گھورتے رہے' پھر بلجیت اپنی کار میں بیٹھ کر چلا گیا۔ کچھ دیر بعد صرف وہی وہاں پر رہ گئے۔ تبھی پریال نے کہا۔

''بائی جی' میں نے دیکھ لیا ہے' ان میں لڑنے کی ہمت نہیں ہے۔''

''کتا کبھی شیر نہیں ہو سکتا پریال' جس طرح کمی کمین اپنی عادتوں سے پہچانا جاتا ہے' اسی طرح بے غیرت اور گھٹیا انسان بھی اپنی عادتوں ہی سے ظاہر ہو جاتا ہے۔ جو بندہ بھی سازش اور مکر سے لوگوں کو نقصان پہنچانے کا عادی ہو' کبھی

سامنا نہیں کر سکتا لیکن محتاط رہنا' کتے اور سانپ کا کبھی بھروسہ نہیں کرو۔'' جسپال نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''میں سمجھ گیا بائی جی۔'' پریال نے کہا تو جسپال نے جیب میں سے اپنی کار کی چابی نکالی اور چل دیا۔

جس وقت وہ کوٹھی میں داخل ہوا تو ذہنی طور پر کافی دباؤ میں تھا۔ جس طرح وہ سوچ رہا تھا' دشمن بھی اسی ٹریک پر سوچ رہے تھے۔ انہیں بھی احساس ہو گیا تھا کہ اب وہ یہاں پر حویلی کو اپنا مرکز بنائے گا اور ان کی طاقت ختم کرنے کی کوشش کرے گا۔ اسی لیے وہ اس مرکز کو بننے سے پہلے ہی ختم کر دینا چاہتے تھے۔ یہ بات تو چھپی نہیں رہی ہو گی کہ گاؤں کے لوگ بھی جسپال سے جا کر ملے تھے۔ کوئی بھی نہیں چاہتا تھا کہ اس کی گرفت کمزور ہو۔ انوجیت گھر پر تھا' وہ سیدھا ہر پریت کے کمرے میں گیا' وہ جاگ رہی تھی' اسے دیکھتے ہی مسکرا دی۔ پھر اس کے چہرے پر دیکھ کر بولی۔

''جسی جی' یہ چہرے پر کیا ہوا۔''

''کیا ہوا؟'' اس نے ہاتھوں سے چہرے کو صاف کرتے ہوئے کہا تو وہ ہنستے ہوئے بولی۔

''او نہیں جسی جی' تمہارا چہرہ بتا رہا ہے کہ کوئی بات ہوئی ہے۔''

''کس کا چہرہ کیا بتا رہا ہے؟'' انوجیت کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولا۔

''میرے چہرے پر۔'' جسپال نے کہا' پھر ایک کرسی پر بیٹھ کر حویلی کے سامنے جو کچھ ہوا اس کی روداد اختصار سے سنا دی۔ وہ دونوں غور سے سنتے رہے' تبھی انوجیت نے کہا۔

''یار یہ جو پنچائیت کو اختیارات دیئے گئے ہیں نا..... یہ ہیں تو اچھے مقاصد کے لیے' مگر یہ لوگ اسے اپنے غلط مقاصد کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ میرے خیال میں سب سے پہلے حویلی کے بارے میں کوئی قانونی حوالہ تمہارے پاس ضرور ہونا چاہیے' کم از کم ان کی یہ دھمکی تو ختم ہو۔''

''میرا خیال بھی یہی ہے' اب نکودر میں تمہارے گل صاحب ایڈووکیٹ بھی کچھ نہیں کر پائے اور دوسری طرف کیشیو مہرہ بھی ابھی تک کوئی ایسا سرا تلاش نہیں کر سکا جس سے کم از کم یہ مسئلہ تو حل ہو۔'' جسپال نے کسی حد تک اُکتائے ہوئے کہا۔

''یار' یہ بھارت کی عدالت کے معاملات ہیں' اتنی جلدی حل نہیں ہونے والے' یہ تو کسی دفتر سے کوئی گیدڑ پروانہ ہی لینا پڑے گا۔'' انوجیت نے سوچتے ہوئے کہا۔

''اچھا تم ایسا کرو' گل ایڈووکیٹ سے بات کرو' میں کیشیو مہرہ سے بات کرتا ہوں' ابھی تو دفاتر کا وقت ہو گا' دوپہر نہیں ڈھلی۔'' جسپال نے کہا۔

''او کے.....! میں کرتا ہوں۔'' انوجیت نے اپنا سیل فون نکالتے ہوئے کہا۔ تبھی جسپال نے اپنا فون نکالا اور کیشیو مہرہ کو فون کرنے لگا۔ چند لمحوں بعد رابطہ ہو گیا تو وہ کمرے سے باہر آ گیا۔ تمہیدی جملوں کے بعد وہ بولا۔

''ابھی چند.....''

''میں نے سب سن لیا ہے' پریال نے مجھے بتا دیا ہے۔ میں ابھی تمہیں فون کرنے ہی والا تھا۔ تم ایسے کرو' ابھی نکلو اور یہاں آ جاؤ' اسی ریسروٹ میں آ کر ٹھہرو اور میرا انتظار کرو۔ میں کوئی نہ کوئی حل نکالتا ہوں۔ میں تمہیں اس لیے بلوا رہا ہوں کہ ممکن ہے کسی آفیسر سے ملوانا پڑ جائے۔ اگر ایسا ہوا تو پھر تمہیں جہاں بلواؤں وہاں آنا پڑے گا۔ خیر تم وہاں سے نکلو پھر بات کرتے ہیں۔'' کیشیو مہرہ نے تیزی سے کہا اور فون بند کر دیا۔

واپس کمرے میں آ کر انوجیت سے مشورہ کرنے کے بعد جسپال کو وہاں سے نکلتے آدھا گھنٹہ لگ گیا۔ اب اسے مزید آدھا گھنٹہ لگنا تھا جالندھر تک پہنچنے کا' اس بار جب وہ گیٹ سے نکلا تو کوئی بندہ نہیں تھا۔ وہ جالندھر کی طرف

اکیلا ہی چل پڑا۔

وہ بائی پاس روڈ کے اس ریسروٹ میں پہنچ کر بڑے اطمینان سے چائے پی چکا تھا۔ وہ کیشیو مہرہ کے ساتھ مسلسل رابطے میں تھا۔ جالندھر میں داخل ہونے پر اس نے خوش خبری سنا دی تھی کہ کام ہو گیا ہے' وہ وہاں انتظار کرے۔ تب سے وہ وہیں بیٹھا ہوا تھا۔ تقریباً چار بج گئے تھے۔ جب کیشیو مہرہ وہاں آ گیا۔

''سوری یار مجھے دیر ہو گئی۔ دراصل بڑا صاحب گھر چلا گیا تھا' اس سے دستخط کروانے کے چکر میں اتنی دیر ہو گئی' یہ لو۔'' اس نے اپنی جیب سے ایک سفید کاغذ نکالتے ہوئے کہا۔

''اس کی قانونی حیثیت کیا ہے۔'' جسپال نے پوچھا۔

''ویسے تو قانونی حیثیت کچھ بھی نہیں ہے' لیکن یہ معمولی سا سفید کاغذ بہت بڑا ابیریئر ہے۔ اس کاغذ کے مطابق تمہارا کیس اس آفیسر کے پاس ہے۔ وہ دیکھ رہے ہیں چونکہ اس حویلی کا کوئی دوسرا دعویدار موجود نہیں ہے اس لیے حویلی میں رہنے اور اسے استعمال کی اجازت دی جاتی ہے' جب تک..... جب تک..... کیس کا فیصلہ نہیں ہو جاتا۔'' کیشیو مہرہ نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''اُو گڈ.....! مطلب' میں ان کی ایک فوٹو کاپی پنچائیت والوں کو دے دوں۔ ان کے اطمینان کے لیے یہ کافی ہو گا۔''

''بالکل' میں نے پریال کو فون کر کے بتا دیا ہے۔ وہ مطمئن ہیں۔ میرے خیال میں اب تم نکلو' شام ہونے سے پہلے تک یہ مسئلہ بھی حل ہو جائے گا۔'' یہ کہہ کر اس نے دو فوٹو کاپی والے کاغذ نکال کر اسے دیتا ہوا بولا۔ ''یہ لو' یہ انہیں دے دینا۔'' کیشیو نے اٹھتے ہوئے کہا تو جسپال بھی کاغذ پکڑتے ہوئے اٹھ گیا۔ وہ دونوں چلتے ہوئے پارکنگ تک آئے' ایک دوسرے سے مصافحہ کیا اور اپنی اپنی گاڑیوں میں بیٹھ کر وہاں سے چل دیئے۔

اس وقت جسپال اوگی پنڈ سے ذرا فاصلے پر تھا' جب اس نے اپنے واپس آنے کے بارے میں انوجیت کو بتایا۔

''ٹھیک ہے' تم آ جاؤ' پھر شام ہوتے ہی میں تمہارے ساتھ دلبیر سنگھ کے پاس جاؤں گا۔ میرا خیال ہے اسے کچھ دوسری باتیں بھی سمجھانا ہوں گی۔''

''نہیں.....؟ ابھی اور اسی وقت' انہوں نے شام تک کا الٹی میٹم دیا تھا۔ میں کہتا ہوں وہ حجت بھی نہ رہے' ابھی وہ معاملہ ختم ہو جائے تو ذہنی دباؤ ختم ہو جائے گا۔'' انوجیت نے کہا۔

''نہیں' تم سیدھے دلبیر سنگھ کے گھر آؤ' میں پنڈ کے باہر تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔'' جسپال نے تیزی سے کہا اور فون بند کر دیا۔

وہ دونوں دلبیر سنگھ کے گھر جا پہنچے۔ اس کے گھر کے باہر ایک ہرا بھرا درخت تھا' کافی بڑی ڈیوڑھی تھی۔ وہ وہیں بیٹھ گئے۔ تبھی جسپال نے اس سفید کاغذ کی فوٹو کاپی نکال کر اسے دی۔

''یہ لیں سردار جی' میں بڑے صاحب کا حکم نامہ لے آیا ہوں۔ اصل میرے پاس ہے۔ اور یہ نقل آپ کو دے رہا ہوں۔ اس حکم نامے کی تصدیق جب چاہیں کرا لیں۔''

سردار دلبیر سنگھ نے وہ کاغذ پکڑا' پھر پڑھے بغیر ایک طرف رکھتے ہوئے کہا۔

''جسپال پتر! میں جانتا ہوں کہ تو ہی کلویندر سنگھ کا پتر ہی' اور یہ حویلی تیری ہے' میں اگر آج نہ ہوتا تو بلجیت کی نیت لڑائی ہی کی تھی۔ یہ کاغذ بنوا لیا تو نے اچھا کیا..... اب کم از کم کوئی ثبوت تو ہے نا جس پر میں ان سے بات کر سکتا ہوں۔ پتر.....! ہماری سو مجبوریاں ہیں' ان کے ساتھ چلنا پڑتا ہے' کبھی خاموش رہنا پڑتا ہے' کبھی ہاں میں ہاں ملانی پڑتی ہے اور

کبھی کوئی اپنی بھی منوا لیتے ہیں۔ بس تو ان سے بچ کر رہ بڑے ظالم لوگ ہیں.....'' اس نے کافی حد تک دردمند لہجے میں کہا۔

''بس آپ ان سے یہ کہہ دیں کہ اتنا ہی ظلم کریں' جتنا سہہ سکیں' یہ نہ ہو کہ اب میں پچھلا حساب بھی ان کے ساتھ برابر کر دوں۔''

''دیکھ پتر.....! ان کا تو کام ہی لڑنا بھڑنا ہے۔ رب کی مار ہے اُن پر' اسی لیے تو ان کی دونوں بہنیں کنواری مر گئی تھیں۔ ان کی شادی نہیں ہو سکی' معاشرے میں ان کی کیا قدر جو اپنی بہنوں کو بر نہ دلا سکیں۔ ہر بندے کے اندر غصہ ہے' ہر بندہ لڑ سکتا ہے' عزت اور غیرت کا مسئلہ ہوتا ہے' ورنہ تو ہر طاقتور آدمی معاشرے کو ختم کر کے رکھ دے۔ نہ پتر' تو ادھر رہ' اپنی زمینیں سنبھال' دوسروں کے دکھ سکھ میں کام آ' ان کو نظر انداز کر دے۔'' اس وقت وہ پنچائیت والا دلبیر سنگھ لگ ہی نہیں رہا تھا۔

''تو پھر رب راکھا دلبیر سنگھ جی' پھر ملاقات ہو گی۔'' جسپال نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''ایسے نہیں پتر' تو پہلی بار میرے گھر آیا ہے' لسی آ رہی ہے' پیڑوں والی' تیری چاچی کو کہہ کر آیا ہوں۔ وہ پی لو تم دونوں تو پھر چلے جانا۔''

''ٹھیک ہے سردار جی' جیسے آپ چاہو۔'' جسپال بیٹھ گیا تو اس کے ساتھ انوجیت نے بھی کرسی سنبھال لی۔

''پتر.....! میں نے سنا ہے ادھر کینیڈا میں تمہارا اچھا بھلا کاروبار ہے' تم ادھر رہو گے تو وہاں کون دیکھ بھال کرتا ہو گا۔'' دلبیر سنگھ نے پوچھا۔

''وہ جی میری پھوپھو سکھ جیت کور کے پتر' سب سنبھالتے ہیں۔ میں ایک یہ زمین اپنے نام کروا لوں تو ادھر ہی کینیڈا بنا دینا ہے۔ یہاں فیکٹریاں لگاؤں گا' یہ جو سارا دن منڈھیر و یہلی پھرتی رہتی ہے' اسے کام پر لگا دوں گا.....اور یہ جو.....'' لفظ اس کے منہ ہی میں تھے کہ ایک نوجوان تیزی سے موٹر سائیکل پر آن رکا' وہ حواس باختہ سا بولا۔

''سردار جی.....وہ.....حویلی۔''

''اوئے کیا ہوا حویلی کو۔'' دلبیر سنگھ اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے ساتھ انوجیت اور جسپال بھی اٹھ گئے۔ وہ نووارد دونوں کو دیکھ کر ایک دم سے جھجک گیا تھا۔ پھر حوصلہ کرتے ہوئے بولا۔

''وہ جی بلجیت سنگھ نے حویلی کو آگ لگا دی ہے۔''

''آگ لگا دی ہے۔'' جسپال نے پوچھا اس کے لہجے میں انتہا درجے کی حیرت چھلک پڑی تھی۔

''وہاں پر موجود بندے.....'' انوجیت نے پوچھا۔ اس کے حواس قابو میں تھے۔

''انہیں پولیس پکڑ کر لے گئی ہے' تبھی تو خالی حویلی کو انہوں نے.....'' نووارد نے کہا تو جسپال تیزی سے اپنی گاڑی کی جانب بھاگا۔ اس نے یہ دیکھنے کی زحمت ہی نہیں کی کہ اس کے پیچھے کون آ رہا ہے۔ وہ انتہائی تیز رفتاری سے گاڑی گاؤں کی گلیوں میں بھگاتا ہوا جا رہا تھا۔ اس نے دور ہی سے اپنی حویلی میں سے اٹھتے ہوئے دھویں کو دیکھ لیا تھا۔ اس نے ڈیش بورڈ کھولا' اس میں سے کولٹ پسٹل نکالا' پھر سیفٹی کیچ ہٹا کر اس گلی میں گاڑی موڑ لی' جو سیدھی سمت میں جا کر کھلتی تھی اور سامنے حویلی تھی۔ اس نے حویلی میں سے اٹھتے ہوئے دھویں کو دیکھا تو اس کا اپنا دماغ دھویں سے بھر گیا۔ اس نے دیکھا' سمت میں بلجیت سنگھ کے ساتھ چند لوگ بیٹھے شراب پی رہے تھے۔ ایک چھنگاڑ کے ساتھ گاڑی رکی تو وہ متوجہ ہوئے' جسپال نے اندر بیٹھے ہی گولیاں برسانا شروع کر دیں۔ وہ وینکوور کے بہترین شوٹنگ کلب کا بہترین ممبر تھا' لیکن یہاں اس نے یہ نہیں دیکھا کہ کس کے کہاں گولی لگ رہی ہے۔ اس نے پورا میگزین خالی کیا تو دوسرا میگزین لمحے میں لگاتے ہوئے

باہر جھانکا۔ وہاں کئی ڈھیر ہو چکے تھے۔ اچانک وار ہونے اور دوسرا نشے میں ہونے کے باعث وہ اپنے ہتھیار ہی سیدھے نہیں کر پائے تھے۔ یہ جسپال کا جنون تھا' ایک دو نے ہتھیار سیدھے کیے تو جسپال نے ان پر بھی گولیاں برسا دیں۔ بلجیت درخت کی دوسری طرف تھا' جس وقت اس نے دیکھا کہ پانسہ ہی پلٹ گیا ہے' اس نے بھاگنا چاہا' اس نے غلطی یہ کی کہ اپنی گاڑی کی جانب بھاگا' ممکنہ ہے اس میں اسلحہ پڑا ہوا' یا کچھ اور مقصد تھا' لیکن اس وقت تک جسپال اپنی گاڑی سے باہر آ چکا تھا۔ انہی لمحات میں انوجیت کی گاڑی بھی وہاں آ گئی تھی۔ جسپال نے اونچی اور کھرکھراتی ہوئی آواز میں کہا۔

''رک جاؤ بلجیت.....! تم بھاگ نہیں پاؤ گے۔ اب تیری ساری سرپنچی ادھر ہی نکالنی ہے.....ٹکڑا ہو جا۔''

اتنا کہتے ہوئے اس نے دو تین فائر اس کے پیروں میں مار دیے۔ وہ ساکت ہو گیا۔ بلجیت نے دھیرے سے گھوم کر جسپال کی طرف دیکھا۔ وہ اس سے تھوڑا فاصلے پر کھڑا تھا۔ اس کے اردگرد کچھ زخمی زمین پر ادھ موئے پڑے تھے اور کچھ بھاگ گئے تھے' اس نے اپنی ضد پوری کر لی تھی' حویلی کو جلا دیا تھا اور یہی وہ جذبات کا انتہائی مقام تھا جہاں جسپال کے لیے تمام حدیں ختم ہو گئی تھیں۔ وہ دھیرے دھیرے چلتا ہوا بلجیت کے پاس جا پہنچا' جو شراب کے نشے میں دھت تھا اور اس کی آنکھوں سے نفرت کے شعلے نکل رہے تھے۔ جسپال چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا' پھر اپنا پسٹل بیلٹ میں اڑستے ہوئے دائیں ہاتھ کا زوردار تھپڑ بلجیت کے منہ پر دے مارا۔ وہ لڑکھڑا گیا' پھر جسپال نے اسے گریبان سے پکڑ کر گھونسہ اس کے منہ پر دے مارا۔ اس نے ذرا سی مزاحمت کی' لیکن تب تک جسپال نے اس کی دھنائی شروع کر دی۔ اسے یہ احساس ہی نہیں ہو رہا تھا کہ وہ بلجیت کے کہاں کہاں مار رہا ہے' وہ لڑکھڑا کر زمین پر گر گیا تو جسپال نے پوری طاقت سے ٹھوکر اس کے سر پر ماری' اس کی دستار اتر گئی اور کیس کھل گئے۔ تبھی وہ اس کے منہ پر ٹھوکریں مارنے لگا۔ اس کے منہ سے کراہیں نکلنے لگیں۔ جسپال نے ایک پاؤں اس کی بغل میں رکھا اور پوری قوت سے اس کا ہاتھ کھینچ کر بازو نکال دیا۔ بلجیت کی چیخ فضا میں بلند ہو گئی۔ جسپال نے ادھر ادھر دیکھا' اسے برگد کے درخت تلے لاٹھیاں اور ڈنڈے پڑے دکھائی دیے۔ جسپال نے بھاگ کر ان میں سے ایک ڈنڈا اٹھایا جو کافی موٹا اور مضبوط تھا۔ پہلے اس نے بلجیت کی بائیں ٹانگ پر پنڈلی کے پاس ضربیں لگانا شروع کر دیں' بلجیت ذبح کیے ہوئے بکرے کی طرح ڈکارنے لگا تھا۔ تین چار ضربوں کے بعد اس کی پنڈلی ٹوٹ گئی' تو دوسری پر طاقت آزمائی کرنے لگا۔ اسے توڑنے کے بعد اس کا وہ بازو توڑنے لگا جو ابھی سلامت تھا۔ پہلا تو جڑ سے نکل کر بے حس و حرکت ہو گیا تھا۔ بلجیت ہوش و حواس سے بے گانہ ہو چکا تھا' اس وقت جسپال مٹی کے تیل کا وہ کین اٹھا چکا تھا' جو سمت کے قریب پڑا تھا' اور حویلی کے جلانے کے کام نہیں آیا تھا کہ پولیس کی گاڑیاں وہاں آن پہنچی' اس کے ساتھ ہی گاؤں کے لوگوں کا ایک اژدھام وہاں آ گیا۔ پولیس کے انچارج نے اونچی آواز میں کہا۔

''رک جاؤ جسپال.....! اب کوئی حرکت نہ کرنا۔''

''تم رک جاؤ پولیس والوں! تم کچھ نہیں کر سکتے' میں ان بے غیرتوں کو سبق سکھا رہا ہوں جو دوسروں کا گھر جلاتے ہیں۔ تم بھی انہی کی ساتھ شامل ہو۔''

''بکواس بند کرو اور اپنا آپ ہمارے حوالے کر دو۔ ورنہ میں گولی مار دوں گا۔'' پولیس انسپکٹر نے کہا۔

''گولی مجھے بھی چلانا آتی ہے۔ چلاؤ' دیکھیں کون مرتا ہے۔'' جسپال نے اپنا پسٹل نکالتے ہوئے کہا۔

''دیکھو پلیز.....! میں مانتا ہوں کہ بلجیت نے زیادتی کی ہے' اور تم نے جو کچھ بھی کیا ہے اپنے دفاع میں کیا ہے' میں تمہیں گرفتار نہیں کرتا' تم چاہو تو جا سکتے ہو' اب بلجیت کو کچھ نہ کہو.....'' وہ لجاجت سے بولا تو جسپال نے پوچھا۔

''وہ بندے جو تم یہاں سے لے کر گئے ہو' کیوں.....؟''

''ہمیں حکم ملا تھا کہ انہیں گرفتار کر کے جالندھر لایا جائے' ہمیں کیا معلوم تھا کہ یہاں ایسی سازش ہے' پلیز' اسے

چھوڑ دو اور چلے جاؤ۔ میں تمہارے بندے بھی چھوڑ دوں گا۔''

''تم نہ بھی چاہو انہیں چھوڑنا تو وہ تمہیں چھوڑنا پڑیں گے۔ میں جا رہا ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ اپنی کار کی طرف بڑھ گیا۔ پھر اس میں بیٹھ کر وہاں سے نکلتا چلا گیا۔ اس کا رخ نجانے کدھر تھا' اس کے ساتھ ہی انوجیت بھی نکل گیا۔

میں اپنی گلی میں پہنچا تو مجھے دور ہی سے اپنا گھر جلنے کے آثار دکھائی دے گئے۔ میرے دل میں بھڑکتی ہوئی آگ کا دھواں میرے دماغ کو بوجھل بنا رہا تھا۔ میرا دوران خون تیز ہونے لگا تھا اور میرا غصہ میرے دماغ میں ٹھوکریں مارنے لگا۔ میں جوں جوں اپنے قدم گھر کی جانب بڑھا رہا تھا' میری حالت غیر ہوتی جا رہی تھی۔ پیرزادہ وقاص مجھے گاؤں کے قریب اتار کر چلا گیا تھا۔ جس وقت میں جیپ سے اتر رہا تھا۔ اس وقت اس نے ایک پسٹل میری جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔

''جمال.....! اگر تم میرے پاس آنا چاہو تو پھر دیر مت کرنا' جو کہو گے وہی کر لیں گے۔ میرا مشورہ یہی ہے کہ گاؤں میں زیادہ دیر نہ رہنا۔''

میں نے اسے کوئی جواب نہیں دیا تھا اور چپ چاپ اپنے گھر کی جانب چل پڑا تھا۔ میں اپنے گھر کے گیٹ پر رکا' جلے ہوئے گھر کو دیکھ رہا تھا' میرا دل کٹ کر رہ گیا۔ میں صحن میں گیا تو ہر کمرہ ہی نہیں دیواریں بھی سیاہ ہو چکی تھیں۔ چھت والا کمرہ ٹوٹ کر گر چکا تھا' ایک ہی نگاہ میں اندازہ ہو گیا تھا کہ اب وہاں کچھ بھی نہیں بچا ہے' سب کچھ خاکستر ہو گیا ہے۔ میں نے محسوس کیا کہ اگر میں زیادہ دیر وہاں رہا تو میرا دماغ خراب ہو جائے گا' جس گھر میں' میں نے شعور کی آنکھ کھولی' جو صحن میرے بچپن اور جوانی کا گواہ تھا' وہاں اب کچھ نہیں بچا تھا۔ اگرچہ میرا دل رو رہا تھا' لیکن میری آنکھوں میں نمی نہیں اتری تھی۔ شاید میرے اندر آگ ہی اس قدر زیادہ تھی۔ میں پلٹ کر گھر سے باہر آ گیا۔ اب میرے لیے دنیا بھر کے کاموں سے زیادہ یہی اہم ترین کام تھا کہ میری ماں کہاں ہے؟ میری آمد کے بارے میں شاید معلوم ہو گیا تھا' اس لیے گلی کے لوگ باہر نکلنا شروع ہو گئے تھے۔ سبھی مجھے یہ بتانا چاہ رہے تھے کہ انہوں نے آگ لگتے ہوئے دیکھا' بندے شاہ زیب کے پروردہ تھے۔ لیکن کسی کے پاس اس سوال کا جواب نہیں تھا کہ میری ماں کدھر ہے؟ میں کچھ دیر ان کے پاس رہا' پھر چوک کی طرف چل پڑا۔

شاید میری آمد کی اطلاع جنگل کی آگ کی طرح پورے گاؤں میں پھیل چکی تھی' اس لیے جیسے ہی میں چوک میں برگد کے درخت تلے پہنچا' وہاں کئی نوجوان اور بزرگ جمع ہو گئے تھے۔ بھیدہ مجھے دور سے آتا ہوا دکھائی دیا۔ وہ تیز تیز آ رہا تھا۔ اس نے دور ہی سے اپنے پاس آنے کا اشارہ کیا۔

بلاشبہ وہ اکیلے میں بات کرنا چاہ رہا تھا۔ میں ان سب لوگوں سے نکل کر بھیدے کے پاس چلا گیا۔

''چلو آ..... گھر چل کر بات کرتے ہیں؟''

''نہیں! گھر نہیں جانا' تو صرف یہ بتا کہ اماں کے.....''

''وہی تو کہہ رہا ہوں' سکون سے بتاتا ہوں۔ چل آ.....!'' بھیدے نے کہا تو میں اس کے ساتھ چل پڑا۔ لیکن چند قدم چلنے کے بعد کہا۔

''نہیں بھیدے..... میں نہیں چاہتا کہ تو بھی دشمنوں کے ظلم کا شکار ہو جائے' تو نے مجھے جو بتانا ہے یہاں بتا دے' یا پھر ڈیرے پر چل' میں وہیں آتا ہوں۔''

وہ چند لمحے میری طرف دیکھتا رہا' پھر بولا۔

''چھاکا مجھے بتا کر گیا ہے۔ وہ اماں کے ساتھ سوہنی کو لے کر قصبے میں چلا گیا ہے۔ وہ وہیں ہے' لیکن چھپا ہوا ہے' کہہ رہا تھا کہ جب تک تُو پولیس کے چنگل سے نکل نہیں آتا' تب تک وہ وہیں رہے گا' قصبے میں' وہ کہاں ہیں' یہ مجھے نہیں معلوم۔''

''ٹھیک ہے تو جا' ڈیرے کا خیال رکھنا۔ میری اگر قسمت میں ہوا تو دوبارہ آن ملوں گا۔'' میں نے کہا اور واپس درخت تلے آ بیٹھا۔

میں درخت کے تلے صرف اس لیے جا کر بیٹھا تھا کہ جہاں گاؤں والوں کو معلوم ہو جائے کہ میں واپس آ گیا ہوں' وہاں شاہ زیب تک بھی اطلاع پہنچ جائے۔ تیسرا یہ' مجھے یہ خود بخود معلوم ہو جانا تھا کہ میرے ٹولے کے لڑکے گاؤں میں ہیں یا کہیں چھپ چھپا گئے ہیں۔ ظاہر ہے اگر کوئی گاؤں میں ہوتا تو ضرور سامنے آ جاتا کسی سے پوچھنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ وہاں مجھے کوئی بھی نظر نہیں آیا' میں کچھ دیر وہاں بیٹھ کر اٹھ گیا۔ میرا رخ اب قصبے کی طرف تھا۔

اس وقت سہ پہر کے بعد سورج مغرب کی طرف ڈھل رہا تھا۔ میں پیدل چلتا ہوا سڑک پر آ گیا۔ وہاں چند دوکانیں تھیں اور ذرا سا آگے جا کر حویلی کی طرف جانے والا راستہ تھا' میں ایک دکان کی طرف بڑھا' جہاں سے چائے وغیرہ کے ساتھ کھانے پینے کو مل جاتا تھا۔ میں جا کر وہاں بیٹھ گیا اور دکان دار کو اچھی سی چائے بنانے کو کہا۔ میرا مقصد وہاں چائے پینا نہیں تھا' بلکہ کسی ایسے بندے کی تاڑ میں تھا جس کا تعلق کسی نہ کسی طرح حویلی سے ہو۔ دراصل اس وقت میں سخت الجھن میں تھا۔ ایک طرف دماغ یہ کہہ رہا تھا کہ سب سے پہلے اپنی اماں کو تلاش کروں پھر اطمینان کے بعد شاہ زیب سے دو دو ہاتھ کرنا ہوں گے لیکن دوسری طرف میرے اندر کا جانور مطمئن نہیں ہو رہا تھا' وہ چاہتا تھا کہ شاہ زیب کو اس کا سبق سکھا کر ہی جاؤں' میں دراصل وہاں فیصلہ کرنے کے لیے بیٹھا تھا کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔ مگر میں فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا۔ میری نگاہوں میں ان تینوں کے چہرے گھوم رہے تھے اور میری تمام تر توجہ ان کی طرف تھی۔ اماں اور سوہنی کا تو معاملہ ایک طرف رہا' میں اپنے جگری دوست چھاکے کے گھر جانے کی ہمت نہیں کر سکا۔ وہاں تھا بھی کون؟ اس کا ایک اکیلا باپ، اگر وہ مجھ سے یہ سوال کر دیتا کہ وہ میری وجہ سے غائب کیوں ہے تو میں اسے کیا جواب دیتا۔ اگر انہی لمحات میں مجھے یہ معلوم ہو جاتا کہ وہ تینوں کہاں ہیں اور خیریت سے ہیں تو میں پوری توجہ سے شاہ زیب کو ختم کرنے کے بارے میں سوچتا۔ مگر مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ میں انہی سوچوں میں الجھا ہوا تھا کہ میرے سامنے چائے آ گئی۔ میں دھیرے دھیرے سپ لے رہا تھا اور سوچتا چلا جا رہا تھا کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔ بھیدے نے اگرچہ مجھے اشارہ دے دیا تھا لیکن اسے بھی پوری امید نہیں تھی کہ وہ قصبے میں کہیں ہوں گے بھی یا نہیں۔ مجھے بہرحال انہیں تلاش کرنے جانا تھا۔ اگر میں انہیں تلاش کر بھی لیتا ہوں تو پھر انہیں کہاں رکھوں گا' یہاں گاؤں میں' جہاں وہ ہر وقت غیر محفوظ ہوں گے؟ یا پھر مجھے سوہنی کی بات ماننا پڑے گی' اور اس کے پاس اماں کو رکھنا ہو گا؟ کیا وہ ملک سجاد اور شاہ زیب کا مقابلہ کر پائے گی؟ کیا وہ وہاں پر محفوظ ہو گی؟ میں خیالوں کی راہ پر بہت دور تک سوچتا چلا گیا تھا۔ میں یہی سوچتا رہا' اور میری چائے ختم ہو گئی۔ اسی دوران میں نے سڑک پر دیکھا' دلبر کا دوست جانی شوکر بائیک پر بیٹھا آہستہ آہستہ آ رہا تھا۔ بلاشبہ وہ مجھے تلاش کر رہا تھا کیونکہ اس کی جیسے ہی مجھ پر نگاہ پڑی' وہ چونک گیا اور میری طرف بڑھ آیا۔ چند لمحوں بعد میرے پاس بیٹھتے ہوئے اس نے کہا۔

''بڑا زوردار حملہ تھا یار، شاہ زیب کے بندوں کا' ہمیں تو بعد میں پتہ چلا.....''

''تو پتہ کر سکتا ہے کہ اس وقت شاہ زیب کہاں ہے؟'' میں نے سرد سے لہجے میں پوچھا تو وہ فوراً بولا۔

''وہ کل رات سے یہاں پر نہیں ہے۔ سنا ہے شہر گیا ہوا ہے' ہو سکتا ہے شام تک واپس آ جائے۔''

''یہ پکی خبر ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''ہاں یہ پکی خبر ہے۔'' اس نے تصدیق کی۔

''چلو پھر تو ایسے کر' مجھے اپنا بائیک دے' میں رات کسی بھی وقت تیرے پاس آؤں گا' تو ادھر میرے ڈیرے پر رہنا' اور یہ خبر ضرور لینا کہ شاہ زیب واپس آ گیا ہے یا نہیں۔''

''ٹھیک ہے۔'' اس نے بائیک کی چابی مجھے تھماتے ہوئے کہا تو ایک دم سے مجھے خیال آیا۔

''نہیں.....! تو اپنے گھر ہی رہنا' میں تمہیں تلاش کر لوں گا۔ پھر تو شاہ زیب کی پکی خبر رکھنا۔'' میں نے کہا اور اٹھ گیا۔

اس وقت میں بائیک پر بیٹھا ہی تھا اور چابی اگنیشن میں لگائی ہی تھی کہ قصبے کی طرف سے پولیس گاڑیاں آتی ہوئی دکھائی دیں۔ میں چونک گیا' نجانے کیوں میری چھٹی حس نے مجھے خطرے کا احساس دے دیا۔ میں اس طرف غور سے دیکھ رہا تھا۔ اگر وہ حویلی کی جانب مڑ جائیں تو خطرے والی کوئی بات نہیں تھی لیکن اگر وہ آگے آتی ہیں تو مجھے اپنا بچاؤ بہر حال کرنا چاہیے تھا۔ میں نے انتظار کرنا مناسب نہیں سمجھا بلکہ وہاں سے نکل پڑا' میں سڑک کنارے چلتا ہوا گاؤں کی طرف ایک پگڈنڈی پر اتر گیا۔ پولیس گاڑیاں وہیں سڑک پر دکانوں کے پاس رک گئی تھیں۔ کیا میری مخبری ہو گئی تھی؟ اگرچہ مجھے یقین نہیں آ رہا تھا لیکن مجھے بہر حال احساس ضرور ہو گیا تھا۔ میں رکا نہیں' بلکہ گاؤں کے اوپر سے نکلتا ہوا چل پڑا۔ مجھے قصبے تو جانا ہی تھا۔ ایک لمبا چکر کاٹ کر میں نہر کنارے آ گیا۔ میں نے سڑک کا راستہ نہیں لیا' بلکہ نہر کنارے چلتا چلا گیا' اس وقت اندھیرا پوری طرح پھیل چکا تھا۔ جب میں قصبے کے قریب پہنچ گیا۔

میرے لیے سب سے اہم سوال یہی تھا کہ چھاکا' اماں اور سوہنی کو لے کر کہاں جا سکتا ہے؟ میرے ذہن میں تین ہی نام تھے۔ وہ تینوں میرے جگری دوست تھے اور چھاکے کو ان کے بارے میں پوری طرح علم تھا۔ وہ انہی پر یقین کر سکتا تھا' ان تینوں کے گھر مجھے باری باری جانا تھا۔ میں نے اپنے ذہن میں ایک ترتیب رکھی اور قصبے کی گلیوں میں گھس گیا۔ تقریباً بیس منٹ بعد میں اپنے پہلے دوست کے گھر پر تھا۔ اگرچہ اس سے کچھ دیر گپ شپ کرتا رہا' مگر کہیں بھی اس کی باتوں سے مجھے یہ احساس نہیں ہوا کہ اماں' سوہنی اور چھاکا اس کے پاس ہوں گے۔ اس طرح جب میں سہیل کے گھر گیا تو وہ مجھے دیکھتے ہی کھل گیا۔

''اوئے تو صبح کا کدھر غائب ہو گیا تھا' ہم تو سوچ سوچ کر پاگل ہو گئے کہ تو' یا تو پولیس کے ہاتھوں کھپ گیا یا پھر فرار ہو گیا..... چل آ اندر آ.....''

''تو مجھے کہاں تلاش کرتا رہا۔'' میں نے محتاط انداز میں پوچھا تو وہ گیٹ کھولتے کھولتے رک گیا۔

''میں اور چھاکا' صبح ہی تھانے گئے تھے' اس وقت تک وہ تجھے لے کر نکل گئے تھے۔ پتہ یہی چلا کہ وہ تجھے شہر کی عدالت میں لے کر جائیں گے' ہم جب وہاں پہنچے ہیں تو پتہ چلا کہ تم آئے ہی نہیں ہو۔''

''پھر.....؟'' میں نے پوچھا۔

''پھر کیا' ہم سب ہی پریشان ہو گئے۔ اک کانسٹیبل سے ذرا سا سراغ ملا تھا کہ تمہیں راستے ہی میں اتار دیا تھا بس پھر ہم نے اپنے طور پر اندازے لگائے' تو بتا گیا کدھر تھا؟'' اس نے انتہائی تجسس سے پوچھا۔

''وہ تو میں تجھے بتاتا ہوں لیکن تو یہ بتا کہ اماں اور سوہنی کدھر ہیں' اب چھاکا کہاں پر ہے؟''

''وہ تو شام کے وقت چلے گئے لاہور' ابھی راستے ہی میں ہوں گے' سوہنی نے جیپ منگوائی تھی۔ اس میں گئے ہیں۔'' سہیل نے مجھے بتایا۔

''اوہ.....!'' میرے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔ ''ویسے وہ خیریت سے تھے نا.....؟'' میرے انداز پر وہ

حیران ہوتا ہوا بولا۔

''وہ ٹھیک تھے۔ چھاکے کو اطلاع ملی تھی کہ شاہ زیب وغیرہ حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ وہ انہیں لے کر سیدھا میرے پاس آ گیا۔ آج صبح مجھے اطلاع ملی کہ..... خیر' آؤ اندر آ۔'' وہ چونکتے ہوئے بولا۔ میں نے بائیک اندر کر لی اور صحن میں آ کر بیٹھ گیا۔ بھابی کچن میں تھی' اور بچے اندر ٹی وی دیکھ رہے تھے۔

''اب مجھے بتا' وہ کب گئے ہیں؟''

''یہی کوئی دو گھنٹے پہلے' ان کا پروگرام یہی ہے کہ چھاکا انہیں چھوڑ کر واپس آ جائے گا۔ پھر ہم دونوں تیرا کوئی سراغ تلاش کریں گے..... وہ تیرے لیے پریشان تھے.....'' یہ کہہ کر اس نے اپنی جیب سے سیل فون نکالا اور نمبر ملاتے ہوئے بولا۔ ''لے بات کر لے ان سے' تجھے اطمینان ہو جائے گا۔'' کچھ دیر بعد رابطہ ہو گیا' فون سوہنی ہی نے اٹھایا تھا۔ میری آواز سنتے ہی وہ چہک اٹھی۔

''تو ٹھیک تو ہے نا جمال.....''

''میں ٹھیک ہوں' تو اماں کے بارے میں بتا' چھاکا کدھر ہے؟''

''وہ دونوں ٹھیک ہیں اور میرے ساتھ لاہور جا رہے ہیں۔ تو بھی ایسا کر لاہور ہی آ جا' وہاں اطمینان سے بیٹھ کر کچھ سوچتے ہیں۔''

''تو میری اماں سے بات کروا.....'' میں نے اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ چند لمحے بعد اماں کی آواز فون میں گونج اٹھی۔

''میں ٹھیک ہوں پتر! تو اپنی سنا۔''

''بس جب تک تیرا پتہ نہیں مل رہا تھا' میں پریشان تھا' اب میں پریشان نہیں ہوں۔''

''تیرے لیے وہاں بہت خطرہ ہو گا' جیسا یہ کہتی ہے' ویسے مان لے.....'' اماں نے کہا۔

''اماں.....! تو بس دعا کر..... میں سارے مسئلے حل کر لوں' پھر سکون ہو گا۔ چھاکے سے میری بات کروا دے۔''

چند لمحے بعد چھاکا لائن پر تھا۔

''تو فکر نہ کر جمال.....! میں انہیں لاہور چھوڑ کر واپس آ جاؤں گا تو ادھر سہیل کے پاس ہی ٹھہر' میں نے وقت سے پہلے ہی اماں اور سوہنی کو وہاں سے نکال لیا تھا۔ دوسرا تیرے چھت والے کمرے کا سارا سامان بھی ٹھکانے لگا دیا تھا۔ تو فکر نہ کر' میں آ جاؤں تو دونوں مل کر سب کچھ کریں گے۔ اگر کہتا ہے تو ہم واپس آ جاتے ہیں۔''

''نہیں..... سوہنی کے ذہن میں کوئی محفوظ ٹھکانہ ہو گا' انہیں وہاں چھوڑ کر تو فوراً واپس آ جا' تیری ضرورت ہے مجھے۔ سوہنی سے بات کروا۔''

''ہاں بول جمال کیا کہتا ہے۔'' سوہنی کی کھنکتی ہوئی آواز سنائی دی۔

''سوہنی.....! تیرے پاس کوئی ایسا ٹھکانہ ہے جہاں تم اور اماں محفوظ رہ سکو' اور ملک سجاد.....؟''

''تو فکر نہ کر..... میرا نمبر ہے نا تیرے پاس..... اس سے رابطہ رہے گا' بلکہ نہیں..... میں لاہور جاتے ہی اپنا نمبر تبدیل کر لوں گی' اور چھاکے کو دے دوں گی' تو مجھ سے رابطہ رکھنا' سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

''ٹھیک ہے' میں چھاکے کا انتظار کروں گا۔ اسے کل تک بھجوا دینا واپس۔'' میں نے کہا اور پھر چند باتوں کے بعد فون بند کر دیا۔

مجھے اطمینان ہو گیا تھا۔

میں نے سہیل کو ساری روداد بتائی تو وہ چند لمحے سوچتا رہا' پھر بولا۔

''اب تجھے بہت محتاط رہنا ہوگا جمالے۔ ایک طرف شاہ زیب ہے تو دوسری طرف پولیس' اور یہ جو پیرزادہ وقاص ہے نا اس پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا' ایسے لوگ دوسروں کو فقط شطرنج کا مہرہ خیال کرتے ہیں۔ جس سے شاہ کو بھی مارا جا سکتا ہے یا پھر اگر پٹ جائیں تو انہیں فرق نہیں پڑتا۔''

''میں سمجھتا ہوں سہیل' اب میں چلتا ہوں۔'' میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''کہاں جائے گا تو..... ادھر سکون سے سو جا' ابھی کھانا کھاتے ہیں۔ پھر گپ شپ کریں گے۔'' سہیل نے بے تکلفی سے کہا تو میں انکار میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔

''نہیں! مجھے ابھی بہت کچھ کرنا ہے۔ تیرا شکریہ اب بس مجھے اجازت دے۔''

''نا بھائی..... کھانا کھا کر جانا' بس پانچ منٹ میں لائی۔'' بھابی نے کچن میں سے کہا تو مجھے وہاں بیٹھنا پڑا۔

رات کا پہلا پہر گزر چکا تھا۔ جب میں سہیل کے گھر سے نکلا۔ میرا رخ گاؤں نورنگر ہی کی طرف تھا۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ مجھے کیا کرنا ہے' بیس پچیس منٹ بعد میں اپنے ڈیرے پر تھا۔ بھیدہ ابھی سویا نہیں تھا۔ اس نے میرے لیے بستر بچھایا تو دل میں اک ہوک اٹھی۔ دو دن پہلے تک میرا اپنا گھر تھا۔ جسے دشمنوں نے جلا دیا تھا۔ آج اگر میرے پاس یہ ڈیرہ نہ ہوا تو میں دربدر تھا۔ میں بستر پر لیٹا نہیں' یہی سوچتا رہا' تبھی بھیدہ میرے پاس آ کر بیٹھ گیا۔

''تو پریشان نہ ہو جمالے' رب سوہنا کرم کرے گا۔''

''ہاں اس رب ہی سے تو امیدیں ہیں ساری.....'' میں نے کہا اور پھر لیٹتے ہوئے اس سے کہا۔

''بھیدے..... تو ایسا کر یہ بائیک لے جا اور جا کر جانی شوکر کو دے دے' میرے بارے میں پوچھے تو بتا دینا کہ میں ادھر ڈیرے پر ہوں۔''

''میں آ جاؤں واپس یا.....'' اس نے رکتے ہوئے پوچھا۔

''وہ اگر فوراً تیرے ساتھ چل پڑے تو ساتھ ہی آ جانا' ورنہ جیسے تیرا دل چاہے۔'' میں نے کہا اور سکون سے آنکھیں موند لیں۔ کچھ دیر بعد بھیدہ چلا گیا اور میری کب آنکھ لگی' یہ مجھے پتہ ہی نہ چلا۔

اس وقت اندھیرا ہی تھا' جب میری آنکھ کھلی' میں نے آسمان پر نگاہ ڈالی تو ستاروں کی چال بتا رہی تھی کہ رات گزر چکی ہے اور کچھ دیر میں صبح صادق ہونے والی ہے۔ ایسے وقت میں ڈنگروں کا اپنا ایک مخصوص شور ہوتا ہے۔ میں بستر سے اٹھ بیٹھا۔ تبھی مجھے بھیدہ دکھائی دیا جو چارے کی ٹوکری اٹھائے ڈنگروں کی طرف جا رہا تھا۔ وہ چارہ ڈال کر واپس پلٹا تو اس کی نگاہ مجھ پر پڑی۔ تبھی وہ سیدھا میرے پاس آ گیا۔ میں نے پوچھا۔

''ہاں.....! کیا کہا تھا جانی شوکر نے.....؟''

''اس نے کہا تھا تو جا' میں آ جاتا ہوں۔ میں تو پھر واپس آ گیا' مگر وہ نہیں آیا ابھی تک۔''

''چل کوئی بات نہیں۔ آ جائے گا۔'' میں نے کہا اور اٹھ کر نہانے کے لیے چل دیا۔

میں نہا کر واپس اپنی چارپائی پر آیا تو جانی شوکر آیا ہوا تھا۔ علیک سلیک کے بعد اس نے کہا۔

''اچھا ہوا تم کل فوراً ہی نکل گئے۔ پولیس تیرے لیے ہی کل آئی تھی۔ اسے شاہ زیب نے بھجوایا تھا۔ وہ کل پورے گاؤں میں تجھے تلاش کرتے رہے ہیں۔ لگتا ہے تیری مخبری ہوئی ہے۔''

''وہ تو ہونی ہی تھی جانی' میں کل جان بوجھ کر چوک میں بیٹھا رہا تھا۔ گاؤں میں سارے ہی لوگ میرے سجن نہیں

ہیں' ان میں بہتیرے دشمن بھی ہیں۔ تو مجھے صرف اتنا بتا کہ شاہ زیب حویلی میں آیا ہے یا نہیں؟''

''نہیں آیا۔'' اس نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''پکی خبر ہے؟'' میں نے تصدیق چاہی۔

''پکی خبر ہے۔'' اس نے زور دیتے ہوئے کہا۔ ''میرا بڑا بھائی حویلی میں ملازم ہے۔ اسے حویلی کے ہر معاملے کی خبر ہوتی ہے ابھی اس سے تصدیق کر کے تیرے پاس آیا ہوں۔''

''ہے کہاں وہ؟'' میں نے پوچھا۔

''شہر ہی گیا تھا' ابھی تک واپس نہیں پلٹا' ممکن ہے وہیں سے کہیں دوسری طرف نکل گیا ہو۔ ہاں! ان بندوں کے بارے میں جان گیا ہوں جنہوں نے تیرا گھر جلایا تھا۔''

''واہ..... کتنے بندے تھے..... سبھی کے.....'' میں نے تیزی سے پوچھا تو اس نے مجھے ٹوکتے ہوئے کہا۔

''بندے تو بہت تھے لیکن وہ چار پانچ بندے جو سب سے آگے تھے اور ان کی رہنمائی کر رہے تھے۔ وہ اس وقت ڈیرے پر ہیں۔ شیدا چدھڑ گاؤں میں ہے۔ شاہ زیب نے تیرے گھر کو جلانے کی ذمے داری اس کو دی تھی۔''

''کیا اس وقت وہ گھر پر ہوگا؟'' میں نے پرجوش ہوتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں.....! وہ گھر ہی ہے' باقی ڈیرے پر ہیں۔'' جانی شوکر نے مجھے بتایا تو میں اٹھ کھڑا ہوا۔

''چل جانی.....! تو مجھے گاؤں کے باہر چھوڑ دینا' سامنے مت آنا' باقی میں سب دیکھ لیتا ہوں۔'' میں نے کہا تو وہ بھی اٹھ گیا۔ کچھ دیر بعد ہم ڈیرے سے نکل کر گاؤں کی طرف جا رہے تھے۔

جانی شوکر مجھے گاؤں کی نکڑ پر اتار کر چلا گیا۔ صبح صادق کا نور ہر طرف پھیلا ہوا تھا اور میں تیز تیز قدموں سے شیدے چدھڑ کے گھر کی طرف بڑھ رہا تھا۔ چند گلیاں پار کر کے میں اس کے گھر کے سامنے تھا۔ میں یقین کرنا چاہ رہا تھا کہ وہ گھر پر ہے بھی یا نکل گیا ہے۔ میں یہی سوچ رہا تھا کہ اس کے گھر کا دروازہ کھلا اور وہ اپنی بائیک پر باہر نکلا۔ میں نے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر اپنا پسٹل نکالا اور یکے بعد دیگرے دو فائر اس کی ٹانگوں میں دے مارے۔ وہ اس اچانک افتاد پر گھبرا گیا اور اس کے منہ سے چیخیں نکلنے لگیں۔ اگلے ہی لمحے میں اس کے سر پر تھا۔ وہ آنکھیں پھاڑے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں دہشت کے ساتھ حیرت جمی ہوئی تھی۔ وہ چیخنا بھول گیا اور کراہنے لگا۔ صبح ہی صبح فائرنگ کی آواز سے نورنگر گونج اٹھا تھا۔ یہ تو اب ممکن ہی نہیں تھا کہ لوگ اپنے گھروں سے نہ نکلتے' وہ زمین پر گر چکا تھا اور اسکی بائیک اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر ایک طرف گر گئی تھی۔ میں نے اسے جا کر بالوں سے پکڑ لیا اور انتہائی غصے میں کہا۔

''تو نے میرے گھر کو آگ کیوں لگائی؟''

''سردار..... نے کہا..... معاف کر دو..... میں.....'' وہ انتہائی مشکل سے بول رہا تھا۔ اتنے میں اس کے گھر کے اندر سے اس کی بیوی اور بچے نکل آئے۔ اس نے اپنے شوہر کی حالت دیکھی تو چیخ مار کر بڑھی۔

''خبردار! کوئی آگے بڑھا تو گولی مار دوں گا۔'' میرے یوں کہنے پر وہ وہیں رک گئی۔ گاؤں کے ہر بندے کو خبر تھی کہ شیدے چدھڑ نے کیا جرم کیا ہے تو اس کی بیوی کو کیوں معلوم نہ ہوتا۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ میں اسکے سر پر سوار کیوں ہوں۔ سو وہ منتوں پر اتر آئی۔

''خدا کے لیے اسے معاف کر دو..... اس سے غلطی ہو گئی..... ہم تیرا سارا نقصان پورا کر دیں گے۔'' وہ چیخ رہی تھی۔ گلی کے لوگ نکل کر تماشہ دیکھ رہے تھے۔ میں اسے بالوں سے پکڑ کر گھسیٹتا ہوا گلی کے درمیان میں لے آیا اور پھر اسے ٹھوکروں پر رکھ لیا۔ چند لمحوں ہی میں وہ بے دم ہو کر بے ہوش ہو گیا۔ تب میں نے پسٹل سیدھا کیا اور اس کے سر کا نشانہ لے

کر ٹرائیگر دبانا ہی چاہتا تھا کہ اس کی جوان بیٹی میرے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑی ہوگئی۔ اس نے نہایت آزردہ لہجے میں روتے ہوئے کہا۔

''میرے باپ کو معاف کر دو.....''

میں نے ایک لمحہ اسے دیکھا' پھر پسٹل ہٹاتے ہوئے کہا۔

''جا بیٹی' تیرے صدقے معاف کیا۔''

یہ کہہ کر میں پلٹا' اس کی بائیک اٹھائی اور کسی کی طرف دیکھے بغیر وہاں سے نکلتا چلا گیا۔ میرا رخ دلبر کے ڈیرے کی طرف تھا۔ جہاں مجھے جانی شوکر نے ملنا تھا۔ وہ میرا ناشتہ لے کر وہاں پہنچا ہوا تھا۔ میں نے تیزی سے ناشتہ کیا' شیدے چدھڑ کے بارے میں اسے بتایا تو وہ بولا۔

تو اکیلا کب تک ان کا ساتھ لڑتا رہے گا۔ چند بندے تیرے ساتھ ہونے چاہئیں۔''

''یار بندے اکھٹے کرنے کو تو میں ایک گھنٹے میں کر لوں' پتہ نہیں کون کون علاقے بھر میں میرے انتظار میں بیٹھا ہوگا' مگر میں ان میں سے کسی کا بھی نقصان نہیں چاہتا' اب میری اور شاہ زیب کی جنگ شروع ہوگئی ہے۔ دیکھتے ہیں آگے کیا ہوتا ہے؟''

''نہیں جمالے! تو اکیلا ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا' تجھے ساتھیوں کی ضرورت پڑے گی' میں بہت سارے ایسے شہ زوروں کو جانتا ہوں جو شاہ زیب کے مخالف ہیں انہیں ساتھ.....''

''جس طرح سانپ اور شیر کے بارے میں پتہ نہیں ہوتا کہ وہ جنگل میں کب اور کہاں مل جائیں' اسی طرح میرے بارے میں کسی کو معلوم نہیں ہونا چاہیے کہ میں کہاں ہوں' لوگوں کی بھیڑ تو ہر وقت نشاندہی کرتی رہے گی۔'' میں نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''جیسے تیری مرضی' پر ایک اکیلا اور دو گیارہ ہی ہوتے ہیں۔'' جانی شوکر نے دوبارہ مجھے یاد دلاتے ہوئے کہا۔

میں اسے اب کیا بتاتا کہ میرا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے' مجھے خود سر چھپانے کو جگہ نہیں تھی' اتنے لوگوں کو کہاں رکھتا۔ میں نے یہی بات جب جانی شوکر کو سمجھانے کی کوشش کی تو اس نے کہا۔

''واہ.....! جمالے واہ! شاہ زیب نے تیرا ٹھکانہ چھین لیا تو اس کا چھین لے۔ حویلی پر قبضہ نہیں کر سکتا نہ کر' کم از کم اس کا ڈیرہ تو تیرے قبضے میں ہو۔ پھر دیکھنا کتنے لوگ تیرے ساتھ آ کر شامل ہوتے ہیں۔ ان جاگیرداروں' زمینداروں کے ظلم و ستم کے ستائے نہ جانے کتنے لوگ اپنے دل میں غصہ دبائے بیٹھے ہیں۔ ناراض مت ہونا' میں کوئی تیری محبت میں تیرا ساتھ نہیں دے رہا' بلکہ میرے دل میں ان بے غیرت جاگیرداروں کی نفرت تیری مدد پر مجبور کر رہی ہے۔''

''چل پھر اٹھ' آر یا پار' ڈیرے پر قبضہ جماتے ہیں' یا پھر ہم نہیں..... بول کیا کہتا ہے؟'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا تو وہ فوراً اٹھ گیا۔

''چل.....! پہلے گاؤں چلتے ہیں وہاں سے کچھ اسلحہ لے لیں' ممکن ہے میرے دو چار بندے بھی ساتھ ہو جائیں۔'' ہم دونوں ڈیرے پر سے اٹھے اور اپنی اپنی بائیک پر گاؤں چلے گئے۔ سورج کی روشنی ہر طرف پھیل گئی تھی۔ میرے گاؤں میں داخل ہوتے ہی لوگ مجھے یوں دیکھنے لگے تھے جیسے پہلی بار دیکھ رہے ہوں۔ ظاہر ہے انہیں شیدے چدھڑ کے بارے میں پتہ چل گیا ہوگا۔ میں نے کسی کی پروا نہیں کی اور نہ ہی کسی کے ساتھ بات کرنے کی کوشش کی۔ جانی شوکر اپنے گھر سے دو گنیں اٹھا لایا تھا۔ میں نے پسٹل کے لیے کچھ فاضل راؤنڈ بھی منگوا لیے تھے۔ ہم صرف دو تھے اور ہمیں

معلوم نہیں تھا کہ ڈیرے پر کتنے لوگ ہوں گے۔ مجھے جانی شوکر کا حوصلہ دیکھ کر بہت خوشی محسوس ہو رہی تھی۔ ہم دونوں ہی ڈیرے کی جانب چل نکلے۔

گاؤں سے نکل کر ہم پکی سڑک پر آ گئے۔ صبح کے وقت لوگ اپنے اپنے کام کی طرف جا رہے تھے۔ ہم ان کی قریب سے تیزی کے ساتھ نکلتے ہوئے اس کچی سڑک پر آ گئے جہاں سے ڈیرے کی طرف جایا جاتا تھا۔ ہم تیزی سے ڈیرے کے قریب ہوتے چلے جا رہے تھے' یہاں تک کہ ڈیرے سے دو تین ایکڑ کے فاصلے پر رک گئے۔ تبھی میں نے جانی سے کہا۔

''میں ڈیرے کی پچھلی طرف سے اندر جاتا ہوں' پہلے چھت پر جاؤں گا' اور پھر اندر اتروں گا۔ تم تیار رہنا' جیسے ہی اندر سے گولی چلنے کی آواز آئے' تم دروازے کی طرف سے اندر آنا' جو بھی سامنے آئے ایک لمحہ کی تاخیر کیے بنا گولی مار دینا' ورنہ وہ تجھے گولی مار دے گا۔''

''سمجھ گیا۔'' اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ میں نے بائیک وہیں کھڑی کی اور تیزی سے ڈیرے کے پچھواڑے چلا گیا' جہاں سے میں ایک بار پہلے بھی چھت پر گیا تھا۔ اس وقت تو اندھیرا تھا' اس لیے بہت محتاط تھا۔ لیکن اب دن کے وقت سب کچھ صاف تھا۔ میں تیزی سے چڑھتا چلا گیا تھا۔ چھت پر پہنچ کر میں نے منڈھیر سے نیچے جھانکا' صحن میں کوئی بھی نہیں تھا۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ اندر کتنے لوگ ہوں گے۔ میں نے چھت پر سے گھوم کر نیچے اندازہ لگانے کی کوشش کی' برآمدے میں بھی مجھے کوئی بندہ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ وہاں کوئی ہلچل نہ پا کر مجھے الجھن ہونے لگی۔ ایسا ہو نہیں سکتا تھا' جانی نے مجھے پکی خبر دی تھی کہ اندر پانچ سات بندے تو ہیں۔ جنہوں نے میرے گھر کو آگ لگائی تھی۔ میں کئی منٹ تک تذبذب کا شکار رہا' میں انتظار کروں یا نیچے جاؤں' یہ تو ہو نہیں سکتا تھا کہ ڈیرہ خالی ہو۔ میں نے انتظار کرنا زیادہ مناسب سمجھا۔ تقریباً پندرہ منٹ گزر جانے کے بعد ایک بندہ برآمدے میں سے وارد ہوا اور وہ ٹہلنے والے انداز میں باہر کی طرف جانے لگا' میں مزید صبر نہ کر سکا اور میں نے اس پر فائر داغ دیا۔ اس کی چیخ فضا میں بلند ہوگئی۔ اس کے گمان میں بھی نہیں تھا کہ کوئی اس پر فائر کر سکتا ہے۔ میں نے اس کے شانے کے قریب کا نشانہ لیا تھا۔ اگلے ہی لمحے وہ مچھلی کی مانند تڑپتا ہوا زمین پر آ رہا۔ تقریباً دو منٹ کے اندر اندر چھ سات بندے برآمدے کی مختلف اطراف سے برآمد ہوئے' اس سے پہلے کہ وہ صورت حال کو سمجھتے میں نے ان پر فائر کھول دیا۔ تبھی دروازے کی طرف سے جانی اندر داخل ہوا' اس نے اپنے سامنے ان بندوں کو پا کر گن سے فائر کرنا شروع کر دیا۔ کس کے کہاں گولی لگتی ہے یہ قطعاً اندازہ نہیں تھا۔ وہ تقریباً سارے ہی خون میں لت پت صحن میں پڑے ہوئے تھے۔ ان کے علاوہ کوئی اندر سے باہر نہیں نکلا تھا۔ مجھے کوئی اندازہ نہیں تھا کہ اب مزید کتنے بندے اندر ہیں۔ میں جانی کو نیچے اکیلا نہیں چھوڑ سکتا تھا' اس لیے آناً فاناً سیڑھیاں پھلانگتا ہوا نیچے صحن میں آ گیا۔ پہلے وہ میرے فائر کی زد میں تھے اب کوئی بھی گولی کسی بھی کمرے سے میرے بدن کو چاٹ سکتی تھی لیکن یہ رسک لینا تھا۔ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ میں نے محتاط انداز میں چاروں طرف دیکھا تو چاچا بیرو کچن کے دروازے کے پیچھے چھپا ہوا دکھائی دیا۔ میں نے جانی کو چھپنے کا اشارہ کر کے سیدھا چاچے بیرو کے پاس چلا گیا۔ صحن میں چیخ و پکار اور کراہیں اٹھ رہی تھیں۔

''ان کے علاوہ کتنے بندے ہیں اور کہاں ہیں؟''

''اس میں ہیں۔'' چاچے بیرو نے انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ وہ دائیں طرف کا ایک لمبا کمرہ تھا۔ میں نے اسے نگاہوں میں رکھتے ہوئے جانی کو اشارہ کیا وہ تیزی سے بھاگتا ہوا اس کے دروازے کے ساتھ جا لگا۔ صحن میں پڑے زخمی بندے کچھ بھی کر سکتے تھے۔ اپنی بقا کے لیے تو بلی بھی گلے پڑ جاتی ہے وہ تو پھر سمجھ بوجھ والے انسان تھے۔ میں

ان کے سر پر جا کھڑا ہوا اور زور سے پکار کر پوچھا۔

''تم میں نے کس کس نے میرے گھر کو آگ لگائی تھی.....؟''

ان میں سے کوئی نہیں بولا بلکہ موت کو اپنے سامنے دیکھ کر ان کی آنکھوں میں دہشت کے ساتھ ساتھ وحشت بھی دکھائی دے رہی تھی۔

''ہمیں.....معاف.....معاف کر دے۔'' ان میں سے ایک تنومند بندے نے کہا۔

''اس کی ایک ہی صورت ہے' تم میں سے جو بھاگ کے یہاں سے جا سکتا ہے وہ چلا جائے' جو نہ جا سکا اس کی قبر یہیں اس ڈیرے میں بنی ہوگی۔ میں دس تک گنوں گا.....ایک.....''

انہوں نے ناقابل یقین انداز سے میری طرف دیکھا' پھر ان میں ہلچل آ گئی۔ وہ کل سات لوگ تھے۔ ایک بے ہوش پڑا تھا۔ وہ اسے گھسیٹتے ہوئے لے جانے لگے۔

''دو.....''

ان میں تیزی آ گئی۔ اپنے زخموں کی پروا نہ کرتے ہوئے وہ باہر نکلنے کو بے تاب تھے۔ دو لوگوں نے بے ہوش بندے کو ڈنڈا ڈولی کیا اور باہر کی جانب چل پڑے۔

''چار.....پانچ.....چھ.....''

وہ ڈیوڑھی کے پاس پہنچ گئے۔

''آٹھ.....''

وہ دروازہ پار گئے۔ تب میں نے اس کمرے کی طرف توجہ کی' جدھر چاچے بیرو نے اشارہ دیا تھا۔ میں نے دروازہ کھولا اور باہر ہی سے جھانک کر دیکھا' اندر کوئی ہلچل نہیں تھی۔ میں نے جانی کو باہر کا دھیان رکھنے کو کہا اور ایک دم سے اندر چلا گیا۔ اندر سے ذرا بھی مزاحمت نہیں ہوئی۔ میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ ایک کونے میں دو لڑکیاں اور ایک بوڑھا آدمی بندھے ہوئے پڑے تھے' ان کی آنکھوں میں خوف تیر رہا تھا اور وہ سہمے ہوئے تھے۔ جلدی سے باہر آ گیا۔ میں نے جانی کو بتایا تو اس نے کہا

''تُو ان سے پوچھ کہ یہ کون ہیں۔ میں دروازہ بند کر کے آتا ہوں۔''

''نہیں' دروازہ بند نہیں کرنا' بلکہ چھت پر چلا جا' دور دور تک دشمن کے بارے میں پتہ چلے گا۔ اور جو بندے ابھی باہر گئے ہیں انہیں دیکھ اگر کوئی گڑبڑ کریں تو گولی مار دینا' ابھی تو وہ صرف زخمی ہیں۔''

میری مزید بات سنے بغیر وہ سیڑھیوں کی جانب بھاگا' میں کمرے میں چلا گیا۔ اس بار میں نے ان ''قیدیوں'' کو دیکھا۔ ایک بوڑھا دیہاتی اور دونوں لڑکیاں بھی دیہاتی ہی تھیں۔ ایک لمبے قد کی' جس پر جوانی ٹوٹ کر آئی تھی۔ گورا رنگ اور جسم کے نشیب و فراز سے کوئی بھی مرد متوجہ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ دوسری چھوٹے قد کی اور موٹے نقوش والی تھی' اس کا جسم قدرے بھاری تھا' میں نے انہیں رسیوں سے آزاد کیا اور بوڑھے سے پوچھا۔

''بابا.....کون ہو تم.....اور یہاں کیسے؟''

''میں بتاتی ہوں۔'' اس لمبی لڑکی نے رندھے ہوئے انداز میں کہا۔ ''رات ہی یہ لوگ ہمیں چک سندر سے اٹھا کر لائے ہیں۔''

''کیوں.....؟'' میں نے پوچھا۔

''ہمارا کوئی بھائی نہیں ہے' یہی بوڑھا باپ ہے' ہماری تھوڑی سی زمین ہے' اور شاہ زیب وہ زمین ہم سے لینا

چاہتا تھا۔ اب ہماری روزی روٹی وہی ہے تو کیا کریں' کب تک زمین کے پیسے کھائیں گے' ہم نے انکار کیا تو.....'' اس نے روتے ہوئے بتایا۔

''کوئی زیادتی تو نہیں کی.....'' میں نے پوچھا۔

''ہمیں مارا بہت ہے' باقی دھمکیاں دیتے رہے ہیں کہ عزت لوٹ لیں گے.....مگر ابھی.....'' اس نے سر جھکاتے ہوئے کہا۔

''بابا.....تو یہاں بیٹھ' اور تم لوگ آؤ میرے ساتھ' ایک ایک کمرے کی تلاشی لینی ہے۔'' میں نے کہا اور کمرے سے باہر نکلنے لگا۔

''پر پتر.....تو ہے کون.....؟'' بوڑھے نے پوچھا۔

''میں کوئی بھی ہوں' لیکن تیری عزت کا رکھوالا ہوں۔ اب کوئی تجھے تنگ نہیں کرے گا۔ آج ہی تجھے تیرے گھر پہنچا دیا جائے گا۔''

''اللہ سلامت رکھے تجھے۔'' بوڑھے نے دعا دی تو میں باہر نکل آیا۔ میں نے تقریباً آدھے گھنٹے میں وہاں پر موجود ہر کمرہ دیکھ لیا' کوئی بندہ نہیں تھا' دو کمرے خاص اہمیت کے حامل تھے۔ ایک شاہ زیب کا کمرہ جس میں فون رکھا ہوا تھا' اور دوسرا اس کے ساتھ والا جہاں سے اسلحہ ملا تھا' پورا اطمینان کرنے کے بعد میں نے جانی کو بلا لیا۔ وہ نیچے آیا تو ساری صورتحال اس کو سمجھا آ گئی۔ اس نے لڑکی سے کہا۔

''تم لوگ منہ ہاتھ دھو کر وہاں جاؤ اور کھانا وانا کھاؤ.....اب یہ ڈیرہ ہمارے قبضے میں ہے۔ تم اطمینان رکھو' شام سے پہلے تم چک سندر پہنچ جاؤ گے۔ جاؤ۔'' اس کے یوں کہنے پر وہ لڑکیاں تیزی سے واپس اسی کمرے میں چلی گئیں۔ میں شاہ زیب کے کمرے کی طرف گیا۔ ٹیلی فون چل رہا تھا۔ میں نے پیرزادہ وقاص کے نمبر ملائے' کچھ دیر بعد رابطہ ہو گیا۔ میں نے اسے ساری صورتحال بتائی' جسے سن کر وہ بولا۔

''واہ.....! اب تو شاہ زیب واپس نہیں آئے گا وہ تو بھاگتا پھر رہا ہے تاکہ پولیس تجھے گرفتار کر لے۔''

''تجھے کیسے پتہ؟'' میں نے پوچھا۔

''وہ پوری کوشش کر کے ڈی ایس پی کا تبادلہ کروا رہا ہے۔ وہ اعلیٰ حکام کے سامنے بیٹھا رو رہا ہے کہ اس کے ساتھ زیادتی ہو رہی ہے۔ اب دیکھیں کیا بنتا ہے۔ خیر! میں بندے بھیجتا ہوں' آدھے پونے گھنٹے تک تیرے پاس پہنچ جائیں گے۔ وہ سمجھو تیرے دوست ہیں' میرا ان سے کوئی تعلق نہیں۔ گاڑی بھی آ رہی ہے۔ اس پر ان لڑکیوں اور بابے کو بھیج دینا۔''

''ٹھیک ہے۔'' میں نے اطمینان سے کہا۔

''اور ہاں.....اس ڈیرے میں آج دن تک یا رات.....بس اس سے زیادہ نہیں رہنا' خطرناک ہوگا۔'' اس نے مجھے سمجھایا۔

''میں سمجھتا ہوں۔'' میں نے اسے باور کرایا۔

''پھر اپنا ٹھکانہ چوہدری شاہنواز کے ڈیرے پر.....'' اس نے مجھے بتا دیا کہ آئندہ کیا کرنا ہے' میں نے الوداعی کلمات کے ساتھ فون بند کر دیا۔ میں کافی حد تک مطمئن ہو گیا تھا' لیکن جیسے ہی مجھے شاہ زیب کا خیال آتا' میرے اندر نفرت اور غصے کی لہریں سر ٹکرانے لگتیں۔

وقار عظیم
پاکستانی پوائنٹ ڈاٹ کام

جسپال رات کے پہلے پہر ہی جالندھر جا پہنچا تھا۔ اوگی پنڈ سے نکلتے وقت اس کے ذہن میں انوجیت ہی کا خیال تھا کہ بعد میں پولیس انہیں تنگ کرے گی وہ تو پہلے ہی عتاب کا شکار ہیں۔ دوسرا اس کا دماغ پر ہر پریت کور چھائی ہوئی تھی۔ وہ زخمی حالت میں گھر پر پڑی تھی۔ ایسے میں اگر پولیس والے انہیں تنگ کرتے تو اس گھرانے کے لیے بہت مشکل پیدا ہو جانے والی تھی۔ یہ سب ظلم اس کی وجہ سے ان پر ہونے والے تھے۔ اس کا دل نہیں کر رہا تھا کہ یوں بھاگ کر وہاں سے نکلے' لیکن کیشیو مہرہ کا فون آ گیا تھا' اس نے یہی زور دیا تھا کہ جس قدر وہ جلد ہی اوگی سے نکل سکتا ہے نکل آئے' بعد میں دیکھتے ہیں کیا ہوتا ہے۔ وہ کیشیو مہرہ کے اصرار پر اوگی سے نکل تو آیا تھا مگر اس کا ضمیر اسے ملامت کر رہا تھا کہ مشکل وقت میں وہ انوجیت اور ہر پریت کو چھوڑ کر جا رہا ہے۔ اوگی پنڈ سے چند کلومیٹر باہر آ جانے تک وہ یہی سوچتا رہا' پھر ایک جگہ اس نے بریک لگا کر گاڑی سڑک کے کنارے روک دی۔ وہ فیصلہ کرنا چاہتا تھا کہ جالندھر جائے یا نہیں۔ ابھی وہ اسی الجھن میں تھا کہ انوجیت کا فون آ گیا۔

''او جسپال..... جالندھر پہنچے ہو یا نہیں؟''

''نہیں' راستے میں کھڑا ہوں' میرا دل نہیں کر رہا ہے جالندھر جانے کو' میں واپس آنا چاہتا ہوں۔'' اس نے بھرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''ہے پاگل..... اوئے وہ کیوں؟''

''تو اور ہر پریت اکیلے ہو' پھوپھو..... میں اتنے مشکل وقت میں تم لوگوں کو چھوڑ کر کیسے جاؤں۔'' اس نے ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا۔

''او نہیں اوئے جسپال' ایسے مت سوچ' یہ حالات تو کچھ بھی نہیں ہیں۔ ہم نے اس سے بھی مشکل اور سخت حالات دیکھے ہیں۔ ہم ان کا مقابلہ نہ کر سکتے ہوتے تو اب تک زندہ ہی نہ ہوتے۔ ان کی جرات نہیں کہ ہماری طرف انگلی بھی اٹھا سکیں۔'' اس نے کافی سخت لہجے میں کہا۔

''وہ تو ٹھیک ہے لیکن میں.....'' جسپال نے کہنا چاہا تو وہ ٹوکتے ہوئے بولا۔

''تیرا یہاں رہنا ٹھیک نہیں ہے اور یہ صرف چند دن کی بات ہے' بات پولیس کی نہیں یہاں کے غنڈوں کی ہے' میں نے اپنے لوگ بلوا لیے ہیں' اس کی تم فکر مت کرو' میری پوری کوشش ہے کہ معاملہ قانونی بن جائے' پولیس والے پریال سنگھ وغیرہ کو چھوڑ رہے ہیں لیکن وہ حوالات سے باہر نہیں آ رہے ہیں کیونکہ انہیں غیر قانونی طور پر پکڑا ہے' پولیس والوں کو گمان بھی نہیں تھا کہ تم بلجیت کے ساتھ ایسا کر دو گے۔ کچھ دیر بعد اوگی میں بہت سارے لوگ پہنچ رہے ہیں۔ کیشیو مہرہ بھی اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ آ رہا ہے' تم بس دو چار دن کے لیے اپنے آپ کو محفوظ کر لو۔'' انوجیت نے پوری تفصیل سے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے' پھر جیسا تم چاہو۔ میں رابطے میں رہوں گا۔'' انوجیت نے کہا' چند منٹ باتوں کے بعد اس نے فون بند کر دیا۔ فون بند ہوا ہی تھا کہ کیشیو مہرہ کا فون آ گیا۔

''میں جالندھر نکودر روڈ پر ہوں' تم کہاں ہو؟''

''میں بھی اسی روڈ پر جالندھر آ رہا ہوں۔''

''ٹھیک ہے' میری سرخ گاڑی ہے' میرے ساتھ دو تین گاڑیاں اور بھی ہیں۔ راستے میں ملتے ہیں۔'' یہ کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔ جسپال نے گاڑی بڑھا دی۔ تقریباً دس منٹ سفر کے بعد اسے دور ہی سے سرخ گاڑی دکھائی دی۔ جسپال نے فون پر بتا دیا کہ میں تم لوگوں کو دیکھ رہا ہوں۔ اگلے ایک منٹ میں وہ دونوں سڑک پر رک چکے تھے۔ سرخ گاڑی

سے کیشیو مہرہ باہر نکلا تو اس کے ساتھ سارے لوگ باہر آ گئے۔ جسپال بھی باہر آ گیا تو کیشیو مہرہ نے کہا۔

''جسپال! تم اپنی چھوڑ کر اس سرخ گاڑی میں آ جاؤ اور اپنی گاڑی ہمیں دے دو' یہاں سے دشمنوں کے لیے تمہارا سراغ ختم ہو جانا چاہیے۔ تم دو دن سکون کرو' پھر دیکھتے ہیں کیا کرنا ہے' بلجیت کے بارے میں اطلاعیں چندی گڑھ سے دہلی تک پہنچ گئی ہیں۔ بہت احتیاط کرنا۔''

''او کے۔'' جسپال نے کہا اور اپنی گاڑی سے پسٹل کے علاوہ دوسری چیزیں نکال کر سرخ گاڑی کی جانب بڑھا۔ اس نے پسنجر سیٹ والا دروازہ کھولا تو اس کی نگاہ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھی ایک لڑکی پر پڑی' وہ جیسے ہی بیٹھا' لڑکی نے گاڑی بڑھا دی۔ پھر تیزی سے یوٹرن لے کر واپس جالندھر کی جانب چل دی۔ جسپال نے بیک مرر میں دیکھا' کیشیو مہرہ کی گاڑیاں بھی چل پڑیں تھیں اور لحہ بہ لحہ ان کے درمیان فاصلہ بڑھتا چلا گیا تھا۔ تبھی ڈرائیونگ کرتی ہوئی لڑکی نے کہا۔

''ہائے جسپال! نمریتا نام ہے میرا۔ نمریتا کور..... اب چونکہ دو چار دن ہم نے ساتھ ہی رہنا ہے' اس لیے تعارف ابھی ہو جائے تو اچھا ہے۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے اپنا ہاتھ جسپال کی طرف بڑھا دیا۔ گلابی بھرا بھرا ہاتھ اس کے سامنے تھا۔ تبھی اس نے نمریتا کا ہاتھ تھامتے ہوئے اسے غور سے دیکھا' سفید گول چہرہ جس پر موٹے نقوش تھے' آنکھیں خاصی بڑی اور بال گھنگھریالے تھے۔ خاص طور پر اس کے گال بہت سرخ تھے۔ بھرے بھرے نرم بدن پر گلابی ٹی شرٹ اور نیلی جین تھی' اس کی رانیں بہت موٹی اور بھاری تھیں۔ پاؤں میں سفید سینڈل' جسپال نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ ''کیسی لگی ہوں میں؟''

''کس حوالے سے؟'' جسپال نے شوخ سے انداز میں سوال کر دیا۔

''پہلی نگاہ میں دیکھنے کے حوالے سے' باقی خوبیاں تو شاید بعد میں کھلیں گیں۔'' یہ کہتے ہوئے وہ ہلکا سا قہقہہ لگا کر ہنس دی۔

''اچھی ہو' امید ہے کہ اچھی دوست بھی ثابت ہو گی۔'' جسپال نے کہا۔

''وہ تو ہوں۔ خیر.....! کیشیو جی نے کہا ہے کہ آپ نے کم از کم چار دن تک باہر نہیں نکلنا اور اتنے دن گھر میں رہنے کی کوئی وجہ تو ہونی چاہیے۔ کیا پسند ہے آپ کو' اس کا بندوبست کر دیا جائے گا۔''

''کچھ نہیں' بس تم ڈرائیونگ پر دھیان دو' باقی باتیں بعد میں۔'' اس نے کہا اور سڑک پر دیکھنے لگا۔ نمریتا نے کاندھے یوں اچکائے جیسے اس کی بات کو وہ نظر انداز کر چکی ہو۔ پھر گاڑی کی اسپیڈ تیز کر دی۔ تقریباً پندرہ منٹ بعد وہ جالندھر شہر میں داخل ہو گئے لیکن پریتم کالونی تک جاتے ہوئے انہیں آدھے گھنٹے سے بھی زیادہ لگ گیا۔ یہ شہر کا وہ علاقہ تھا جہاں پرانے انداز کی رہائشی عمارتیں تھیں۔ تقسیم کے بعد یہی پوش علاقہ مانا جاتا تھا۔ اب آبادی کے بے تحاشہ بڑھنے کی وجہ سے وہ اندرون شہر میں آ گیا تھا۔ اس لیے اس علاقے میں کافی رش تھا۔ ایک بڑے سارے گھر کے وہ سامنے رکی' پھر ہارن کے جواب میں چوکیدار نے گیٹ کھولا تو وہ اندر چلا گیا۔ رات کے سائے ہر طرف پھیلے ہوئے تھے۔ دوسری منزل پر ایک کشادہ بیڈ روم میں اسے بٹھا کر نمریتا غائب ہو گئی تھی۔ کافی دیر بعد وہ آئی تو اس کے ساتھ ایک اور لڑکی تھی۔ نازک سی' تیکھے نقوش والی' اس نے شلوار قمیص پہنی ہوئی تھی۔ نمریتا اس کے پاس بیڈ پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

''جو کھانے میں پسند ہے اسے بتا دو..... یہ بنا دے گی۔''

''جو مل جائے۔'' جسپال نے پرسکون لہجے میں کہا تو نمریتا نے اسے کہا۔

''جاؤ.....! جو تمہاری سمجھ میں آتا ہے بنا لو' بازار سے منگوا لو..... لیکن کھانا بہت اچھا ہونا چاہیے۔''

یہ سنتے ہی وہ لڑکی واپس چلی گئی تو نمریتا اسے یوں بیٹھا دیکھ کر بولی۔ ''جسپال.....! یار کیا سوگوار سے بیٹھے ہو۔

جاؤ' جا کر فریش ہو جاؤ' پھر کھانا کھا کر جو چاہے کرنا۔ اوکے۔''

اس پر جسپال نے اسے جواب نہیں دیا۔ بلکہ اٹھ کر واش روم کی طرف چلا گیا۔

آدھی رات سے زیادہ کا وقت گزر چکا تھا۔ جسپال کو سکون نہیں آ رہا تھا' نمریتا گپ شپ لگا کر اپنے کمرے میں جا چکی تھی۔ اس کا سارا دھیان اوگی کی طرف تھا۔ جہاں سے ابھی تک اسے کوئی خبر نہیں ملی تھی۔ اس نے خود اس لیے رابطہ نہیں کیا تھا کہ نجانے وہ کس طرح مصروف ہوں گے اور وہ انہیں ڈسٹرب کرے۔ یہی سوچتے ہوئے اسے خیال آیا کہ کیوں نہ ہرپریت سے بات کرے۔ یہ خیال آتے ہی اس نے سیل فون اٹھایا' ہرپریت کے نمبر ڈائل کر دیئے۔ دوسری بیل پر اس نے فون اٹھا لیا۔

''کیسے ہو جسپال؟''

''میں ٹھیک ہوں..... تم سناؤ۔''

''میں بہت خوش ہوں۔ تم نے بلجیت کو جس بے رحمی سے مارا' اس سے مجھے بڑی خوشی ہوئی' وہ تھا ہی اس قابل' جالندھر ہی کے کسی ہسپتال میں ہے۔ امید نہیں ہے کہ وہ بچے گا۔''

''چلو اچھا ہے' لیکن میں چاہتا ہوں وہ زندہ رہے۔ مگر اپاہجوں والی زندگی گزارے' سناؤ ابھی تک انوجیت نہیں آیا؟''

''گھر آ کر پھر گیا ہے' کسی جگہ کوئی بہت بڑی پنچائیت ہے' سنا ہے کہ اس میں رویندر سنگھ بھی آئے گا۔ یہ لوگ چاہ رہے ہیں کہ اسے سیاسی ایشو بنایا جائے' لیکن انوجیت لوگ چاہ رہے ہیں کہ یہ قانونی مسئلہ بنے۔ حویلی جلانے پر ہی یہ واقعہ پیش آیا' میرے خیال میں' یہاں پنچائیت میں اس معاملے کو ٹھپ دیا جائے گا' اب دیکھتے ہیں کیا ہوتا ہے۔''

''معاملہ وقتی طور پر دبے یا نہیں' مجھے تم لوگوں کی فکر ہے۔ وہ کہیں قانونی شکنجے میں.....''

''نہیں جسپال نہیں! تم ہماری فکر نہ کرو' سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

''میں تمہیں بہت مس کر رہا ہوں۔'' اس نے اپنے دل کی بات کہی۔

''کاش میں تمہارے پاس ہوتی۔'' اس نے بھی کہہ دیا۔ تو دونوں کافی دیر تک یونہی گپ شپ کرتے رہے' پھر جسپال نے فون بند کیا اور سو گیا۔

صبح جب اس کی آنکھ کھلی تو نمریتا اس کے ساتھ بیڈ پر پڑی سو رہی تھی۔ اس نے مہین سی نائٹی پہنی ہوئی تھی' جس میں اس کا سارا بدن دکھائی دے رہا تھا۔ ایک لمحے کے لیے تو جسپال چکرا گیا کہ یہ اس قدر بولڈ ہو کر میرے ساتھ کیوں پیش آ رہی ہے' کیا ایسا سب کچھ کرنے کے لیے اسے کہا گیا ہے یا یہ خود سے ہی ایسا کر رہی ہے۔ یہی سوچتے ہوئے وہ باتھ روم میں گیا۔ اچھی طرح فریش ہونے کے بعد جب وہ واپس آیا تو نمریتا جاگ رہی تھی۔

''صبح بخیر جسپال.....! میرے خیال میں تمہاری رات بہت اچھی گزری ہے۔''

''ہاں.....! لیکن یہ تم کیا دکانداری چمکائے ہوئے ہو۔ جاؤ' کوئی ڈھنگ کے کپڑے پہن کر آؤ۔'' اس نے نمریتا کے چہرے پر دیکھتے ہوئے کہا۔

''اوہ.....! یہ کہتے ہوئے وہ خود میں سمٹ گئی۔ حالانکہ ایسے سمٹنے سے کچھ فرق نہیں پڑا تھا۔'' وہ دراصل میں آئی تھی کہ تم سے اوگی کے بارے میں بات کروں' مگر تم سو رہے تھے۔''

''ہاں بولو..... کیا ہے اوگی کے بارے میں.....'' اس نے تجسس سے پوچھا۔

''رات گئے تک وہاں پنچائیت چلی ہے' جس میں بلجیت سنگھ کا باپ رویندر سنگھ اور پولیس کی اعلیٰ حکام بھی تھے۔

ظاہر ہے کیشیو مہرہ کے ساتھ بہت سارے لوگ تھے' انوجیت کے بھی لوگ تھے۔''

''بنا کیا' وہ بتاؤ۔'' نے تنگ آ کر کہا۔

''کسی فیصلے کے بغیر وہ پنچائیت ختم ہو گئی لیکن یہ ثابت ہو گیا کہ بلجیت سنگھ کی شرارت کے باعث یہ حادثہ ہوا۔ اس کے بارے میں دلبیر سنگھ نے گواہی دی تھی۔ پولیس نے یہ کیس رجسٹرڈ کر لیا ہے۔ چوکی انچارج معطل ہو گیا ہے۔ اب کیس عدالت میں چلے گا' لیکن تمہاری گرفتاری کے بعد.....'' نمریتا نے کہا تو وہ بولا۔

''اوہ..... خیر کوئی بات نہیں' وہ تو میری ضمانت ہو جائے گی۔''

''ہاں' اس کے لیے آج کوشش کی جائے گی' نکودر میں' لیکن اگر بلجیت نہ رہا تو صورت حال تبدیل ہو جائے گی' اس کے بارے میں اطلاع یہ ہے کہ وہ بچتا دکھائی نہیں دیتا۔''

''چلو جو بھی ہو گا وہ دیکھا جائے گا' تم جاؤ اور ناشتہ بھجواؤ' میں مزید تفصیل معلوم کرتا ہوں۔ نمریتا اس کے پاس سے اٹھ کر چلی گئی۔ وہ کچھ دیر اس موجودہ صورتحال کے بارے میں سوچتا رہا کچھ سمجھ میں آیا کچھ نہ۔ جسپال نے اس وقت انوجیت کو فون کیا۔ وہاں سے بھی یہی معلومات ملیں جو نمریتا اسے دے چکی تھی۔ وہ کچھ دیر گپ شپ کے بعد رابطہ منقطع کر چکے تو ناشتے کے لیے بلاوا آ گیا۔

اس وقت نمریتا اسے اپنے بارے میں بتا رہی تھی کہ وہ مقامی کالج میں پڑھنے کے بعد اب آزاد ہے' وہ اپنے چاچا کے ساتھ رہتی تھی' سا کا چوراسی ہی میں اس کے والدین بھی مارے گئے۔ وہ اس لیے بچ گئی کہ وہ ان دنوں گاؤں میں اپنے چاچا کے پاس ہی تھی۔ اس کے دو بھائی بھی اس ظلم کی نذر ہو گئے۔ بچپن ہی سے یہ غصہ اس کے اندر تھا' اس نے باقاعدہ تعلیم کی ساتھ فریڈیم موومنٹ کو جوائن کیا اور اس کے لیے کام کرتی رہی' پھر ایک بار پولیس کے ہتھے چڑھ گئی۔ مگر کوئی جرم ثابت نہ ہوا۔ تب سے وہ پوری طرح اپنی تنظیم کے ساتھ چل رہی ہے۔ بظاہر وہ ایک کمپنی میں جاب کر رہی تھی۔

وہ باتوں میں مصروف تھے کہ کیشیو مہرہ کا فون آ گیا۔ کچھ دیر ادھر ادھر کی باتوں کے بعد اس نے کہا۔

''جسمیندر تم سے نیٹ پر رابطہ چاہتا ہے' یہ نمریتا سے کہو' تمہیں لیپ ٹاپ دے۔''

''اوکے.....! میں کہتا ہوں۔''

''پھر جو بھی صورتحال ہو' مجھے بتانا' میں جالندھر ہی میں ہوں اور تمہاری ضمانت کی کوشش نکودر میں ہو رہی ہے ورنہ پھر یہاں.....''

''اوکے.....!'' میں نے کہا اور فون بند کر دیا۔ میں نے نمریتا سے لیپ ٹاپ لانے کو کہا تو وہ اٹھ گئی۔ میرے دل میں اچانک تجسس بیدار ہو گیا۔ کیونکہ جسمیندر نے جو مجھ سے براہ راست بات کرنا چاہی تھی' لازمی طور پر وہ بہت اہم تھی۔ ورنہ جہاں وہ کیشیو کو یہ پیغام دے سکتا تھا وہاں دوسرا کوئی پیغام بھی دے سکتا تھا۔ مجھے بے چینی ہونے لگی تھی' اور یہ بے چینی اس وقت عروج پر تھی جب وہ لیپ ٹاپ لے کر آئی' اس نے نیٹ ساکٹ میں پلگ لگا دیا۔

''نمریتا.....! تم ایسا کرو' اچھی سی چائے بنا کر لاؤ۔''

میرے یوں کہنے سے صاف ظاہر تھا کہ وہ مجھے اکیلا چھوڑ دے۔ وہ سمجھ گئی۔ اور فوراً ہی واپس چلی گئی۔ کچھ دیر بعد میں آن لائن تھا اور خوش ہو گیا جب جسمیندر کو بھی آن لائن دیکھا۔ اس سے باتیں ہونے لگیں۔ کچھ دیر بعد اس نے کہا۔

''تم جانتے ہو کہ رویندر سنگھ کا ایک بیٹا چندی گڑھ میں ہے اور بزنس کرتا ہے۔''

''ہاں میں جانتا ہوں۔'' یہ جواب دیتے ہی میرے بدن میں سنسنی پھیل گئی۔

''وہ سیکٹر سولہ میں رہتا ہے' لیکن اس کا آفس وہاں سے دور مال روڈ پر ہے۔''

''یہ مجھے نہیں معلوم۔''

''میں تمہیں معلومات دے رہا ہوں۔ اسے ذہن نشین کرنے کے بعد صاف کر دینا کمپیوٹر سے' تم وہاں جاؤ اور اس کا پتہ صاف کر دو۔''

''واؤ.....!'' میں نے خوش ہوتے ہوئے جواب دیا۔

''اس بار تمہیں بہت محتاط رہنا پڑے گا۔ جالندھر اور اس کے گرد و نواح میں تمہاری تلاش بہت شدت سے شروع ہو گئی ہے۔ صرف پولیس والے ہی تلاش نہیں کر رہے بلکہ خفیہ والے بھی ہیں۔ یہاں معاملہ کیشیو مہرہ سے اوپر کا ہو گیا ہے۔ وہ نہیں سنبھال پائے گا۔ میں اس لیے بھی تمہیں جالندھر سے نکال رہا ہوں کہ وہ جدید ٹیکنالوجی استعمال کرتے ہوئے تم تک پہنچ سکتے ہیں۔ اس لیے بات مکمل ہوتے ہی چندی گڑھ کے لیے نکل جاؤ' تم کدھر جا رہے ہو' اس بارے میں نمریتا کو بھی معلوم نہ ہو۔''

''ٹھیک ہے۔''

''میں تمہیں ایک تصویر بھیج رہا ہوں' یہ لڑکی تمہارے ساتھ ہو گی۔ یہ لڑکی تمہیں جالندھر اسٹیشن پر ملے گی یا پھر چندی گڑھ اسٹیشن پر' اس کا نمبر بھی میں بھیج رہا ہوں' میں پھر تمہیں کہہ رہا ہوں کہ بہت محتاط رہنا۔ ''معصوم سانپ'' کے ذاتی دوست تمہاری تلاش میں لگ چکے ہیں۔ ان کے بارے میں یہ نہیں معلوم کہ وہ ڈیوٹی پر ہیں یا اپنے دوست کا انتقام لینے کے لئے بغیر ڈیوٹی کے ہیں۔ جالندھر سے نکلنا اب تمہاری اپنی صلاحیت پر ہو گا۔ کیونکہ ممکن ہے تم یہاں دھوکا کھا جاؤ' میرے بندوں کے چکر میں کہیں تم رویندر سنگھ کے بندوں کے ہاتھ ٹریپ نہ ہو جاؤ' کسی پر اعتماد کیے بغیر ابھی نکل جاؤ۔''

تصویر تو بھیجو۔''

کچھ ہی دیر بعد تصویر آ گئی۔ وہ خوابیدہ آنکھوں والی لڑکی یوں دکھائی دے رہی تھی جیسے ابھی سو کر اٹھی ہو۔ سفید' گلابی اور پیلے پھولوں والی قمیص پہنے' کھلے گیسوؤں کے ساتھ' اس کے چہرے کی معصومیت دیدنی تھی۔ لگ ہی نہیں رہا تھا کہ وہ کسی سنڈیکیٹ' ریکٹ یا خفیہ تنظیم کے ساتھ کام کرتی ہو گی' اس کا چہرہ دیکھ کر تو یوں لگ رہا تھا جیسے وہ معصوم سی اسکول ٹیچر ہو' جو سوئی چبھنے پر بھی واویلا مچا دے۔ اس کا چہرہ ایسا تھا کہ جسے ایک بار دیکھا جائے تو وہ تادیر ذہن نشین رہے۔ اس کا معصوم چہرہ دیکھ کر مجھے تازگی کا احساس ہوا تھا۔ چند لمحوں کے لیے تو میں بھول گیا کہ میں کہاں بیٹھا ہوں اور کن الجھنوں میں گھرا ہوا ہوں۔

''او کے گڈ لک جسپال.....! چندی گڑھ پہنچو۔ وہاں باتیں ہوں گی۔''

''ٹھیک ہے' میں ابھی نکلتا ہوں۔'' میں نے جواب دیا تو وہ آف لائن ہو گیا۔ اس نے جو مجھے ضروری معلومات بھیجی تھیں' انہیں دیکھتے ہوئے مجھے تقریباً ایک گھنٹہ لگ گیا۔ جسمیندر نے یہ بڑے اہم وقت پر میری توجہ اس طرف دلائی تھی۔ وہ لوگ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ بلجیت سنگھ کا معاملہ حل ہوئے بغیر میں کوئی اور کارروائی کا سوچ سکوں گا لیکن اس کے ساتھ ساتھ پہلی بار جسمیندر نے مجھے اس قدر محتاط رہنے کا کہا تھا۔ میں نے اس کی طرف سے دی گئی تمام معلومات ختم کر دیں' میں نے چندی گڑھ نہیں دیکھا تھا' اور نہ ہی اس بارے میں اتنی معلومات تھیں۔ سنا تھا کہ وہ جدید شہر ہے' جسمیندر کی دی ہوئی معلومات میرے ذہن نشین ہو گئی تھیں۔ اس سے پہلے مجھے بھارتی ریلوے کا تجربہ نہیں تھا۔ اک نیا جہان میرے سامنے وا ہونے کو تھا۔ اس لیے میں اپنے بدن میں سنسنی محسوس کر رہا تھا' مجھے اب نمریتا کی نگاہیں بچا کر نکلنا تھا۔ فی الحال تو وہ چائے لینے گئی تھی۔ میں سوچ رہا تھا کہ یہاں سے کیسے نکلوں' انہی لمحات میں جبکہ میں وہاں سے نکلنے کے لیے سوچ رہا تھا۔ نمریتا حواس باختہ سی کمرے میں داخل ہوئی' وہ کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن پھولے ہوئے سانس کی وجہ سے کہہ نہیں

پا رہی تھی' اچانک ہی میرے دماغ میں خطرے کی گھنٹی بج گئی۔

تقریباً چند لمحوں تک نمریتا سے بولا ہی نہیں گیا۔ پھر جب بولی تو اُکھڑے ہوئے سانسوں میں آدھے ادھورے لفظوں میں کہا۔

''جس..... پال..... جلدی نکلو..... بھاری تعداد میں پولیس نیچے آ چکی ہے۔''

''ہم نکلیں گے کہاں سے؟'' جسپال سوچتے ہوئے اس سے پوچھا تو نمریتا نے انگلی سے اوپر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''اُوپر..... اُوپر' چھت پر سے..... آؤ۔''

یہ کہہ کر وہ بھاگتے ہوئے تیزی سے واپس پلٹ گئی۔ جسپال اس کے پیچھے بھاگا' وہ آگے پیچھے سیڑھیاں چڑھتے ہوئے چھت پر آ گئے۔ وہ ساری چھتیں ایک دوسرے کے ساتھ منسلک تھیں۔ انہوں نے نیچے جھانکنے کی زحمت نہیں کی بلکہ عقب میں جو چھت تھی اس پر کود گئے۔ ایک کے بعد اگلی اور پھر اس سے اگلی چھت پر کودتے ہوئے وہ اپنی عمارت سے کافی دور نکل آئے۔ اس وقت سب سے بڑا مسئلہ ان کے لئے یہ تھا کہ وہ یہاں سے سڑک تک کیسے جائیں۔ تبھی جسپال نے ایک لمحے کو سوچا' پھر ادھر اُدھر تاکا۔ وہ جس چھت پر تھے اس کی سیڑھیاں دکھائی دے رہی تھیں' تبھی جسپال نے کہا۔

''ہمیں اس طرح چھتیں کودتے ہوئے پولیس دیکھ سکتی ہے۔'' اس کے ساتھ ہی اس نے نیچے اترتی سیڑھیوں کی جانب اشارہ کیا۔

''تمہارا کیا خیال ہے' گرو کا نام لیں اور.....'' باقی فقرہ نمریتا نے اشارے سے مکمل کر دیا۔

''نکل'' جسپال نے کہا تو وہ دونوں سیڑھیاں اترتے چلے گئے۔ دوسری منزل پہ کوئی نہیں تھا۔ اس لیے وہ اگلی سیڑھیاں بھی اتر گئے جو صحن میں کھلیں۔ وہاں سامنے ہی تخت پر ایک بوڑھی عورت بیٹھی ہوئی تھی' اس کے قریب ایک جوان سی عورت کے پاس چھوٹا بچہ کھیل رہا تھا۔ ان دونوں کو اچانک یوں اپنے سامنے دیکھ کر جوان عورت کی چیخ نکل گئی۔ جسپال نے وہاں کھڑے ہو کر بحث کرنا فضول سمجھا۔ انہیں سمجھانا وقت ضائع کرنے کے مترادف تھا' جبکہ ان کے لیے ایک ایک لمحہ قیمتی تھا۔ جسپال نے نمریتا کا بازو پکڑا اور باہر کی جانب نکلتا چلا گیا۔ وہ عورت گھگھیانے والے انداز میں چور چور کا شور مچانے لگی تھی۔ ڈیوڑھی میں جسپال نے نمریتا کو سمجھایا۔

''ہم دونوں یہاں سے نکلتے ہی مخالف سمت میں ہو جائیں گے۔ بالکل نارمل انداز میں۔''

''او کے.....!'' اس نے کہا پھر چند لمحے بعد وہ ڈیوڑھی سے باہر نکل کر دروازہ پار کر گئے۔ ان کے سامنے ایک کھلا بازار تھا' جو کافی بڑا تھا اور اس پر خاصی ٹریفک رواں دواں تھی۔ وہی بازار کا مخصوص شور تھا۔ اس کی قریب سے سائیکل رکشہ اور موٹر رکشہ والے گزر رہے تھے مگر وہ تیزی سے سڑک کراس کر گیا۔ وہ سکون سے چلتے ہوئے اگلا موڑ مڑ گیا۔ وہاں سے بھی اس نے سڑک پار کی اور ایک جگہ کھڑے رکشوں میں سے ایک رکشہ منتخب کر کے اس کے پاس گیا۔

''ریلوے اسٹیشن چلو گے؟''

''جائیں گا بھائی۔'' اس نے کہا تو جسپال سوار ہوتے ہوئے بولا۔

''چل پھر.....! جانا ذرا جلدی' بندہ کہیں گاڑی ہی نہ چڑھ جائے' اسے واپس لانا ہے۔''

''تیز چلنے کے ایکسٹرا پیسے ہوں گے' ابھی پہنچا دیتا ہوں۔''

''اب چلو بھی..... جتنی جلدی پہنچاؤ گے اتنا خوش کر دوں گا۔'' جسپال نے ہنستے ہوئے کہا تو وہ چل پڑا۔ جالندھر کی چند

سڑکوں کو چھوڑ کر باقی ساری ایسی ہیں جن پر اگر رکشے میں سفر کیا جائے تو سارے جوڑ ہل جائیں۔ رکشے والا تیزی سے رکشہ چلائے جا رہا تھا۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ وہ کن راستوں سے کدھر جا رہا ہے۔ وہ چپ چاپ بیٹھا ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ وہ یہ سوچنا چاہ رہا تھا کہ پولیس اس تک کیسے پہنچی' مگر دماغ اس کا ساتھ نہیں دے پا رہا تھا۔ اس نے اس سوچ کو ایک طرف رکھا اور سامنے دیکھنے لگا۔ کچھ دیر بعد جب رکشہ رکا تو اسے سامنے جالندھر اسٹیشن کی عمارت دکھائی دینے لگی۔ وہی انگریز دور کی طرز تعمیر تھی جس پر ہندی اور پنجابی کے سائن بورڈ لگے ہوئے تھے۔ جسپال نے رکشے سے اتر کر بڑا نوٹ جیب سے نکالا اور پھر اسے دیتا ہوا بولا۔

''لو جی' باقی پیسے دے دو۔''

وہ چاہتا تو سارے ہی پیسے اسے دے کر جا سکتا تھا لیکن وہ کسی کو بھی شک نہیں ہونے دے رہا تھا کہ اسے کوئی کسی حوالے سے یاد بھی رکھے۔ باقی پیسے لے کر اس نے بغیر گنے جیب میں ڈال لیے اور پھر عمارت کی جانب چل پڑا۔ عمارت کے اندر جا کر اسے احساس ہوا کہ ٹکٹ لینے والی جگہ تو اسے دکھائی دے گئی ہے لیکن اسے ابھی چندی گڑھ کی گاڑی مل بھی جائے گی یا انتظار کرنا پڑے گا؟ یہ معلومات اسے کہاں سے لینا تھی۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا تا کہ کسی سے پوچھ سکے' تبھی اسے ایک قلی دکھائی دیا۔ وہ اس کی طرف بڑھا ہی تھا کہ اس کا فون بج اٹھا۔

''میں منالی ہوں جسپال.....! تمہاری دوست.....رکو میں آ رہی ہوں۔'' اس کے ساتھ ہی فون بند ہو گیا۔ جسپال نے فون بند کر کے ادھر ادھر دیکھا' سامنے ہی سفید شلوار قمیص اور بڑے سارے آنچل کے ساتھ' کھلے بال اور اس پر مرکوز آنکھوں کی ساتھ وہ خوابیدہ دکھائی دینے والی لڑکی چلتی چلی آ رہی تھی۔ اگرچہ اس نے سادہ سا لباس پہن رکھا تھا مگر وہ اس میں خوب جچ رہی تھی۔ وہ اس کے قریب آ کر کھڑی ہو گئی' پھر اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے اس کے گلے لگ گئی پھر چند لمحوں بعد اس سے الگ ہو کر بولی۔

''تم پریشان ہوں گے کہ پولیس تم تک کیسے پہنچ گئی۔ اس کی وجہ تمہارا یہ سیل فون ہے۔ وہ اب بھی کچھ دیر بعد تم تک پہنچ سکتی ہے' لہٰذا' اسے مجھے دو۔''

جسپال اس کے معصوم چہرے سے نگاہیں ہٹا ہی نہیں پا رہا تھا' اس نے اپنا سیل فون یوں اس کی جانب بڑھا دیا جیسے کوئی معمول اپنے عامل کا حکم مانتا ہے۔ اگلے ہی لمحے ایک نوجوان ان کے قریب آیا تو منالی نے وہ فون اسے دے دیا۔ پھر بڑی ادا سے بولی۔

''اب وہ تمہیں جالندھر ہی میں تلاش کرتے رہیں گے' کیونکہ تمہارا فون ادھر ہی رہے گا۔ رابطے ختم' چندی گڑھ سے نئے رابطے ہوں گے۔''

''ٹرین جائے گی کب.....؟'' جسپال نے رعب حسن سے مغلوب ہوتے ہوئے کہا۔

''ابھی کچھ دیر میں.....آؤ.....'' اس نے جسپال کا ہاتھ پکڑا تو اسے لگا جیسے کسی نے ریشم کے گالے نے اُسے چھوا ہے' وہ اس کے ساتھ چل پڑا۔ سامنے پلیٹ فارم پر لوگ گاڑی کی آمد کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ کچھ ہی دیر بعد ٹرین پلیٹ فارم پر آن رُکی۔ وہ ایک ڈبے میں سوار ہو گئے۔ وہ اے سی کمپارٹ تھا۔ اس نے جسپال کو سامنے بیٹھنے کو کہا اور خود اس کے سامنے بیٹھ گئی۔ چند منٹ بعد ٹرین نے وسل دی تو جسپال کو احساس ہوا' تبھی اس نے پوچھا۔

''کیا ہم دونوں ہی ہیں.....؟''

''کچھ لوگ ہیں ہمارے ساتھ.....فکر نہیں کرو' پرسکون ہو جاؤ۔'' لفظ اس کے منہ ہی میں تھے کہ دو نوجوان ان کے پاس آئے' ان کے پاس کچھ سامان تھا۔ وہ انہوں نے رکھا اور واپس پلٹ گئے۔

''کچھ کھاؤ پیو گے جسپال؟''

''ہاں۔'' اس نے سر ہلاتے ہوئے کہا تو منالی اسی سامان کی طرف اٹھ گئی' ٹرین چل پڑی تھی۔

❀

دوپہر ہو چکی تھی۔ پیرزادہ وقاص کی طرف سے کافی سے زیادہ بندے آ گئے تھے۔ ان میں سے چند واپس چلے گئے تھے۔ وہ اپنے ساتھ اس بوڑھے اور دونوں لڑکیوں کو بھی لے گئے تھے۔ میں نے وہاں ڈیرے کے فون سے شاہ زیب سے رابطہ کرنے کی بہت کوشش کی' لیکن اس نے وہ فون ہی نہیں اٹھایا جو ڈیرے کے نمبروں سے آ رہا تھا۔ اس سے مجھے یہ یقین ہو گیا کہ شاہ زیب کو ڈیرے پر قبضے کے بارے میں علم ہو چکا ہے۔ وہیں ڈیرے پر کافی مال ڈنگر بندھے ہوئے تھے۔ میں نے وہ سارے کھول دیئے' اس کا مطلب تھا کہ وہ جس کے بھی ہاتھ لگتے' چار دن ان کا فائدہ ضرور لیتے' اگر واپس کا مطالبہ نہ کیا گیا تو وہ مویشی انہی کے ہو جانے تھے۔ میں نے چاچے بیرو سے بکرے ذبح کرنے کو کہا تھا' اس لیے دوپہر کے وقت اچھا خاصا کھانا سب لوگوں کے لیے تیار ہو گیا۔ ہم سبھی نے ایک ہال میں کھانا کھایا' پھر میں جانی شوکر اور طلحہ مانڈی' شاہ زیب والے کمرے میں آ کر بیٹھ گئے' باقی سب اپنی اپنی پوزیشن پر بیٹھ گئے' تبھی جانی شوکر نے کہا۔

''جمالے.....! ایک بات کہوں' لیکن اس کا جواب تم بہت سوچ سمجھ کر دینا۔''

''ہاں بولو۔!'' میں نے اس کے لہجے پر چونکتے ہوئے کہا۔

''میرے خیال میں سرداروں کا یہ ڈیرہ ہمارے لیے محفوظ نہیں ہے' تمہارا کیا خیال ہے' اس میں شاہ زیب کی بے عزتی نہیں ہے کہ ہم اس کے ڈیرے پر قبضہ کر کے بیٹھے ہیں۔''

''بالکل! بڑی عزتی ہے' علاقے میں تو شور مچ گیا ہوا ہے کہ جمالے نے سرداروں کو دبا کر رکھ دیا ہے۔ آج اس نے ڈیرے پر قبضہ کر لیا ہے' کل وہ حویلی پر قبضہ کر لے گا۔'' طلحہ مانڈی نے دیدے پھیرتے ہوئے کہا تو میں نے جانی کی طرف دیکھ کر کہا۔

''تو کہنا کیا چاہتا ہے؟''

''شاہ زیب چاہے سامنے نہ آئے' لیکن وہ اپنے بندوں کی مدد سے اور پولیس کی مدد سے ڈیرے پر سے قبضہ ضرور واپس لے گا۔ آج نہیں کل' ہم زیادہ دیر تک اس پر قبضہ نہیں جما سکتے۔ اور پھر وہ بندے جو یہاں سے بھاگ کر گئے ہیں ان میں پتہ نہیں کون زندہ ہے' کون مر گیا ہے' وہ بھی اپنے ہی گلے پڑیں گے۔ میرے خیال میں ہم جتنی جلدی یہاں سے نکل سکیں' نکل جائیں' کہیں ہم بھی اس چوہے دان میں نہ پھنس جائیں۔''

''بات تو تیری ٹھیک ہے' ہم نکل جاتے ہیں لیکن یہاں سے نکلنے کے بعد جائیں گے کہاں؟'' میں نے اس سے پوچھا۔

''بہتیرے ڈیرے ہیں' ابھی شام ہونے میں آدھا دن پڑا ہے۔ سرداروں کی گاڑیاں ہیں' ان پر انہی کا اسلحہ لادتے ہیں اور کہیں بھی ٹھکانہ بناتے ہیں۔''

''چل ٹھیک ہے۔ پھر تھوڑی دیر کیوں' ابھی نکلتے ہیں۔'' میں نے کہا اور پیرزادہ وقاص کو فون کر کے موجودہ صورت حال کے بارے میں بتایا تو وہ بولا۔

''شام تک اس علاقے میں رہو' میرا مطلب ہے گاؤں اور اس کے اردگرد' شام پڑتے ہی چوہدری شاہنواز کے ڈیرے پر یا سیدھے میرے پاس میران شاہ آ جانا' میں یہ تھوڑا سا وقت وہاں گزارنے کے لیے کیوں کہہ رہا ہوں؟ اس کی وجہ ہے' پورے علاقے میں تیری دھاک بیٹھ گئی ہے' کہ جمال سرداروں کے سامنے کھڑا ہو گیا ہے۔ اور سمجھو کہ آج کے دن سے تم دہشت کی علامت بن گئے ہو۔ شاہ زیب کو احساس ہونا چاہیے کہ تم اسی علاقے میں ہو۔ اس پر خوف طاری رہے اور اپنے

بچاؤ کے لیے بھاگتا پھرے۔''

''میں ساری بات سمجھتا ہوں پیرزادہ' ٹھیک ہے۔اب اسے صرف میرے اشارے پر ناچنا ہوگا'' میں نے کہا اور فون رکھ دیا۔نجانے کیوں مجھے اس کی باتیں اچھی نہیں لگی تھیں۔ایک احساس ہوا کے جیسے وہ اب مجھے صرف اور صرف اپنا مہرہ خیال کر رہا ہے اور مجھے اپنے طور پر چلانے کی کوشش کر رہا ہے' اتنی بات تو میں سمجھتا تھا کہ پورے علاقے میں یہ خبر تو جنگل کی آگ کی مانند پھیل گئی ہوگی میں یہی سوچنے لگا۔

''کیا سوچنے لگے ہو؟'' جانی شوکر نے پوچھا تو میں اپنے خیالات سے باہر آ گیا۔

''کچھ نہیں' چلو اٹھو نکلو.....'' میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔

کچھ دیر بعد ہم سب ڈیرے کے صحن میں آ گئے۔سارا اسلحہ نکال کر ایک فور وہیل گاڑی میں رکھ دیا۔سبھی لوگ باہر آ گئے۔ میں نے چند ہینڈ گرینڈ اپنے پاس رکھ لیے تھے۔چاچا بیرو یہ سب دیکھ رہا تھا۔تبھی میں نے اس سے کہا۔

''چاچا..... باہر آ جا۔''

وہ چپ چاپ باہر آ گیا اور پھر اس کچے راستے پر چل دیا جو پکی سڑک پر جاتا تھا۔جو حویلی کے سامنے سے ہو کر قصبے کو جاتی تھی۔جس کے دوسری طرف ہمارا گاؤں نور نگر تھا۔میں نے انتہائی تیزی کے ساتھ مختلف کمروں میں ہینڈ گرینڈ پھینکنا شروع کر دیئے۔اس وقت میں ڈیوڑھی میں تھا جب پہلا گرینڈ پھٹا۔میں بھاگ کر جیپ میں سوار ہوا تھا۔باقی لوگ دور نکل گئے تھے۔میرے بیٹھتے ہی جیپ چل دی۔تبھی یکے بعد دیگرے وہاں دھماکے ہونے لگے۔سڑک پر جا کر میں نے ایک نگاہ ڈیرے پر ڈالی تو وہ کھنڈر بن چکا تھا' اور کئی کمروں سے آگ کے شعلے بھڑک رہے تھے۔مجھے یہ اچھی طرح معلوم تھا کہ ان دھماکوں کی آواز گاؤں میں ضرور سنی گئی ہوگی۔ہم سڑک پر رُکے تو میں نے طلحہ مانڈی کو اپنے پاس بلا کر کہا۔

''اب تم جاؤ واپس.....''

''کیا اب ہماری ضرورت نہیں رہی؟'' وہ حیرت سے بولا۔

''میرے خیال میں نہیں.....پیرزادہ کو میرا شکریہ کہنا اور بتانا کہ جلد ہی میں اسے ملنے کے لیے آؤں گا۔آج رات کے بعد کسی وقت.....'' میں نے اس سے کہا۔

''جیسے تیری مرضی جمالے.....مگر ابھی خطرہ ٹلا تو نہیں ہے۔'' طلحہ مانڈی بولا۔

''اب میرے لیے ہر وقت خطرہ ہی خطرہ ہے۔کب تک سہارے تلاش کروں گا۔'' میں نے کہا تو اس نے چند لمحے میری طرف دیکھا اور پھر پلٹ کر اپنے لوگوں کے پاس چلا گیا۔کچھ دیر بعد وہ اپنے ساتھیوں کو لے کر سڑک کی مخالف سمت چل دیا۔جانی شوکر اپنی بائیک پر تھا' وہ آگے چل پڑا۔میں جیپ لے کر اس کے پیچھے چلا۔کچھ ہی دیر بعد ہم سڑک پر چلتے ہوئے وہاں آ گئے جہاں حویلی کو راستہ مڑتا تھا۔وہاں گیٹ پر خاصی ہلچل تھی' مگر وہ لوگ خاصے دور تھے۔ظاہر ہے ان میں شاہ زیب نہیں تھا۔میں آگے بڑھ گیا۔میرا رُخ اب گاؤں کی طرف تھا' جانی شوکر پہلے ہی گاؤں میں مڑ چکا تھا۔

میں نے جاتے ہی چھاکے کے گھر کے آگے گاڑی روکی۔وہ واپس آ چکا تھا۔مجھے دیکھتے ہی میرے ساتھ آ کر گاڑی میں بیٹھ گیا۔

''یہ جیپ تو سرداروں کی ہے۔یہ دھماکے تو نے ہی کیے ہیں نا۔'' اس نے تصدیق کرنے والے انداز میں پوچھا تو میں نے اس کے چہرے پر دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہاں.....! ان کا ڈیرہ جلا دیا میں نے۔''

''اب حویلی.....؟'' اس کی آنکھوں میں چمک بڑھ گئی۔تبھی میں نے پوچھا۔

''دیکھتے ہیں' پر تو مجھے اماں اور سوہنی کے بارے میں بتا۔''

''یہاں سے چل۔دلبر کے ڈیرے پر۔''

''پیچھے دیکھو۔اسے بھی سنبھالنا ہے۔'' میں نے اس کی توجہ اسلحہ کی طرف دلائی تو وہ دیکھ کر بولا۔

''اس کو سنبھال لیتے ہیں تو اُدھر چل۔''

میں نے جیپ ادھر بڑھا دی' تب وہ مجھے بتانے لگا۔

''ہم رات کے آخری پہر لاہور پہنچ گئے تھے۔وہ اپنی اس کوٹھی میں نہیں گئی' جہاں پہلے رہتی تھی' بلکہ ماڈل ٹاؤن میں چلی گئی ہے۔جہاں پہلے ہی کوئی ماضی کی فلمی اداکارہ رہتی ہے۔اس نے مجھے وہاں کا سارا پتہ ٹھکانہ سمجھایا ہے' اپنا نمبر دیا ہے جس سے اب رابطہ ہو سکتا ہے۔میرے خیال میں وہ وہاں پر محفوظ ہے۔''

''تو کہتا ہے تو میں یقین کر لیتا ہوں۔'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ بھی ہنس دیا۔ہم اس خوشگوار موڈ میں دلبر کے کنویں پر جا پہنچے۔جہاں معمول کے مطابق کافی سارے لوگ بیٹھے تاش کھیل رہے تھے۔مجھے دیکھتے ہی وہ نعرے مار کر اٹھ بیٹھے۔انہوں نے تاش ایک طرف پھینک دی تھی۔وہ خوشی کا اظہار اس لیے کر رہے تھے کہ میں نے شاہ زیب کو دن میں تارے دکھا دیئے اور اسے ناچنے پر مجبور کر دیا۔وہ میرا گھر تو جلا بیٹھا اب بزدلوں کی طرح اپنا علاقہ اور حویلی چھوڑ کر بھاگا ہوا ہے۔

فتح ہمیشہ وقتی ہوتی ہے' اس کا دورانیہ چاہے جتنا طویل ہو' کیونکہ اس میں ہمیشہ شکست کا خطرہ موجود رہتا ہے۔تاہم جدوجہد میں نہ صرف لذت ہے بلکہ اس میں کوئی نہ کوئی مقصد شامل ہوتا ہے۔اس مقصد کو حاصل کرنے کی جستجو میں انسان کامیابیاں حاصل کرتا ہے۔یوں فتح اور کامیابی میں بڑا فرق ہوتا ہے۔اس وقت وہ لوگ میری فتح اور جرات مندی کی باتیں کر رہے تھے لیکن میں محسوس کر رہا تھا کہ یہ سب فضول ہے۔میرا مقصد سردار شاہ دین کو ختم کرنا تھا۔وہ کر دیا لیکن اس کے بعد میں جو کچھ بھی کر رہا تھا' یہ مجھے کسی اور ہی راستے پر لیے جا رہا تھا۔کچھ دن بعد تک جب میں پولیس کے ہاتھ نہیں آؤں گا تو مجھے اشتہاری قرار دے دیا جائے گا اور پھر اپنی آخری سانس تک میں خود کو بچاتے گزار دوں گا۔اشتہاری کی موت کبھی اچھی نہیں ہوتی۔یہ میں اچھی طرح جانتا تھا۔ڈیرے' جاگیردار اور یہ سردار یہی تو کرتے ہیں' جو بندہ بھی علاقے میں سر اٹھاتا ہے' اسے اپنی چھتر چھاؤں میں لے کر اشتہاری بنا دیتے ہیں۔یہ کوئی مثبت رویہ نہیں' لیکن اس منفی رویے سے ان کی حاکمیت' قائم رہتی ہے۔اب میں بھی اپنی جان بچانے اور شاہ زیب کو مارنے کی فکر میں تھا' پھر اس کے بعد ایک طویل جنگ تھی جو کسی نہ کسی کے ساتھ لڑتے رہنا تھا۔

''کیا سوچ رہے ہو؟'' چھاکے نے پوچھا۔

''یہی کہ اب شاہ زیب تک کیسے پہنچا جائے؟''

''اس کا پتہ بھی چل جائے گا۔فی الحال اپنا کوئی ٹھکانہ تو بنائیں۔'' میں نے کہا۔

''چند دن تو یونہی گزارنا پڑیں گے۔جتنے دن تک دوبارہ گھر نہیں بن جاتا' اتنے دن تو شاہ زیب کو تلاش کرنے میں بھی لگ جائیں گے۔'' چھاکے نے مجھے سمجھایا تو میں نے کہا۔

''اچھا یار! کوئی بندہ بھیدے کے گھر جائے' میں اپنے پرانے کپڑے اسے دیتا رہا ہوں۔کوئی جائے اور کوئی صاف جوڑا تو لے آئے۔''

میرے کہتے ہی ایک نوجوان سالٹر کا اٹھا اور بائیک پر سوار ہو کر گاؤں کی طرف چلا گیا۔اس کے بعد وہاں خیال آرائی ہونے لگی کہ شاہ زیب کہاں ہو سکتا ہے۔اس کے ساتھ ساتھ ان سب کا یہی خیال تھا کہ جب تک شاہ زیب والا معاملہ حل

نہیں ہو جاتا' کہیں مستقل ٹھکانہ نہ رکھا جائے' بلکہ جہاں تک ممکن ہو سکے کسی کو ٹھکانے کے بارے میں علم ہی نہ ہو اور پھر اتنی بھیڑ بھی اپنے ساتھ نہ رکھے' وہ سب پورے خلوص سے مشورہ دے رہے تھے اور میں نے سوچ لیا تھا کہ مجھے کیا کرنا ہے' میں نے یہی سوچا کہ میں رات کے وقت اپنے نور نگر کے علاقے میں رہوں گا اور دن کے وقت کسی جگہ چھپ کے وقت گزاروں گا۔ مجھے صرف شاہ زیب کو ختم کرنا تھا۔ تب تک میرا نور نگر میں کوئی کام نہیں تھا۔ سو میں نہا دھو کر قصبے کی طرف نکل جانے کا ارادہ رکھتا تھا تا کہ وہ رات سہیل کے پاس گزاروں۔

میں نے وہیں ڈیرے پر نہا کر کپڑے بدلے اور تر و تازہ ہو گیا۔ اس وقت میں وہاں سے اٹھنے کے لیے پر تول رہا تھا کہ دور سے مجھے ایک موٹر سائیکل والا نوجوان آتا دکھائی دیا۔ اس کے پیچھے ہمارے گاؤں کا ایک بزرگ تھا جنہیں ہم نے پنچائیت کا رکن بنایا ہوا تھا۔ وہ تیزی سے ہمارے قریب آتے چلے جا رہے تھے۔ میرے سمیت وہاں پر موجود ہر شخص کے ذہن میں یہ سوال تھا کہ یہ یہاں کیوں آ رہے ہیں۔ کچھ دیر بعد انہوں نے ڈیرے پر موٹر سائیکل روکی اور وہ بزرگ ہمارے درمیان آ کر چارپائی پر بیٹھ گیا۔ اس نے مجھے اپنے سامنے بٹھا لیا تو سبھی ہمہ تن گوش ہو گئے۔

''دیکھ پتر جمال! ہم جانتے ہیں کہ شاہ زیب نے خواہ مخواہ تم سے دشمنی بنائی ہے۔ اس کی وجہ کچھ بھی رہی ہو لیکن یہ حقیقت ہے کہ اس میں تمہارا نقصان ہوا اور تم دن بدن جرم کی راہ پر چلتے چلے جا رہے تھے۔ اس کے بعد ہو گا، کیا تم اشتہاری بن جاؤ گے اور تم موت کے خوف سے پہلے ہی مر جاؤ گے۔''

''لیکن اب میں کروں بھی کیا؟ میں اپنے آپ کو بھی نہ بچاؤں' میری ماں کدھر ہے؟ اس کا جواب ہے آپ کے پاس؟ اب میرے یا شاہ زیب کے درمیان دشمنی چل پڑی ہے' ہم میں سے کوئی ایک ختم ہو گا تو اس کا انجام ہو گا ورنہ نہیں۔''

''اس کی درمیانی راہ بھی نکل سکتی ہے۔ یہ دشمنی کسی کے ختم ہوئے بغیر بھی ختم ہو سکتی ہے۔'' بزرگ نے پورے خلوص سے کہا۔

''کیسے؟'' میں نے پوچھا۔

''بیٹا مجھے غلط مت سمجھنا' میں تمہیں ایک مشورہ دینے جا رہا ہوں' اس پر خوب سوچ لینا' پھر بات کرنا' میں نہیں کہتا کہ تم شاہ زیب سے معافی مانگ لو' بلکہ شاہ زیب نے اپنے باپ کے قتل کا الزام اگر تم پر لگایا ہے تو اس کا سامنا کرو' تم نے اگر یہ گناہ نہیں کیا تو پھر نہیں کیا' یہ ثابت کر دو۔''

''بابا.....! آپ پرانی باتیں کر رہے ہیں' میں جس رات حوالات میں تھا' اس رات شاہ زیب کے لوگوں نے میرے گھر کو جلایا' میں نے تو اس نیت سے خود کو پولیس کے حوالے کیا تھا' مگر وہاں کیا ہوا؟ میری گرفتاری تک نہیں ڈالی گئی' اور اگلے دن مجھے ماورائے عدالت ہی قتل کرنے کی سازش بنائی گئی تھی۔ انہوں نے یہ طے کر لیا کہ مجھے جان سے مارنا ہے تو پھر یونہی سہی۔ جن لوگوں نے میرے گھر کو جلایا تھا' ان سے تو میں نے بدلہ لے لیا۔ اب بس شاہ زیب باقی ہے۔''

''ڈیرے پر جو تم نے گولی چلائی ہے نا' اس میں دو بندے مر گئے ہیں' یہ قتل تمہارے سر ہو گئے ہیں۔ سردار شاہ دین کے قتل میں جو ہم سمجھتے ہیں کہ تم پر الزام ہے' اس سے تو بچ جاتے لیکن اب ان میں تم پولیس کو مطلوب ہو گئے ہو اور دن بدن تم اس دلدل میں پھنستے چلے جاؤ گے۔''

''اب پھر کیا ہو سکتا ہے؟'' میں نے اس بزرگ کا عندیہ معلوم کرنا چاہا۔ جواب ... نے نہیں بتایا تھا۔

''دیکھو! تم خود کو پولیس کے حوالے کر دو' تم قانونی جنگ لڑو' میں نہیں چاہتا کہ تم پولیس کے ہاتھوں کسی مقابلے میں مارے جاؤ' کیونکہ اس وقت پولیس نے پورے نور نگر کو گھیرا ہوا ہے' پولیس کو اسی وقت اطلاع ہو گئی تھی جب تم نے ڈیرے پر قبضہ کیا تھا۔ انہیں معلوم ہے کہ تم اس علاقے میں ہو' نہ جانے انہیں یہ بھی معلوم ہو کہ تم اس ڈیرے پر موجود ہو۔ وہ گھیرا

تنگ کریں گے' تم نکلنا چاہو گے اور وہ جو شاہ زیب چاہتا ہے' وہ ہو جائے گا۔''

''اور اگر جمالا یہاں سے نکل جائے تو.....'' چھاکے نے کافی حد تک غصے میں کہا۔

''نکل گیا تو نکل گیا' کیا پھر خطرہ ٹل جائے گا۔ رسک ہے نا میرا پتر' جمالے کے ساتھ ان سب میں سے کسی کی جان بھی جا سکتی ہے۔'' بزرگ نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''بابا.....! تو ہمیں ڈرانے آیا ہے یا پولیس کو پیغام لے کر' تیرا مقصد کیا ہے؟'' چھاکے نے پوچھا۔

''دوپہر سے پولیس گاؤں میں ہے' اردگرد کے علاقے کے کچھ معززین بھی وہیں موجود ہیں۔ آج یا کل جو بھی ہوا اس کی پورے علاقے کو خبر ہو چکی ہے' پہلے جو کچھ ہوا' وہ کیا تھا اس بارے میں ہم نہیں جانتے' لیکن اس بار اگر تو گرفتاری دے دیتا ہے تو یہ گرفتاری یونہی نہیں ہو گی' بہت کچھ طے کر کے یہ گرفتاری دی جائے گی۔ شاہ زیب کا گند، اب ہمی نے سمیٹنا ہے۔''

''مطلب' جمال جائے اور پولیس کو گرفتاری دے دے.....'' چھاکے نے چونکتے ہوئے کہا۔

''اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے' ورنہ خواہ مخواہ میں خون خرابہ ہو گا اور اس کا حاصل کچھ بھی نہیں ہے۔'' بزرگ نے متانت سے کہا۔

''وہ کیا طے کریں گے۔'' میں نے پوچھا۔

''یہ تو بتا دے۔ پھر بیٹھ کر اچھا ہی کریں گے۔ اب اس علاقے میں مزید خون ریزی برداشت نہیں ہو سکتی۔'' بزرگ نے سکون سے کہا۔

''ٹھیک ہے' میں سوچ کر بتاتا ہوں۔'' میں نے کہا تو وہ بزرگ اٹھ کھڑا ہوا۔

''ہم سب چوک میں بیٹھے ہوئے ہیں اور ایک گھنٹے تک تیرا انتظار کریں گے آ جاؤ تو ٹھیک' نہ آئے تو پھر ہمارے ہاتھ میں کچھ نہیں رہے گا۔''

''میں مشورہ کرتا ہوں۔'' میں نے کہا تو وہ چلا گیا کچھ دیر تک ہر بندہ اپنی اپنی بولی بولنے لگا۔ ان سب کا خیال تھا کہ مجھے گرفتاری نہیں دینی چاہیے' اشتہاری ہوتا ہے تو ہو جائے' کیا شاہ زیب پھر اپنی خباثت نہیں دکھائے گا؟

''دکھائے گا' کیوں نہیں دکھائے گا' جمالے کی موت ہی اب اسے اس علاقے میں لے کر آئے گی' اب نجانے کہاں بیٹھ کر وہ پولس کو مہرے کے طور پر استعمال کر رہا ہے۔'' میں نے ان کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا۔

''تو بس پھر ٹھیک ہے' تو نکل یہاں سے' پولیس کو ہم الجھا لیتے ہیں۔ پورے علاقے میں ناچتی رہ جائے گی۔''

''لیکن' یہ بھی تو سوچو کیا ہم علاقے کی مخالفت لے لیں گے۔ ایک شاہ زیب کی مخالفت ہے' اب دقت ہے کہ اگر علاقے کے معززین کی ہم بات مانتے ہیں تو کم از کم وہ ہماری پشت پر ہوں گے' ہماری محبت میں نہ سہی' شاہ زیب کی مخالفت ہی میں سہی' اگر ہم نے انہیں بھی ناراض کر لیا تو ہمارا اس علاقے میں رہنا مشکل ہو جائے گا۔ میرا خیال ہے ایک بار علاقے والوں کی مان کر دیکھ لیں۔'' میں نے سب کی طرف دیکھ کر کہا۔

''تو گرفتاری دے دے گا۔'' ایک نے پوچھا۔

''وہ تو ہے' ورنہ پولیس والی ذہنی اذیت تو چلتی ہی رہے گی' وہاں جاتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ وہ کیا کرتے ہیں۔ اب تو میری مرضی ہے نا کہ وہ میری گرفتاری لیتے ہیں یا نہیں۔ لاشوں کو تو ہتھکڑی پہنانے سے رہے۔'' میں نے دور تک سوچتے ہوئے کہا۔

''تم ٹھیک کہتے ہو جمالے۔'' چھاکے نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''تو چلو پھر چلتے ہیں۔''

''نہیں' تم سب لوگ ادھر رہو گے' میں جاتا ہوں اکیلا' اگر میں گرفتار ہو گیا تو تھانے میں ملنے آ جانا' ورنہ شام تک میری قبر کا بندوبست کر لینا۔'' میں نے کہا اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ میں ان سب کے گلے ملا' بائیک لی اور گاؤں کی جانب چل پڑا۔

سچائی اور مردانگی میں حقیقت سے انکار نہیں کیا جاتا' چاہے نتیجہ کچھ بھی ہو۔ سازش کرنے والے وقتی کامیابی تو لے سکتے ہیں لیکن ان کے لیے دائمی شرمندگی اور شکست مقدر بن جاتی ہے' مرد وہی ہوتا ہے جو حقیقت کا سامنا کرے' سازشوں سے وقتی کامیابی لینے والے اپنے آپ کو مرد کہلانے کے حق دار نہیں۔ میں نے ایک لمحے میں فیصلہ کر لیا تھا کہ میں راہ فرار اختیار نہیں کروں گا' بلکہ حقیقت کا سامنا کروں گا۔ یہ حقیقت تھی کہ میں نے سردار شاہ دین کا قتل کیا۔ اس کے لیے میں نے خود کو پولیس کے حوالے بھی کر دیا تھا۔ میں نے خون کا بدلہ خون لے لیا تھا جو کبھی انہوں نے میرے باپ کو مارا تھا اور اپنی طاقت کے بل بوتے پر خود کو اس قتل سے مبرا قرار دلوا لیا۔ آج یہی کچھ میں ان کے ساتھ کر رہا تھا' وہ طاقت کے بل بوتے پر آج بھی مجھے گھیر رہے تھے اور میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ انہی کے ہتھیاروں سے انہی کو مات دوں گا۔ میں کب تک بھاگتا؟

گاؤں کے چوراہے میں برگد کے درخت تلے لوگوں کا رش لگا ہوا تھا۔ بہت سارے پولیس والے اور گاؤں کے عام لوگوں کے علاوہ چارپائیوں پر علاقے کے معززین بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک چارپائی پر وہی ڈی ایس پی موجود تھا جو مجھے گرفتار کر کے لے گیا تھا۔ گاؤں کے بزرگ اور پیرزادہ وقاص بھی وہیں موجود تھا۔ میں نے سب کو سلام کیا اور ایک طرف پڑی خالی چارپائی پر بیٹھ گیا۔ میری آمد پر جو ہلچل مچی تھی' اس پر سکوت طاری ہو گیا تھا۔ تبھی پولیس انسپکٹر اٹھا اور اس نے اونچی آواز میں سب گاؤں والوں کو اور پولیس والوں کو وہاں سے ہٹ جانے کا کہا' جلد ہی چند لوگ وہاں رہ گئے تو ایک بزرگ معزز آدمی نے کہا۔

''ڈی ایس پی صاحب' جمال آ گیا' میں سمجھتا ہوں کہ یہ اس کی سچائی کا پہلا ثبوت ہے ورنہ اگر یہ مجرم ہوتا تو اب تک بھاگ گیا ہوتا۔''

''میں مانتا ہوں چوہدری صاحب! اس نے جو کچھ بھی کیا ردعمل کے طور پر کیا۔ شاہ زیب نے اس پر الزام لگایا لیکن ایک بھی ثبوت نہیں دیا۔ میں نے اس لیے اس کی گرفتاری نہیں ڈالی تھی کہ میں سمجھتا تھا کہ اسے خواہ مخواہ پھنسایا جا رہا ہے۔ اس نے کسی دوسرے آپشن پر بات ہی نہیں کی تھی۔ اب شاہ زیب لاہور میں ہے اور وہاں سے اعلیٰ حکام کے ساتھ مل کر ہم پر دباؤ ڈلوا رہا ہے کہ ہم اسے گرفتار کریں۔ اب یہ ہماری مجبوری ہے' جمال اگر ہمارے ساتھ چلتا ہے تو ہم اس کے ساتھ پورا تعاون کریں گے۔''

''یہ نہ ہو کہ اب بھی آپ اس کی گرفتاری نہ ڈالیں اور جس طرح شک تھا کہ.....'' ایک معزز نے کہا تو ڈی ایس پی فوراً بول اٹھا۔

''نہ.....نہ.....اس بار قانون کے مطابق سب کچھ ہو گا۔ اب تک شاہ زیب نے کوئی ثبوت نہیں دیا کہ یہ الزام اس نے کیوں لگایا۔ یہ بالکل اسی طرح ہی ہے جیسے کوئی بندہ اٹھ کر یہ کہہ دے کہ شاہ زیب نے خود اپنے باپ کو قتل کیا' میں کہہ رہا ہوں نا کہ آپ سب اور جمال ہمارے ساتھ تعاون کرے گا تو ہم بھی پوری طرح تعاون کریں گے اور مجھے یقین ہے کہ ہم اس کا ریمانڈ نہیں لے پائیں گے' بلکہ اس کی ضمانت ہو جائے گی۔ یہ میرا وعدہ رہا کہ قانونی طور پر میں جمال کو اپنی صفائی کا پورا پورا موقع فراہم کروں گا۔''

''اب یہی طے ہے نا کہ جمال پر صرف اور صرف سردار شاہ دین کے قتل کا الزام ہے' اور باقی جو کچھ ہوا.....؟'' بزرگ نے پوچھا۔

''ڈیرے پر جو کچھ ہوا' اس کی اطلاع ہے ہمیں' لیکن وہاں پر ان اشتہاریوں نے تین لوگوں کو اغواء کر کے رکھا ہوا تھا۔

باقی میں اور جمال ساری بات خود طے کر لیں گے۔'' ڈی ایس پی نے شاید عوامی طور پر یہ بات کہنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ وہ میری طرف دیکھنے لگا تھا۔

''ٹھیک ہے' میں گرفتاری دیتا ہوں۔'' یہ کہتے ہوئے میں نے پیرزادہ وقاص کی طرف دیکھا' وہ ہلکے سے مسکرا دیا تھا۔ میں نے اٹھ کر اپنے بازو پھیلا دیئے' ایک کانسٹیبل نے میری کلائیوں میں ہتھکڑی ڈال دی' پھر میری تلاشی دی' کوئی قابل اعتراض شے نہ پا کر وہ مطمئن ہو گئے' میں خود چلتا ہوا کچھ فاصلے پر کھڑی گاڑی میں جا بیٹھا۔

اس وقت شام کا اندھیرا پھیل گیا تھا جب مجھے تھانے میں لا کر حوالات میں بند کر دیا گیا۔ وہاں تین اور لوگ تھے جو میرے لیے اجنبی تھے' اس بار میں باقاعدہ گرفتار ہو کر حوالات میں بند تھا۔ میں اب اس پورے قانونی عمل سے گزرنا چاہتا تھا' اب جو ہونا تھا وہ ہو کر رہتا' اور میں اس کے لیے پورے طور پر تیار تھا۔

❀

شام کے سائے پھیل کر اندھیرا چھا گیا تھا۔ جب چندی گڑھ ریلوے اسٹیشن پر ٹرین رکی۔ جسپال اور منالی دونوں کے پاس سامان نہیں تھا' وہ ان کے ساتھ والے نوجوان لے گئے تھے۔ اس لیے وہ دونوں ایک ساتھ اٹھ کر بوگی سے باہر آ گئے' اگرچہ جالندھر سے چندی گڑھ تک دونوں نے خوب باتیں کی تھیں۔ ایک دوسرے کے ساتھ خاصا جھوٹ سچ بول کر تکلف کی دیوار گرا دی تھی۔ وہ رعب حسن جو منالی کو دیکھ کر جسپال کو طاری ہو گیا تھا اب وہ کافی حد تک کم ہو چکا تھا۔ وہ اس سے ایک قدم آگے تھی۔ اسٹیشن پر اترنے سے پہلے اس نے اپنا پہناوا بھی بدل لیا تھا۔ اس وقت وہ جالندھر والی منالی لگ ہی نہیں رہی تھی۔ ٹائیٹس کے جیسی نیلی جین اور تنگ سی شرٹ' پنسل ہیل' کھلے گیسو میں وہ بھرپور لڑکی دکھائی دے رہی تھی' جس میں بلا کی کشش ہو' جسپال نے فوراً ہی اس سے نگاہیں ہٹا لیں اور چندی گڑھ کے جدید اسٹیشن کو دیکھنے لگا' اس کی عمارت کو جدید طرز پر بنایا گیا تھا اور نیلے رنگ کو کافی حد تک بولڈ رکھا ہوا تھا۔ پلیٹ فارم سے نکلتے ہوئے وہ دونوں شانہ بہ شانہ چلتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ وہ اسٹیشن سے باہر آ گئے' جسپال کافی حد تک محتاط تھا' مگر اسے کہیں بھی کوئی ایسا شخص دکھائی نہیں دیا جو اس کی طرف متوجہ ہو۔ منالی جیسے ہی ایک جگہ کھڑی ہوئی' اسی لمحے ایک مہنگی کار اس کے پاس آن رکی' جس کا دروازہ منالی نے خود کھولا اور جسپال کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ اس کے بیٹھتے ہی وہ خود بیٹھی اور کار چل دی۔ کچھ دور جانے کے بعد جسپال نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔

''بھارت کے دوسرے شہروں سے زیادہ یہ شہر جدید دکھائی دے رہا ہے۔''

''نیا بنا ہے نا..... بنایا ہی جدید انداز میں ہے' اس کا تاثر یہ دیا گیا ہے جیسے کوئی فارن کا شہر ہو' تم دیکھ لو گے اس کا یہ تاثر ہے کہ نہیں۔'' منالی نے عام سے انداز میں تبصرہ کرتے ہوئے کہا' وہ بھی بڑبڑاتے ہوئے بولا۔

''ہاں تھوڑا تاثر تو اس کا مختلف ہے۔''

''یہ میرا شہر ہے جسپال' میں اس شہر کو خوب سمجھتی ہوں' ابھی کچھ دیر بعد دیکھو گے یہاں بڑے بڑے شاپنگ مالز ہیں۔ یہاں کے امیر ترین علاقوں میں سے ایک علاقہ سیکٹر سترہ ہے' جو یہاں کا مشہور ترین سیکٹر ہے، اس میں وہ شاپنگ مال ہے جو تمہاری منزل ہے' یعنی جسبیر سنگھ کا شاپنگ مال۔'' منالی نے سرگوشی کے سے انداز میں کہا۔

''آج تم مجھے ہی جالندھر سے لینے گئی تھی۔'' اس نے ایک دم سے موضوع بدل دیا۔

''نہیں' جالندھر جا کر معلوم ہوا' مجھے آج صبح وہاں بلایا گیا تھا اور پھر تمہارا ٹاسک میرے ذمے لگا دیا جو کل دوپہر سے پہلے ہو جائے گا۔''

اس کے یوں کہنے پر جسپال سمجھ گیا کہ ڈرائیور اس کے اعتماد کا ہے' سو اس کے تنے ہوئے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے۔ ٹرین

میں انہوں نے بہت باتیں کر لی تھیں' سوان کے درمیان خاموشی رہی' منالی اپنے طور پر سوچتی رہی اور وہ شہر کو دیکھتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ ایک پوش علاقے میں جا پہنچے۔ وہ بڑا صاف ستھرا علاقہ تھا۔ ایک بنگلہ نما کوٹھی کے سامنے کار رکی ہی تھی کہ گیٹ کھل گیا۔ وہ کار سمیت اندر چلے گئے۔ وہ ڈرائنگ روم میں گیا تو اسے لگا جیسے وہ کسی بورپی ملک کے گھر میں آ گیا ہو۔ منالی اسے سیدھا کمرے میں لے گئی۔

''یہاں آرام کرو' میں ابھی آتی ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ پلٹ گئی۔ اس وقت وہ فریش ہو چکا تھا جب منالی دوبارہ کمرے میں آئی' وہ پہلے سے زیادہ فریش دکھائی دے رہی تھی۔

''جسپال! آؤ چلیں۔ کھانا بھی باہر سے کھائیں گے اور تمہارے لیے تھوڑی شاپنگ بھی کر لیں۔''

''میرے لیے شاپنگ کرنی ہے تم نے؟'' اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''اپنا لباس دیکھو' میلا ہو رہا ہے' اور پھر جسپر کے شاپنگ مالز سے کوئی سوٹ خریدنا تو اور بھی اچھا ہے نا۔'' اس نے معنی خیز انداز میں کہا تو وہ اس کے ساتھ چل پڑا۔ منالی کی متانت اس کے حسن میں اضافہ کا باعث بن رہی تھی۔ پورچ میں ڈرائیور کار لیے موجود تھا۔ وہ دونوں پچھلی سیٹ پر بیٹھے تو گاڑی چل پڑی۔

وہ ایک بڑا شاپنگ مال تھا۔ پارکنگ میں کار کھڑی ہوئی تو وہ دونوں پیدل ہی چل پڑے۔ اندر ایک جہان آباد تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے سارا چندی گڑھ یہیں شاپنگ کرنے آ گیا ہے۔ وہ سب سے پہلے گارمنٹس کی طرف گئے' جہاں سے جسپال نے اپنے لیے کافی کچھ خریدا' پھر ایک سیل فون شاپ پر جا کر نیا سیل فون لیا' تبھی جسپال نے منالی سے پوچھا۔

''اس کا کنکشن.....؟''

''ہے میرے پاس' جو کہیں بھی رجسٹر نہیں ہے۔ ایسے کنکشن رکھنے پڑتے ہیں۔'' اس نے سرگوشی کے سے انداز میں کہا۔

''او کے.....!'' جسپال نے معنی خیز انداز میں کہا تو وہ دکان سے ہٹ کر بولی۔

''جسپر انداز' صبح نو بجے کے بعد یہاں آتا ہے' یہاں اوپر پہلی منزل پر اس کا آفس ہے' ابھی چلتے ہیں اور آفس دیکھ آتے ہیں' تم بھی یہ ساری لوکیشن دیکھ لو' پھر بیٹھ کر ڈسکس کرتے ہیں کہ کیا کرنا ہے۔''

''او کے۔'' جسپال نے مطمئن ہوتے ہوئے کہا اور یوں ہو گیا جیسے وہ وہاں تفریح کی غرض سے آیا ہو۔ وہ دونوں وہاں پر تقریباً دو گھنٹے تک رہے' اس درمیان انہوں نے وہیں سے فاسٹ فوڈ لیا۔ وہیں کھا کر وہ واپس گھر آ گئے۔

وہ دونوں بیڈ پر آمنے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے درمیان ایک کاغذ رکھا ہوا تھا۔ جس پر منالی لکیریں کھینچ کر اسے سمجھا رہی تھی۔

''یہ پارکنگ ہے لیکن جسپر کی گاڑی یہاں سے ہٹ کر کھڑی ہوتی ہے یہاں پر۔'' اس نے کاغذ پر ایک جگہ پنسل رکھتے ہوئے کہا۔ ''پھر وہ اس گیٹ سے اندر جاتا ہے' اس دوران اس کے ساتھ تقریباً چار گارڈ ہوتے ہیں۔ ان میں سے دو نیچے رہ جاتے ہیں اور دو اس کے ساتھ لفٹ میں سوار ہو کر اوپر جاتے ہیں۔ یہ لفٹ لابی میں کھلتی ہے' جو تم نے دیکھی' سامنے اس کا آفس ہے' دو گارڈ یہاں رُک جاتے ہیں۔ یہ اس کے ساتھ والا کمرہ ہے' جہاں اس کا ماتحت عملہ ہوتا ہے۔ جسپر دن کے ایک بجے تک یہاں رہتا ہے' اور پھر اس طرح واپس ہو کر اپنے گھر چلا جاتا ہے۔''

''منالی..... یہاں شاپنگ مال کی بجائے اس کا گھر.....'' جسپال نے کہا تو وہ تیزی سے بولی۔

''نہیں.....! وہ جس علاقے میں رہتا ہے' وہاں سیکیورٹی کا بہت زبردست بندوبست ہے۔ ایک تو وہ علاقہ سیکیورٹی کے حوالے سے بہت مضبوط ہے' دوسرا ادھر حکومتی عمارتیں ہیں' سیکرٹریٹ ہے' اس تک وہاں پہنچنا اگرچہ ناممکن نہیں ہے لیکن ادھر پلاننگ بہت لمبی کرنا ہوگی' یہ شاپنگ مال والا آسان ہے یہاں سب سے اہم بات یہ ہے کہ نکلنا بہت آسان ہے' جدھر

مرضی نکل جاؤ۔''

''ہاں.....! یہ تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔'' اس نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''سو.....! یہ تین پوائنٹ ہیں' نمبر ایک پارکنگ سے گیٹ تک' نمبر ۲ لابی میں لفٹ سے نکلتے ہی اور تیسرا اس کے آفس میں' ان تینوں میں سے کوئی ایک پوائنٹ دیکھو' کیونکہ یہ سب تم نے کرنا ہے' میں پھر اسی مناسبت سے نکلنے کا بندوبست کروں۔''

منالی نے کہا تو اس نے ایک دو لمحے سوچا اور پھر حتمی انداز میں کہا۔

''لابی میں ٹھیک رہے گا۔''

''اس کی وجہ.....؟'' منالی نے پوچھا۔

''نیچے مزاحمت زیادہ ہوگی' وہ چاروں گارڈ ہی نہیں' کھلی جگہ ہونے کے باعث لوگ زیادہ متوجہ ہو جائیں گے' پھر نکلنا مشکل ہو جائے گا' کیونکہ آفٹر آل یہاں بندے زیادہ چاہئے ہوں گے' رش ویسے ہی نگاہوں میں آ جائے گا۔''

''ٹھیک ہے' اور لابی کیوں؟'' اس نے پوچھا۔

''وہاں اتنا زیادہ رسک نہیں ہے۔ دو طرف سے نکلنے کے لیے راستہ ہے' اور وہاں پر زیادہ لوگوں کی مدد کی ضرورت بھی نہیں ہوگی' میں اکیلا ہی بہت ہوں۔ میں نے اگر جسپر کو مار دیا تو کسی طرف سے بھی نکل جاؤں گا۔ اور اگر میں مارا گیا تو آپ سب لوگ محفوظ رہیں گے۔''

''یہ تمہارا حتمی فیصلہ ہے۔'' منالی نے جسپال کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا۔

''بالکل.....!''

''او کے.....! اب سکون سے سو جاؤ' اگر تمہیں نیند آ گئی تو ٹھیک اور نہ آئے تو مجھے کال کر لینا' میں آج رات تمہارے ساتھ اسی کمرے میں رہتی' لیکن مجھے کام کرنے ہیں کچھ.....'' یہ کہتے ہوئے وہ اٹھ گئی۔

''او کے گڈ نائٹ۔'' جسپال نے کہا اور بیڈ پر سیدھا ہو گیا۔

اس وقت صبح کے آثار نمودار ہو گئے تھے' جب جسپال کی آنکھ کھلی' وہ عادت کے مطابق کھڑکی میں جا کھڑا ہوا' اور لمبی لمبی سانسیں لینے لگا۔ وہ اپنے ذہن میں پوری پلاننگ کر چکا تھا' وہ مطمئن تھا۔ اس نے اپنے ذہن میں سب کچھ دہرایا اور تیار ہونے کے لیے باتھ روم میں گھس گیا۔ اس وقت وہ تیار ہو کر ایک صوفے پر بیٹھا ٹی وی دیکھ رہا تھا' جب منالی اندر آئی' اس کے چہرے پر حد درجہ ملاحت اور خوشگواریت تھی۔ اس نے ویسی ہی نیلی جین' چیک دار شرٹ اور جاگر پہنے ہوئے تھے' اس نے بالوں کی پونی باندھی ہوئی تھی' اس کے چہرے پر شاندار مسکراہٹ تھی۔

''اچھی لگ رہی ہو۔'' جسپال نے اسے دیکھ کر بے ساختہ کہا۔

''اور تم بھی بہت ہینڈسم لگ رہے ہو۔ آؤ ناشتہ کریں۔'' اس نے کہا تو جسپال نے ٹی وی بند کیا' پھر اس کے ساتھ باہر چل دیا۔ وہ دونوں چلتے ہوئے ڈرائنگ روم میں آ گئے' جہاں میز پر ناشتہ لگا ہوا تھا۔ ناشتے کی میز پر وہ دونوں ہی تھے۔ پرسکون ماحول میں ہلکی پھلکی گپ شپ میں انہوں نے ناشتہ ختم کیا۔

''دیکھو نو بجنے میں تقریباً ایک گھنٹہ پڑا ہے' اب ہمیں نکلنا چاہیے۔''

''تو پھر چلو۔'' جسپال نے اٹھتے ہوئے کہا۔

تقریباً بیس منٹ بعد وہ جسپر کے شاپنگ مال پہنچ گئے۔ گاڑی پارکنگ میں لگاتے ہی منالی نے کہا۔

''میں نے یہاں فیلڈنگ لگا دی ہے' وہ سامنے دیکھو' سبز اور پیلے رنگ کی ٹوپی پہنے ایک نوجوان لڑکا' وہ اپنا آدمی ہے'

وقار عظیم
پاکستانی پوائنٹ ڈاٹ کام

جس کے بھی ایسی کیپ ہوگی' وہ ہمارا بندہ ہے' ضروری نہیں کہ باہر نکلتے وقت تم پارکنگ میں آؤ' وہ سامنے سڑک کے پار درخت کے ساتھ گاڑی کھڑی ہے' اس تک جانا وہ تمہیں پہچانتے ہیں بے دھڑک اس گاڑی میں بیٹھ جانا' اب ہم اندر چلتے ہیں' اندر جا کر ہمارے راستے الگ ہو جائیں گے' میں صرف تمہیں کور دوں گی۔''

''ساری پلاننگ تم نے کرلی' مگر میرے پاس یا تمہارے پاس اسلحہ نام کی کوئی شے نہیں' فائر کس سے ہوگا؟'' جسپال نے مسکراتے ہوئے پوچھا' تو منالی ہنستے ہوئے بولی۔

''یہ سیکورٹی گیٹ پار کرو' بتاتی ہوں۔''

وہ دونوں سیکورٹی گیٹ کے قریب پہنچ گئے' ارد گرد محتاط گارڈ کھڑے تھے' وہ سکون سے گزر گئے۔

''ہاں بولو.....!'' اس نے پوچھا۔

''اگر اسلحہ لے کر آتے تو یہیں پکڑے جاتے' اب وہ دیکھو سامنے اسنیکس کی دکان ہے' وہاں تک چلو' وہاں سب کچھ مل جائے گا۔'' منالی نے کہا اور لچکتی ہوئی اس کے ساتھ یوں چل دی جیسے اسے دنیا کی پرواہ ہی نہیں ہے۔ وہ دونوں وہیں ایک طرف جا بیٹھے۔ چند لمحے بعد ان کے لیے آرڈر لینے ایک لڑکی آ گئی۔ منالی نے اسے آرڈر دیا' اسی دوران ایک لڑکا تیزی سے چلتا ہوا آیا اور ان کی قریب آ کر پھسل گیا۔ وہ شاپنگ مال کا ملازم تھا' گرتے گرتے وہ جسپال سے ٹکرا گیا تھا۔ تبھی جسپال کو محسوس ہوا کہ کوئی بھاری سی چیز اس کی گود میں آن پڑی ہے' لڑکا شرمندہ سا ہو کر اٹھ گیا' اور آگے چلا گیا۔ جسپال نے ٹٹول کر محسوس کیا' اس میں پسٹل تھا۔

''آ گیا.....'' جسپال نے دیکھے بغیر منالی سے کہا۔

''دو پسٹل ہوں گے' اب اٹھ اور واش روم کی طرف چلو' وہیں جا کر چھپاتے ہیں۔'' منالی نے کہا اور اٹھ گئی۔ وہاں جا کر تنہائی کے لیے انہیں چند منٹ لگے۔ جسپال نے تیزی سے پسٹل نکالے' ایک منالی کو دیا دوسرا خود کوٹ کی جیب میں ڈال لیا۔ دو فاضل میگزین تھے جو ایک منالی کو دے دیا۔ جب وہ واش روم سے باہر نکلے تو واپس سیدھے اس اسنیکس کی دکان پر گئے' ان کا آرڈر آ چکا تھا۔ انہوں نے وہ کھانا شروع کر دیا۔ نو بج چکے تھے' منالی نے اپنا فون میز پر رکھ لیا تھا' اچانک اس کا فون بجا تو منالی تیزی سے بولی۔

''جسپال.....جسبیر آ گیا ہے' اسے لابی تک تقریباً پانچ منٹ لگیں گے' تم پہنچو۔''

جسپال کو جیسے کرنٹ لگ گیا' وہ تیزی سے اٹھا اور پھر لمبے لمبے ڈگ بھرتا سیڑھیوں والی لفٹ کی جانب بڑھا' ایک منٹ میں وہ دوسری منزل پر تھا' وہ پرسکون انداز میں لابی کی طرف بڑھنے لگا' راہداری میں کوئی بھی نہیں تھا۔ وہ آگے بڑھتا چلا گیا۔ جس وقت وہ لابی میں پہنچا' اس نے پسٹل پر اپنی گرفت مضبوط کر لی تھی۔ وہاں کوئی نہیں تھا' عملے والے کمرے میں چند لوگ تھے' مگر وہ سکون سے کام میں مصروف تھے۔ اب کسی بھی لمحے لفٹ کا دروازہ کھلنے والا تھا اور وہ اس کے سامنے ہوتا۔ وہ سائیڈ میں دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا تھا' لفٹ رکی' دروازہ کھلا اور جسبیر آگے اور اس کے گارڈ پیچھے پیچھے باہر آ گئے' جسپال نے پہلے ایک گارڈ کے سر پر' پھر دوسرے گارڈ کا نشانہ لیا۔ دونوں ہی ڈکارتے ہوئے ڈھیر ہو گئے' حواس باختہ آنکھوں میں حیرت لیے پھٹی پھٹی نگاہوں سے وہ جسپال کو دیکھ رہا تھا' اس نے بمشکل کہا۔

''ک.....کک.....کون ہو تم.....؟''

جسپال نے جواب نہیں دیا' بلکہ اس کے ماتھے پر پسٹل رکھ کر فائر کر دیا۔ یقیناً جسبیر کے بچنے کی امید نہیں تھی۔ لیکن جاتے جاتے اس نے ایک اور فائر کر دیا۔ جسپال جس راہداری سے آیا تھا' اس کی مخالف سمت راہداری میں بھاگ کھڑا ہوا۔ راہداری سے نکلتے ہی وہ نارمل ہو گیا اور سیڑھیوں کی لفٹ کی جانب بڑھا۔ تب تک سارے شاپنگ مال میں ہل چل مچ چکی

تھی۔ اس نے ایک دم سے نیچے جانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ وہ سیدھا بڑھا اور باہر والی دیوار میں لگا شیشہ توڑ دیا۔ وہ زمین سے تقریباً بارہ سے چودہ فٹ کے فاصلے پر تھا۔ وہ شیشے کی دیوار میں سے باہر نکلا اور پھر اس دیوار کے ساتھ لپکتا ہوا نیچے اترنے لگا۔ جس وقت اس کے پاؤں زمین پر لگے اوپر سے فائر ہوا' وہ تیز رفتاری سے بھاگا۔ نجانے کہاں سے دو لڑکے نکل کر آئے وہ اوپر کی طرف فائر کرنے لگے۔ ایک دم سے گولیاں برسنے لگی تھیں۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ شاپنگ مال سے سڑک کی طرف بھاگ رہے تھے۔ تقریباً دو منٹ میں وہ درخت کے نیچے کھڑی گاڑی تک پہنچ گئے۔ گاڑی اسٹارٹ تھی' ان کے بیٹھتے ہی گاڑی چل دی۔ وہ سیکٹر سترہ سے نکل پڑے تھے۔ تقریباً دس منٹ کے وقفے میں وہ مارکیٹ پہنچ گئے۔ انہوں نے وہاں گاڑی کھڑی کی' وہ فائر کرنے والے لڑکے اتر کر ایک طرف چل دیئے' جسپال اور ڈرائیور ایک دوسری گاڑی میں بیٹھے اور چل پڑے۔ اس بار ڈرائیور کا انداز بہت پرسکون تھا۔

''اب کدھر نکلنا ہے؟'' جسپال نے اضطراری انداز میں پوچھا۔

''فی الحال ہم سپرہائی وے پر جائیں گے تب تک میڈم کا فون آ جائے گا۔'' ڈرائیور نے کہا اور پوری توجہ سڑک پر لگا دی۔ تبھی اچانک انہیں سڑک پر پولیس کی گاڑیاں تیزی سے جاتی ہوئی دکھائی دیں۔ جسپال چونک گیا کہ شہر میں ہلچل مچ گئی ہے۔ اس دوران منالی کا فون آ گیا۔

''جسپال! اگرچہ ہم نے مقصد تو حاصل کر لیا ہے' مگر یہ ہماری غلط فہمی تھی کہ وہ لوگ محتاط نہیں ہوں گے۔''

''کیا ہوا؟'' وہ چونکا۔

''میں ابھی تک شاپنگ سینٹر میں پھنسی ہوئی ہوں۔ یہ تم نے اچھا کیا کہ دیوار توڑ کر نکلے' ورنہ دھر لیا جانا تھا۔ اب پولیس پورے شہر میں ناکہ بندی کر چکی ہوگی۔''

''ہوا کیا؟'' اس نے تیزی سے پوچھا۔

''مجھے لگ رہا ہے کہ جیسے وہ لوگ تمہاری یہاں آمد کے بارے میں جانتے تھے۔ جالندھر اسٹیشن پر رابطہ نہیں کٹا' ہم نگاہوں میں تھے۔'' منالی نے کہا۔

''پھر تیرے لیے تو بہت مشکل ہو جائے گی۔ میں واپس آ رہا ہوں۔''

''ہرگز نہیں' بلکہ فون ڈرائیور کو دو۔'' اس نے تیزی سے کہا' میں نے فون اسے دے دیا۔ وہ چند منٹ سنتا رہا' پھر فون بند کر کے جسپال کو دے دیا۔

''میڈم کہہ رہی ہے کہ جس قدر جلدی اس شہر سے نکل سکتا ہوں' نکل جاؤں' جیسے جیسے وقت گزرے گا یہاں سے نکلنا مشکل ہی نہیں ناممکن ہو جائے گا۔''

''تو پھر.....؟'' اس نے پوچھا۔

''دیکھتے ہیں کدھر نکلتے ہیں؟'' یہ کہہ کر اس نے گاڑی کی رفتار آہستہ کر دی اور پھر ایک ذیلی سڑک پر ڈال لی جہاں سے کچھ آگے جا کر بسوں کا ایک اسٹاپ تھا' ڈرائیور نے گاڑی وہاں آگے روکی اور جسپال کو اشارہ کر کے نیچے اتر آیا۔ دونوں پیدل چلتے ہوئے واپس اسٹاپ پر آ گئے۔

''چندی گڑھ سے اپنی سواری میں نکلنا بہت مشکل ہو جائے گا۔ ہر جگہ اپنی شناخت دینا پڑے گی۔ یہاں بس میں بیٹھ کر شہر سے نکلتے ہیں۔''

''او کے!'' جسپال نے سمجھتے ہوئے کہا اور اسٹاپ پر آ کر کھڑا ہو گیا۔ چند لمحوں بعد اس نے ڈرائیور سے پوچھا۔ ''تیرا نام کیا ہے؟''

''اپنی دنیا کے لوگوں کا کیا نام ہوگا' آپ جو مرضی پکار لو۔'' وہ ہنستے ہوئے بولا۔

''پھر بھی یار' اب ہمارا ساتھ تو ہے نا.....''

''رانا چرن، نام ہے میرا' اب آپ جو چاہو بلا لو۔ اس نے کھسیانی ہنسی ہنستے ہوئے کہا۔ حالانکہ اس میں شرمندگی والی کوئی بات نہیں تھی۔

انہیں وہاں کھڑے ہوئے چند منٹ ہوئے تھے کہ ایک طرف سے چند لوگ آ کر کھڑے ہو گئے۔ ان میں عورتیں بھی تھیں اور مرد بھی' تقریباً دس منٹ میں وہاں سات آٹھ سواریاں ہو گئیں۔ تبھی چندی گڑھ کی طرف سے بس آتی ہوئی دکھائی دی۔ وہ لوکل بس تھی اور جب وہ ان کے قریب آ کر رکی تو رانا چرن نے تیزی سے کہا۔

''یہ بس سیمر تک جائے گی' قریب ہی شہر ہے چھوٹا سا۔''

''یہ تو تمہیں معلوم ہے کہ کدھر جانا ہے۔'' جسپال نے الجھتے ہوئے کہا تو اسی تیزی سے بولا۔

''سیمر راجھستان میں ہے' وہاں پہنچتے ہی ادھر کی پولیس سے چھٹکارا مل جائے گا۔ بس وہاں پہنچنے کی دیر ہے۔ جلدی بیٹھیں۔'' یہ کہتے ہوئے وہ بالکل آخر میں سوار ہونے والی سواری کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔ وہ دونوں بس میں سوار ہو گئے' جس میں پہلے ہی سے بہت رش تھا۔ جسپال کو لگا جیسے وہ کہیں پنجرے میں پھنس گیا ہے' لیکن پولیس سے بچنے کے لیے یہ جائے پناہ اچھی تھی۔ اسے بیٹھنے کے لیے کہیں سیٹ دکھائی نہ دی تو وہ سکون سے کھڑا ہو گیا۔ وہ بیٹھ کر ہی منالی کو پیغام بھیج سکتا تھا۔

حوالات کی سلاخوں کے پیچھے رات جیسے تیسے گزر گئی۔ میرے ساتھ جو تین بندے تھے' وہ ایک دن پہلے تک ایک دوسرے سے اجنبی تھے' شام تک وہ بھی یوں ہو گئے تھے جیسے برسوں سے یارانہ ہو۔ تقریباً دو گھنٹے بعد میں ان کے ساتھ گھل مل گیا۔ انہیں تاش کھیلنے کے لیے چوتھے بندے کی ضرورت تھی' وہ میری صورت میں ان کے پاس آ گیا تھا۔ حوالات کے مدقوق پیلے بلب کی روشنی میں رات گئے تک تاش کی بازیاں چلتی رہیں۔ پھر پتہ نہیں کب سوئے تھے کیونکہ صبح جب آنکھ کھلی تو روشنی ہر جانب پھیل چکی تھی۔ تھانے کا گیٹ کھلا تو بھیدہ میرے لیے ناشتہ لیے کھڑا تھا۔ اس کے پیچھے ہی سہیل تھا' میرے ساتھی حوالتیوں نے جب تک کھانا کھایا' تب تک میں نے بھی ناشتہ کیا پھر بھیدے سمیت سہیل سے بھی باتیں کرتا رہا۔ بھیدہ سہیل کی وجہ سے پہلے جھجکتا رہا تھا' پھر جب وہ پہچان گیا کہ وہ بھی جگری دوست ہے تو اس نے مجھے چھاکے کا پیغام دیا۔

''وہ ناچھاکے نے ایک اڑتی اڑتی خبر سنی ہے' وہ تمہیں بتانا تھی۔'' اس نے آہستگی سے کہا۔

''کیا ہے خبر؟'' میں نے تجسس سے پوچھا۔

''ڈی ایس پی سے معاہدہ تو یہی ہوا ہے نا کہ آج تم عدالت میں پیش ہو گے تو تمہاری ضمانت ہو جائے گی' پیرزادہ وقاص تمہاری ضمانت دے گا' ریمانڈ نہیں ہوگا۔''

''ہے تو ایسی ہی.....'' میں نے کہا۔

''لیکن راتوں رات ڈی ایس پی تبدیل ہو گیا ہے۔ نیا جو ہے وہ شاہ زیب کے ہاتھ کا بندہ ہے' اس سے کوئی توقع نہیں رکھی جا سکتی کہ وہ کیا کرے۔'' بھیدے نے تو مجھے چونکا دیا۔

''اگر ایسا ہو گیا تو معاملہ بہت خراب ہو جائے گا۔ یہ جو نیا ڈی ایس پی آیا ہے' اور شاہ زیب کے ہاتھ کا بندہ ہے۔ اسے ایویں ہی راتوں رات تبدیل نہیں کروایا گیا۔ اب اتنی کوشش کر کے جو اسے یہاں لگوایا ہے تو۔۔۔'' میں نے تشویش زدہ لہجے میں کہا تو سہیل نے سوچتے ہوئے کہا۔

''اب یہ دیکھ لو' شاہ زیب نے بڑے وقت پر پتہ کھیلا ہے۔ پہلے وہ ریمانڈ کے چکر میں تمہیں ادھ موا کریں گے' پتہ نہیں

کیا کیا جرم تیرے گلے میں ڈالیں گے' اس کا اندازہ تمہیں اس وقت ہو جائے گا' جب تم جج کے سامنے پیش ہو گے' بس دو چار گھنٹے ہی ہیں' ابھی سب پتہ چل جائے گا۔''

''مطلب پیرزادہ وقاص کوشش کرے گا' لیکن یہ کوشش پوری نہیں ہوگی۔'' میں نے سوچتے ہوئے کہا' پھر دھیرے سے ہنستے ہوئے کہا۔ ''اب کیا کیا جائے' قسمت ہی میں ایسا ہے تو پھر ایسا ہی سہی' برداشت کریں گے جو ہوگا دیکھا جائے گا۔''

''تو فکر نہ کر' میں تم سے پہلے عدالت میں ہوں گا' دیکھتے ہیں کیا ہوتا ہے۔'' سہیل نے مجھے تسلی دی' جو بہر حال دل کو تسلی دینے والی بات تھی۔ اصل معاملہ تو تب کھلنا تھا جب میں جج کے سامنے پیش ہوتا۔ ابھی تک تو قیاس آرائیاں ہی تھیں۔ کچھ دیر بعد وہ دونوں برتن لے کر واپس چلے گئے میں آئندہ کے بارے میں سوچنے لگا کہ اب کیا ہوگا؟

تقریباً سات بجے کے قریب قیدیوں کو لے جانے والی گاڑی تھانے کے اندر آ گئی۔ ہم چاروں ہی تھے۔ ہمارے ساتھ پانچ کانسٹیبل اور انسپکٹر منیر باجوہ اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ گاڑی چل پڑی اور میں ذہنی طور پر تیار ہو گیا کہ مجھے واپس پلٹ کر اسی حوالات میں آنا ہے' میں قصبے کی حوالات میں تھا اور نزدیک ترین شہر' جس میں سیشن جج بیٹھتا تھا وہ تقریباً پچاس کلومیٹر کے فاصلے پر تھا۔ جس سڑک پر ہم نے سفر کرنا تھا' اس کے دائیں طرف سرسبز و شاداب کھیت تھے اور بائیں جانب ریلوے ٹریک' جس کے آگے جنوب تک چولستان کا وسیع و عریض علاقہ تھا۔ موسم خاصا گرم ہو چکا تھا۔ قصبے سے نکلتے ہی ایک حوالاتی نے کان پر ہاتھ رکھ کر ماہیا گانا شروع کر دیا۔ جس سے میں ان سوچوں سے باہر نکل آیا کہ مجھ پر کیا کیا الزامات لگائے جائیں گے جس کی وجہ سے میری ضمانت نہیں ہو پائے گی۔ ویسے بھی یہ خام خیالی ہی تھی کہ قتل کے ملزم کو فوراً ضمانت پر نہیں چھوڑا جا سکتا تھا۔ وہ ماہیا گاتا رہا اور دوسرے اس سے محظوظ ہوتے رہے لیکن میں اپنی ہی سوچوں کی بھول بھلیوں میں کھویا رہا۔ مجھے تھانے اور کچہری کی دشوار گزار اور تھکا دینے والی راہوں سے گزرنا ہوگا۔ میں دراصل ان سے نہیں گھبراتا تھا' میں صرف ان سازشوں سے ڈرتا تھا کہ پتہ نہیں کب اور کس وقت ماورائے عدالت میرے لیے کوئی حکم جاری ہو جائے۔ اصل میں ہمارے ملک کا جو تفتیشی نظام ہے یا پھر جو سزا و جزا کے لیے فیصلے کیے جاتے ہیں' ان میں اس قدر لچک ہے کہ سیاہ کو سفید اور سفید کو سیاہ کیا جا سکتا ہے۔ سفید چمڑی والے جو نظام چھوڑ کر گئے تھے' کالے انگریزوں نے اس کو اب تک مسلط رکھا ہوا ہے' جس میں انسانی تذلیل زیادہ ہے۔ انہی سوچوں میں الجھتے ڈوبتے ہم ضلعی عدالت میں جا پہنچے۔ ہمیں کوالوالی میں رکھا گیا۔ ہم اس انتظار میں تھے کہ ہمیں آواز پڑے اور ہم جج کے سامنے پیش ہوں۔ نیا ڈی ایس پی اب تک سامنے نہیں آیا تھا۔ اور اسے آنے کی ضرورت بھی نہیں تھی' منیر باجوہ ہی کافی تھا کچھ دیر بعد وہ گھوم کر میرے سر پر آن کھڑا ہوا' کچھ دیر میری طرف دیکھتا رہا' پھر طنزیہ لہجے میں بولا۔

''بہت مان تھا نا تجھے خود پر' دیکھ یہاں عدالت میں تیرے لیے کوئی بھی نہیں آیا' بڑا پیرزادہ پیرزادہ کرتا تھا' وہ اب نہیں آئے گا۔''

''چلو نہیں آتا تو نہ آئے' وہ کون سا میرے مامے کا پتر ہے۔'' میں نے تنک کر کہا۔

''وہ تیرے مامے کا پتر بن بھی نہیں سکتا' کہاں راجہ بھوج اور کہاں گنگو تیلی' جاگیرداروں کے یار جاگیردار ہی ہوتے ہیں۔ رات اس نے شاہ زیب سے سودے بازی کر لی ہے' تجھے اس نے ایک مہرے کے طور پر استعمال کر کے پھینک دیا۔'' اس نے طنزیہ انداز میں کہتے ہوئے نفرت سے سر کو جھٹکا۔

''چل میں تو مہرہ کی طرح استعمال ہو گیا' تو ان کی خدمت داری نوکروں کی طرح کر رہا ہے یا وفاداری.....'' میں نے کہنا چاہا تو وہ میری بات کو سمجھ کر ٹوکتے ہوئے بولا۔

''بکواس نہ کراوئے' میں افضل رندھاوا نہیں' جو تیرے ساتھ یاری نبھاتے ہوئے معطل ہو کر بیٹھا ہے، میں منیر باجوہ

ہوں' جانتا ہوں کس بندے کو کس طرح انگلی پر نچایا جاتا ہے۔''

''جب تک تیرا ڈی ایس پی نہیں بدلا تھا' اس وقت تک تُو کس کی انگلیوں پر ناچ رہا تھا؟'' اس بار میں نے طنزیہ انداز میں کہا۔

''اوئے بات سن اوئے' میں نے تھانیدار ہی رہنا ہے' شاہ زیب نے ایم این اے بن جانا ہے اور پیرزادے کا معاہدہ ہوا ہے کہ وہ ایم پی اے بنے گا لیکن تیرے جیسے حوالات میں ریمانڈ پر مار کھاتے ہیں اور پھر جیلوں میں سڑتے ہیں۔ تو ضمانت کے خواب نہ دیکھ' کم از کم چودہ دن کا ریمانڈ میں نے لینا ہے' اور تیری ساری اکڑ نکالنی ہے۔ یہ خواہش میں بڑے دنوں سے اپنے دل میں لیے پھرتا ہوں۔''

''یار! تو نے جو کرنا ہے کر لینا' عورتوں کی طرح دھمکیاں کیوں دے رہا ہے۔ ویسے کتنے قتل ڈالنے کو کہا ہے شاہ زیب نے اور اس کے لیے کتنی رقم دی ہے؟'' میں نے اسے چڑانے کے لیے کہہ دیا۔

''یہ تو تجھے جج صاحب کے سامنے جا کر معلوم ہوگا نا' کیا ہوتا ہے تیرے ساتھ اور پھر چودہ دن تو میرے ہاتھوں میں ہے۔'' اس نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ میں اس کی طرف دیکھ کر مسکرا دیا۔ نجانے کیوں اس وقت مجھے انسانی نفسیات بڑی عجیب سی لگی' بزدل' گھٹیا اور منافق انسان ہمیشہ اس وقت کھلتا ہے جب سامنے والا انسان اسے بے بس دکھائی دے۔ میں جو خود کو اس قانونی عمل سے گزارنے کے لیے خود کو پیش کر چکا تھا' اور میرے ذہن کے کسی کونے میں یہ بھی تھا کہ اگر سردار شاہ دین کا قتل مجھ پر ثابت بھی ہو جاتا ہے تو میں جیل بھگتنے کے لیے تیار تھا۔ میں اتنا تو جانتا تھا کہ پھانسی تک لے جانے والے ثبوت ان کے پاس نہیں ہوں گے' لیکن ابھی کچھ بھی نہیں ہوا تھا اور منیر باجوہ اپنے دل کی ناجائز خواہش مجھے بتا رہا تھا۔ ایک بار تو میرے دل میں اٹھی کہ یہاں سے بھاگ جاؤں' میں نے اپنے طور پر جائزہ لے لیا تھا کہ چاہے میں ہتھکڑی میں ہوں ان کے چنگل سے نکل کر بھاگ سکتا ہوں۔ مگر یہ جلد بازی تھی' میں دیکھنا چاہتا تھا کہ یہ مجھے کس طرح پھنسانے کی کوشش کرتے ہیں۔

دوپہر سے ذرا پہلے ہمیں آواز پڑی تو منیر باجوہ مجھے ہتھکڑی سمیت عدالت میں لے گیا۔ میں حیران تھا اور کسی حد تک مجھے افسوس بھی ہو رہا تھا کہ پیرزادہ وقاص وعدہ کرنے کے باوجود بھی عدالت نہیں آیا تھا۔ چلو وہ نہ آتا تو کم از کم اس کا کوئی وکیل ہی ہوتا۔ تھوڑی بہت کوشش تو ہوتی' مگر ایسا کچھ بھی نہیں ہوا تھا۔ میں اکیلا تھا' نور نگر کے یا اس علاقے میں سے کوئی بندہ وہاں موجود نہیں تھا جن لوگوں نے معاہدے کے ساتھ میری گرفتاری دلوائی تھی۔ میں سمجھ گیا کہ اب میری قسمت مجھے کہاں لیے جا رہی ہے' سو میں نے اپنے آپ کو قسمت اور حالات کے دھارے پر چھوڑ دیا۔

میں جب عدالت سے باہر آیا تو اس وقت میں انتہائی خطرناک مجرم تھا۔ مجھ پر سردار شاہ دین کے قتل سے لے کر کئی دوسرے قتل بھی کرنے کا الزام تھا۔ شاہ زیب نے بڑی اچھی پلاننگ کی تھی۔ ایسے وقت پر پیرزادہ وقاص سے سمجھوتہ کر لیا تھا جب مجھے گرفتار کر لیا گیا۔ اس دوران جو ثبوت پیش کیے گئے وہ سبھی ''ریڈی میڈ'' تھے۔ ضمانت تو اب کیا ہونی تھی' اب تو مقدمہ ہی چلنا تھا۔ نجانے کب تک حوالات مقدر میں تھی اور پھر جیل کی زندگی' پھانسی ہوتی یا عمر قید، جو بھی تھا، اس فیصلہ کے انتظار میں کتنا وقت بیت جانا تھا۔ اس دوران رہائی کی امید تو کی جا سکتی تھی لیکن نصیب میں رہائی کے لیے مجھے جنگ لڑنا تھی۔ میں سمجھ رہا تھا کہ اب یہ پیسے اور تعلقات کا کھیل ہے۔ مہنگا وکیل اور ریڈی میڈ گواہوں کے بل بوتے پر مقدمے کا رخ کہیں سے کہیں کیا جا سکتا تھا۔ کچھ دیر کے لیے مجھ پر مایوسی چھا گئی تھی' لیکن اگلے ہی لمحے نجانے کیوں مجھے اماں کی دعاؤں پر بھروسے کا خیال آ گیا تو میرے اندر ایک دم سے حوصلہ بھر گیا۔ کیا ہوا جو وقتی طور پر منافقین جیت گئے ہیں' مجھے بہر حال ان سے لڑنا ہے اور اس وقت تک لڑنا ہے جب تک میری آخری سانس ہے۔ اس جنگ کی نوعیت کسی قسم کی بھی ہو

اور میدان جنگ کیسا بھی ہو۔ عدالت کی غلام گردشوں سے نکل کر قیدیوں کی گاڑی تک آتے ہوئے مایوسی کا دریا پار کر گیا تھا اور اب میں حوصلے کے میدان میں تھا۔ میرے ساتھ تینوں حوالاتی تھے۔ وہ بھی آ گئے تو ہمیں گاڑی میں سوار کرایا گیا۔ انسپکٹر منیر باجوہ ہمیں اپنی نگرانی میں سوار کرا رہا تھا۔ اس کے چہرے پر طنزیہ مسکراہٹ مجھے بے چین کر رہی تھی۔ جس وقت میں نے گاڑی میں داخل ہونے کے لیے قدم اٹھایا تو اس نے انتہائی حقارت سے کہا۔

''اُوچل جلدی کر بیٹھ' واپس چل کر تیرے اندر سے بدمعاشی کو نکالنا ہے' دیکھتے ہیں تو میری خاطر تواضع کس قدر برداشت کرتا ہے۔''

میں ایک دم سے بھنا گیا۔ مگر اس وقت مجھے خود پر قابو پانا ہی تھا۔ میں سمجھتا تھا کہ وہ گھٹیا لوگ ہوتے ہیں جو کسی کو گھیر کر بڑھکیں مارتے ہیں' میں اس وقت اکیلا تھا' میرے ہاتھوں میں ہتھکڑی تھی اور میں نہتا تھا۔ وہ مجھے غصہ ہی اس لیے دلا رہا تھا کہ میں کچھ ایسا کروں کہ وہ میرے جرائم کی فائل میں ایک نئے ورق کا اضافہ کر دے۔ میں خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔ میں نے خود پر قابو پایا اور گاڑی میں سوار ہو گیا۔ ان تینوں حوالاتیوں کے ملنے والے آئے تھے' وہ انہیں کافی کچھ کھانے پینے کو دے گئے تھے جبکہ میرے لیے کوئی نہیں آیا تھا' انہوں نے مجھے کافی کچھ کھانے پینے کو دیا' میں نے سب طرف سے ذہن کو جھٹک کر کھانے پینے کی طرف توجہ کر دی' جو ہونا ہے وہ تو ہو کر ہی رہنا ہے' بھوکا تو نہ رہا جائے۔ دوپہر کے بعد ہم وہاں سے چل دیئے۔ اچھی خاصی دھوپ تھی اور موسم صاف تھا۔

اس وقت ہمیں سفر کرتے ہوئے تقریباً آدھا گھنٹہ ہو گیا تھا۔ ہم شہر اور قصبے کے درمیان میں تھے' جب ہماری گاڑی آہستہ ہوئی۔ ٹریفک کے دوران ایسا ہوتا ہے کہ کبھی تیز اور کبھی آہستہ ڈرائیونگ کی جاتی ہے' میں یہی سمجھا تھا لیکن ایسا نہیں تھا۔ بلکہ جان بوجھ کر اس کے آگے ایک ایسی گاڑی لائی گئی تھی کہ گاڑی کو آہستہ ہو جانے پر مجبور کیا جائے۔ یہ مجھے بعد میں پتہ چلا تھا۔ تبھی اچانک ایک فائر ہوا اور قیدیوں والی گاڑی کا پچھلا ٹائر برسٹ ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی دوسری طرف کا ٹائر برسٹ ہو گیا۔ گاڑی ہچکولے کھاتی ہوئی رک گئی۔ اس کے ساتھ ہی ایک دم سے شدید فائرنگ ہونے لگی' جو تقریباً آدھے منٹ تک رہی' پھر ایک دم سے خاموشی چھا گئی۔ ان تینوں حوالاتیوں سمیت میں بھی جالی میں سے باہر دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اچانک میری نگاہ جانی شوکر پر پڑی' اگرچہ اس نے چہرے کو کپڑے سے ڈھانپا ہوا تھا لیکن میری نگاہوں سے تو وہ نہیں چھپ سکتا تھا۔ میرے بدن میں بجلی کی لہر دوڑ گئی۔ میں تڑپ کر باہر جانے والے راستے پر آ گیا۔ وہ دس بارہ لوگ تھے اور ان میں سب سے آگے چھاکا کھڑا تھا جو سپاہیوں سے کہہ رہا تھا۔

''ہماری تم لوگوں سے دشمنی نہیں ہے' جو ہتھیار پھینک کر ایک طرف ہو جائے گا' اسے کچھ نہیں کہیں گے' فوراً ہٹ جاؤ۔''

انہوں نے گاڑی کو چاروں طرف سے گھیرا ہوا تھا۔ میں باہر نکلا لیکن میرے ساتھ والے حوالاتی باہر نہیں آئے' وہ وہیں دبکے بیٹھے رہے۔ میں تیزی سے باہر نکلا اور چھاکے کے پاس جا پہنچا' اس نے کوئی بات کیے بغیر پسٹل مجھے دے دیا تو ایک طرح کی قوت میرے اندر بھر گئی۔

''چل نکلتے ہیں۔'' چھاکے نے کہا تو میں نے منیر باجوہ کی طرف دیکھتے ہوئے چھاکے سے کہا۔

''ذرا ٹھہرو' تھوڑا ادھار چکا لوں۔''

''تم نکل جاؤ' میں تمہیں کچھ نہیں کہتا۔'' وہ مجھے اپنی طرف آتے ہوئے دیکھ کر بولا۔

''تو کچھ نہ کہہ لیکن مجھے تو کچھ کہنا ہے۔'' یہ کہتے ہوئے میں نے بولٹ مارا اور اس کی ران پر نال رکھ کر فائر کر دیا۔ وہ دھم سے زمین پر گر گیا۔ میں نے دوسرا فائر اس کی دوسری ران میں کیا تو وہ تڑپنے کی ساتھ اونچی آواز میں چیخنے لگا۔ تب میں اس کے چہرے پر دیکھتے ہوئے کہا ''میں تجھے ماروں گا نہیں کیونکہ' زندہ رہے گا تو دوبارہ ملاقات ہو گی۔''

میں انہیں ویسے ہی چھوڑ کر چھاکے کے ساتھ کار میں آ بیٹھا۔ انہوں نے دو کاریں اور موٹر سائیکل لے کر یہ کارروائی کی تھی۔ ہم نے وہاں زیادہ دیر ٹھہرنا مناسب نہیں سمجھا' بلکہ وہاں سے نکلتے چلے گئے۔

''مجھے رات ہی معلوم ہو گیا تھا ان کی خباثت کا' اس لیے میں نے سوچا کہ جب وہ پوری طرح اپنی خباثت دکھا لیں تو میں ایسا کروں۔'' چھاکے نے مجھے بتایا

''ہم واپسی نور نگر تو نہیں جا سکیں گے۔'' میں نے سوچتے ہوئے کہا۔

''نہیں' تجھے سوہنی کے پاس بھیج دینا ہے' تو چند دن وہاں رہ کر سکون کر' پھر دیکھتے ہیں۔'' چھاکے نے یوں کہا جیسے وہ پہلے ہی سوچ چکا ہو' میں خاموش ہو گیا۔ ہمیں سفر کرتے ہوئے زیادہ سے زیادہ دس منٹ ہوئے ہوں گے کہ اچانک ہم پر فائر ہونا شروع ہو گئے' اس افتاد پر ہم چونک گئے کہ یہ کون ہے' پولیس والے اتنی جلدی ہمارے پیچھے نہیں آ سکتے تھے' میں نے گھوم کر دیکھا' ہمارے پیچھے فور وہیل جیپیں تھیں۔ ایک فور وہیل کی چھت سے سر نکالے ایک بندہ فائر کر رہا تھا۔

''یہ کون ہے؟'' چھاکے نے تذبذب میں کہا۔ اب کس کو کیا معلوم کہ وہ کون ہو سکتا ہے۔ جانی شوکر اگلی گاڑی میں تھا اور موٹر سائیکل اس سے آگے۔ اچانک ہماری کار کا ٹائر برسٹ ہو گیا' اور کار ہچکولے کھانے لگی۔ اس کی رفتار بھی زیادہ تھی۔ ڈرائیور نے بہت مشکل سے اسے قابو میں کیا لیکن پھر بھی وہ ایک کیکر کے درخت میں جا لگی۔ اچانک ہی سب کچھ آناً فاناً ہو گیا۔ خود کو بحفاظت پا کر میں تیزی سے باہر نکلا' تب تک جانی شوکر اور اس کے ساتھی حملہ آوروں کی فائرنگ کا جواب دینے لگ گئے تھے۔ وہ سڑک میدان جنگ بن گئی تھی۔ میری پشت پر ریلوے لائن تھی۔

فور وہیل گاڑیاں وہ پار نہیں کر سکتی تھیں۔ اس لیے میں نے چھلانگ ماری اور ریلوے ٹریک کے دوسری طرف چلا گیا۔ وہاں تپتی ہوئی زمین پر لیٹ کر میں نے چھت سے سر نکالے حملہ آور پر فائر کر دیا۔ گولی اس کے سر میں لگی تھی اور وہ لڑھکتا ہوا گاڑی میں غائب ہو گیا۔ ایسا ہی میں نے پچھلی گاڑی والے کے ساتھ کیا۔ وہ بھی لڑکھڑاتے ہوئے گاڑی کے اندر غائب ہو گیا۔ میں نے دیکھا' چھاکا اور ڈرائیور بھاگ کر جانی شوکر والی گاڑی میں چلے گئے ہیں۔ وہ ایک سمت سے شدید فائرنگ کرنے لگے تو حملہ آور کی طرف سے بھی اس طرح کی شدت ہونے لگی۔ میرے میگزین میں چند گولیاں تھیں' جنہیں میں حکمت عملی ہی سے استعمال کر سکتا تھا۔ میں شست لیے لیٹا ہوا تھا کہ کوئی میری رینج میں آئے۔ میں کسی طرح بھی چھاکے وغیرہ کے پاس نہیں جا سکتا تھا۔ میرے ذہن میں یہی خیال آ رہا تھا کہ کسی نہ کسی طرح اس فائرنگ میں کمی ہو تو پتہ چلے کہ آخر یہ کون لوگ ہیں؟ بلاشبہ ان کا تعلق ہمارے انہی دشمنوں سے تھا جو مجھے گھیر کر مارنا چاہتے تھے اور وہ شاہ زیب کے علاوہ کون ہو سکتا ہے۔ میں نے شست لے کر چار گولیاں اس طرح چلائیں کہ ان کی گاڑیوں کے دو دو ٹائر برسٹ کر دیئے۔ ان کی گاڑیاں ناکارہ ہو گئی تھیں اور وہ وقتی طور پر پیچھا نہیں کر سکتے تھے۔ اچانک میری نگاہ سڑک پر دور سے آتی ہوئی پولیس گاڑیوں پر پڑی' ممکن ہے۔ وہ انہی کی اطلاع پر آئی ہوں یا منیر باجوہ وغیرہ کے' وہ کسی نزدیکی تھانے سے تھیں یا کیا تھا' بہر حال پولیس کی گاڑیاں دندناتی ہوئی آ رہی تھیں۔ غنیمت یہ تھا کہ وہ حملہ آوروں کی سمت کی طرف سے آ رہی تھیں۔ عقل مندی کا تقاضا تو یہی تھا کہ چھاکا لوگ وہاں سے بھاگ جائیں' ورنہ جو لاشیں گرتی سو گرتیں' باقی گرفتار ہو جاتے' اور انہوں نے یہی عقل مندی کی وہ فائرنگ کرنا چھوڑ کر ایک دم سے سرپٹ بھاگ نکلے۔ اب میرا وہاں بیٹھے رہنے کا کوئی جواز نہیں تھا۔ میں جنوب کی طرف نشیب میں اُترا اور تقریباً بھاگتا ہوا نظروں سے اوجھل ہو جانا چاہتا تھا۔ میرے سامنے دور تک ریتلی زمین تھی جس میں جا بجا جھاڑیاں تھیں۔ میں اس پر بھاگتا چلا جا رہا تھا۔ ایک جگہ مجھے جھاڑیوں کا جھنڈ سا دکھائی دیا۔ میں اس میں سستانے اور سانس لینے کے لیے چھپ کر بیٹھ گیا۔ مجھے جب ذرا سا ہوش آیا تو میں نے پلٹ کر دیکھا۔ میں تقریباً کلومیٹر سے زیادہ سفر طے کر آیا تھا اور کچھ لوگ ریلوے ٹریک پر پھر رہے تھے۔ دور دور تک وہاں ریتلی زمین تھی۔

میں چھوٹی بڑی جھاڑیوں کے سوا کچھ نہیں تھا، میں وہاں دبک کر بیٹھا رہا اور ان لوگوں کو دیکھتا رہا'۔ کچھ دیر بعد وہ وہاں دکھائی نہیں دیئے لیکن میں نے رسک نہیں لیا۔ میں یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ میری طرح بھی کہیں چھپے اس تاک میں تو نہیں کہ اگر میں یہاں ہوں تو باہر نکلوں گا۔ مگر شام تک کچھ ایسا نہیں ہوا۔

سورج مغرب کی آغوش میں ڈوبنے کو بے تاب تھا کہ میں وہاں سے نکلا۔ میں بڑے محتاط انداز میں آگے بڑھتا چلا گیا۔ مجھے کسی بستی کی تلاش تھی۔ وہاں سے میں کوئی نہ کوئی مدد لے سکتا تھا۔ پھر میں یہ سوچنے لگا کہ انہیں کیا جھوٹ سچ کہہ کر مطمئن کروں گا کہ وہ میری مدد کرنے کو تیار ہو جائیں۔ مجھے بہر حال کسی بستی کو تلاش کرنا تھا اس لیے چلتا گیا۔ اس وقت میرے حواس قابو میں آنے لگے، جب میں نے کچھ دور ایک بستی کے آثار دیکھے۔ میں تیزی سے اس طرف بڑھ گیا۔

اس وقت اندھیرا چھا چکا تھا' جب میں اس بستی کے قریب پہنچ گیا۔ میں نے دیکھا' گاؤں کے ایک طرف لکڑیاں گاڑ کر اور جھاڑیوں کی مدد سے دائرے کی صورت میں باڑ لگائی ہوئی تھی۔ اس میں گائیں اور کچھ اونٹ بیٹھے ہوئے تھے۔ اس سے ذرا ہٹ کر بستی تھی۔ ان مویشیوں کے پاس کوئی نہ کوئی بندہ ضرور ہو گا' یہی سوچ کر میں اس جانب بڑھ گیا۔ میرے اندازے کے مطابق ایک نوجوان سالڑ کا دھوتی باندھے اوپری جسم سے ننگا تیزی سے مویشیوں کے سامنے چارہ رکھ رہا تھا۔ اس سے ذرا دور ایک دوسرا شخص گائے کا دودھ دوہ رہا تھا۔ میں نے سکون کا سانس لیا۔ تبھی چارہ ڈالنے والے کی نگاہ مجھ پر پڑی تو وہ ٹھٹک کر میری جانب دیکھنے لگا' پھر اونچی آواز میں پوچھا۔

''کون جوان ہے تو.....؟''

''میں ایک مسافر ہوں' کچھ دیر آپ لوگوں کے پاس ٹھہرنا چاہتا ہوں۔'' میں نے تیزی سے کہا۔

''اچھا ٹھیک ہے' آ جاؤ' پر دھیان سے تمہارے راستے میں کتا بندھا ہوا ہے۔'' اس نے کہا' تو میں کتے سے بچ کر آگے بڑھا' وہ کتا بھی کوئی بلا چیز تھا' کافی بڑا منہ تھا اس کا اور اچھا خاصا قد' لیکن یہ بڑی عجیب بات تھی کہ ایک اجنبی کو قریب پا کر وہ ذرا بھی نہیں بھونکا تھا۔ یہی سوال جب میں نے اس نوجوان سے کیا تو وہ بولا۔ ''ابھی بندھا ہوا ہے اور ہم ارد گرد پھر رہے ہیں' اس لیے یہ خاموش ہے۔ کتے بھی نسلی ہوتے ہیں۔ خیر تو آ بیٹھ.....'' اس نے ایک چارپائی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ میں اس پر بیٹھ گیا تو چند منٹ بعد پانی لے کر میرے پاس آ گیا۔ دوسرا آدمی آرام سے دودھ دھوتا رہا۔ میں نے خوب سیر ہو کر پانی پیا تو اس نے مجھ سے پوچھا۔ ''کھانا کھائے گا؟''

''اگر زحمت نہ ہو تو کھلا دو' میں بہر حال آپ سے مدد چاہوں گا کہ کسی نہ کسی طرح مجھے میرے قصبے پہنچا دو۔''

''کون سی جگہ سے ہے تو.....؟'' اس نے سمجھنا چاہا تو میں نے اسے سمجھا دیا۔ تبھی وہ بولا۔ ''وہ تو یہاں سے کافی دور ہے.....''

''چلو آپ مجھے کسی نہ کسی طرح سڑک تک پہنچا دو' جس طرف سے میں آیا ہوں۔'' میں نے التجائیہ انداز میں کہا تو اس وقت وہ بندہ جو دودھ دوہ رہا تھا' اٹھتے ہوئے بولا۔

''یار ابھی تو آیا ہے' ذرا سا سانس لے' کھانا وانا کھا' پھر پہنچا دیتے ہیں۔ اتنی جلدی کیا ہے؟''

''ٹھیک ہے۔'' میں نے پرسکون ہوتے ہوئے کہا۔ میں کافی حد تک تھک چکا تھا لیکن ان کا دوستانہ رویہ دیکھ کر میری ساری تھکن جاتی رہی تھی۔ تبھی مجھے ایک دم سے احساس ہوا کہ میرے پاس پسٹل ہے' کہیں اسی وجہ سے یہ متنفر نہ ہو جائیں۔ تب میں نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔ ''بھائی.....! یہ میرے پاس اکلوتا ہتھیار ہے' چاہو تو آپ اسے اپنے قبضے میں لے سکتے ہو۔'' یہ کہہ کر میں نے پسٹل نکال کر چارپائی پر رکھ دیا۔

''تو اس کا مطلب ہے تو کوئی شریف آدمی نہیں ہے' خیر.....! تو اب اگر ہمارا مہمان بن ہی گیا ہے تو رکھ اسے اپنے پاس

'تیرے لیے روٹی لاتے ہیں تو پھر بات کرتے ہیں۔'' یہ کہہ کر وہ دونوں وہاں سے نکلتے چلے گئے۔ میں حیران تھا کہ انہوں نے اتنی جلدی مجھ پر اعتماد کر لیا تھا۔ مگر میری یہ خام خیالی تھی' اس کا مجھے بہت بعد میں احساس ہوا۔ اس وقت میں اس بات پر حیران تھا اور سیدھا ہو کر چارپائی پر لیٹ گیا مجھے بہت سکون محسوس ہوا۔ اس لیے لیٹتے ہی میری آنکھ لگ گئی۔

میری آنکھ کھلی تو وہ دونوں اپنے ہاتھوں میں چنگیر اور برتن پکڑے کھڑے تھے۔ ایک کے ہاتھ میں پانی تھا' اس نے میرا منہ ہاتھ دھلوایا اور پھر کھانا میرے آگے رکھ دیا۔ میں نے سیر ہو کر کھایا۔ اس دوران وہ مجھ سے پوچھتے رہے کہ میں کون ہوں؟ اور کہاں سے آیا ہوں۔ میں نے انہیں ساری بات سچ بتا دی۔

''دیکھ میرے بھائی.....! جو تو نے کہا ہے اگر یہ سچ ہے تو پھر تُو رات یہیں رہ' صبح میں خود تجھے سڑک پر چھوڑ آؤں گا' لیکن اگر تو نے جھوٹ بھی بولا ہے تو ہمیں کوئی نقصان نہیں۔ صبح تجھے سڑک تک پہنچا ہی دیں گے اس لیے کہ تو اب ہمارا مہمان ہے۔'' بڑے بھائی نے کہا جو دودھ دھو رہا تھا۔

''میں نے پہلے سوچا تھا کہ آپ لوگوں سے جھوٹ سچ کہہ دوں گا' لیکن سچ بولنے کا حرج بھی کوئی نہیں ہے۔ اب جو چاہو' آپ لوگ میرے ساتھ سلوک کر سکتے ہو۔''

''ہم ان ویرانوں میں یونہی نہیں بیٹھے' ورنہ ہم روز لٹ جاتے' تیری طرح کوئی آتا اور پسٹل دکھا کر ہمارا مال ہم سے چھین کر لے جائے۔ ہم اپنا بندوبست رکھتے ہیں۔ تم ہماری بستی میں اپنی مرضی سے آ گئے ہو لیکن یہاں سے جاؤ گے ہماری مرضی سے۔ خیر.....! اگر تجھے جانے کی اتنی جلدی نہ ہو تو کل دوپہر کے وقت تجھے تیرے قصبے تک پہنچا سکتے ہیں۔'' ان میں سے بڑے نے کہا۔

''وہ کیسے؟'' میں نے پوچھا۔

''یہاں گاڑی آتی ہے دودھ لینے کے لیے' وہ جب واپس جائے گی تو اس میں تجھے بٹھا دیں گے' وہ اس قصبے میں جاتی ہے۔'' بڑے نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''جیسے آپ لوگوں کی مرضی' آپ کا اتنا بڑا احسان ہے کہ آپ نے رات یہاں ٹھہرنے دیا۔ ویسے میں پیدل بھی واپس چلا جاؤں گا۔'' میں مایوسانہ انداز میں بولا۔

''نہیں یار' تجھے سڑک تک چھوڑ دیں گے۔'' ان میں سے چھوٹے نے ہنستے ہوئے کہا۔ تبھی ذرا فاصلے پر بنی جھونپڑی کی چھت پر سے ایک بندہ اتر آیا۔ وہ ان کا تیسرا بھائی تھا' اس کے ہاتھ میں گن تھی۔ وہ مجھے غور سے دیکھ رہا تھا۔ وہ اترا تو چھوٹا وہی گن لے کر اوپر چلا گیا۔ مجھے ان کی خود اعتمادی کی وجہ سمجھ میں آ گئی۔ میں نے خوب سیر ہو کر کھانا کھایا تھا۔ اس لیے مجھے لیٹتے ہوئے پھر نیند آ گئی لیکن یہ نیند بڑی کچی تھی' کچھ دیر بعد یونہی ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھتا جیسے بے چینی اندر بھر گئی ہو۔ ممکن ہے اجنبی جگہ ہونے کے باعث ایسا ہو رہا ہو یا شاید کچھ دیر پہلے جو تھوڑی سی نیند لی تھی اس باعث ہو۔ بہر حال میں کچی پکی نیند میں پڑا رہا۔

رات کا نجانے وہ کون سا پہر تھا' جب مجھے لگا کہ ماحول روشنی سے نہا گیا ہے۔ ایک لمحے کو تو یوں لگا جیسے دن چڑھ آیا ہے مگر جیسے ہی میں اپنے حواسوں میں آیا تو مجھے سمجھ آئی' کسی گاڑی کی تیز روشنی باڑے کی طرف پڑ رہی تھی۔ کتا بڑے الرٹ انداز میں ان کی طرف دیکھ کر یوں کھڑا تھا جیسے ابھی جھپٹنے کے لیے چھلانگ لگا دے گا۔ ایسی ہی ایک فور وہیل دوسری طرف رخ کیے کھڑی تھی۔ میں ابھی صورتحال سمجھ ہی رہا تھا کہ بڑا بھائی تیزی سے باڑے میں آیا اور مجھ سے بولا۔

''یار! تو نے جو کہا وہ سچ ہے' اس کی تصدیق ہو گئی ہے۔ ایسے سچے بندے کا ہر طرح سے ساتھ دینا چاہیے لیکن کیا کروں' ہماری ہی بستی کے ایک بندے نے اپنے بھولپن کی وجہ سے تمہارے بارے میں بتا دیا ہے' اور میں نے ان سے جھوٹ بول

دیا ہے کہ تم آئے تھے لیکن شام ہی کے وقت تم چلے گئے تھے۔ میں جانتا ہوں وہ تصدیق کیے بغیر نہیں ٹلیں گے۔ اس لیے تم نکل جاؤ یہاں سے۔''

''نکل جاؤں.....؟'' میرے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ پھر میں نے اپنے حواس پر قابو پاتے ہوئے پوچھا۔ ''مگر وہ ہیں کون؟''

''وہ شاہ زیب ہی کے لوگ ہیں' انہوں نے ہی حملہ کیا تھا' وہی اپنے ساتھ پولیس لگا کر لائے تھے۔ اس وقت اگر وہ یہاں آئے ہیں تو ہمارے علاقے کے بڑے زمیندار پیر سائیں کے بندوں کو ساتھ لائے ہیں۔ ہم پیر سائیں کو انکار نہیں کر سکتے۔ ہم تمہیں چھپا بھی نہیں سکتے کہ پھر بعد میں شکوہ آئے گا..... تم نکل جاؤ۔'' اس نے یوں کہا جیسے ابھی رو دینے کو ہو۔

''اگر ہم پیر سائیں کے پاس چلے جائیں تو.....'' میں نے یونہی ایک خیال کے تحت کہا۔

''وہ تجھے پکڑ کر شاہ زیب کو دے دے گا' کیونکہ وہ تم سے پہلے ان کے پاس پہنچ گئے ہیں۔ تُو دیر نہ کر اور نکل جا' زندگی رہی تو صبح تک تجھے کوئی نہ کوئی بستی مل جائے گی۔''

''ٹھیک ہے.....'' میں نے کہا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ میں نے پسٹل اٹھا کر اڑسا' جوتے پہنے اور اس طرف چل دیا جدھر بڑے بھائی نے اشارہ کیا تھا۔ وہاں باڑ میں سے ایک چھوٹا سا راستہ تھا۔ اس طرف اندھیرا تھا۔ میں اس طرف ہی سے نکلا تھا کہ کافی سارے لوگ باڑ کی طرف آتے ہوئے دکھائی دیے۔ میں خاموشی سے دبک کر بیٹھ گیا۔ بلاشبہ انہیں یقین نہ آیا ہوا اور وہ تصدیق کرنے باڑ کی طرف آ گئے تھے۔ اس لمحے بڑا بھائی تیزی سے جھونپڑی میں چھپ گیا۔ اب میرا وہاں رکنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ میں نے آسمان کی طرف دیکھا' اپنی ہمت مجتمع کی اور جدھر میرا منہ ہوا ادھر چل پڑا۔ میں نے اپنے تئیں سڑک کی طرف جانے والے راستے ہی کو اپنایا تھا' میں تیز تیز قدموں سے چلتا چلا گیا۔ راستے میں جھاڑیاں ہیولوں کی مانند لگ رہی تھیں۔ اگرچہ میں سمجھتا تھا کہ انسانی ذہن جب خوف زدہ ہو تو وہ اپنے ہی بنائے ہوئے ہیولوں سے ڈرتا رہتا ہے۔ میرا بھی کچھ ایسا حال تھا۔ مجھے یوں لگ رہا تھا کہ جیسے ابھی کسی جھاڑی کی اوٹ سے کوئی بندہ برآمد ہو گا اور مجھ پر جھپٹ پڑے گا' اس کے علاوہ مجھے صحرائی جانوروں سے بھی محتاط رہنا تھا' میں بڑھتا چلا جا رہا تھا' چاندنی رات ہوتی تو شاید میں اتنا نہیں گھبراتا' لیکن موت کا خوف اور زندگی بچانے کا حوصلہ مجھے آگے ہی آگے بڑھائے لیے جا رہا تھا۔

نجانے میں نے کتنا سفر کیا تھا۔ میرے حلق میں کانٹے پڑ چکے تھے' اور زبان خشک ہو چکی تھی۔ مشرق کی جانب سے صبح کی سرخی نمودار ہو گئی تھی اور میری ٹانگیں تھکن کی وجہ سے جواب دے رہی تھیں۔ اندھیرا ہونے کے باعث مجھے کوئی بستی نظر نہیں آ رہی تھی۔ میں رکنا نہیں چاہتا تھا۔ مجھے یوں لگ رہا تھا کہ اگر میں رکا تو شاید میں گرتے ہی بے ہوش ہو جاؤں گا۔ میں بے تابی سے سورج کے نکلنے کا انتظار کر رہا تھا۔ زندگی میں کبھی بھی مجھے سورج دیکھنے کی اتنی بے تابی نہیں ہوئی تھی۔ میں اپنے آپ کو سنبھالتا ہوا چلتا چلا جا رہا تھا۔ میرے دماغ میں سائیں سائیں ہو رہی تھی۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میری سوچنے سمجھنے کی صلاحیت بھی ختم ہو رہی ہے۔ دھندلکا سا پھیل رہا تھا۔ اردگرد کا منظر تھوڑا واضح ہونے لگا تو مجھے ایک اونچا ٹیلا دکھائی دیا۔ میں اس پر چڑھنے لگا' تاکہ دور دور تک دیکھ سکوں کہ کوئی بستی ہے یا پھر کوئی زندگی کے آثار ہیں تو میں اس طرف جا سکوں۔ میں ٹیلے پر چڑھ گیا۔ اس وقت مجھے سخت مایوسی ہوئی جب دور دور تک لق دق صحرا تھا اور جھاڑیاں تھیں۔ ایک دم سے میرا حوصلہ جواب دے گیا' اور پھر مجھ میں اٹھنے کی سکت ہی نہ رہی۔ میں اپنی ماں کو نہ چاہتے ہوئے بھی یاد کرنے لگا۔ اس کا چہرہ میری نگاہوں کے سامنے تھا۔ میں اس سے باتیں کرنا چاہتا تھا لیکن زبان کو حرکت نہیں دے پا رہا تھا۔ میں رونا چاہتا تھا' مگر رو نہیں پا رہا تھا۔ اچانک میری ماں کی اوٹ سے سوہنی کی جھلک دکھائی دی۔ میں اس سے کہنا چاہتا تھا کہ میری

PAKISTANIPOINT

ماں کا خیال رکھنا۔ میں اس سے کہہ نہیں پایا۔ مجھے بہت افسوس ہو رہا تھا' ۔کافی دور کھڑا چھا کا میرے پاس آنا چاہتا تھا' پر وہ نہ جانے کیوں نہیں آ رہا تھا۔ میں اس کی طرف بڑھنا چاہتا تھا لیکن بڑھ نہیں سکتا تھا۔ میں بے حس و حرکت ہو گیا تھا۔ ہلنے کی سکت بھی نہیں بچی تھی۔ میں چیخ کر انہیں اپنے پاس بلانا چاہتا تھا' پر میری آواز نہیں نکل رہی تھی۔ ہوا کی سائیں سائیں کچھ زیادہ بڑھ گئی تھیں۔ رنگ برنگے ستاروں کی کہکشاں لگ گئی' وہ بلبلوں کی طرح ادھر ادھر پھیل رہے تھے۔ اس دوران اماں' سوہنی اور چھا کے معدوم ہوتے چلے جا رہے تھے۔ میں ان کی طرف بڑھنا چاہتا تھا مگر نہ چاہتے ہوئے بھی میں نیند میں ڈوبتا چلا جا رہا ہوں۔ پھر مجھے اپنا ہوش نہیں رہا۔

جسپال اور رانا چرن سیٹ مل جانے پر بیٹھ گئے تھے۔ تبھی جسپال نے منالی کو سیل فون پر پیغام کے ذریعے بتایا کہ وہ کس صورتحال میں ہیں جس پر منالی نے جواباً پیغام بھیج دیا تھا کہ فی الحال وہ ''سیسر'' پہنچیں' وہاں سے پھر آگے جانا ہے یا امرتسر کی طرف جو بھی ہوگا' وہ طے کر کے بتاتے ہیں۔ تاہم پولیس پورے زور و شور سے تلاش کر رہی ہے۔ اس کے لیے وہ جدید ترین آلات کی بھی مدد لے رہے ہیں۔ اس قتل کا شور اس لیے بھی نیوز چینل پر زیادہ ہے کہ یہ رویندر سنگھ ایم ایل اے کے دوسرے بیٹے کا قتل تھا۔ ابھی تک خود رویندر سنگھ کا بیان جاری نہیں ہوا تھا' کیونکہ وہ دہلی سے چندی گڑھ آ رہا تھا۔ حالات بہت کشیدہ تھے۔ وہ ایک دوسرے سے پیغام رسانی کر رہے تھے کہ اچانک رانا چرن یوں تڑپا جیسے کسی بچھو نے کاٹ لیا ہو۔

''کیا ہوا؟'' جسپال نے حیرت سے پوچھا۔

''وہ..... وہ دیکھو سامنے سڑک پر.....'' اس نے سرگوشی میں کہا تو جسپال نے سڑک پر دیکھا جو کار انہوں نے کچھ دیر پہلے اسٹاپ پر چھوڑی تھی' وہی کار سڑک پر تھی۔ اس کے ساتھ پولیس کی گاڑیاں جا رہی تھیں۔ بلاشبہ وہ ان کے قریب پہنچ چکے تھے۔ یہ بعید نہیں تھا کہ وہ بس رکوا کر اس کی تلاشی لینے لگتے۔ پولیس درست سمت میں ان کا تعاقب کر رہی تھی۔ اگلے اسٹاپ پر یا کہیں بھی تلاشی ممکن تھی۔ یہ انتہائی خطرناک صورتحال تھی۔ پولیس گھیر رہی تھی اور وہ گھیرے میں آ جانے والا تھا۔ اب یہ تو نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ چلتی ہوئی بس سے چھلانگ لگا دیتا۔ کیا اسے فوراً بس چھوڑنا ہوگی' یا پھر صبر سے کام لیتے ہوئے' بے نیاز بنے رہنا چاہیے؟ کیا وہ اسے پہچان لیں گے؟ تبھی اس نے فیصلہ کر لیا کہ اسے کیا کرنا ہے؟

''سکون سے بیٹھے رہو۔'' جسپال نے آہستگی سے کہا اور منالی کو پیغام بھیج دیا کہ صورتحال کیا ہے۔ چند لمحوں بعد اس کا فون آ گیا۔

''صورتحال تو خطرناک ہو گئی ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ تم اپنے اعصاب ڈھیلے چھوڑ دو۔ مجھے وہاں سے نکلتے ہوئے کچھ دیر ہو گئی ہے' میں کچھ دیر بعد گھر پہنچ رہی ہوں' میں پھر بتاتی ہوں کہ کیا کرنا ہے۔''

''تت تک.....'' اس نے محتاط انداز میں کہا جسے منالی سمجھتے ہوئے بولی۔

''کسی طرح سیسر تک پہنچ جاؤ' ویل اینڈ گڈ' آگے بہت ہیں سنبھالنے والے' اگر ضرورت محسوس کرو کہ تمہیں بس چھوڑنا ہے تو چھوڑ دینا۔ میں تم سے رابطہ میں ہوں' سیل فون کی حفاظت کرنا' اوکے۔''

''اوکے.....!'' اس نے کہا اور فون بند کر دیا۔ رانا چرن اس کی طرف تجسس بھرے انداز میں دیکھ رہا تھا۔ جسپال نے اس کا ہاتھ تھپکا' جس کا یہی مطلب تھا کہ وہ پرسکون رہے اس نے دھیرے سے سیٹ کے ساتھ پشت لگا لی۔ گویا اس نے خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دیا تھا۔ بس اپنی مخصوص رفتار سے چلتی چلی جا رہی تھی۔ جسپال کی پوری توجہ سڑک پر تھی۔ اس کے اعصاب تنے ہوئے تھے اور وہ پوری طرح تیار تھا کہ اگر پولیس نے کہیں بھی بس روک کر تلاشی شروع کر دی تو وہ پولیس کا سامنا کرنے کے لیے رکے گا' بھاگے گا نہیں۔ اس کی پوری کوشش ہوگی کہ شک نہ ہونے دے۔ لیکن اگر انہوں نے شک

کی بناء پر بھی اسے پکڑ لیا تو صورتحال کے مطابق اپنے آپ کو بچانے کی پوری کوشش کرے گا۔

انسان خود کو جتنا مرضی مظلوم سمجھے' بدلے یا انتقام میں جس حد سے بھی گزر جائے' ردعمل میں جتنی مرضی شدت ہو' جرم آخر جرم ہوتا ہے۔ اس کا احساس انسان کے اعصاب پر حاوی ضرور ہوتا ہے۔ کوئی بھی شخص گناہ کی نیت سے جرم نہیں کرتا بلکہ اس کے لیے کوئی نہ کوئی توجیہ' بہانہ یا وجہ تلاش کر لی جاتی ہے' تبھی پوری شدت سے جرم کر لیا جاتا ہے' لیکن جس طرح اچھے کام کی ایک روحانی خوشی ہوتی ہے' اسی طرح جرم کرنے کا بھی احساس منفی اثرات مرتب کرتا ہے۔ جسپال اس وقت اسی اثر سے گزر رہا تھا۔ پھر وہی ہوا جس کا وہ منتظر تھا۔ ایک طویل قطار لگی ہوئی تھی اور پولیس تلاشی لے رہی تھی۔ اب یہ وقت نہیں تھا کہ وہ منالی سے ہدایات لیتا پھرے۔

''ہم پنجاب اور راجھستان کی سرحد پر ہیں۔ اور یہاں پولیس کی بہت بڑی چوکی ہے۔'' رانا چرن نے بڑبڑاتے ہوئے اسے بتایا' جس پر جسپال خاموش رہا۔ وہ خود کو آنے والے وقت اور حالات کے لیے تیار کر رہا تھا۔ بڑی اور چھوٹی گاڑیوں کی دو قطاریں تھیں' جنہیں بڑی تیزی سے چیک کیا جا رہا تھا۔ تبھی دو پولیس والی اس بس میں بھی آ گئے۔ انہوں نے سبھی سواریوں پر ایک نگاہ ڈالی' ان کا انداز انتہائی مشکوکانہ تھا' جسپال نے انہیں اکتاہٹ بھرے انداز میں دیکھا اور پھر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔ پولیس والے ابھی تک گاڑی ہی میں تھے کہ ایک تیر طراز لڑکا بس میں آیا' اس کے پاس ہینڈی کیم تھا' اس نے آناً فاناً سب کی تصویریں بنائیں اور اتر گیا۔ اس کے ساتھ ہی وہ دونوں پولیس والے بھی اتر گئے۔ بس رینگنے لگی' کچھ ہی دیر بعد وہ چوکی پار کر گئے تھے۔ تقریباً دو کلومیٹر چلنے کے بعد بس ایک ڈھابے پر رک گئی۔ اگرچہ یہ اتنا لمبا سفر نہیں تھا کہ کچھ کھانے پینے کی ضرورت محسوس ہو۔ مگر یہ ڈرائیور کی مرضی تھی۔ اس نے گاڑی روک دی۔ وہ دونوں اترے اور ایک الگ تھلگ میز کے قریب کرسیوں پر جا بیٹھے۔

''ہم اس وقت راجھستان میں ہیں۔ پنجاب پولیس کا اثر یہاں پر نہیں ہی' لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم خطرے سے باہر ہیں' ممکن ہے یہاں خفیہ والے پھر رہے ہوں۔'' رانا چرن نے کہا تو جسپال نے اکتائے ہوئے انداز میں کہا۔

''تم کہنا کیا چاہتے ہو؟''

''سیسر یہاں سے تقریباً بیس کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ جب تک اس بس نے یہاں سے چلنا ہے' میں اس وقت تک آپ کو سیسر پہنچا سکتا ہوں۔'' وہ کافی حد تک شوخ انداز میں بولا۔

''وہ کیسے؟'' اس نے خوشگوار حیرت سے پوچھا۔

''یہاں بسوں کے علاوہ کاریں بھی کھڑی ہیں۔ لاک کیسا بھی ہو' میں کھول لیتا ہوں۔ آپ بس سڑک تک چلیں' میں گاڑی لے کر آتا ہوں۔ ہم نکل چلیں گے۔ سیسر میں جا کر چھوڑ دیں گے۔'' رانا چرن نے فخریہ انداز میں کہا اور اپنے پیلے دانتوں کی نمائش کر دی۔ اس دوران ویٹر چائے کا آرڈر لے گیا۔

''یار ہمیں رسک لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ منالی ہمیں کچھ بتائے گی' اس کا مطابق ہمیں آگے چلنا ہے۔ تم ذرا صبر کرو' میں دیکھ لوں گا تمہاری مہارت.....'' جسپال نے کہا اور منالی کے نمبر ملانے لگا۔ چند لمحوں بعد رابطہ ہو گیا۔ تبھی وہ پریشان لہجے میں بولی۔

''بس میں وہ..... تم سے رابطہ کرنے والی تھی۔ میں دوسری طرف دیکھ رہی تھی' وہ.....''

''منالی..... تم ہوش میں ہو' کیا پریشانی ہے؟''

''ابھی تو کوئی پریشانی نہیں' بس میں یہی سوچ رہی تھی کہ تم سیسر پہنچ جاؤ تو پھر آگے کسی کے سپرد کر دوں..... میں اسی رابطے میں لگی ہوئی تھی۔ کب تک پہنچ رہے ہو سیسر؟'' اس نے پوچھا۔

''یار.....! میں تو چاہتا ہوں ابھی اور اسی لمحے پہنچ جاؤں لیکن اب تو یہ بس ڈرائیور پر منحصر ہے کہ وہ ہمیں کب لے کر جاتا ہے۔''

''تم لوگ وہاں سے جلدی نہیں نکل سکتے۔ یہ رانا کو کہو کوئی تگڑم لڑائے' تم بہت جلدی یہاں سے نکل جاؤ' یہی اچھا ہے۔'' وہ تیزی سے اس طرح بولی جیسے وہ بے حد پریشان ہے۔

''تم بتاؤ' بات کیا ہی' پریشانی.....'' جسپال نے کہنا چاہا تو اس نے بات کاٹتے ہوئے کہا۔

''رانا سے بات کراؤ میں اسے کہتی ہوں۔''

جسپال نے فون رانا کی طرف بڑھا دیا۔ وہ چند لمحے بات سنتا رہا' پھر فون بند کر کے جسپال کو واپس دے دیا۔ اس کے چہرے پر بہت حد تک سنجیدگی آ چکی تھی۔ اس نے جسپال کی بات نہیں سنی' بلکہ اسے کہا۔

''جسپال! میرے بعد اٹھ کر سڑک کے کنارے پہنچ جانا' میں آتا ہوں۔''

''بات کیا ہوئی ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''بعد میں بتاتا ہوں۔'' اس نے سنی ان سنی کرتے ہوئے کہا اور اٹھ گیا۔ جسپال تذبذب میں اٹھ کر ٹہلنے والے انداز میں اٹھ گیا اور چلتا ہوا بس کی اوٹ سے سڑک کی جانب بڑھ گیا۔ ڈھابے سے سڑک تک کا فاصلہ کوئی دو سو گز تھا۔ اسے وہاں تک پہنچنے میں پانچ منٹ سے بھی کم وقت لگا۔ اس نے گھوم کر دیکھا' رانا ایک گاڑی کی ڈرائیونگ سائیڈ کے ساتھ لگا ہوا تھا۔ وہ نئے ماڈل کی ہنڈا تھی۔ چند لمحوں بعد وہ اس میں بیٹھ چکا تھا۔ زیادہ وقت نہیں گزرا کہ اس نے گاڑی اسٹارٹ کی' پھر تیزی سے گھومتا' سڑک کی جانب بڑھتا چلا آیا۔ گاڑی اس کے قریب رکی تو وہ اس میں بیٹھ گیا۔ رانا نے پیر پر ہی رفتار بڑھا دی' گاڑی نئی تھی' اس لیے اس کی پک اپ بھی زیادہ تھی' کچھ دیر بعد وہ تیز رفتاری سے کافی دور تک نکل آئے۔

''اب بتاؤ' منالی پریشان کیوں تھی؟''

''شاپنگ مال کے سی سی کیمروں میں تمہاری ساری کارروائی ریکارڈ ہو گئی ہے۔ اس میں صرف تمہی نہیں' منالی بھی واضح ہے' پولیس اسے بھی تلاش کر رہی ہے۔''

''منالی کو اب گھر آ کر پتہ چلا.....؟'' جسپال نے تیزی سے پوچھا۔

''ہاں.....! دراصل تمہاری تصویر اور نام اس وقت مختلف چینلز پر چل رہے ہیں۔ تمہیں پہچان لیا گیا ہے۔ اس لیے اب چند دن کے لیے تجھے کسی محفوظ ترین ٹھکانے پر رہنا لازمی ہوگا۔'' رانا نے کافی حد تک تشویش زدہ لہجے میں کہا تو اس نے اپنے اندر شدت محسوس کی۔ ایک دم سے جو خوف اس کے اندر موجود تھا' وہ نجانے کہاں غائب ہو گیا۔ وہ بے خوف ہو گیا۔ جب تک وہ چھپا ہوا تھا' اس کے ساتھ خوف بھی بندھا ہوا تھا۔ اب اگر چینلز نے اسے دنیا کے سامنے لا کھڑا کیا تھا تو پھر خوف کس بات کا' آمنے سامنے کی جنگ شروع ہو چکی تھی۔ وہ یہی سوچ رہا تھا کہ منالی کا فون آ گیا۔

''کیا تم پولیس سے محفوظ ہو؟'' جسپال نے اس سے پوچھا۔

''مجھے زیر زمین جاتے اتنا وقت نہیں لگنا' میں اگلے دس منٹ میں خود کو سنبھال لوں گی۔ مجھے تمہاری فکر ہے۔ جب تک تم سیسر نہیں پہنچ جاتے' اس وقت تک میری ذمے داری میں ہو۔''

''تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں کہ میری تصویر اور.....'' اس نے پوچھنا چاہا تو وہ تیزی سے بولی۔

''میں خواہ مخواہ تمہیں ذہنی دباؤ میں نہیں لانا چاہتی تھی' اب اس لیے بتایا کہ ممکن ہے وہاں تمہیں کوئی پہچان لے اور مصیبت بن جائے' خیر' چھوڑو ان باتوں کو' وہ رویندر سنگھ ایئرپورٹ پر پہنچ چکا ہے' اور رپورٹر اس سے بات کر رہے ہیں سنو'' یہ کہتے ہوئے اس نے فون ٹی وی کے قریب کر دیا۔ کوئی بھاری آواز میں ٹھیٹ پنجابی زبان میں اکھڑے ہوئے لہجے کے

ساتھ کہہ رہا تھا۔ ''مجھے ابھی اس قاتل کی تصویر دکھائی گئی ہے' یہ ایک سوچی سمجھی سکیم کے تحت پورے پلان کے ساتھ مجھے اور میرے خاندان کو مارنے کی کوشش تھی۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ صرف ایک بندے کا کام نہیں ہے' اس میں غیر ملکی مداخلت اور شدت پسند تنظیموں کا پورا پورا ہاتھ ہے میں سمجھتا ہوں کہ یہ ہمیں سیاست سے الگ کرنے کی سازش ہے۔ میرے دو بیٹوں کو قتل کیا گیا۔ پولیس آفیسر بھی قربان ہو گئے اور ایک بیٹا ہسپتال میں موت و حیات کی کشمکش میں ہے۔ میں حکومت سے مانگ کرتا ہوں کہ بڑے پیمانے پر اس گروہ کو تلاش کیا جائے' چوبیس گھنٹے کے اندر اس قاتل کو پکڑا جائے ورنہ میں احتجاجی طور پر پارلیمنٹ کے سامنے دھرنا دوں گا۔ میرے ساتھ میرے سیاسی دوست بھی ہیں۔ میں اس میں حکومت کی نااہلی سمجھوں گا کہ وہ قاتل کو چوبیس گھنٹوں میں گرفتار کر کے قانون کے حوالے نہ کر سکی۔ کیا ہماری سیاسی اور قومی خدمات کا یہ صلہ دیا گیا ہے کہ ایک بوڑھے باپ کو اپنے جوان بیٹوں کی لاشیں اٹھانا پڑیں۔''

''کیا آپ کے بیٹے کی آخری رسومات گاؤں میں ہوں گی' یا یہیں چندی گڑھ میں۔'' کسی نے سوال کیا۔

''یہیں.....یہیں چندی گڑھ میں۔ کل اسی وقت میں پارلیمنٹ کے سامنے ہوگا' اگر قاتل نہ پکڑا گیا تو' میرا تب تک احتجاج جاری رہے گا۔''

اس کے ساتھ ہی شور مچ گیا تو منالی کی آواز ابھری۔

''وہ ایئرپورٹ سے نکل گیا ہے۔''

''ٹھیک ہے' میں شہر کے قریب پہنچ کر تمہیں بتاتا ہوں۔'' جسپال نے کہا تو وہ بولی

''زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، تمہارا نام نہیں گیا ہے، سی سی کیمرے کی تصویر میں تم اتنے واضح نہیں ہو، ٹیک کیئر''

''اوکے'' اس نے کہا اور فون بند کر دیا۔ اس کے اندر ایک سکون اور طمانیت اتر آئی تھی۔ پہلی بار اس نے رویندر سنگھ کی آواز اس انداز میں سنی تھی' جب وہ ٹوٹا ہوا تھا' پہلی بار اس کی آواز میں طنطنہ تھا' اس بار وہ کسی ہارے ہوئے جواری کی مانند لگ رہا تھا۔ اس کی پھوپھو سکھ جیت نے بھی اپنے پریوار کے قتل پر ایسا ہی دکھ محسوس کیا ہوگا۔ وہ ایک دم ماضی میں پہنچ گیا۔ آج اگر وہ زندہ ہوتیں تو اپنے دشمن کو ٹوٹتا ہوا دیکھ کر کس قدر پرسکون ہوتیں۔ مگر ابھی انتقام پورا نہیں ہوا تھا' وہ رویندر سنگھ کے چہرے پر دہشت اور خوف کی وہ پرچھائیں دیکھنا چاہتا تھا' جس کی اسے خواہش تھی۔ وہی لمحات اس کی پوری زندگی کا حاصل تھے۔ وہ یہی سوچ رہا تھا کہ رانا چرن کی آواز نے اسے چونکا دیا۔

''سیسر شہر آ گیا ہے' منالی کو بتا دے.....''

اس نے فوراً فون ملایا اور صورتحال کے بارے میں بتایا' جسپال نے فون لاؤڈ کر دیا تھا۔ رانا بھی سن رہا تھا۔ اس نے شہر کے باہر ہی ایک جگہ کی نشاندہی کی کہ وہاں انہیں فوروہیل جیپ میں دو آدمی ملیں گے' اس نے جیپ کا نمبر بھی بتا دیا۔ وہ جدھر لے جائیں' چپ چاپ ان کے ساتھ چلیں جائیں۔ چند لمحوں بعد اس نے فون نمبر اور جیپ کا نمبر بھی بھیج دیا۔ جسپال نے فوراً ہی اس نمبر پر رابطہ کیا تو دوسری طرف سے ذرا مختلف لہجے لیکن پنجابی ہی میں جواب ملا' ان کا رابطہ ہو گیا تو جسپال کافی حد تک مطمئن ہو گیا۔

شہر میں داخل ہونے سے ذرا قبل ایک بڑا سا راچوراہا تھا۔ وہ اسی چوراہے پر کھڑے تھے۔ وہ دونوں قد آور نوجوان تھے۔ ایک ذرا صحت مند تھا' اور دوسرا پتلا سا' دونوں کے نقوش تیکھے تھے۔ انہوں نے بڑی گرم جوشی سے ان کی کار کو دیکھ کر ہاتھ ہلایا۔ ان کے عقب میں وہی فوروہیل جیپ کھڑی تھی۔ انہوں نے گاڑی قریب لے جا کر ایک طرف کھڑی کر دی اور ان کے پاس جا پہنچے۔ انہوں نے ہاتھ ملایا' پھر صحت مند نوجوان بولا۔

''میں راؤ وریام سنگھ اور یہ راؤ ہرنام سنگھ.....اب آپ کا کوئی بال باکا نائیں کرسکتا۔ چلو گاڑی میں بیٹھو۔'' یہ کہہ کر وہ ڈرائیونگ سیٹ کی جانب بڑھ گیا' دوسرا آگے والی پسنجر سیٹ پر براجمان ہوگیا جب جسپال اور رانا پچھلی نشست پر سکون سے بیٹھ گئے' جیپ چلی تو برنام بولا۔

''مجا آ گیا جی' آپ کو دیکھ کے.....ٹی وی پر تو آپ کا پھوٹو بڑا مدھم نجر آوے تھا۔ جوان ہو تو ایسا جی.....پلس کو ہلا کے رکھ دیا۔ حکومتیں ڈھونڈ رہی ہیں۔''

''وہ تو ٹھیک ہے لیکن اب ہم نے جانا کہاں ہے؟'' جسپال نے پوچھا۔

''دو گھنٹے دے دو ہمیں بس.....صورت گڑھ میں اپنا گھر ہے' باپو آپ کا انتجار کر رہا ہے بڑی شدت سے' آپ کے بغیر روٹی نہیں کھانے والے.....آپ سکون کرو.....'' وریام نے کہا تو وہ بہت حد تک مطمئن ہوگیا۔ اعصاب کو شل کر دینے والے حالات میں ذرا سکون ملا تو اس کی آنکھیں بند ہونی شروع ہوگئیں۔ اس نے فون رانا کو تھمایا اور آنکھیں بند کرلیں۔ پھر وہ نیند میں ڈوبتا چلا گیا۔

جسپال کی جس وقت آنکھ کھلی تو گاڑی کے باہر کا منظر بدل چکا تھا۔ وہ بہترین شاہراہ تھی۔ جس کے دونوں طرف ریت تھی۔ بہت کم آبادی تھی۔ وہ کچھ دیر دیکھتا رہا' پھر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ اسے جاگتا دیکھ کر ہرنام نے خوشگوار لہجے میں کہا۔

''جاگ گئے جی' بڑی گہری نیند سوئے جی' لگتا ہے کافی تھکن تھی۔''

''ہاں.....! ایسا ہی ہے۔'' یہ کہہ کر اس نے پوچھا۔ ''ہم کہاں تک آ گئے ہیں؟''

''یہی گھر سے پندرہ بیس منٹ کے فاصلے پر' آپ دو گھنٹے سوئے ہیں۔'' اس نے ہلکا سا قہقہہ لگاتے ہوئے کہا تبھی جسپال نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''اچھا.....! میرے خیال میں جس وقت منالی نے آپ سے رابطہ کیا ہوگا' اس سے لے کر آپ تک ملنے میں آدھا گھنٹہ لگا ہوگا۔ آپ اتنی جلدی یہاں کیسے پہنچ گئے۔''

''پہلی بات تو یہ ہے کہ ہم کسی منالی کو نہیں جانتے اور نہ ہی ہماری اس سے بات ہوئی ہے۔'' وریام نے کہا تو جسپال کو ایک دم سے جھٹکا لگا۔ جبکہ وہ سامنے منہ کیے روانی سے کہتا چلا جا رہا تھا۔ ''باپو نے فون کر کے آپ لوگوں کے بارے میں بتایا' ہم یہاں ''اوگاڑی'' (بقایا) لینے کے لیے آئے ہوئے تھے۔ اپنا بزنس پورے راجستان میں ہے۔ ہم نہ ہوتے تو آپ کو ہمارے ملازمین لے جاتے۔''

''منالی نے اگر بات نہیں کی تو.....'' اس نے پوچھا تو وریام درمیان ہی سے بولا۔

''یہ باپو ہی جانے۔''

اس کے یوں کہنے پر جسپال نے رانا کی طرف دیکھا' اس کے چہرے پر بھی کافی حد تک پریشانی کے آثار نمودار ہوگئے تھے۔ اب وہ پتہ نہیں کون تھے' دوست یا دشمن' وہ انجانے میں کس کے ہتھے چڑھ چکے تھے۔ اگر وہ دشمن ثابت ہوتے تو بچاؤ بہت مشکل تھا۔ انجانی جگہ اور انجانے لوگ' لیکن نجانے کیوں اس کا دل مطمئن تھا' اگر وہ دشمن ہوتے تو اسے یوں سکون سے سونا نصیب نہ ہوتا اور اس کے پاس جو پسٹل تھا' وہ اب تک چھین لیا گیا ہوتا۔ وہ گاڑی میں نہیں کہیں بندھا ہوا پڑا ہوتا۔

وہ اس شش و پنج میں تھا کہ صورت گڑھ شہر آ گیا۔ سامنے ہی سائن بورڈ پر لکھا ہوا تھا' اس نے انگریزی میں پڑھ لیا تھا۔ وریام نے شہر میں داخل ہونے کی بجائے دائیں جانب والا ایک راستہ اختیار کیا۔ جسپال سکون سے بیٹھا رہا' شہر کے مضافات میں ایک بڑی حویلی کے گیٹ پر جیپ آن رکی' انہیں دیکھتے ہی گیٹ فوراً کھل گیا۔ وہ جیپ پورچ میں لے گئے۔ کافی کھلی حویلی تھی۔ سبزہ زیادہ تھا۔ وہ ان دونوں بھائیوں کے ساتھ چلتا ہوا حویلی کے ڈرائنگ روم میں آ گیا۔ اندر سے

حویلی وہی ہندوانہ طور پر گولائی میں تھی۔ گول سیڑھیاں اوپر کو جا رہی تھیں۔ دالان اور برآمدے بنے ہوئے تھے۔ سامنے ہی صوفے پر سفید دھوتی کرتا پہنے' کاندھے پر سنہری چادر ڈالے کھچڑی داڑھی اور بڑی مونچھوں والا جس کے سر کے بال بالکل صاف تھے' موٹے نقوش اور صحت مند جسم والا راؤ بچن سنگھ بیٹھا ہوا تھا' انہیں دیکھتے ہی کھڑا ہوگیا۔

''آؤ.....آؤ جسپال.....! میں کب سے انتظار کر رہا ہوں' بھئی باتیں بعد میں' آؤ پہلے کھانا کھاتے ہیں ہاتھ منہ دھو کے آ جاؤ بھئی.....'' بچن سنگھ نے بے تکلف سے انداز میں کہا تو جسپال کو قدرے سکون ملا۔ جو وہ سمجھ رہا تھا' ویسا نہیں تھا۔

اس وقت وہ کھانے کی میز سے اٹھ گئے تھے اور گپ شپ کے لیے سکون سے آ کر ڈرائنگ روم میں بیٹھ گئے تھے کہ جب باہر سے ایک ملازم نے ایک چٹ لا کر بچن سنگھ کو دی۔ اس نے چٹ پر نظر ڈالی ہی تھی کہ پریشان ہوگیا مگر یہ تاثر ایک لمحے کے لیے آیا' پھر غائب ہوگیا۔ اس نے ایک نگاہ جسپال پر ڈالی' پھر اپنے بڑے بیٹے وریام کی طرف دیکھ کر کہا۔

''جسپال اور رانا کو اندر کمرے میں لے جا اور جب تک میں نہ کہوں باہر نہیں آنا' ساری باتاں غور سے سننی ہیں تا کہ تم لوگوں کو پتہ چل جائے.....'' یہ کہہ کر اپنے ملازم سے آنے والے لوگوں کو اندر آنے کے لیے کہا۔ وہ لوگ فوراً ہی ساتھ والے عقبی کمرے میں چلے گئے' جہاں کی ہول سے وہ باہر کا منظر دکھ سکتے تھے' کچھ دیر بعد تین لوگ اندر آئے' ان میں دو ادھیڑ عمر اور ایک نوجوان تھا۔ تینوں نے گرے رنگ کے سفاری سوٹ پہنے ہوئے تھے۔ وہ تینوں بچن سنگھ کے ساتھ بڑے تپاک سے ملے' انہیں بٹھایا اور بچن سنگھ نے پوچھا۔

''کیا لو گے آپ لوگ ٹھنڈا یا چائے؟''

''کچھ نہیں راؤ صاحب.....! بس آپ جسپال کو ہمارے حوالے کر دیں' جو ابھی پنجاب سے بھاگ کر آپ کے پاس آیا ہے۔'' ان میں سے ایک ادھیڑ عمر بندے نے کہا۔

''آپ لوگ سی بی آئی سے ہو' میں نے مان لیا' لیکن میں یہ نہیں مانتا کہ کوئی پنجاب سے بھاگ کر میرے پاس آیا ہے' آپ لوگ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں؟'' بچن سنگھ نے بڑے نرم لہجے میں کہا۔

''دیکھیں راؤ صاحب! وہ ایک جنونی قاتل ہے' آج صبح اس نے قتل کیا اور چندی گڑھ سے بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوگیا۔ اس سے سب سے بڑی غلطی یہ ہوئی کہ انہوں نے ایک جگہ کار چھوڑی اور دوسری جگہ سے کار چوری کی' اس طرح ان کے راستے کی نشاندہی ہوگئی۔ سیسر سے وہ جس گاڑی میں آئے ہیں وہ آپ کے پورچ میں کھڑی ہے' اب اس سے بڑا ثبوت ہم کیا دیں۔'' اس شخص نے جواب دیا۔

''دیکھ میرے بھائی! یہاں کوئی بھاگ کر نہیں آیا' آپ لوکاں کو غلط فہمی ہوگئی ہے' اس گاڑی میں تو میرے بچے اوگاڑی کر کے آئے ہیں' سیسر ہی سے۔'' اس نے پھر نرم لہجے میں جواب دیا تو نوجوان نے تیزی سے کہا۔

''تو کیا پھر ہم حویلی کی تلاشی لے لیں۔''

''اوئے.....! بات سن.....'' بچن سنگھ ایک دم گرم ہوگیا۔ ''آج تک کسی کی جرات نہیں ہوئی کہ میری حویلی کی تلاشی لے سکے' تیرے جیسے کئی سی بی آئی والے میری جیب میں ہیں۔ تو حکومت کا ملازم ہے تو ہم حکومت چلانے والے ہیں' کہہ دیا نہیں ہے' تو نہیں ہے۔''

''سوری راؤ صاحب! یہ بچہ ہے' اسے نہیں معلوم' معاف کر دیں اسے' اصل میں آپ کو شاید نہیں معلوم کہ وہ ہمارے تین بندوں کو قتل کر چکا ہے' اس کے علاوہ ایم ایل اے کے بیٹے کو.....'' ادھیڑ عمر نے کہنا چاہا تو بچن سنگھ نے کہا۔

''دیکھ میرے بھائی.....! میں بحث کا عادی نہیں ہوں۔ میں نے آپ لوگوں سے جو کہہ دیا سو کہہ دیا۔ باقی میں چیف منسٹر سے بات کر لیتا ہوں۔''

''آپ بخوشی ان سے بات کرلیں' وہ بہت دباؤ میں ہیں۔ سنٹر گورنمنٹ کے وہ مسلسل رابطے میں ہیں۔ اگر آپ کا یہ خیال ہوگا کہ وہ یہاں سے نکل کر کہیں اور چلا جائے گا تو یہ اس کی خام خیالی ہے۔ آپ تعاون کریں اور اسے ہمارے حوالے کردیں۔''

''میں سوچوں گا کہ اپ سے کس قدر رعاون کیا جئے۔ ابھی فی الحال آپ جاؤ۔'' بچن سنگھ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے راؤ صاحب! ہم ابھی کچھ دیر بعد آپ سے ملتے ہیں۔'' وہ ادھیڑ عمر آدمی اٹھ کر کھڑا ہوگیا تو باقی دونوں بھی اٹھ گئے۔ ان کے چلے جانے کے بعد بچن سنگھ اٹھا اور ان کے پاس آ گیا۔

''سن لیا جسپال' وہ اگر یہاں تک پہنچ گئے ہیں تو مطلب وہ بالکل درست تعاقب کر کے ٹھیک جگہ پہنچے ہیں۔''

''تو پھر مجھے کیا کرنا چاہیے؟'' اس نے پوچھا۔

''دیکھو.....! مجھے وینکوور میں موجود میرے دوست نے کہا تو اس کا حکم سر آنکھوں پر' میں اپنے خون کے آخری قطرے تک تمہاری حفاظت کروں گا' لیکن.....! جس قدر تیزی سے اور جس طرح کا ان کا لہجہ ہے، وہ بتا رہا تھا کہ اب تم جیسے ہی نکلو گے' وہ تمہیں قابو میں کرلیں گے۔ پھر کیا ہوگا' میں نہیں جانتا' لیکن اتنا جانتا ہوں کہ ابھی سی ایم کا فون آئے گا اور مجھے اس کے پاس جانا پڑے گا۔ زیادہ سے زیادہ میں شام تک اڑا رہوں گا۔'' بچن سنگھ نے انتہائی سنجیدگی سے کہا۔

''تو پھر میں نکلتا ہوں' جو ہوگا' وہ دیکھا جائے گا۔'' جسپال نے کسی خوف کے بغیر کہا۔

''یہ خودکشی ہوگی میرے بچے! اور جو میرے پاس ہو اور میں اس کی حفاظت نہ کروں' یہ تو ممکن نہیں' یہ یقین کرلو جسپال' یہاں رہتے ہوئے تم جدھر بھی جاؤ گے' یہ لوگ تجھے نکلنے نہیں دیں گے۔ چینل صبح سے تیری تصویر دکھا رہے ہیں۔ یہاں بھارت میں رہنے کی تیرے پاس گنجائش نہیں ہے۔ اس حقیقت کو تو سمجھ لے..... ہاں کسی کمرے میں بند رہ کر وقت گزار لے تو الگ بات ہے۔'' اس نے سمجھاتے ہوئے کہا تو جسپال نے سکون سے کہا۔

''تو پھر آپ بتائیں نا' میں کیا کروں.....؟''

''تم ابھی یہاں سے نکلو گے..... پانچ بج چکے ہیں' لیکن اس سے پہلے تُو جسمیندر سے بات کرلے۔ اوپر کمرے میں ہر چیز موجود ہے۔ وہ تمہیں بہترین مشورہ دے گا اور اسے صورتحال کی سمجھ بھی آ جائے گی۔''

''اوکے.....!'' جسپال نے کہا تو وہ اسی کمرے سے باہر کی جانب اشارہ کر کے خود ڈرائنگ روم میں چلا گیا۔ وریام نے اوپر والے کمرے تک اس کی رہنمائی کی۔ کچھ دیر بعد اس کا رابطہ جسمیندر سے ہوگیا۔ وہ ساری صورت حال بتا چکا تو اس نے کہا۔

''تم پاکستان اور بھارت کی سرحد کے بے حد قریب ہو' اگر تھوڑی سی دشواری برداشت کرسکو تو سرحد پار کر جاؤ۔ اس کے لیے حوصلہ بھی چاہیے۔ ادھر ہمارے لوگ موجود ہیں' تجھے سنبھال لیں گے' پھر اس کے بعد دیکھیں گے کہ کیا کرنا ہے۔''

''میں تیار ہوں۔'' جسپال نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

''تو بس پھر ٹھیک ہے۔ تم تیار ہو جاؤ' ممکن ہے' میں بھی تم تک پہنچ جاؤں۔ ڈرنے کی ضرورت نہیں' بس حوصلہ رکھنا۔'' اس نے کہا۔

''اوکے.....ڈن!'' جسپال نے کہہ دیا پھر چند باتیں اور سمجھانے کے بعد ان کا رابطہ ختم ہوگیا۔ تب وریام نے اپنی ریسٹ واچ پر وقت دیکھتے ہوئے کہا۔

''آؤ.....چلیں یہاں سے نکلنے میں بھی کچھ وقت لگے گا۔''

وہ دونوں نیچے چلے گئے' بچن سنگھ ان کی انتظار میں تھا۔ جسپال نے اپنا فیصلہ اسے سنا دیا۔ تب اس نے سکون سے کہا۔

''میرا فیصلہ بھی یہی تھا مگر میں نے اس لیے نہیں کہا کہ تم یہ نہ سمجھو کہ میں نے تم پر اپنا فیصلہ مسلط کردیا۔ وریام ہے نا'

سارے معاملے نپٹا دے گا۔ یہ حسرت ہی رہی کہ تم سے لمبی باتاں کرتے' آؤ مل لو۔'' یہ کہہ کر اس نے کھڑے ہو کر دونوں بانہیں پھیلا دیں۔ وہ اس سے مل چکا تو وریام اسے لے کر ایک دوسرے کمرے میں چلا گیا' ایک الماری سے موٹے کپڑے کی شلوار قمیص نکالی' پھر ایک بڑی ساری چادر نکال کر اسے دیتے ہوئے کہا۔

''تو یہ پہن لو اور اپنے کپڑے مجھے دو۔''

''تم پہنو گے۔'' جسپال نے اس کے صحت مند جسم کی طرف دیکھ کر مزاقاً کہا تو وہ بولا۔

''ارے نہیں' یہ کپڑے ایک تیرے جیسے قدبت کے بندے کو پہنا کر اوپر چھت پر بھیج دوں گا جہاں سے یہ سی بی آئی والے دیکھتے رہیں کہ بندہ موجود ہے' ساتھ میں رانا ہوگا' ہرنام ہوگا' تو یہ کپڑے پہن' پھر میں بتاتا ہوں تیرے ساتھ کیا کرنا ہے۔''

جسپال نے جین شرٹ اتاری' وہ کپڑے پہنے' سر سے دستار اتاری اور وہ چادر لپیٹ لی' وریام کپڑے لے کر چلا گیا۔ کچھ دیر بعد واپس آیا اور اسے بھی ساتھ لے کر نیچے آیا' پھر اپنے چند ملازمین کے ساتھ لا کر کھڑا کردیا۔

''ابھی یہ لوگ برتن اٹھائے باڑے میں جائیں گے' حویلی سے باہر' تو بھی ان کے ساتھ ادھر جانا..... میں ادھر ملتا ہوں تم سے.....''

وریام نے کہا اور تیزی سے پلٹ گیا۔ وہ سات آٹھ ملازمین تھے' جن کے ساتھ وہ بھی حویلی کے پچھلے دروازے سے نکل گیا۔ اس نے کن اکھیوں سے اردگرد دیکھا' دور ایک کونے پر سڑک کنارے چند لوگ ایک چھوٹی جیپ کے ساتھ کھڑے تھے۔ وہ سب چلتے ہوئے ان کے قریب سے باڑے میں چلے گئے۔ انہیں شک تک نہیں ہوا کہ ان میں جسپال بھی ہوسکتا ہے۔ وہاں سے جسپال نے دیکھا' چھت پر اس کے کپڑے پہنے کوئی تھا' رانا کا ہیولا بھی لگا اور ہرنام بھی اس کے ساتھ تھا۔ زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ وریام وہاں آ گیا۔ اس نے باڑے کے باہر ہی گاڑی کھڑی کردی۔ کیونکہ اس سے کچھ فاصلے پر وہ مشکوک لوگ موجود تھے۔ وریام اسے لیتا ہوا ایک کمرے میں چلا گیا۔ جس کے دوسرے دروازے سے نکل کر وہ باہر آ گئے تو سامنے ویسی ہی ایک اور جیپ کھڑی تھی۔ وہ دونوں تیزی سے اس میں بیٹھے اور مشرق کی جانب چل پڑے۔ سورج مغرب کی آغوش میں ڈوب رہا تھا۔

وہ تقریباً ڈیڑھ گھنٹے تک چلتے چلے گئے۔ راستے میں ایسی گزرگاہیں بھی آئیں' جہاں بہت سست روی سے گزرنا تھا۔ یہاں تک کہ وہ ایک گاؤں میں آن پہنچے' جس میں ایک طرف بہت بڑا تالاب تھا۔ اگرچہ ہر گاؤں میں مویشیوں کے لیے ایک تالاب ہوتا ہے لیکن وہ کچھ غیر معمولی تالاب تھا۔

''یہ سرحد کا آخری گاؤں ہے' یہاں سے فقط دو کلومیٹر کے فاصلے پر سرحد ہے۔'' وریام نے اسے بتایا۔

''وریام' میری معلومات کے مطابق تو پاکستان اور بھارت کی سرحد پر باڑ لگی ہوئی ہے' جس سے گزرنا بہت مشکل ہوگا' وہ کیسے.....'' جسپال نے پوچھا۔

''اس لیے تو یہاں لایا ہوں' دیکھو.....! سرحد پر متعین فورس میں عورتیں بھی ہیں اور مرد بھی' سارے فرشتے نہیں ہیں۔ ان کی اپنی بڑی ضرورتیں ہیں۔ نہ ہوں تو ہم پیدا کردیتے ہیں۔ سیدھی سی بات ہے' ہم نے کاروبار کرنا ہوتا ہے۔ یہاں سے کچھ لوگوں کے ساتھ ہماری ڈیل ہے۔ تم دیکھتے رہنا کہ ہوتا کیا ہے۔'' وریام نے کہا اور گاؤں کے ایک کچے لیکن بڑے سارے گھر کے سامنے گاڑی روک دی۔ اگلے ہی لمحے گھر سے دو لمبے تڑنگے مرد نکلے' وہ تپاک سے ملے اور انہیں [illegible] چارپائیوں پر بٹھا دیا۔ شربت وغیرہ پینے کے بعد ان میں سے ایک نے جسپال کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''تو یہ ہے وہ جوان.....''

''ہاں یہی ہے' دیکھو اسے کوئی تجربہ نہیں ہی' اسے تو بس ادھر سے ادھر بھیجنا ہے' آگے وہ خود دیکھ لیں گے۔'' وریام نے کہا۔

''دیکھیں جی' راؤ صاحب کا حکم آیا ہے تو ہم نے اچانک تیاری کی ہے۔ دو بندے ساتھ ہوں گے' وہ ساتھ تو ہوں گے لیکن ذمے داری نہیں ہے' کیونکہ آگے ہماری بات نہیں ہوئی' اس صورتحال کا شکوہ نہیں دینا۔''

''نہیں ہوگا' اب بتاؤ جانا کب ہے۔''

''ابھی آٹھ بج رہے ہیں۔ دس بجے کے بعد' بندہ آ کر بتائے گا' تب تک ڈیرے پر چلتے ہیں۔ کھاتے پیتے ہیں اور.....'' اس نے معنی خیز انداز میں کہا تو وریام ہنس دیا۔ پھر وہ پیدل ہی گاؤں سے باہر ڈیرے کی طرف چل دیئے۔

کچے کمروں کے سامنے کھلا سارا صحن تھا' جس میں سفید چاندنیاں بچھی ہوئی تھیں۔ وہاں چند لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ بھی جا کر گدوں پر بیٹھ گئے۔ تبھی کچے کمرے میں سے دو نوجوان لڑکیاں برآمد ہوئیں' دونوں ہی گوری چٹی اور روایتی راجھستانی لباس پہنے ہوئے تھیں۔ گھاگھرا اور چولی' کھلا گریبان' کمر برہنہ' پنڈلیاں صاف دکھائی دے رہی تھیں' تبھی دو چار لوگ ایک طرف آ کر بیٹھ گئے۔ انہوں نے کپڑے تلے پڑا سی ڈی پیئر آن کر دیا۔ دھیمی دھیمی موسیقی شروع ہوگئی۔ ایک لڑکی وریام کے پاس آ کر بیٹھ گئی تھی۔ تبھی لمبے آدمی نے ہنستے ہوئے کہا۔

''یہی تھی اس دن والی..... ابھی دس منٹ پہلے پہنچی ہے یہ.....''

''مار دیا اس ظالم نے تو اُس دن..... آج بھی کمال کر دینا ظالم.....'' یہ کہتے ہوئے اس نے اس لڑکی کو بانہوں میں لے کر جھنجوڑ دیا۔ وہ کچھ دیر مچلتی رہی پھر وریام نے چھوڑا تو اٹھ کر ناچنے لگی۔ گانا شروع ہوتے ہی ان کے سامنے شراب بھرے پیتل کے گلاس لا کر رکھنے لگے' وریام نے ایک جام جسپال کے سامنے رکھا تو اس نے دھیرے سے کہا۔

''میں شراب نہیں پیتا۔''

''او ظالم! پھر جیتا کیسے ہے؟'' یہ کہہ کر وہ ہنس دیا۔

''بس نہیں پیتا' شروع سے عادت ہی نہیں بنی۔'' جسپال نے سکون سے کہا۔

''چل ٹھیک ہے' کوئی بات نہیں' تو دیکھ..... ان میں شراب سے بھی زیادہ نشہ ہے۔ پاگل کر دیا ہوا ہے اس نے.....''

وریام شاید اس طوائف پر مر مٹا تھا' شراب کے جام پر جام چلتے رہے۔ بھنا ہوا گوشت ان کے سامنے آتا رہا۔ پندرہ بیس لوگ تھے۔ وہ سب کھاتے پیتے اور ناچ دیکھتے رہے۔ وقت آہستہ آہستہ گزرتا چلا گیا۔

رات ٹھہر چکی تھی دونوں لڑکیاں خوب ناچ رہی تھیں۔ ایسے میں ایک نوجوان سالڑ کا ڈیرے کے احاطے میں داخل ہوا۔ اسے دیکھتے ہی وہ لمبا آدمی اٹھ گیا۔ اٹھتے ہوئے وریام کو بھی اٹھنے کا اشارہ کیا۔ جسپال کے ساتھ وہ بھی اٹھ گیا۔ وہ تینوں آگے پیچھے باہر نکلتے چلے گئے۔

''لو جی وریام جی' آپ نے موجی مستی کرنی ہے تو ادھر رہو یا جانا ہے تو جاؤ' اب آگے ہمارا کام ہے۔'' اس لمبے آدمی نے ڈیرے سے باہر نکل کر کہا تو وریام نے جسپال کو گلے لگاتے ہوئے کہا۔

''لے بھئی جسپال! رب کے حوالے..... واہگرو تم پر مہر کرے' بس تیری خدمت نہ کر سکا۔''

دونوں ایک دوسرے سے گرمجوشی سے ملے' پھر الگ ہو کر ایک دوسرے کو دیکھا' لمبے آدمی نے جسپال کا ہاتھ پکڑا اور اندھیرے میں چل دیا۔ وریام واپس چلا گیا تھا اور وہ دونوں پیدل ہی چل پڑے۔ کافی آگے جانے کے بعد انہیں اونٹ بیٹھے ہوئی دکھائی دیئے۔

''یہ ہمارے سدھائے ہوئے اونٹ ہیں۔ یہ ہی سرحد پار کرائیں گے۔ یہ سیدھے اپنے ٹھکانے پر جائیں گے۔ انہیں اپنی مرضی سے نہیں ہانکنا۔ یہ جدھر لے جائیں' ادھر چلے جانا ہے اور دوسری بات تمہارے ساتھ ایک اور بندہ ہوگا۔ وہ اتنی

سمجھ بوجھ والا بندہ نہیں ہے۔'' لمبے آدمی نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے۔'' جسپال نے سر ہلاتے ہوئے کہا تو لمبے آدمی نے قطبی ستارے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا۔

''یہ دیکھ' یہ تارا دیکھ رہا ہے' یہ تیرے دائیں کاندھے کی طرف رہے بس' پھر تو صحیح سمت میں جائے گا' اسے مت بھولنا۔''

''ابھی کہہ رہے ہو کہ اونٹ.....'' جسپال نے سمجھنا چاہا۔

''اگر تجھے سمت سمجھنے کی ضرورت پڑے تو..... ورنہ یہ تجھے اونٹ ہی اپنے ٹھکانے پر لے جائیں گے' واہگرو کا نام لے اور بیٹھ اس پر.....'' لمبے آدمی نے ایک اونٹ کی طرف اشارہ کیا' جسپال نے پہلے کبھی بھی اونٹ کی سواری نہیں کی تھی۔ اس لیے کوئی تجربہ نہیں تھا۔ وہ کوہان کے پیچھے مضبوطی سے بیٹھ گیا' تبھی لمبے آدمی نے ایک اونٹ کو اٹھایا تو باقی بھی اٹھنے لگے' جسپال ان اونٹوں کی درست تعداد نہ معلوم کر سکا۔ بس اندازہ تھا کہ چھ یا سات ہوں گے۔ اس کا اونٹ تیسرا یا چوتھا تھا۔ لمبے آدمی نے ایک اونٹ کی مہار پکڑی اور سب سے آگے پیدل چلنے لگا۔ تقریباً ایک کلومیٹر کا فاصلہ طے کر کے وہ رک گیا۔ سامنے ایک آدمی کھڑا تھا۔ اس سے دھیمی دھیمی باتیں ہوئیں تو پہلا اونٹ بٹھا دیا گیا۔ وہ بندہ اس پر سوار ہوا تو اونٹ کھڑا ہوگیا۔ اونٹ چل پڑے۔ سامنے لوہے کی اونچی اونچی باڑ دکھائی دینے لگی تھی' جو روشن تھی۔ اس پر بڑی بڑی سرچ لائٹس لگی ہوئی تھیں۔ اچانک وہ لائٹس بند ہوگئیں تو اونٹ تیزی سے چل پڑے۔ سامنے ایک بڑا سارا سیاہ دروازہ تھا' وہ یک لخت کھلا' سبھی اونٹ اس میں سے گزرتے چلے گئے۔ یہ سارا عمل تین یا چار منٹ کا رہا ہوگا۔ جب وہ چند کھیت آگے چلے گئے تو بتیاں پھر سے روشن ہوگئیں۔ اب اونٹ قطار میں نہیں تھے بلکہ پھیل گئے تھے۔ وہ آدمی جسپال کے قریب اپنا اونٹ لے آیا۔

''جوان' مضبوط بیٹھنا' اونٹ کو ریگستان کا جہاز کہتے ہیں۔'' یہ کہہ کر اس نے قہقہہ لگا دیا۔

''کیا اب ہم پاکستان میں ہیں؟'' جسپال نے پوچھا۔

''ابھی نہیں' چند کھیت اور پار کر لیں تو پھر..... یہ باڑ عین سرحد کے اوپر نہیں لگی.....'' اس نے جواب دیا۔

''یہ بتیاں کیوں بند کی گئی تھیں' جب ان سے بات.....'' جسپال نے پوچھنا چاہا تو وہ تیزی سے بولا۔

''رات کے اس وقت مردوں کی ڈیوٹی ہوتی ہے اور وہ بہت پھیل کر بیٹھتے ہیں۔ انہیں بھی چیک کرنیوالے ہوتے ہیں۔ بس رسک نہیں لیا۔ بڑی چوکی پر لائٹ بند کی تھی۔ یہ چلتا ہے۔ تُو اب بھارت کو بھول جا۔ یہ آگے جہاں سے کھیت ختم ہو رہے ہیں' اس سے آگے ریگستان ہے۔ اس ریگستان سے پاکستان شروع ہو جائے گا۔''

''مطلب پھر ہم پرسکون ہو جائیں گے۔'' جسپال نے اطمینان سے کہا۔

''ارے نہیں' سکون تو ٹھکانے پر ہی آئے گا۔ آگے پاکستانی چوکیاں بھی تو ہیں۔ ان سے بھی بچنا ہے۔ بس تو سنبھل کے بیٹھ' جہاز اڑنے کو ہیں۔'' اس نے پھر سے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ جیسے قہقہہ لگانا اس کی عادت ہے۔ جسپال خاموش ہوگیا۔ چند منٹ بعد اونٹ کی رفتار تیز ہونے لگی اور پھر وہ باقاعدہ بھاگنے لگے' جب وہ آہستہ چل رہے تھے تو ہچکولے کم تھے لیکن جیسے ہی وہ تیز ہوئے تو جسپال کو لگا کہ جیسے سارا کھایا پیا باہر آ جائے گا۔ بہت شدید ہچکولے تھے۔ اس نے ایک بار سامنے کی طرف دیکھا' اونٹ پھیل کر یوں بھاگ رہے تھے جیسے ان کی ریس لگی ہوئی ہو۔ اس نے اپنا سر اونٹ کی کوہان کے ساتھ لگا دیا۔ وہ خود پر قابو پا رہا تھا۔

نجانے انہوں نے کتنا سفر کیا تھا۔ ایک دو یا چند کلومیٹر' تبھی بائیں جانب سے دور کہیں کسی گاڑی کی ہیڈ لائٹس دکھائی دیں۔ وہ دو گاڑیاں تھیں۔ اسے لگا کہ جیسے وہ تیزی سے قریب آ رہی ہیں۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ سب کیا ہے؟ وہ نوجوان پتہ نہیں کس اونٹ پر تھا۔ اونٹ بھاگتے چلے جا رہے تھے۔ وہ گاڑیوں کی طرف دیکھنے لگا تھا۔ اس سے یہ ہوا کہ اس کی ساری توجہ ان ہیڈ لائٹس کو دیکھنے اور سمجھنے کی طرف لگ گئیں۔ وہ کبھی دکھائی دیتیں اور کبھی ایک دم سے غائب

ہو جاتیں۔ یہ آنکھ مچولی کافی دیر تک چلتی رہی۔ اچانک وہ گاڑیاں ان کے عقب میں آ گئیں' پھر اس کے ساتھ ہی ایک فائر ہوا جس نے سنائے کو چیر کر رکھ دیا۔ فائر کی آواز کیا گونجی تھی کہ اونٹ باؤلے ہو گئے۔ یکے بعد دیگرے تین فائر مزید ہوئے۔ جسپال کے لیے اونٹ پر بیٹھنا محال ہو گیا ہوا تھا۔ اسے لگا جیسے اس کے بدن کا ہر عضو الگ الگ ہو جائے گا۔ اسے اپنا سانس بند ہوتا ہوا محسوس ہوا۔ اسے لگا جیسے ریڑھ کی ہڈی ابھی چکنا چور ہو جائے گی۔ وہ سمجھ گیا کہ عقب سے ہونے والے ہوائی فائر ہیں۔ وہ انہیں مارنا نہیں چاہتے بلکہ گھیر کر ان اونٹوں کو اپنے ٹھکانے پر لے جانے کی کوشش ہو سکتی ہے۔ اونٹ تیزی سے چلتا چلا جا رہا تھا کہ اچانک وہ لڑکھڑایا' جسپال اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا' وہ اونٹ سے یوں گرا جیسے کسی نے اسے دھکا دے دیا ہو' نیچے ریت ہونے کے باعث اسے کوئی چوٹ تو نہیں آئی' لیکن وہ آناً فاناً! بھاگتے ہوئے اونٹ کو نہ پکڑ سکا' چند لمحوں تک اس سے اٹھا ہی نہیں گیا۔ اسے یقین ہو گیا کہ وہ اونٹ کو نہیں پکڑ سکتا تو وہ وہیں بیٹھ گیا۔ اسے اپنے حواس بحال کرنے میں کتنے ہی منٹ لگ گئے۔ جب اس نے سر اٹھا کر دیکھا تو نہ وہاں اونٹ تھے' نہ کسی گاڑی کی ہیڈ لائٹس' صحرا کی گونجتی ہوئی مخصوص آواز تھی جو بلاشبہ دہشت پیدا کر رہی تھی۔ جسپال چند لمحے بیٹھا سوچتا رہا کہ اب اسے کیا کرنا چاہیے۔ اچانک اسے قطبی ستارے کا خیال آیا۔ وہ اس کے بایاں کاندھے پر تھا۔ اس نے اپنی سمت متعین کی اور چل پڑا۔ یہاں بیٹھے رہنے سے زیادہ چلتے رہنا بہتر ہو سکتا تھا۔ یہاں پر بیٹھ کر اوٹ پٹانگ سوچنے کے اور کر بھی کیا سکتا تھا۔ وہ چلنے لگا۔ صحرا میں پیدل چلنا بھی کافی حد تک دشوار ہوتا ہے۔ ناہموار زمین پر وہ محتاط انداز میں چلتا چلا جا رہا تھا۔ اسے لگا جیسے صدیوں سے اسی طرح صحرا میں سفر کر رہا ہے۔ نجانے وہ کتنی دیر تک چلتا رہا تھا۔ اس کے اعصاب جواب دینے لگے تھے۔ پیاس سے زبان سوکھ گئی تھی۔ اسے فقط اتنا یاد تھا کہ عقب میں آسمان پر روشنی کی لکیر دیکھی تھی' پھر اسے ہوش نہیں رہا تھا۔ وہ لڑکھڑا کر ریت پر گر گیا۔

❀

میں یہ محسوس تو کر رہا تھا کہ میں ہوں لیکن احساس یہی تھا کہ میرا وزن نہیں اور میں ہوا میں کسی خشک پتے کی مانند اڑ رہا ہوں۔ شاید بندے کا ناطہ جب زمین سے ختم ہوتا ہے اور وہ عالم برزخ کی جانب سفر کرتا ہے تو یہی کیفیت رہی ہوگی۔ میں خود کو دیکھ رہا تھا لیکن آنکھ جھپکنے کی قوت تک مجھ میں نہیں تھی۔ یہی بے وزنی کثافت سے لطافت تک کے سفر میں اپنا احساس دلاتی ہے۔ میں خود پر غور کر رہا تھا کہ میں کہاں پر ہوں؟ برزخ یہیں کہیں زمین پر ہے یا آسمان کی وسعتوں میں ہے۔ یا پھر یہ کسی نئی دنیا کا نام ہے۔ یہ ایک ایسا جہان ہے جو دنیا سے ہٹ کر ہے۔ میں لحہ بہ لحہ اپنے حواسوں میں آ رہا تھا۔ مجھے اردگرد کی آوازیں تو سنائی دے رہی تھیں مگر میں ان کی طرف دیکھ نہیں پا رہا تھا۔ میں نے ہمت کی اور اردگرد دیکھنے کی کوشش کی مگر کچھ بھی نہ ہو سکا۔ پھر میں نے ساری کوششیں ترک کر دیں۔ کچھ دیر یونہی پڑا رہنے کے بعد مجھے آوازیں صاف سنائی دینے لگیں۔ میں نے آنکھیں کھول دیں۔ میرے اردگرد چند لوگ کھڑے تھے۔ غور سے دیکھنے پر معلوم ہوا کہ وہ سبھی مقامی تھے۔ ایک بندے نے مجھے اٹھایا تو پتہ چلا کہ میں چارپائی پر لیٹا ہوا ہوں۔ میرے سر کے اوپر درختوں کا سایہ ہے۔ میں حواسوں میں آتا چلا جا رہا تھا۔ مجھے گھونٹ گھونٹ پانی دیا جا رہا تھا۔ لحہ بہ لحہ میرے حواس میرے قابو میں آتے چلے گئے۔ میں خود کو بہتر محسوس کرنے لگا۔ تبھی میرے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

''میں کہاں ہوں؟''

''تم لالا بھوہڑ کے ٹوبے پر ہو۔ تمہاری طبیعت کیسی ہے؟'' ان میں سے کسی نے کہا۔ وہ ایک ادھیڑ عمر باریش آدمی تھا۔ میں نے اپنی حالت کا جائزہ لیا اور بتایا۔

''اس وقت میں بہت اچھا محسوس کر رہا ہوں۔ یہ لالہ بھوہڑ کا ٹوبہ کہاں ہے؟'' لاشعوری طور پر میرے لبوں سے یہ سوال

نکل گیا۔ اس کے ساتھ دو تین دوسرے آدمی بھی تھے۔ انہی میں سے ایک نے کہا۔

''تم کچھ دیر آرام کرو' کچھ کھا پی کر اپنے حواس قابو میں کرو' پھر باتیں ہوتی رہیں گی۔''

''ٹھیک ہے۔'' میں نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''آؤ اٹھو' نہا لو' تمہاری طبیعت ٹھیک ہو جائے گی۔'' انہی میں سے ایک نے کہا تو میں نے اردگرد دیکھا' دن اچھا خاصا چڑھ آیا تھا۔ روشنی تیز تھی۔ میں نے ہمت کی اور اٹھ گیا۔ وہ مجھے قریب ہی ایک تالاب پر لے گئے جہاں میں نے کپڑا باندھا اور خوب نہایا۔ انہوں نے مجھے ایک صاف دھوتی اور کرتا دے دیا۔ جسے پہن کر میں پرسکون ہو گیا۔ میں ان کے ساتھ پلٹ کر واپس آیا تو ایک اونٹ کے گرد کافی سارے لوگ اکٹھے تھے اور کسی بندے کو اس پر سے اتارا جا رہا تھا۔ جب اسے اونٹ سے اتار کر چارپائی پر ڈالا گیا تو میں نے غور سے دیکھا' اس نے شلوار قمیص پہنی ہوئی تھی لیکن اپنی وضع قطع اور سر کے بالوں سے سکھ معلوم ہو رہا تھا۔ یہی رائے ان سب کی تھی۔ وہی ادھیڑ عمر بندہ اسے ہوش میں لانے لگا۔ جبکہ وہیں موجود دوسرے لوگ میری طرح غور سے دیکھتے چلے جا رہے تھے۔ کچھ دیر بعد اسے ہوش آ گیا۔ تھوڑا تھوڑا پانی پلانے میں اور اس کے حواس بحال ہونے میں کچھ وقت لگ گیا۔ وہ ریت میں اٹا پڑا تھا' شکل اور نقوش سے' اس کے کپڑے میل نہیں کھا رہے تھے۔ بالکل میری طرح اس نے پہلا سوال ہی یہی کیا تھا کہ میں کہاں ہوں؟ اسے مطمئن کرنے کے بعد اسے پوری طرح حواسوں میں لایا گیا' اور میری طرح ہی اسے نہانے کے لیے تالاب پر لے جایا گیا۔ اگرچہ مجھے بھوک شدت سے ستا رہی تھی لیکن میں بے حال نہیں تھا۔ میں چارپائی پر دوبارہ لیٹا تو مجھے نیند آ گئی۔ پھر میری آنکھ اس وقت کھلی جب کسی نے پیر کا انگوٹھا پکڑ کر مجھے جگایا۔ کچھ لوگ میرے لیے کھانا لیے کھڑے تھے۔ قریب ہی دوسری چارپائی پر اپنے بال کھولے سکھ بھی بیٹھا ہوا میری طرف دیکھ رہا تھا۔ ہمارے سامنے کھانا رکھ دیا گیا' ہم دونوں ایک دوسرے کے لیے اجنبی تھے' لیکن ساتھ میں کھانا کھا رہے تھے۔ خوب سیر ہو کر کھانا کھا چکے تو برتن ایک تیسری چارپائی پر رکھ کر لیٹ گئے۔ مجھے اس سکھ کا نہیں معلوم بہرحال مجھے نیند آ گئی' اور میں سو گیا۔

میری آنکھ کھلی تو شام کے سائے پھیل رہے تھے۔ زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹے میں سورج غروب ہو جانے کو تھا۔ تیسری چارپائی پر ایک نوجوان بیٹھا ہوا تھا۔ مجھے بیدار ہوتا دیکھ کر اس نے کافی حد تک مقامی زبان اور لہجے میں کہا۔

''چلو اٹھو' میرے ساتھ چلو۔''

''کہاں؟'' میں نے پوچھا۔

''جہاں میں لے جاؤں۔'' اس نے کہا اور کھڑا ہو گیا۔ اسی طرح اس نے سکھ کو بھی اشارہ کیا' جس نے اپنے بال باندھ لیے تھے اور اس پر چادر لپیٹی ہوئی تھی۔ وہ نوجوان ہمارے آگے آگے جا رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں لاٹھی تھی۔ ہم اس کی پیچھے پیچھے چلتے چلے جا رہے تھے۔ ہم صحرا میں ریت کے ٹیلوں کے درمیان چلتے ہوئے ایک ایسی جگہ پر آ گئے جہاں کافی اونچی جگہ پر گوپا (مقامی جھونپڑی) بنا ہوا تھا۔ ڈھلوان کے آخر میں ایک کچا کھڑا تھا' جس پر خس کی صفیں بچھی ہوئی تھیں۔ کافی سارے بڑے میدان کے ساتھ ایک طرف درختوں کا جھنڈ تھا۔ اس کے ساتھ ایک کنواں تھا' جس کے اردگرد دو بیل جتے ہوئے پانی نکال رہے تھے۔ وہ پانی کھال کی صورت میں نجانے کس طرف جا رہا تھا۔ ہمیں اس کھلے میدان میں لے جا کر کھڑا کر دیا گیا۔ اردگرد کوئی بندہ نہیں تھا۔ بس وہی نوجوان تھا جو ایک طرف ہٹ کر کھڑا تھا اور گوپے کی جانب دیکھ رہا تھا۔ زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ گوپے میں سے ایک ادھیڑ عمر اسمارٹ جسم کا' درمیانہ قد' چھوٹی چھوٹی سفید داڑھی' لمبے بال جو شانوں تک پڑے تھے' اس نے باریک کرتا پہن رکھا تھا جو سفید براق تھا۔ اسی طرح گہرے نیلے رنگ کی دھوتی' پاؤں میں کھسہ پہنے ہوئے تھا۔ اس کی بڑی بڑی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ تیکھا ناک' پتلے پتلے ہونٹ' جن پر بھاری مونچھیں

بہت رعب دار لگ رہی تھیں۔ وہ ہماری طرف گہری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا' پھر جیسے اس کھردرے ماحول میں نرم اور خوشگوار ہوا کا جھونکا در آیا ہو۔ اس کی پشت پر ایک کامنی سی لڑکی دکھائی دی۔ گول چہرہ' سیاہ بال' جو بوائے کٹ میں تھے۔ تیلی سی جسامت والی' درمیانے قد کی اس نے سفید شلوار قمیص جس پر سفید اور نج اور پیلے پھول بنے ہوئے تھے پہنی ہوئی تھی' پاؤں میں سیاہ سینڈل تھے۔ وہ بھی گہری نگاہوں سے ہماری طرف دیکھ رہی تھی۔ اس تیکھے نقوش والی لڑکی کا وہاں ہونا' عجیب سا تاثر پیدا کر رہا تھا۔ اس وقت مجھے شدت سے احساس ہوا کہ کھردرے اور پھیکے ماحول میں جب عورت آ جاتی ہے تو ماحول نرم اور رنگین ہو جاتا ہے۔ وہ دونوں ہماری طرف چند لمحے دیکھتے رہے' پھر ہمیں وہیں رکنے کا اشارہ کر کے واپس پلٹ گئے۔ اگلے ہی لمحے گوپے میں سے دو نوجوان نکلے۔ وہ گوپے ہی کے سائے میں چارپائیاں بچھانے لگے اور ہمیں وہاں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ ہم دونوں بیٹھ گئے۔ تبھی ہمارے سامنے جدید مشروبات کے ٹن پیک لائے گئے۔ ہم وہ پی رہے تھے کہ وہ دونوں وہیں اس چارپائی کی سامنے والی چارپائی پر آن بیٹھے' جہاں ہم دونوں بیٹھے ہوئے تھے۔

''میرا نام مہر خدا بخش خان ہے' عرصہ دراز سے یہاں رہتا ہوں' یہ ساری زمینیں اور باڑے میرے ہیں۔ یہ لڑکی یہاں کام کرتی ہے۔ تانی نام ہے اس کا۔'' وہ تعارف کرا کر خاموش ہو گیا تو پہلے میں نے اپنا تعارف کرایا۔ میرے بعد وہ سکھ بولا۔

''میرا نام جسپال سنگھ ہے' میں اصل میں وینکوور کا رہنے والا ہوں۔ پچھلے چند ہفتوں سے بھارت میں تھا۔ رات سرحد پار کروائی گئی ہے مجھے' اب مجھے نہیں پتہ کہ میں کہاں ہوں۔''

''تم جمال مسلمان ہو' اور یہ جسپال سکھ ہے۔ یہ اتفاق ہی ہے کہ تم دونوں ایک ہی رات دو مختلف سمتوں سے ملے ہو۔ بے ہوش' ظاہر ہے تم دونوں میں سکت نہیں رہی ہو گی صحرا کا مقابلہ کرنے کی' یہاں بڑے بڑے لوگ ہار جاتے ہیں۔ یہ تو اچھا ہوا کہ تم دونوں چاہے مخالف سمتوں ہی میں سہی لیکن میرے علاقے میں سے پائے گئے ہو۔ یہ تو پکی بات ہے کہ تم دونوں ہی کو کوئی مجبوری ہی اس ویرانے میں لائی ہے' اور یہ بھی سچ ہے کہ تم دونوں کوئی شریف اور معصوم بندے نہیں ہو۔''

''آپ کی ساری باتیں سچ ہیں۔'' میں نے اعتراف کرتے ہوئے کہا تو وہ جسپال کی طرف دیکھ کر بولا۔

''اور تم جسپال۔''

''ایسا ہی ہے' لیکن میں اپنے بارے میں اتنا بتا دوں کہ میں جرائم پیشہ نہیں ہوں۔''

''میں نہیں جانتا کہ تم دونوں جرائم پیشہ ہو یا نہیں' لیکن تم دونوں کے پاس سے جدید پسٹل برآمد ہونا' اس بات کی نشاندہی کر رہا ہے کہ مار دھاڑ' قتل وغیرہ تم دونوں کے کریڈٹ پر ضرور ہو گا۔'' یہ کہہ کر وہ ایک لمحے کے لیے خاموش ہوا' پھر ہماری طرف سے کوئی جواب سنے بغیر بولا۔ ''آرام کر لیا' کھانا کھا لیا' جانا چاہتے ہو تو جا سکتے ہو۔''

''ہمیں تو اندازہ ہی نہیں کہ ہم کہاں پر ہیں' پھر کیسے کس طرح.....'' جسپال نے تشویش سے کہا۔

''لڑکے.....! میں اس کا جوابدہ نہیں ہوں اور نہ ہی یہ بتا سکتا ہوں کہ تم اس وقت کہاں ہو' یہ میری مجبوری ہے' میں تم لوگوں کو کہیں چھوڑ بھی نہیں سکتا۔'' اس نے سختی اور روکھے پن سے کہا۔

''ہمیں تو سمت کا اندازہ نہیں کہ ہم کس طرف جائیں گے۔ پلیز آپ ہمیں کسی قریب ترین شہر کے پاس پہنچانے کا بندوبست کر دیں پھر ہم جانیں اور ہماری قسمت۔'' جسپال نے کافی حد تک نرم اور منت بھرے انداز میں کہا۔

''دیکھو جسپال! میں نے تم لوگوں کو پیغام نہیں بھیجا تھا کہ تم یہاں آؤ' خود آئے ہو تو خود ہی چلے جاؤ' اور پھر میں تمہاری مدد کیوں کروں.....؟'' اس نے منطقی انداز میں کہا۔

''آپ کیا چاہتے ہیں؟ دولت..... وہ میں.....''

''نہیں' مجھے دولت نہیں چاہیے۔ میری تین شرطیں ہیں' ان میں سے کوئی ایک پوری کر دو' تو میں شہر کے قریب پہنچا دوں

گا۔ جو تم میں پہلے شرط پوری کرے گا' اسے پہلے.....''

''کیا ہیں وہ شرطیں۔'' میں نے دلچسپی لیتے ہوئے کہا تو مہر خدا بخش نے میری جانب غور سے دیکھا اور پھر بولا۔

''میرے ساتھ پنجہ آزمائی کرنا ہو گی' مجھے ہرا دو تو میں تمہاری بات مان لوں گا۔''

''دوسری شرط۔'' جسپال نے تیزی سے پوچھا۔

''یہ ہے کہ اس لڑکی تانی کے ساتھ جو فائٹ کر کے اسے زخمی کر دے گا' اس کی بات مانی جائے گی۔'' اس نے یوں کہا جیسے وہ ہمارا مذاق اڑا رہا ہو۔

''اور تیسری شرط؟'' میں نے پوچھا۔ اتنے میں ایک سال بھر کا بچھڑا' ایک طرف سے بھاگتا ہوا دوسری طرف نکل گیا' مہر خدا بخش کی نگاہ اس پر پڑی تو وہ بولا۔

''وہ بچھڑا دیکھا ہی' مجھے بڑا پیارا ہے' جو اسے گرا کر اس کی گردن پر چھری پھیر دے گا' میں اس کی بات مان لوں گا۔'' یہ کہہ کر وہ لمحہ بھر کو خاموش ہوا' پھر بولا۔ ''لیکن یہ یاد رکھنا' ان تینوں میں سے کوئی ایک شرط مان لینے کے بعد اگر ہار گئے تو پھر میری بات ماننا ہو گی۔ میں پھر جب تک چاہوں تم لوگوں کو یہاں رکھوں' جانا ہے تو ابھی چلے جاؤ' ورنہ میں پھر بھاگنے نہیں دوں گا۔''

نجانے کیوں مجھے مہر خدا بخش کی باتیں اوپری لگ رہی تھیں۔ مگر ان باتوں میں دم تھا' ایسا چیلنج جس میں ہمیں اس طرح ہارا گیا تھا کہ وہ ہمیں بے بس ثابت کرنا چاہ رہا تھا۔ میں نے ایک لمحے کو سوچا' پھر انتظار کرنے لگا کہ جسپال کیا کہتا ہے۔ وہ بھی خاموش تھا۔ جس طرح وہ تانی اب تک خاموش تھی۔ اس نے ایک لفظ بھی اپنے منہ سے نہیں نکالا تھا' مگر اس کے حسن نے بھرے ماحول کو خوشگوار بنائے ہوئے تھے۔ ہم دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا تو جسپال نے آنکھوں ہی آنکھوں میں مجھے جواب دینے کو کہا۔ تب میں نے بہت نرم لہجے میں کہا۔

''جہاں تک آپ کی پہلی شرط ہے' آپ ہمارے لیے ایک بزرگ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ہمارا بنتا ہی نہیں کہ آپ کے مقابلے پر اتریں۔ ہمارے بڑوں نے ہمیشہ بزرگوں کو عزت دینے کا ہی سبق دیا ہے۔ لہٰذا میں ایسا نہیں کر سکتا اور میرا خیال ہے جسپال بھی نہیں۔'' میرے یوں کہنے پر جسپال نے نفی میں گردن ہلا دی۔

''تو پھر.....؟'' مہر خدا بخش نے ہنکارے کے سے انداز میں پوچھا۔

''تانی ایک لڑکی ہے' ہم نہیں جانتے کہ وہ کیا بلا ہے' یا محض ایک کمزور لڑکی' ہم عورت پر ہاتھ نہیں اٹھاتے' اس لیے تانی سے ہمارا مقابلہ ہے ہی نہیں۔'' میں نے صاف لفظوں میں کہا تو مہر خدا بخش نے بڑے ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا۔

''پھر بچھڑے کو گرا کر اس کی گردن پر چھری پھیر دو' جاؤ میں تم دونوں کو یہ مہلت بھی دے دیتا ہوں کہ جتنے دن چاہے لے لو اور جتنی بار مرضی کوشش کر لو' جس دن بچھڑے کی گردن پر چھری پھیر لو' اس دن جہاں کہو گے' وہاں پہنچا دوں گا۔ جاؤ کوشش۔'' اس نے کہا تو تانی نے ایک چھری نکال کر میری جانب بڑھا دی۔ اس چھری کا پھل بڑا اور چمکدار تھا۔ ان دونوں میں اتنا بڑا اعتماد دیکھ کر میں واقعتاً حیرت زدہ رہ گیا تھا۔ میں نے آگے بڑھ کر تانی کے ہاتھ سے چھری لینا چاہی تو اس نے میرے پکڑنے سے پہلے ہی چھری چھوڑ دی۔ میں نے لاشعوری طور پر چشم زدن میں چھری کو زمین پر گرنے سے پہلے ہی قابو کر لیا۔ جیسے ہی وہ چھری میرے ہاتھ میں آئی' اسی لمحے میں سمجھ گیا کہ دراصل وہ ہمارا امتحان لے رہے ہیں۔ میں تانی کی طرف دیکھ کر مسکرا دیا تو اس کی بھی آنکھیں مہین سا ہنس دیں۔ بچھڑا مجھ سے کافی دور کھڑا تھا' اس کی گردن میں رسہ نہیں تھا۔ وہ کھلا ہی چھوڑا ہوا تھا۔ میں نے اسے غور سے دیکھا تو وہ خاصا پلا ہوا تھا۔ مجھے نہیں اندازہ تھا کہ میں اسے قابو کر بھی پاؤں گا یا نہیں' لیکن یہ حوصلہ ضرور تھا کہ بچپن سے لے کر اب تک مویشیوں اور ڈھور ڈنگر کے ساتھ بہت وقت گزارا تھا۔

طرح طرح کے جانور ہاتھ سے نکلے تھے۔ میں تیز تیز قدموں کے ساتھ اس بچھڑے کے قریب جا پہنچا۔ شاید اسے بھی احساس ہو گیا تھا کہ میں اس کے لیے آیا ہوں' وہ میری طرف دیکھنے لگا' پھر جیسے الرٹ ہو گیا۔ میں اور وہ آمنے سامنے ہو گئے۔ اس کے تھوڑے تھوڑے سینگ نکل آئے تھے۔ وہ اگر میرے سینگ مار دیتا تو میرے بدن میں دو سوراخ ہو جاتے۔ میرے ایک ہاتھ میں چھری تھی۔ جو اسے گرانے میں مشکل پیدا کر رہی تھی۔ میں نے چھری کو دانتوں سے پکڑا اور ایک دم سے بچھڑے پر چھلانگ لگا دی۔ میرا ارادہ تھا کہ میں بچھڑے پر سوار ہو کر اس کی ایک ٹانگ اوپر اٹھاؤں گا لیکن میرا خیال محض خیال ہی رہا' اس نے اپنے منہ کے تھپڑے سے مجھے ہوا میں اچھال دیا۔ میں کم از کم دس فٹ تک اچھلا ہوں گا۔ اس دوران چھری میرے دانتوں میں سے نکل گئی اور میں دھپ سے زمین پر آ گرا۔ مجھے یوں لگا جیسے میری ساری ہڈیاں ٹوٹ گئیں ہوں۔ میرا سر ایک دم سے چکرا گیا اور مجھے یوں لگا جیسے میں ابھی بے ہوش ہو جاؤں گا۔ مجھے اپنی بے عزتی کا اتنا زیادہ دکھ نہیں تھا جتنا ہار جانے کے بعد وہاں سے نکل نہ سکنے کا دکھ تھا۔ میں زمین پر پڑا رہا۔ تبھی تانی میرے قریب آئی' اس نے اپنا ہاتھ میری طرف بڑھایا' میں نے اس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیا تو اس نے سہارا دے کر مجھے اٹھا لیا۔ میں چند قدم اس کے سہارے چلا پھر خود ہی قدم بھرتا ہوا چارپائی پر آ گرا۔

''جاؤ جسپال.....!'' مہر خدا بخش نے کہا۔

''میرا ہڈیاں تڑوانے کا ابھی موڈ نہیں ہے۔'' اس نے صاف انداز میں کہہ دیا۔

''جمال تو گیا اور.....'' مہر خدا بخش نے سنجیدگی سے کہا۔

''میں جانوروں کے ساتھ کیوں ٹکراؤں۔'' جسپال نے کاندھے اچکا کر کہا۔

''انسان جانوروں سے بھی زیادہ خطرناک ہوتے ہیں۔ سانپ کے زہر کا تو پھر بھی علاج ہے' لیکن انسانی زہر سے بچنا بہت مشکل ہے۔ یہ اتنا سریع الاثر ہوتا ہے کہ کئی نسلوں تک زہر کا اثر نہیں جاتا پھر جاؤ' جا کر انہی درختوں کے پاس جا کر آرام کرو' کل بات ہو گی تم لوگوں سے۔'' یہ کہہ کر وہ ایک دم سے اٹھا اور واپس گوپے کی جانب بڑھ گیا۔ میں حسرت سے ان دونوں کو جاتے دیکھتا رہا۔

❀

میری ساری رات اذیت میں گزری تھی۔ بچھڑے کی ٹکر سے زمین پر گرنے کی وجہ سے دائیں پسلی اور ران تک یوں تکلیف ہو رہی تھی جیسے کوئی ہڈی ٹوٹ گئی ہو۔ رات گئے تک جسپال میرے ساتھ لفظوں کی حد تک ہمدردی کرتا رہا۔ وہ بے چارہ اور کر بھی کیا سکتا تھا۔ کوئی دوا نہیں تھی جس سے کسی حد تک سکون مل جاتا۔ میں نے اسے سو جانے کے لیے کہہ دیا اور خود ساری رات آنکھوں میں کاٹ دی۔ صبح کا سورج طلوع ہوا تو مجھ پر غنودگی طاری تھی۔ ہم ساری رات درختوں کے جھنڈ کے پاس میدان میں چارپائیوں پر پڑے رہے تھے۔ مجھے نہیں یاد کہ کوئی ذی روح ہمارے اردگرد بھی پھٹکا ہو گا۔ ہم دونوں ہی تھے اور اگر چاہتے تو وہاں سے کسی سمت بھی نکل سکتے تھے۔ مگر جس اعتماد سے مہر خدا بخش نے کہا تھا کہ اگر بھاگ سکتے ہو تو بھاگ جاؤ' میری اجازت کے بغیر نہیں جا سکتے تو اس میں ضرور کوئی راز ہو گا۔ رات بھر میں اس کے سیٹ اپ پر غور کرتا رہا تھا۔ سب کچھ عام سا تھا لیکن تانی کا وجود سارے ماحول کو منفرد بنا رہا تھا۔ اس کا قاتل انداز اور اہمیت سے اس کا وجود ماورائی سا لگ رہا تھا۔ یا تو وہ اس ماحول میں مس فٹ تھی یا پھر وہ بہت کچھ تھی۔ اس کا حسن، اس پر سادگی، اور پھر اس سے فائٹ کرنے والی بات، یہ سب سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ لوگ بھی اتنے دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ کل ہی چند لوگ دیکھے تھے' پھر وہ بھی دکھائی نہیں دیئے۔ یہ کیسی پراسراریت تھی؟ کیا مجھے اسے سمجھنا چاہیے یا پھر یہاں سے نکلنے کی کوشش کرنا چاہیے؟ اصل میں میری مجبوری یہی تھی کہ نہ تو مجھے یہ معلوم تھا کہ میں کہاں ہوں اور نہ یہ پتہ تھا کہ جانا کس طرف ہے۔ صحرا

کی بھول بھلیوں میں بھٹکنے کی بجائے' یہیں پڑا رہنا بہتر تھا۔ مجھے کسی نہ کسی طرح مہر خدا بخش کی خوشنودی حاصل کرنا تھی۔ میں نے ان شرائط پر بھی بہت سوچا تھا' اگر وہ ہم پر مہربان ہوتا تو ایسا سب کچھ کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ ہمیں وہ کسی ٹھکانے پر پہنچا دیتا۔ کیا وہ ہمیں یہاں پر روکنا چاہتا ہے؟ اور اگر روکنا ہی چاہتا ہے تو کیوں؟ ایک تو الجھن اور دوسرا تکلیف کے باعث میں کچھ نہ سمجھ سکا۔ میں اپنی غنودگی سے اس وقت نکلا جب ایک نوجوان ہمارے لیے کھانا لے کر آیا۔ جسپال نے چارپائی پر ہی میرا منہ ہاتھ دھلوایا اور پھر میرے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھانے لگا۔ وہ نوجوان خاموشی سے بیٹھا رہا۔ جب برتن خالی ہو گئے تو وہ انہیں اٹھا کر لے گیا۔

''جمال یار' کہاں آ پھنسے ہیں۔'' جسپال نے دوسری چارپائی پر لیٹتے ہوئے کہا۔

''یہاں کم از کم یہ ڈر تو نہیں ہے کہ کوئی آ کر ہمیں گرفتار کر لے گا' پڑے ہیں' جب تک مہر خدا بخش چاہتا ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

''کب تک.....'' اس نے اکتائے ہوئے کہا' میں ہنستے ہوئے بولا۔

''اب ملاقات ہوئی تو اس سے پوچھ لینا۔ یا پھر باقی شراطوں میں سے ایک چن لو۔''

''یہ بندہ عجیب سا لگا ہے مجھے' قنوطی سا' پاگل سا۔'' اس نے اپنے طور پر تبصرہ کیا۔

''مگر میرا یہ خیال نہیں ہے۔'' میں نے اپنے طور پر رائے دی۔

''کیوں؟'' اس نے پوچھا تو میں نے عام سے لہجے میں کہا۔

''بس میرا خیال ہے۔''

لفظ ابھی میرے منہ ہی میں تھے کہ دو تین آدمی ہمیں اپنی طرف آتے ہوئے دکھائی دیئے۔ ان کے ساتھ تانی بھی تھی۔ اس بار وہ کاسنی رنگ کے شلوار قمیص میں تھی' جس پر سیاہ پھول بنے ہوئے تھے۔ میں نے اٹھ کر بیٹھنے کی کوشش کی تو درد نے پورے وجود کو ہلا کر رکھ دیا۔ شاید میرے چہرے کے زاویے بگڑے ہوں گے کہ تانی نے انتہائی طنزیہ انداز میں کہا۔

''مرد بنو مرد..... ایک بچھڑے کی ٹکر سے تم چارپائی پر لگ گئے ہو۔''

''کاش میں لوہے کا بنا ہوا ہوتا۔'' میں نے کہا اور سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ تبھی ایک ادھیڑ عمر مرد نے درد کے بارے میں پوچھ کر میرے جسم پر ہاتھ پھیرنا شروع کر دیا۔ درد والی جگہوں پر اچھی طرح ٹٹول لینے کے بعد وہ سیدھا ہو کر بولا۔

''کوئی ہڈی نہیں ٹوٹی' لیکن پٹھوں کو اچھا خاصا دباؤ ہے' ایک دو دن میں ٹھیک ہو جائے گا اور اگر میری دی ہوئی دوا لو گے تو آج شام تک بھلے چنگے ہو جاؤ گے۔''

''اگر پی لو گے کا کیا مطلب' اسے دیں یہ پیئے.....'' تانی نے پہلی بار لب کشائی کی تھی۔ اگرچہ بات تھوڑی سخت تھی لیکن لہجہ بڑا نرم تھا۔ اس کے چہرے پر کسی بھی قسم کے جذبات کا اظہار نہیں تھا۔ وہ اپنی چمکتی ہوئی آنکھوں سے میری جانب دیکھ رہی تھی۔ میں نے کچھ بھی نہیں کہا تھا' اس طبیب نے اپنی پوٹلی میں سے کئی ساری شیشیاں نکالیں' ان میں سے ایک منتخب کی اور اس میں سے ذرا سا سفوف نکال کر میری ہتھیلی پر رکھ دیا۔ اس کے ساتھ ہی پانی کا پیالہ میری جانب بڑھا دیا۔ میں نے بھی پھانک کر پانی پی لیا۔

''اب آرام کرو۔ میں شام کے وقت تمہیں پھر دیکھنے آؤں گا۔'' طبیب نے کہا اور واپس چلا گیا۔ اس کے ساتھ باقی بندے بھی چلے گئے۔ کچھ دیر تک ہمیں کھڑی گھورتی رہی پھر وہ بھی پلٹ کر چل دی۔ ایک لمحے کے لیے تو یوں لگا جیسے کھلے صحرا میں کوئی ہرنی قلانچیں بھرتی ہوئی پھر رہی ہے۔

''یار اور کچھ ہو نہ ہو' یہ ہمیں مار دے گی۔'' جسپال نے یوں کہا جیسے وہ اس پر سو جان سے فریفتہ ہو گیا ہو۔

''اسے چھیڑنا بھی مت مہر خدا بخش کی منہ چڑھی لگتی ہے۔'' میں نے چارپائی پر لیٹتے ہوئے کہا۔ اس کے ساتھ ہی میرے منہ سے کراہ نکل گئی۔

''جمال.....! یہ سب ان کا مجھے ڈرا دا لگتا ہے' کچھ بھی نہیں ہے' تُو شام تک اگر ٹھیک ہو جاتا ہے تو پھر نکلتے ہیں یہاں سے۔'' جسپال نے اکتاہٹ بھرے انداز میں کہا۔

''لیکن مجھے نہیں لگتا کہ ہم ان کی مرضی کے بغیر یہاں سے نکل پائیں گے۔'' میں نے اسے سمجھایا۔

''اگر ایسی بات ہے تو میں ابھی اور اسی وقت نکلتا ہوں' پتہ چل جائے گا۔'' اس نے بڑے دعوے سے کہا۔

''ٹھیک ہے جاؤ' لیکن پھر بعد میں ان کی کسی ہمدردی کی توقع نہ رکھنا۔ میں جانتا ہوں' ان صحرائی لوگوں کو' جی بھر کے مہمان نواز ہوتے ہیں لیکن اگر دشمنی پر اتر آئیں پھر.....'' میں نے کہنا چاہا مگر جسپال نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا۔

''تم بتاؤ' پھر کیا کریں؟''

''ایک دو دن آرام کرو' مہر خدا بخش کا رویہ دیکھو' وہ ہمیں ہماری مرضی کے بغیر تو یہاں نہیں رکھ سکتا۔ میرے خیال میں وہ ہمارے بارے میں تصدیق کرنا چاہ رہا ہوگا کہ ہم کیسے بندے ہیں۔ وہ جو پسٹل ہم دونوں سے نکلے ہیں' اسے ہم نظر انداز نہیں کر سکتے' اور میں یہ بھی بتا دوں' معصوم ہم دونوں ہی نہیں ہیں۔''

''ایسا تو ہے یار' مگر یہاں سے نکلنا.....؟''

''نکل جائیں گے یار' بس صبر کرو۔'' میں نے کہا ہی تھا کہ دور گوپے کی طرف سے مہر خدا بخش کے ساتھ تانی آتے ہوئے دکھائی دیئے۔ ان کے پیچھے ایک نوجوان بھی تھا' جس کے ہاتھوں میں فلاسک ٹائپ چیزیں پکڑی ہوئی تھیں۔ وہ لمحہ بہ لمحہ ہمارے قریب آتے چلے گئے اور پھر ہمارے پاس آ گئے۔ میں اٹھ کر بیٹھنا چاہ رہا تھا کہ اس نے کہا۔

''لیٹے رہو' تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔'' یہ کہتے ہوئے وہ سامنے والی چارپائی پر بیٹھ گیا لیکن میں پھر بھی اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اتنی دیر میں درختوں میں سے دو نوجوان نکلے انہوں نے ہاتھوں میں سرہانے اور گاؤ تکیے پکڑے ہوئے تھے اس کے علاوہ دیگر کپڑے' وہ انہوں نے آناً فاناً بچھا دیئے۔ مجھے لگا مہر خدا بخش وہاں پر ڈیرہ ڈالنا چاہ رہا تھا یا کم از کم وہ ہمارے ساتھ وقت گزارنا چاہتا تھا' ایک طرف تانی آن بیٹھی' تبھی مہر خدا بخش نے کہا۔

''کون لوگ ہو تم.....مگر یاد رکھنا' میں صرف سچ سننا چاہتا ہوں۔''

''میں بتاتا ہوں۔'' میں نے کہا پھر مہر خدا بخش کی طرف دیکھ کر بولا۔ ''کیا آپ میری طویل بات سن لیں گے۔''

''تم جو کہنا چاہتے ہو اور جب تک کہنا چاہتے ہو کہو' میں سنوں گا۔'' اس نے کہا تو میں نے اپنی طرف سے اختصار کے ساتھ اپنے بارے میں بتانا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ دوپہر ہو گئی' وہیں کھانا چن دیا گیا۔ انہوں نے ہمارے ساتھ بیٹھ کر کھایا' خوب سیر ہو چکے تو مہر خدا بخش نے کہا۔

''جمال نے تو اپنی کہانی سنا دی' جسپال اب تم کہو۔''

جسپال نے اپنے بارے میں تفصیل سے بتا دیا۔ بھارت آنے سے لے کر یہاں صحرا میں پہنچنے تک ساری روداد بیان کر دی۔ یہاں تک کہ سہ پہر ہو گئی۔ ساری بات سن کر وہ چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔

''یہ اچھی بات ہے کہ تم دونوں نے سچ بولا' مجھے تم دونوں کے بارے میں رات ہی علم ہو گیا تھا۔ جمال تیرے بارے میں صرف آئی جی آفس میں ایک بندے کی ڈیوٹی لگائی تھی۔ اس نے رات مجھے بتایا کہ تم فیہ یوں والی گاڑی سے فرار ہوئے ہو۔ تمہارا جگری دوست چھاکا بچ گیا ہے' وہ زندہ ہے مگر پولیس کی حراست میں ہے۔ جانی شوکر مارا گیا ہے۔ اس کے علاوہ دو اور بندے.....شاہ زیب کے زیادہ بندے مرے ہیں۔ میں چاہوں تو ابھی اور اسی وقت تمہیں پولیس کے

حوالے کر دوں۔ مگر میں جانتا ہوں کہ تم فنکار ہو' چاہو تو ایک نئی زندگی کی ابتدا کر سکتے ہو' پولیس تمہیں بھول جائے گی۔ اور چھاکا' آج شام سے پہلے پولیس حراست سے باہر ہوگا۔'' اس نے بڑی سنجیدگی اور یقین سے کہا تھا' میں حیران رہ گیا۔ میں نے اس پر کچھ کہنا چاہا تھا کہ اس نے اشارے سے مجھے روک دیا' پھر جسپال کی طرف دیکھ کر کہنے لگا۔

''اور تم.....! تمہاری سب سے بڑی خامی وہی ہے جو تم نے مجھے نہیں بتائی۔''

''کون سی؟'' وہ چونکا۔

''جسمیندر سنگھ' جس کا سہارا تم نے لیا' ارے ایسے کام کرنے ہوتے ہیں تو صرف اپنے زور بازو پر بھروسہ کیا جاتا ہے' شطرنج کے مہرے تو کسی دوسرے کے محتاج ہوتے ہیں۔''

''آپ اسے کیسے جانتے ہیں؟''

''میں اسے ہی نہیں' جس ریکٹ کے لیے وہ کام کر رہا ہے' میں اس کے چلانے والے کو بھی جانتا ہوں' تم نے محض بچوں والا کھیل کھیلا ہے' اب سنو.....! بے چارہ انوجیت پولیس حراست میں ہے اور اس پر دباؤ ہے کہ تمہیں پیش کیا جائے' مگر تم تو یہاں ہو۔ بچپن سنگھ نے بہت بڑی غلطی کی کہ تمہیں سرحد پار بھیج دیا۔ یہ بھی ایک طرح سے اچھا ہوا' وہاں تمہاری بنیاد ہی نہیں تھی۔''

''اوہ.....! بے چارا انوجیت۔'' جسپال نے روہانسا ہوتے ہوئے کہا۔

''فکر نہیں کرو' وہ بھی آج شام سے پہلے پولیس حراست سے باہر آ جائے گا' ایف آئی آر بھی لکھوا دی ہے کہ رویندر سنگھ نے تمہیں اغوا کرا لیا ہے' اس سے بازیاب کروایا جائے۔ نیوز چینل پر جو کچھ بھی چل رہا ہے وہ سب غلط ہے اور ڈرامہ ہے۔'' مہر نے سکون سے کہا تو جسپال نے انتہائی حیرت سے اسے دیکھا۔

''آپ سب کچھ جانتے ہیں.....؟''

''ہاں ایک اور بات، کیشیو مہرہ نے تمہاری طرف سے مقدمہ دائر کر دیا ہے۔ ہی جائیداد والا، اس کی بھی فکر نہ کرو' یہ کہتے ہوئے میر خدا بخش کے چہرے پر انتہائی درجے کی سنجیدگی تھی۔ اس پر جسپال یوں ہو گیا جیسے وہ ابھی پاگل ہو جائے گا۔ اس نے بڑے ٹھہرے ہوئے لہجے میں پوچھا

''آپ کون ہیں؟'' جسپال کے پوچھنے پر وہ دھیرے سے مسکرا دیا۔ اس پر تانی بھی ہنس دی' یوں لگا جیسے صحرا میں نقرئی گھنٹیاں بج گئی ہوں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی میرے بدن میں سنسنی پھیل گئی۔ جو کچھ دکھائی دے رہا تھا ویسا نہیں تھا۔

میں حیرت سے مہر خدا بخش کے چہرے پر دیکھ رہا تھا، جہاں رعب و دبدبہ کے ساتھ سکون پھیلا ہوا تھا۔ اس نے ہماری روداد بڑے تحمل سے سنی تھی اور پھر چند لفظوں میں اپنی اُن رسائیوں کے بارے میں آگاہ کر دیا' جس نے مجھے گھما کر رکھ دیا تھا۔ بظاہر بے ضرر دکھائی دینے والا مہر خدا بخش اندر سے کتنا گہرا' خطرناک اور طاقتور شخص ہے میں اس کا اندازہ نہیں لگا سکتا تھا۔ ساحل پہ کھڑے ہو کر سمندر کے بارے میں اتنا علم تو ضرور ہوتا ہے کہ اس میں گہرائی ہے لیکن کتنی گہرائی ہے' اس بارے میں فقط اندازہ ہی کیا جا سکتا ہے۔ سمندر سے اگر دوستی ہو جائے تو وہ بے تحاشا نواز دیتا ہے' اپنے سینے پر تیرنے کا اذن دینے پر اپنی ساری وسعت بخش دیتا ہے لیکن اگر دشمنی پر اتر آئے تو اپنے اندر اٹھنے والے طوفانوں میں مار کر یوں گم کر دیتا ہے کہ وجود کو زمین ہی نصیب نہیں ہوتی' جسپال کے سوال پر اس کی خاموشی سے میرے وجود میں تجسس پھوٹ پڑا تھا۔ تبھی اس نے بڑے دھیمے سے لہجے میں مسکراتے ہوئے کہا۔

''میں صرف مہر خدا بخش ہوں اور میرے ذمے محض یہاں کی رکھوالی ہے۔ اس سے زیادہ کچھ بھی نہیں۔ رہی یہ بات کہ میں یہ سب کچھ کیسے جانتا ہوں تو یہ اس جدید دور میں اتنی حیرت انگیز بات نہیں۔ یہ تو چند جدید آلات کا معمولی سا کھیل ہے۔''

''میں سمجھا نہیں مہر صاحب۔'' میں نے کہا تو مجھے احساس ہوا کہ میرا لہجہ لاشعوری طور پر مودب ہو گیا ہے۔ اس کی شخصیت نے

"یار جدید دور کی ایجاد یہ آلات..... جیسے یہ کمپیوٹر' اب اس سے بندہ جو چاہے اور جیسا چاہے فائدہ لے لے..... اب یہ اس آلے کو استعمال کرنے کی سمجھ بوجھ اور نیت پر منحصر ہے کہ وہ اس سے کیا اور کیسا فائدہ حاصل کر سکتا ہے۔"

"تو کیا یہاں انٹرنیٹ بھی ہے؟" جسپال نے یوں سوال کیا جیسے وہ حیرت کی آخری حدوں کو چھو رہا ہو۔

"اس سے بھی آگے کی بہت ساری چیزیں۔" یہ کہہ کر وہ دھیرے سے مسکرا دیا۔ اس کا لہجہ بہت حد تک دوستانہ ہو گیا تھا۔ تبھی جسپال نے پوچھا۔

"مگر لگتا نہیں ہے کہ ہو سکتا ہے؟" اس کے یوں کہنے پر مہر خدا بخش نے گہری سنجیدگی سے کہا۔

"یہ جو انسان ہے نہ' یہ ہونے اور نہ ہونے کے درمیان ہی بھٹکتا رہ جاتا ہے۔ ہونے کو کیا نہیں ہو سکتا' اسے چھوڑ د....." یہ کہہ کر وہ چند لمحے خاموش رہا' پھر گویا ہوا۔ "آج شام تم لوگ میرے گوپے پر آ کر چائے پیو گے۔"

"لیکن میں چاہوں گا کہ مجھے کسی طرح یہاں سے جانے کی اجازت دی جائے۔" جسپال نے تیزی سے کہا۔

"کہاں جاؤ گے؟" مہر خدا بخش نے پوچھا۔

"یہیں پاکستان میں کہیں کسی نزدیکی شہر میں' وہاں سے میں اپنے سفارت خانے سے رابطہ کر لوں گا اور....." یہ کہتے کہتے وہ رک گیا' پھر سانس لے کر دھیمے لہجے میں بولا۔ "اب شاید میں واپس پنجاب نہ جا سکوں۔"

"ٹھیک ہے' لیکن اس کے لیے وہی شرطیں ہیں' کہو تو دہرا دوں یا تمہیں یاد ہیں۔" مہر خدا بخش نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ ہمارے پاس اس کے لیے کوئی جواب نہیں تھا۔ وہ چند لمحے ہمارے ردعمل کا انتظار کرتا رہا' پھر اٹھتے ہوئے کہنے لگا۔ "یاد سے آ جانا۔ تم لوگوں سے ملنے کے لیے کوئی آ رہے ہیں۔"

"ہم سے ملنے کے لیے؟ یہاں.....؟" میں نے چونکتے ہوئے پوچھا۔ میرے ذہن میں ایک دم ہی سے کئی خیال رینگ گئے۔ مہر خدا بخش نے میری بات کا جواب دینا مناسب نہیں سمجھا بلکہ واپس جانے کے لیے چل دیا۔ اس کے دائیں جانب تانی اور بایاں جانب خوبصورت جسم والا لڑکا سرمد تھا۔ وہ چلے گئے تو جسپال نے فکرمندانہ لہجے میں کہا۔

"یار کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم کسی فورسز کے حوالے کر دیے جائیں۔ ہمارا تو سارا کچا چٹھا انہیں معلوم ہو گیا ہے۔ میرے خیال میں یہ لوگ یہاں رہ بھی اسی لیے رہے ہیں کہ سرحدوں کی حفاظت کریں یا ممکن ہے یہ کوئی جرائم پیشہ لوگ ہوں اور ہمیں....."

"لیکن مجھے نہیں لگتا جسپال کہ ایسے ہو گا' کیونکہ اگر انہوں نے ہمیں حوالے ہی کرنا ہوتا تو رات ہی ہم کسی وقت اٹھا لیے جاتے' اتنی مہمان نوازی نہ ہوتی۔" میں نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

"جمال۔ میرا خیال تو یہ کہتا ہے اگر یہ لوگ تمہیں ذرا سی بھی آفر کریں تو تم یہیں ٹک جاؤ' کیونکہ یہاں سے نکلنے کے بعد تم سیدھے جیل جاؤ گے۔" اس نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"تم نے کہا نہ ساحالہ۔ کہ گھر چلے جانا ہے۔" میں نے کہا تو وہ ہنس دیا۔ مجھے اس کا یہ انداز اچھا لگا۔ اس قدر نازک حالات میں بھی وہ ہنس رہا تھا۔

"یہ تو ہے۔" اس نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"دیکھو۔ کل جو شرطیں مہر خدا بخش نے ہمارے سامنے رکھی تھیں' وہ دعویٰ یونہی نہیں تھا' اور تم نے بھی جو' جواب دیا تھا وہ نری مصلحت تھی' دل سے نہیں کہا تھا۔ تم اپنی شکست کی ذلت سے بچنا چاہ رہے تھے۔ جو بہرحال تم نے اپنی بے وقوفی سے پائی۔ میں ذلیل ہوا' یہ بات تو سچ ہے نا؟" میں نے اس کی تصدیق چاہی۔

"ہاں' یہ تو ہے' وقت کی نزاکت تھی۔" اس نے کسی حد تک سنجیدگی سے کہا۔

"آج اگر اس نے ہمیں سب کچھ بتا دیا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ وہ کچھ نہ کچھ تو ہے' یوں ویرانے میں بیٹھ کر دنیا کے بارے میں

خبر دینے والا عام سا بندہ نہیں ہو سکتا۔ کل میں نے بھی اس کے دعوے کو یونہی خیال کیا تھا' لیکن آج مجھے یقین ہے کہ ہم مہر خدا بخش کی مرضی کے بغیر کچھ نہیں کر سکتے۔" میری بات اس نے بڑے غور سے سنی' پھر سنجیدہ لہجے میں بولا۔

"دیکھ' صرف معلومات کا حصول' ایک الگ بات ہے۔ جدید دنیا میں بستی ہو یا ویرانہ' اب کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ یہ سیٹلائٹ فون انہی ویرانوں میں کام آتے ہیں۔ اب انسانوں کے ایک دوسرے کے ساتھ تعلقات بہت وسعت رکھتے ہیں۔ صرف معلومات سے مرعوب ہو جانا میرے خیال میں ٹھیک نہیں ہے۔"

"یار' انہیں معلوم ہو گیا نا کہ ہم کون ہیں۔" میں نے کہا۔

"یہ تو ہے؟" اس نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"وہ ہمارے ساتھ کچھ بھی کر سکتے ہیں' جبکہ ہمیں ان کے بارے میں کچھ نہیں معلوم۔ مجھے یقین ہے کہ ہم ان کی شرطیں پوری نہیں کر پائیں گے کیونکہ ان شرطوں سے ہم خود انکار کر چکے ہیں۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"یار ہم خواہ مخواہ بحث کر رہے ہیں۔ اصل بات تو یہ ہے کہ ابھی کچھ دیر بعد مہر صاحب کے گوپے میں ہم سے کون ملنے آ رہا ہے' کوئی تیرے ہیں' یا میرے ہیں۔" یہ کہہ کر وہ ہنس دیا۔

"چلو دیکھتے ہیں کون ہیں' پھر اس کے بعد ہی یہاں سے نکلنے کی سوچیں گے۔" میں نے خود کلامی کے سے انداز میں کہا۔ گویا ہماری بات اس موضوع پر ختم ہو گئی۔

سہ پہر ہوتے ہی ہم مہر خدا بخش کے گوپے کے سامنے تھے۔ ہماری پہنچتے ہی سرمد باہر آیا اور ہمیں اندر آنے کا اشارہ کیا۔ ہم ذرا سی اونچائی چڑھتے ہوئے گوپے کے دروازے تک پہنچے اور پھر اندر داخل ہو گئے۔ سامنے ہی مہر خدا بخش کے ساتھ ایک بوڑھے سے بزرگ بیٹھے ہوئے تھے سر' داڑھی' مونچھیں بھنوئیں بھی سفید ہو چکی تھیں۔ گلابی رنگ اور تیکھے نقوش' بڑی ساری سفید پگڑی میں سے لمبے بال کاندھوں تک جھول رہے تھے۔ انہوں نے سفید کرتا اور سفید ہی دھوتی پہنی ہوئی تھی۔ پاؤں میں مقامی کھسہ پہنا ہوا تھا' جیسے ہی ہم اندر داخل ہوئے' انہوں نے ہم دونوں کو دیکھا اور پھر ان کی نگاہ مجھ پر ٹک گئی۔ مہر خدا بخش نے مجھے ایک طرف پڑی چارپائی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا' اور جسپال کو ایک پیڑھے کی طرف' ہم بیٹھ گئے تو وہ بزرگ بولے۔

"اچھا تو یہ ہیں وہ دونوں....." پھر میری طرف غور سے دیکھتے ہوئے بولے۔ "تجھے پتہ ہے کہ تو کون ہے؟ تیری ذات کیا ہے؟"

"میں نہیں جانتا۔ سکول میں استاد نے پوچھا تھا' تب میری ماں نے "گجر" لکھوایا تھا۔ پھر کبھی ضرورت ہی نہیں پڑی۔"

"ہاں تجھے واقعی نہیں پتہ' تو کون ہے؟ تیری روح کیا کہہ رہی ہے' تجھے تیری اپنی ذات کا پتہ ہی نہیں چلا۔" انہوں نے خود کلامی کے سے انداز میں کہا تو میں مودب لہجے میں بولا۔

"تو آپ بتا دیں۔"

"تو..... تو..... قلندر ذات کا ہے..... قلندر دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو شکر گزاری کے اعلیٰ ترین مقام تک پہنچ کر قرب الٰہی حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں' رب تعالیٰ بھی ان کی خواہش کو رد نہیں کرتا۔ دوسرے وہ جو ذات کے قلندر ہوتے ہیں۔ ان کا پیشہ بندر' ریچھ اور کتے نچانا ہوتا ہے۔ تو جان لے کہ تو وہی ہے..... اور یہ....." انہوں نے جسپال کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "یہ تیرا احسان چکانے تیرے ساتھ آیا ہے۔ تم دونوں نہیں جانتے ہو لیکن میں تمہاری تین نسلیں دیکھ رہا ہوں۔"

"ہماری تین نسلیں بابا جی۔" جسپال نے چونک کر پوچھا۔

"ہاں پتر..... تین نسلیں۔ بہت جلد وہ وقت آنے والا ہے' جب تم دونوں پر اپنا آپ واضح ہو جائے گا۔ کون کیا ہے' یہ سب کھل جائے گا' تم دونوں پر۔" انہوں نے جذب سے کہا۔

"مگر میں قلندر..... بندر' ریچھ اور کتے..... یہ....." میں نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے سوال کیا تو وہ بولے۔

"پتر! تیرے پیدا ہوتے ہی یہ فیصلہ ہو گیا تھا کہ تو کیا ہو گا۔ یہ سفر ہے جو تجھے طے کرنا ہے۔ میری کوئی پیشن گوئی تجھے تیرے راستے سے نہیں ہٹا پائے گی۔ تو نہ چاہتے ہوئے بھی اسی راستے پر چلے گا جو متعین ہو چکا ہے۔ اور باقی رہی قلندر کی بات..... قلندر کوئی محض روحانی مقام نہیں ہے۔ بلکہ یہ ایک طرز زندگی کا نام بھی ہے' جس میں جو حال بھی ہو' بس شکر گزاری ہے۔ اور جان لو..... حضرت علی کرم اللہ وجہہ' قلندر اعظم بھی ہیں۔ ان کا طرز زندگی شکر گزاری کے اعلیٰ ترین مقام پر ہے۔ خیر..... میری یہ بات ابھی تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گی ہماری ایک دفعہ پھر کہیں نہ کہیں ملاقات ہونی ہے' تب تمہیں بھی سمجھ آ چکی ہو گی۔ وہ ملاقات بڑی اہم ہو گی۔"

"کیا اب مجھے بندر' ریچھ اور کتے نچانا ہوں گے۔" میں نے پوچھا تو وہ دھیرے سے مسکرا دیئے پھر بولے۔

"یہ تو تجھے نچانا ہوں گے' ورنہ تو خود ناچتا رہ جائے گا۔ یہ سارا کچھ کیوں ہے' یہ جب ہماری اہم ملاقات ہو گی نا..... تب تم پر کھل جائے گا۔ اس وقت تک تجھے بہت ساری عقل سمجھ بھی آ چکی ہو گی۔" انہوں نے یہ کہا اور پھر جسپال کی طرف دیکھ کر بولے۔ "جس طرح کوئی دریا میں غوطے کھاتا ہوا کسی انجان کنارے پر جا لگے' تم بھی اسی طرح لڑھکتے ہوئے یہاں تک آن پہنچے ہو' تم دونوں کا ایک ساتھ یہاں تک آنا اتفاق نہیں' وقت ہو گیا تھا کہ تم دونوں کو یہاں لایا جائے۔ تم دونوں کچھ وقت یہاں گزارو' یہی وقت کی آواز ہے۔"

"کتنا وقت ہمیں یہاں رہنا ہو گا؟" میں نے تیزی سے پوچھا۔

"جب تک تم بچھڑے کو گرا کر ذبح نہیں کر لیتے' اس کی دعوت کھاؤ اور چلے جاؤ۔" انہوں نے گہری سنجیدگی سے کہا تو ہمارے درمیان ایک دم سے خاموشی چھا گئی۔

"کیا ہمارا یہاں ٹھہرنا لازمی ہے؟" جسپال نے پوچھا۔

"ہاں۔! نہ ٹھہرنا چاہو تو وہ تم لوگوں کا فیصلہ ہے' بس یہ جان لو' جو وقت کی آواز نہیں سنتا' وقت اسے یوں پیچھے دھکیل دیتا ہے کہ وہ ماضی میں گم ہو کر رہ جاتے ہیں۔ فطرت کا سفر جاری ہے' اسے چلانے کے لیے قدرت کا انتظام ہماری عقل و سمجھ سے بھی ماورا ہے' فیصلہ تم دونوں کا اپنا ہے' ٹھہرو یا چلے جاؤ۔ یہ تمہارا اپنا اختیار ہے۔"

"بابا جی' میں یہ بچوں والا سوال نہیں کروں گا کہ ہمیں یہاں کیوں ٹھہرایا جا رہا ہے یقیناً یہ کسی مقصد کے لیے ہو گا۔ میں اپنا آپ' آپ کے سپرد کرتا ہوں۔" میں نے پورے خلوص اور جذب سے کہا تو جسپال تیزی سے بولا۔

"اور میں بھی یہ دیکھنا چاہوں گا کہ یہ جمال کس طرح بچھڑے کو ذبح کرتا ہے۔"

وہ بزرگ چند لمحے ہماری طرف دیکھتے رہے' پھر اٹھتے ہوئے بولے۔

"آؤ..... تم دونوں میرے قریب آؤ....."

ہم بھی کھڑے ہو کر ان کی قریب چلے گئے۔ پہلے انہوں نے جسپال کو گلے لگایا۔ چند لمحے وہ انہیں اپنے سینے سے لگائے رہے' پھر چھوڑ کر مجھے اپنے سینے سے لگایا۔ وہ چند لمحے جو میں ان کے سینے سے لگا تو مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں بے جان ہو گیا ہوں۔ میرا کوئی وزن ہی نہیں رہا۔ یوں جیسے میں خلا میں معلق ہو گیا ہوں۔ پھر مجھے احساس ہو گیا کہ میرا وزن اتنا بڑھ گیا ہے کہ شاید زمین میں دھنس جاؤں گا۔ چند لمحوں میں اپنی تیزی سے بدلتی حالتوں پر میں خود حیران رہ گیا تھا۔ انہوں نے مجھے خود سے الگ کیا اور بولے۔

"لو بھئی..... میں چلا....." انہوں نے اپنی لاٹھی اٹھائی اور گوپے سے نکلتے چلے گئے۔ مہر خدا بخش ان کے پیچھے لپکا تو ہم بھی آگے بڑھے۔ وہ پیدل چلتے چلے جا رہے تھے۔ اس عمر میں اور اس قدر تیزی کے ساتھ' یہ میرے لیے واقعی حیرت انگیز بات تھی۔ ان کا رخ صحرا کی طرف تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ ایک ٹیلے پر چڑھے اور پھر دوسری طرف اتر کر نگاہوں سے اوجھل ہو گئے۔

"آؤ۔!" مہر خدا بخش کی آواز پر میں پلٹا اور واپس گوپے میں آ گیا۔ تب تک چائے آ چکی تھی۔ تانبی پیالیوں میں چائے انڈیل

رہی تھی۔ جب وہ پیالیاں سرو کر چکی تو مہر خدا بخش بولا۔ "یقیناً تم لوگ ان کے بارے میں جاننا چاہتے ہو گے؟"

"ہاں..... کیوں..... نہیں؟" میں نے چونکتے ہوئے کہا۔

"میں بھی ان کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں' چند برس قبل' انہی ویرانوں میں میری ان سے ملاقات ہوئی تھی اور تب سے میں یہیں پر ہوں۔ جب بھی انہیں مجھے کوئی حکم دینے کی ضرورت ہوتی ہے' یہ خود مجھے مل لیتے ہیں' میں نہ ان کا نام جانتا ہوں اور نہ ان کا ٹھکانہ..... میں انہیں بابا جی ہی کہتا ہوں۔"

"ہمیں یہاں کرنا کیا ہو گا؟" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تو چند لمحے سوچتے رہنے کے بعد وہ بولا۔

"انسان روح اور جسم کا عظیم شاہکار ہے' جسم جس قدر کثیف ہو گا' نفس بھی اسی قدر مضبوط ہو گا۔ اور روح جس قدر لطیف ہو گی' وہ طاقتور ہو گی' مضبوط جسم ہی میں روح طاقتور ہوتی ہے' یہاں جسم ہی کی نہیں نفس کی بھی تربیت ہو گی۔"

اس پر میں نے کوئی سوال نہیں کیا اور نہ ہی جسپال بولا' ہم خاموشی سے چائے پیتے رہے' جب پی چکے تو اس نے ہمیں اٹھنے کا اشارہ کیا اور ہم اٹھ گئے۔ تب وہ بولا۔

"میں تم لوگوں کو کچھ دکھانا چاہتا ہوں۔ اگر بابا جی کا حکم نہ ہوتا تو آج کل میں تم لوگوں کو یہاں سے روانہ کر چکا ہو گا' لیکن جس رات تم یہاں پر آئے تھے' اس شام مجھ تک پیغام پہنچ گیا تھا کہ دو لوگ مختلف سمتوں میں آئیں گے' انہیں سنبھال لوں۔ ابھی تم لوگوں کو یہ ساری باتیں حیرت انگیز لگ رہی ہوں' لیکن کچھ عرصے بعد یہ حیرت نہیں رہے گی' اب یہ تم لوگوں پر منحصر ہو گا کہ کتنا سیکھ سکتے ہو' اپنے دامن میں کیا کچھ بھر سکتے ہو' کنکر' چنتے ہو یا ہیرے۔ آؤ" یہ کہہ کر وہ گوپے کے باہر جانے کے راستے پر ہو لیا۔ ہم بھی اس کے پیچھے چلتے ہوئے باہر آ گئے۔ سامنے ہی تین اونٹ بیٹھے ہوئے تھے۔ ہمیں ان پر بیٹھنے کا اشارہ کر کے وہ خود ایک پر بیٹھ گیا۔ ہم اونٹوں پر سوار ہوئے اور کچھ دیر ایک سمت کو چلتے رہے' ایک بڑے سارے گوپے کے قریب ہم جا رکے۔ اونٹوں سے اتر کر ہم اس گوپے کے اندر چلے گئے۔ اس گوپے میں ایک دروازہ تھا' مہر خدا بخش نے اس پر اپنی ہتھیلی رکھی تو وہ میکانکی انداز میں کھلتا چلا گیا۔ وہ ہمیں ساتھ لیتا ہوا سیڑھیاں اترتا چلا گیا۔ نیچے ایک ہال نما کمرہ تھا' جس میں خوشگوار خنکی پھیلی ہوئی تھی۔ وہیں دیواوں کے ساتھ ٹی وی اسکرین' کمپیوٹر اور نجانے کیا کیا آلات لگے ہوئے تھے۔ وہیں کافی سارے لڑکے لڑکیاں بیٹھے کام کر رہے تھے۔ ان میں سرمد بھی تھا جو نجانے کب وہاں سے یہاں پہنچ گیا تھا۔

"یہ ہمارا آپریشن روم ہے' یہاں سے صرف باہر کی دنیا سے رابطہ رکھا جاتا ہے' یہیں سے اپنی حدود کا خیال بھی رکھا جاتا ہے۔ آؤ' تمہاری بات کروائیں۔" یہ کہتے ہوئے اس نے سرمد کو اشارہ کیا۔ اس نے ہمیں دو خالی کرسیوں پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے اسکرین پر نگاہیں جما کر کی بورڈ پر انگلیاں مارنے لگا۔ کچھ دیر بعد سوہنی کی آواز' ابھری' وہ ہیلو کر رہی تھی' آواز سامنے پڑے اسپیکر سے ابھر رہی تھی۔

"میں جمال بات کر رہا ہوں۔"

"ہائے جمال۔ کیا تم کسی غیر ملک پہنچ گئے ہو' اسکرین پر کوئی نمبر ہی نہیں' کہاں ہو تم۔ ٹھیک تو ہو نا؟"

"ایک دم اتنے سوال کر دیئے تم نے۔ میں جہاں بھی ہوں' بالکل ٹھیک ہوں۔ ہاں تُو سنا' ٹھیک ہے تو اور اماں کیسی ہے؟"

"ہم ٹھیک ہیں اور پوری طرح محفوظ ہیں۔" اس نے کہا۔

"مجھے بتا' چھا کا کیسا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"پولیس نے پکڑ لیا تھا اُسے' لیکن آج صبح ہی وہ نورنگر چلا گیا ہے۔ میرا اس سے رابطہ نہیں ہوا' لیکن وہاں سے مجھے معلوم ہو گیا ہے۔" اس نے بتایا۔

"اور شاہ زیب۔؟" میں نے پوچھا۔

''وہ نور نگر میں ہی ہے' بالکل سہما ہوا ہے' کیونکہ ابھی اس نے کچھ نہیں کیا۔ اب چھاکے سے بات ہوگی تو پتہ چلے گا۔'' اس نے کہا۔

''اپنا خیال رکھنا' اور گھبرانا نہیں' میں بہت جلد تم لوگوں کے پاس آ جاؤں گا۔'' میں نے اسے دلاسا دیا۔

''میں نے چھاکے سے کہا تھا کہ وہ میرے پاس ہی رہے ادھر لیکن پتہ نہیں کیوں وہ نور نگر ہی میں رہنے پر ضد کر رہا ہے' خیر تم بھی پریشان نہیں ہونا۔ لو اماں سے بات کرو۔''

''پتر، اپنا بہت سارا خیال رکھنا' میری دعائیں تیرے ساتھ ہیں۔'' اماں نے جذب سے کہا۔

''اماں تیری دعاؤں کے سہارے تو جیتا پھر رہا ہوں۔ اک یہی تو طاقت ہے میرے پاس' اپنا خیال رکھنا اماں۔''

''تو فکر نہ کر پتر' سوہنی میرا بہت خیال رکھتی ہے۔ بس تو جلدی سے مجھے ملنے کے لیے آ جا' مگر جب حالات ٹھیک ہو جائیں۔''

اماں نے اپنے دل کی بات بھی کہہ دی اور مجھے محتاط رہنے کے لیے بھی کہہ دیا۔ میں نے محسوس کیا جیسے میرا گلا نم ہو رہا ہے' میں نے مزید بات کرنا مناسب نہ سمجھا' ممکن ہے میرے ذرا سی جذباتی پن سے اردگرد کھڑے لوگ میری کمزوری نہ جان لیں۔ میں نے اماں کو اللہ حافظ کہا۔ تبھی ایک دم سے مجھے احساس ہوا' ان کے پاس سوہنی کا نمبر کہاں سے آ گیا۔ میں نے تو انہیں نہیں بتایا تھا' کیا یہ لوگ سوہنی تک بھی رسائی رکھتے ہیں۔ کیا یہ بات انہوں نے اس لیے کروائی تا کہ مجھے احساس دلایا جا سکے کہ وہ سوہنی تک بھی رسائی رکھتے ہیں۔ میں ایک دم سے گھبرا گیا۔ تب تک انوجیت سے رابطہ ہو گیا تھا۔ حسپال پوچھ رہا تھا۔

''کیسے ہو انوجیت؟ سنا ہے تم پر بہت تشدد ہوا ہے؟''

''ہاں، ہوا تو ہے' خیر اسے چھوڑو' میں پہلے ہی ان کی نگاہ میں تھا لیکن تم ہو کہاں؟''

''سچی بات تو یہ ہے کہ مجھے خود نہیں معلوم' مجھے ہرپریت کے بارے میں بتاؤ' وہ کیسی ہے' اس کا زخم ٹھیک ہوا؟''

''وہ ٹھیک ہے۔ ہم کیشیو مہرہ سے مسلسل رابطے میں ہیں' تمہاری مسلسل تلاش جاری ہے۔ تمہارے سفارتخانے سے بھی رابطہ کیا تھا' وینکوور سے تیرے بھائی نے سفارت خانے والوں سے بات کی ہے۔ تو فکر نہ کر لیکن تو ہے کہاں پر؟''

''تم گھر پر ہو تو ہرپریت اور پھوپھو سے بات کرا دو۔ میری فکر چھوڑو' میں کہاں پر ہوں۔''

''میں کرواتا ہوں' وہ ڈرائنگ روم میں ہیں۔ بہرحال اچھا کیا تم یہاں سے نکل گئے۔ حویلی جلانے کے بعد تو یہ لوگ بہت متشدد ہو گئے ہیں۔''

''تم گھبراؤ مت' سب ٹھیک ہو جائے گا۔ میں دیکھ لوں گا سب کو۔'' اس نے ایک عزم سے کہا۔ تبھی کلجیت کور کی آواز ابھری۔

''کیسے ہو پتر۔''

''میں ٹھیک ہوں، آپ کیسے ہو؟''

''واہِ گرو کی مہر ہے پتر۔ تو اپنا خیال رکھنا۔ لے ہرپریت سے بات کر۔''

''اوئے سانوں چھڈ کے آپ کدھر چلے گئے ہو؟'' وہ شوخی سے بولی۔

''بہت جلد تیرے پاس آ جاؤں گا' تیرا زخم کیسا ہے؟''

''ٹھیک ہے اب۔''

''اچھا سن۔! اگر زیادہ خراب ماحول ہو جائے نا تو سیدھے وینکوور چلے جانا۔ یہاں جو بھی نقصان ہوتا ہے ہو جانے دینا' میں سنبھال لوں گا آ کر۔''

''ٹھیک ہے۔'' اس نے بھرپور انداز سے کہا اور پھر چند رسمی فقروں کے بعد فون بند ہو گیا۔ تب مہر خدا بخش نے ہمیں باہر چلنے کا اشارہ کیا۔ جیسے ہی ہم باہر آئے تو میں نے پوچھ ہی لیا۔

''مہر صاحب! یہ سوہنی کا فون نمبر آپ کے پاس کیسے آ گیا؟''

''مجھے یقین تھا کہ تم یہ سوال ضرور کرو گے۔ سوہنی پچھلے چند دنوں سے پولیس کے اعلیٰ حکام سے ملتی رہی ہے' تمہارے لیے اور چھاکے کے لیے۔ وہاں اس نے اپنا فون نمبر دیا ہوا ہے۔'' اس نے سکون سے کہا۔

''تو اس کا مطلب ہے آپ کی پولیس حکام تک.....'' میں نے جان بوجھ کر بات ادھوری کی تھی۔

''یہاں رہو گے نا تو ساری باتیں سمجھ جاؤ گے۔ آؤ' تمہیں کچھ مزید دکھاؤں۔'' یہ کہہ کر وہ اپنے اونٹ پر سوار ہو گیا۔

کچھ فاصلے پر ایسا ہی ایک اور گوپا تھا۔ جو پہلے سے نسبتاً بڑا تھا۔ اس کے چاروں طرف باڑھ تھی' وہاں بہت ساری گائیں' بکریاں اور اونٹ تھے کچھ ریوڑ کی صورت میں واپس آ رہے تھے' وہیں ایک طرف اکھاڑہ بنا ہوا تھا۔ ہم گوپے کے اندر گئے تو ویسے ہی سیڑھیاں اتر کر نیچے ہال میں جا پہنچے' وہاں جسم بنانے اور بدن کمانے کے لیے آلات سجے ہوئے تھے' ایک طرف بڑا سارا میٹرس پڑا ہوا تھا۔ بلاشبہ وہاں پر لڑنے کی تربیت دی جا رہی تھی۔ اس وقت وہاں پر دو بندے ہی موجود تھے جن کے بدن دیکھ کر رشک آ رہا تھا۔ انہیں مہر خدا بخش نے کہا۔

''یہ دونوں اب یہاں آیا کریں گے۔''

''جی ٹھیک ہے۔'' قدرے ادھیڑ عمر بندے نے ہلکا سا جھک کر کہا تو مہر نے ہمیں واپس پلٹنے کا اشارہ کیا۔ پھر اسی طرح اونٹوں پر سوار ہوئے اور ایک مسجد کے قریب جا پہنچے۔ اس سے ملحق ایک بڑا سا گھر تھا۔ ہم اس کے اندر چلے گئے۔ وہیں تہہ خانے کا دروازہ کھلا اور ہم سیڑھیاں اتر گئے۔ ویسا ہی ہال تھا' لیکن وہاں انتہائی خاموشی تھی۔ سامنے ذرا سی اونچی مسند پر ایک بوڑھے' سفید ریش بزرگ بیٹھے ہوئے تھے' ان کے سامنے چند لڑکے اور لڑکیاں سفید لباس میں یوں بیٹھے ہوئے تھے جیسے مراقبے میں ہوں' وہ بزرگ ہماری طرف دیکھ رہے تھے' مہر خدا بخش نے اشارے سے ہمارے بارے میں بتایا' انہوں نے آنکھیں بند کر کے ہمیں قبول کرنے کا اشارہ کیا' تبھی ہم باہر نکل آئے۔

اس وقت سورج غروب ہونے کو تھا' جب ہم واپس مہر خدا بخش کے گوپے تک آ پہنچے' اونٹوں سے اتر کر وہ ہمارے پاس آیا اور بولا۔

''پہلی وہ جگہ تھی جہاں تم لوگوں کی ذہنی تربیت ہونا ہے' دوسری میں جسمانی اور تیسری پر روحانی تربیت ہو گی' تم لوگ کتنے وقت میں کیا کچھ سیکھ سکتے ہو' یہ تم لوگوں پر منحصر ہے۔''

''ہمیں اگر زندگی نے یہ موقع دے دیا ہے تو ہم اسے ضائع نہیں کریں گے۔'' میں نے پورے خلوص سے کہا تو مسکراتے ہوئے بولا۔

''اور ہاں، تمہیں ایک چیز یہاں دینی ہو گی' اور وہ ہے نشانہ بازی۔ تم فنکار ہو اور اپنا ہنر یہاں دو گے، اگر دینا چاہو.....''

''میں حاضر ہوں۔'' میں نے خلوصِ دل سے کہا۔

''کل چند لوگ تمہیں دے دیئے جائیں گے۔ تم ان کی تربیت کرنا' اور حسپال۔! یہ ہمارا معلم سیٹ اپ ہے' تمہیں اپنے مذہب کے بارے میں مکمل آزادی ہے۔ تمہیں جو اچھا لگے قبول کر لو' باقی جبر نہیں' کیونکہ میں سمجھتا ہوں' کردار ہی وہ پھل ہے جس سے کسی درخت کے بارے میں فیصلہ کیا جا سکتا ہے' اور ہاں' یہاں قریب ہی ایک بستی ہے' اب تم دونوں وہاں ایک گھر میں رہو گے' درختوں تلے نہیں۔'' اس نے کہا تو ایک مقامی نوجوان ہمیں لے کر اس بستی کی طرف چل دیا۔ اس دن نجانے مجھے کیوں یقین ہو رہا تھا کہ میری زندگی کا ایک نیا دور شروع ہو گیا ہے۔

.....☆☆☆.....

اس دن بارش ٹوٹ کر برسی تھی۔ منہ اندھیرے ہی جو بارش شروع ہوئی تو سارا دن برستی رہی' سہ پہر کے بعد کہیں جا کر بارش تھمی تو ریت کی اپنی ہی جادو بھری مہک نے میرے وجود میں نشہ بھر دیا۔ سرمئی بادلوں سے آسمان ڈھکا ہوا تھا۔ ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ جس نے اگست کے آخر دنوں کے حبس کو ختم کر دیا تھا۔ بھوری ریت پانی سے بھیگ کر مزید گہرے رنگ کی ہو گئی تھی۔ ایسے موسم

وقار عظیم
پاکستانی پوائنٹ ڈاٹ کام

میں مجھ سے بیٹھا نہیں گیا۔ میں تنہا ہی کھلے صحرا میں نکل گیا۔ ایک ٹیلے پر کافی ساری بھیر بھوٹیاں دکھائی دیں تو میں وہیں بیٹھ گیا۔ میں نے اپنے اردگرد صحرا کو دیکھا۔ بارش نے اس میں زندگی بھر دی تھی۔ پہلے پہل مجھے وہاں سے وحشت ہونے لگی تھی، پھر جوں جوں وقت گزرتا گیا۔ میں صحرا سے مانوس ہوتا چلا گیا۔

تین ماہ سے زیادہ کا عرصہ اس وسیع ریگستان میں گزر گیا تھا۔ یہاں سے ہمیں بہت کچھ سیکھنے کو ملا تھا، صحیح معنوں میں ہمیں اپنی اوقات کا پتہ چلا تھا کہ ہم کتنے پانی میں ہیں۔ کنویں کے مینڈک دریا میں آ گئے تو پتہ چلا، اگرچہ وہ ایک صحرا تھا، بے رونق، لق و دق صحرا، ویران مگر بقول خواجہ فرید سائیں کے ''روہی رنگ رنگیلڑی بھیڑی یار ملاوے'' (روہی بہت رنگین ہے، یہ ہمیں یار سے ملا دیتی ہے) کے مصداق ہمیں اندر تک سے رنگین کر دیا تھا۔ یہاں کی رنگینی اور سنگینی نے ہمیں باہر کی دنیا کو بھلا کر رکھ دیا تھا۔ ہمیں معلوم ہی نہیں تھا کہ ہمارے اندر ایسی صلاحیتیں بھی ہیں، میں وہ بندہ تھا جسے سیل فون کی سمجھ نہیں تھی، اب میں کمپیوٹر کے استعمال کے بارے میں جان گیا تھا۔ ذہنی، جسمانی اور روحانی تربیت کے وہ مدارج طے کیے جن کے بارے میں ہم نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ بقول ہمارے ایک استاد کے کہ جب ہم یہاں آئے تھے تو انا کے بہتر بت اپنے اندر نصب کیے ہوئے تھے۔ وہ سب ٹوٹ گئے اور ہماری حالت خواجہ فرید سائیں کے اس شعر جیسی ہو گئی کہ ''دھویں دار فقیر تھیوں سے، فخر وڈایاں سٹیاں'' (ہم تو اب ایسے بے انا بندے بن گئے ہیں، جو عشق کی آگ میں جلتے نہیں، محض سلگتے ہیں، کیونکہ ہم نے اپنے سارے فخر اور غرور پھینک دیئے ہیں) وہاں جا کر مجھے صحیح معنوں میں معلوم ہوا کہ میری قدر کیا ہے، وہاں سب نے تسلیم کیا تھا کہ میں نشانے میں فنکارانہ مہارت رکھتا ہوں۔ اس کا میں نے بارہا ثبوت دیا۔ میں نے وہاں یہ مہارت سکھائی، چند لوگ میرے حوالے کر دیئے گئے، جن میں تانی اور سرمد بھی تھے۔ اس ایک مہارت دینے کے عوض انہوں نے مجھے کیا کچھ دیا، اور کس کس مہارت سے نواز دیا، یہ میں ہی جانتا تھا۔ ان لوگوں کے ساتھ جسپال بھی شامل تھا۔ ہم سب ایک دوسرے کے بڑی تیزی سے نزدیک آتے چلے گئے تھے۔ اس دوران میں اچھی طرح جان گیا تھا کہ مہر خدا بخش کا تانی پر ایویں ہی ناز نہیں تھا، تانی بہت ساری غیر معمولی صلاحیتیں رکھتی تھی۔ جہاں مجھے وہاں سے بہت کچھ ملا، اس میں ایک تانی کی دوستی بھی تھی۔ ان تین مہینوں میں وہ مجھ سے کچھ زیادہ ہی قریب ہو گئی تھی۔ میں نے اسے ویسے ہی سمجھا تھا جیسے سرمد کے ساتھ میری دوستی تھی، لیکن اس کا انداز سب سے منفرد تھا۔

میں بھیگے ہوئے موسم میں خالی الذہن بیٹھا بھیر بھوٹیوں کو دیکھ رہا تھا، اچانک مجھے احساس ہوا کہ کوئی میرے پیچھے ہے، میں نے تیزی سے مڑ کر دیکھا تو تانی ٹیلے پر چڑھ رہی تھی۔ سفید مہین لباس میں اس کا گلابی بدن چھلک رہا تھا۔ شولڈر کٹ بال بھیگے ہوئے تھے۔ گلے میں سفید موتیوں کا ہار تھا۔ پاؤں میں سفید ہی جاگر تھے۔ وہ میری طرف بڑی گہری نگاہوں سے دیکھتی ہوئی میری جانب بڑھتی ہوئی آ رہی تھی۔ میں اٹھ کھڑا ہو گیا اور پوچھا۔

''تانی خیر تو ہے، تم یہاں کیسے؟''

''بس یونہی۔! میرا تم سے باتیں کرنے کو جی چاہ رہا تھا۔''

''تو آؤ، کریں باتیں، یہاں بیٹھو۔'' میں نے کہا تو وہ ایک دم سے خمار آلود لہجے میں بولی۔

''نہیں، پہلے تم مجھے اسی طرح نشانہ لگواؤ، جیسے پہلے دن مجھے تھام کر نشانہ لگوایا تھا۔''

اس کے یوں کہنے پر میں نے محسوس کیا کہ اس کا لہجہ نرا خمار آلود ہی نہیں تھا بلکہ بھیگا ہوا بھی تھا۔ شاید رومانوی تھا یا غمزدہ، اس کا اندازہ نہ کر سکا۔

''خیر تو ہے تانی، تم یہ خواہش کیوں کر رہی ہو؟'' میں نے واقعتاً حیرت سے پوچھا۔

''کیا تم میری یہ چھوٹی سی خواہش پوری نہیں کرو گے؟'' اس نے جواب دینے کی بجائے سوال کر دیا۔ تب میں نے جان بوجھ کر جھوٹ بولتے ہوئے کہا۔

''کیوں نہیں۔! مگر اس وقت میرے پاس پسٹل نہیں ہے۔''

''میرے پاس ہے۔'' یہ کہہ کر اس نے اپنی قمیص میں ہاتھ ڈالا، ریڑھ کی ہڈی کے پاس سے پسٹل نکالا جو نیفے میں اڑسا ہوا تھا اور میری طرف بڑھا دیا۔ میں نے اس سے مزید سوال نہیں کیا، میں نے پسٹل پکڑا، میگزین میں گولیاں دیکھیں، مطمئن ہونے کے بعد میں نے تانی کی جانب دیکھا تو اس نے اپنی پشت میرے سینے کے ساتھ لگا دی۔ وہ میرے ساتھ چپک گئی تھی۔ وہ نشانہ لگانے والا انداز نہیں تھا۔ میں چونک گیا، لیکن اسے احساس نہیں ہونے دیا۔ میں نے پسٹل اس کے ہاتھ میں دے کر اس کی بانہوں کے ساتھ بانہیں پھیلائیں، وہ میری بانہوں میں یوں ہو گئی، جیسے پگھل رہی ہو۔ میں سامنے نشانہ دیکھنے لگا، مگر ایسا کوئی بھی نشانہ نہیں تھا، میں ہوائی فائر کرنا ہی چاہتا تھا کہ وہ گھومی، اپنا چہرہ میری جانب کیا، اور میرے سینے سے لگ گئی۔ اس کی ٹھوڑی میرے بایاں کاندھے پر تھی۔ وہ بے حد جذباتی ہو رہی تھی۔ میں نے اس کی پشت پر ہاتھ پھیرتے ہوئے حوصلہ دینے کے سے انداز میں کہا۔

''کیا بات ہے تانی، کیا ہوا ہے تمہیں؟''

''جمال۔! میں تم سے محبت کرنے لگی ہوں۔ میں..... میں..... تم سے جدا نہیں ہونا چاہتی۔'' اس نے بے حد جذباتی انداز میں کہا تو میں بھونچکا رہ گیا۔ میں نے تو کبھی ایسا سوچا بھی نہیں۔ دوسروں کی طرح اس کے ساتھ بھی ایک اچھا تعلق تھا۔ میں نے آہستگی سے تانی کو خود سے الگ کیا، پھر اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''یہ کیا کہہ رہی ہو تانی، ہوش میں تو ہو نا تم؟''

''ہاں۔! میں ہوش میں ہوں۔ پھر سن لو، میں تم سے جدا نہیں ہونا چاہتی۔'' یہ کہتے ہوئے اس کی آنکھ سے دو آنسو ٹپک کر گالوں پر پھسل گئے۔ مجھے اس وقت یہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیا کہوں؟ میں حیران تھا کہ وہ ایسا کیوں کر رہی ہے؟ اتنی مضبوط لڑکی یوں ریزہ ریزہ کیوں ہو رہی ہے۔ میں نے اسے دونوں کاندھوں سے پکڑا اور اس کے چہرے پر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''صاف صاف بتاؤ، تم کہنا کیا چاہتی ہو۔ یہ مذاق.....'' میں نے کہنا چاہا تو وہ میری بات کاٹتے ہوئے بولی۔

''جمال، وہ وقت آ گیا ہے، جس کے لیے میں بہت ڈرتی تھی۔ میں تم سے جدا نہیں ہونا چاہتی۔'' اس کے لفظ سسکیوں میں لپٹے ہوئے تھے۔ میں خاموشی سے کھڑا اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ چند لمحے رکی اور پھر کہنے لگی۔ ''یہاں فیصلہ ہو گیا ہے کہ اب تم دونوں کسی بھی دن یہاں سے چلے جاؤ گے، بلکہ تمہیں بھیج دیا جائے گا اور میں چاہتے ہوئے بھی تمہارے ساتھ جا نہیں پاؤں گی۔''

''دیکھو۔! میں نہیں جانتا کہ تم ایسا کیوں کہہ رہی ہو، تمہیں مجھ سے محبت ہے کہ نہیں، میں یہ بھی نہیں جانتا، لیکن، ایک دن تو ہمیں یہاں سے جانا ہے، اور میرے ذہن کے کسی گوشے میں بھی نہیں ہے کہ تم میرے ساتھ جاؤ گی۔'' میں نے صاف انداز میں کہہ دیا۔

''ہمارے حالات ایسے ہیں کہ تم مجھ پر چاہو بھی تو یقین نہیں کر پاؤ گے۔ میرے پاس کوئی ایسا آلہ نہیں کہ جس سے میں ثابت کر سکوں کہ مجھے تم سے محبت ہے۔ میں کون ہوں، یہاں کیسے ہوں، یہ تم ہی نہیں سوائے مہر صاحب کے دوسرا اور کوئی نہیں جانتا، میری مجبوری یہ ہے کہ میں ابھی تمہارے ساتھ نہیں جا سکتی۔ ورنہ ضرور چلی جاتی۔'' اس نے روہانسا ہوتے ہوئے کہا۔ میں نے جواباً کچھ کہنا چاہا تو وہ میرے لبوں پر اپنا ہاتھ رکھ کر بولی۔ ''میں تمہارے ساتھ جاتی تو یہ ثابت کر دیتی کہ مجھے تم سے کتنی محبت ہے۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے اپنا ہاتھ ہٹا لیا تو میں نے کہا۔

''تانی۔! ہم دونوں میں بہت اچھا تعلق رہا ہے، تم نجانے کس محبت کی بات کر رہی ہو۔''

''میں تم سے اپنی محبت کا جواب نہیں مانگ رہی، میں تو محض تمہیں بتا رہی ہوں کہ تم میری پہلی اور شاید آخری محبت ہو۔ پہلے دن، جمال پہلے دن، جب میں نے تمہیں دیکھا تھا، میں گھائل ہو گئی، تم پہلی نگاہ ہی میں مجھے اچھے لگے تھے۔ میں نے دل ہی دل میں دعا کی تھی کہ تم یہیں رہ جاؤ، میں نے خود نہیں سوچا تھا کہ میں تمہارے اتنے نزدیک آ جاؤں گی۔ پہلے دن جب تم نے نشانے کے

لیے اپنے ساتھ اگایا تھا' تو مجھے خود کسی مرد کے لمس کا احساس ہوا تھا۔ میں اس وقت سے منتظر تھی کہ تم میری جانب توجہ کرتے' مگر تم تو پاگلوں کی طرح سب کچھ سیکھ جانے میں مگن تھے۔ کچھ دنوں سے میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ تمہیں اپنی محبت کا احساس دلاؤں گی' کم از کم جتنے دن تم یہاں ہو' اتنے دن..... مگر شاید قدرت کو یہ منظور نہیں۔ میں اسے کھو دوں گی' جسے میں نے چاہا ہے۔ پتہ نہیں ہم دوبارہ کبھی مل بھی پائیں گے یا نہیں۔ کیسی قسمت ہے میری.....'' اس نے کہا' اور میری طرف غور سے دیکھنے لگی' اس کے گال' ناک کی پھنک اور ہونٹ سرخ ہو رہے تھے۔

''تم یہاں رہ کر بھی میرے ساتھ رابطے میں.....'' میں نے کہا تو وہ تیزی سے بولی۔

''نہیں' جمال نہیں۔ ساتھ' میں ساتھ چاہتی ہوں۔ نجانے کیوں مجھے یقین ہے' جمال کہ ہم دوبارہ ضرور ملیں گے۔''

''ٹھیک ہے تب' ہم کوئی نہ کوئی فیصلہ کر لیں گے۔'' میں نے کہا تو وہ ایک دم کھل گئی۔

''سچ۔! یہ کہہ کر وہ مجھ سے لپٹ گئی۔ پھر اپنی گال میرے سر سے ہولے ہولے رگڑنے لگی۔ پھر الگ ہوتے ہوئے بولی۔ ''شاید وہی میری نئی زندگی ہو۔''

''شاید۔!'' میں نے کہا' پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر بولا۔ ''آؤ' چلتے ہیں۔ جسپال کو میں بتا کر نہیں آیا تھا وہ میری راہ دیکھتا ہوگا۔''

وہ میرے ساتھ یوں چل دی جیسے ٹرانس میں ہو' اور میں اس وقت تک نہیں سمجھ پایا تھا کہ وہ ایسا کیوں کر رہی ہے۔ مجھے تو یہ سمجھ بھی نہیں آ رہی تھی کہ میں یہ بات جسپال کو بتاؤں کہ نہیں؟

رات گئے تک میں اسی الجھن میں رہا۔ مجھے تانی سے زیادہ اس بات کی فکر ہو رہی تھی کہ اب ہمیں یہاں سے بھیج دیا جائے گا۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے بہت جلدی میں ہمیں یہاں سے روانہ کیا جا رہا ہے' اپنے آپ کو دریافت کرنے کا مزہ تو اب آنے لگا تھا۔ مجھے افسوس ہونے لگا تھا' میں اتنی جلدی یہاں سے جانا نہیں چاہتا تھا۔ میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اچانک مجھے خیال آیا' یہ تو محض تانی کا خیال تھا' مہر صاحب نے تو مجھے نہیں کہا جب وہ کہیں گے تو دیکھا جائے گا۔ نجانے جذبات کی رو میں وہ کیا کچھ کہتی چلی گئی تھی۔ میں نے سب کچھ ذہن سے نکالا اور پرسکون انداز میں سونے کے لیے لیٹ گیا۔

.....☆☆.....

آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے۔ سارا دن سورج دکھائی نہیں دیا تھا مگر بارش نہیں ہوئی تھی۔ سہ پہر کے بعد ہمیں کچھ دیر کے لیے آرام کرنے کی فراغت ملتی تھی' ہم اس وقت بستی کی طرف جا رہے تھے کہ مہر خدا بخش کے گوپے کے پاس بہت سارے لوگوں کا رش دیکھ کر ہم ٹھٹک گئے۔ پھر ہم تیزی سے اس طرف بڑھ گئے۔ وہاں کچھ بھی نہیں تھا' مگر لوگ یوں گوپے کی طرف دیکھ رہے تھے جیسے وہاں کچھ دیکھنے کے منتظر تھے۔ تقریباً سبھی لوگ وہاں موجود تھے جو بستی میں یا ادھر ادھر رہتے تھے۔ بستی کی طرف سے ابھی کچھ لوگ آ بھی رہے تھے۔ تبھی گوپے کا دروازہ کھلا اور مہر خدا بخش کے ساتھ وہی بابا جی بھی نمودار ہوئے۔ انہوں نے آتے ہی مجھے یوں دیکھا جیسے وہ گوپے ہی سے مجھے دیکھ رہے تھے۔ مہر خدا بخش نے مجھے آگے آنے کا اشارہ کیا۔ میں آگے بڑھا' ان کی طرف جاتے ہوئے جب میں میدان کے درمیان میں گیا تو ایک جانب سے اچانک بچھڑا چھوڑ دیا گیا۔ میں لمحوں میں سمجھ گیا کہ میرے امتحان کا وقت آ گیا ہے۔ جس وقت میں نے بچھڑے پر نگاہ جمائی ہوئی تھی' انہی لمحات میں تانی نے بلم نما چھری اپنے ہاتھ میں لہرائی اور میری جانب پھینک دی۔ میں اگر چھری پر توجہ دیتا تو بچھڑا مجھے ٹکر مار دیتا' مگر یہ میری توہین تھی کہ چھری زمین پر گر جاتی' میں نے ہوا میں قلابازی لگائی اور چھری کو پکڑ لیا' تب تک بچھڑا عین میرے نیچے تھا' میں نے پوری قوت سے وہ بلم نما چھری بچھڑے کے اوپری بدن پر گھونپ دی۔ پھر چھری کے سہارے ہی گھوم کر زمین پر آن کھڑا ہوا۔ بچھڑا درد کی شدت سے پاگل ہو گیا تھا' میں نے ایک جست لی اور اس کے سامنے آ گیا' وہ ٹکر مارنے کے لیے لپکا تو میں نے اس کے سینگ پکڑ لیے۔ اس نے زور زور سے اپنا سر مارنا شروع کر دیا' میں اس کے ساتھ لڑھکتا' کبھی ایک طرف چلا جاتا اور کبھی دوسری طرف' وہ اچھلتا تو میں اس

کے ساتھ اچھل جاتا' تقریباً تین منٹ تک یہی چلتا رہا' تبھی بچھڑے کا زور ٹوٹ گیا۔ میں نے اپنا دباؤ ایک طرف ڈال دیا۔ دو تین زور کے جھٹکے دیئے تو اس کے قدم اکھڑ گئے اور وہ زمین پر آ گرا۔ میں نے اس کے سینگ چھوڑ کر چشم زدن میں چھری اس کے بدن سے نکالی' اس کا خون بہہ نکلا تھا' بچھڑا تڑپ کے اٹھنا چاہتا تھا کہ میں نے پاؤں کی ٹھوکر اس کی تھوتھنی پر ماری' اس کے حواس مختل ہو گئے' تبھی میں نے ایک لات اس کے سر پر رکھی اور تکبیر پڑھتے ہوئے اس کی گردن پر چھری پھیر دی۔ خون کا فوارہ چھوٹ پڑا' بچھڑا تڑپ رہا تھا' وہ اٹھنا چاہتا تو میں اس کے ٹھوکر مار دیتا' یہ تیز چھری کا کمال تھا ورنہ شاید مجھے اسے ذبح کرنے میں کچھ مزید دشواری ہوتی' کچھ دیر بعد وہ ساکت ہو گیا۔ جبکہ میں خون سے لت پت ہو گیا تھا۔ تبھی چند لوگ وہاں آ گئے' انہوں نے میرے ہاتھ سے چھری لیتے ہوئے کہا۔

''جاؤ' نہا کر بابا جی کے پاس جاؤ۔''

میں نے سامنے کھڑے بابا جی کو دیکھا' انہوں نے ہاتھ کا اشارہ کیا' جس کا مطلب تھا کہ وہ خوش ہو گئے' میں تیزی سے پلٹا اور بستی کی جانب چل دیا۔

کچھ دیر پہلے جو کچھ میں نے کیا تھا' مجھے خود اس کی سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ ایسا سب کچھ ہو کیسے گیا۔ شاید میرے اندر بچھڑے کو ذبح کرنے کی خواہش شدت پکڑ گئی تھی لیکن نری خواہش سے کیا ہوتا ہے۔ بچھڑے اور میری قوت میں بہت فرق تھا۔ شاید میں نے لاشعوری طور پر اسی تکنیک پر سوچا ہوگا' مگر نہیں' لمحوں میں فیصلے اور ان پر عمل کرنا یونہی نہیں تھا۔ میرے اندر کچھ ایسا بھر گیا تھا جس کی مجھے سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ بلاشبہ میں اسی وجہ سے حیران تھا۔ مجھے احساس ہو گیا تھا کہ جب میں یہاں آیا تھا تو اندر سے خالی تھا۔

میں واپس گوپے کے پاس پہنچا تو وہاں سامنے میدان میں کوئی بھی نہیں تھا۔ میں گوپے کے اندر چلا گیا۔ جسپال پہلے ہی سے وہاں موجود تھا۔ میں نہیں جانتا ان کے درمیان کیا باتیں ہوئی ہوں گی۔ میرے جاتے ہی ایک لمحہ کے لیے خاموشی چھا گئی۔ بابا جی نے میری طرف نگاہوں سے دیکھا' پھر کوئی بات کیے بغیر کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے مجھے اپنے گلے لگایا' مجھے تھپکی دی اور کہا۔

''یہ دنیا جنگل تو نہیں ہے پتر' مگر کچھ جانور نما انسانوں نے اسے جنگل بنا دیا ہے۔ ان جانوروں کا کا بھی تو کوئی سد باب کرنا ہے نا۔ کوشش کرو.....'' یہ کہہ کر چند لمحے میری طرف دیکھا اور باہر کی جانب چل پڑے۔ میں ان کی یہ ادا نہیں سمجھ سکا۔ میں ان کے پیچھے لپکا اور گوپے سے باہر آ گیا۔ وہ تیز تیز قدموں سے چلتے ہوئے میدان میں پہنچ گئے تھے اور پھر میرے دیکھتے ہی دیکھتے وہ صحرا میں اوجھل ہو گئے۔ میں واپس پیڑھے پر آ کر بیٹھ گیا۔ نجانے میں کیوں یہ چاہ رہا تھا کہ بابا جی میرے پاس کچھ دیر مزید ٹھہرتے اور باتیں کرتے۔

''یہ اچانک آتے ہیں اور اسی طرح چلے جاتے ہیں۔'' مہر خدا بخش نے کہا تو میں چونک کر اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ ''اب میری بات ذرا دھیان سے سنو۔'' یہ کہتے ہوئے وہ چند لمحے میری جانب دیکھتا رہا پھر بولا۔ ''آج رات تم دونوں یہاں سے جا رہے ہو' یہاں سے جانے کے بعد تم نے بھول جانا ہے کہ کبھی یہاں آئے تھے۔''

''ایسا کیوں مہر صاحب؟'' میں نے الجھتے ہوئے پوچھا۔ وہ چند لمحے سوچتا رہا پھر بولا۔

''ہم دنیا میں ہر اس جگہ پر ہیں جہاں ہماری ضرورت ہے' میں اس کا ایک حصہ ہوں۔ لیکن تم دونوں کے بارے میں ایک عجیب بات یہ ہے کہ تمہاری آمد سے تقریباً دو ماہ قبل بابا جی اچانک یہاں آئے' انہوں نے مجھے بتایا کہ دو مخالف سمتوں سے دو لوگ یہاں آئیں گے' انہیں سنبھال لینا' اس سے زیادہ انہوں نے بات نہیں کی تھی۔ پھر تم لوگ آ گئے' یہ بات میں نے تمہیں پہلے بھی بتائی تھی لیکن یہ بات اب تم سمجھ سکتے ہو۔''

''مہر صاحب' ایک منٹ!'' میں نے کہا تو وہ میری طرف دیکھنے لگا۔ تب میں نے کہا۔ ''آپ لوگ اور بابا جی دونوں ایک.....''

''نہیں۔! شاید تم بھول رہے ہو' میں بابا جی کا نام تک نہیں جانتا' میں یہاں پر یہ سیٹ اپ بنانے کے لیے آیا تھا' کیونکہ یہ میرا

علاقہ تھا اور میری بود و باش یہیں کی ہے۔ یہ میری ڈیوٹی ہے اور میں یہ ڈیوٹی دے رہا ہوں۔ جب میں یہاں آیا تو انہی دنوں میری ان سے ملاقات ہوئی۔ میں سمجھتا ہوں انہوں نے روحانی طور پر میری بہت مدد کی ہے' سمجھ لو مجھے اب یہ سمجھ لگ گئی ہے کہ کس ریچھ کو کہاں سے پکڑنا ہے' کس کتے کو کیا اشارہ کرنا ہے اور کس بندر کو کیسے نچانا ہے' یہ چیزیں مجھے وہ نہیں سکھا سکے جن کے لیے میں نے ساری جوانی تیاگ دی۔''

''وہ لوگ کون؟'' میں نے تیزی سے پوچھا۔

''یہ راز ہے' مجھے کچھ نہیں معلوم کہ کون کس جگہ پر کیا کر رہا ہے' لیکن سبھی انسانیت کے لیے کام کر رہے ہیں۔ وقت کے ساتھ تمہیں بھی معلوم ہوتا چلا جائے گا۔ یہ ذہن میں رکھو' تم ہمارے نیٹ ورک کا حصہ نہیں ہو' ممکن ہے کبھی ہو جاؤ' میں نے تمہیں یہاں پر فقط بابا جی کی وجہ سے رکھا ہے' اب تم نے جانا ہے' لیکن اپنے گھر نہیں' جسپال کے ساتھ اس کے گاؤں۔''

''میں' اوگی جاؤں گا؟'' میں نے چونکتے ہوئے پوچھا تو جسپال بھی میری طرح چونک گیا۔

''یہ جمال کا امتحان ہے' اور اس کے بعد جسپال تمہارا امتحان ہوگا۔ شام ڈھلنے والی ہے' کھانا کھاؤ اور جانے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ تم لوگوں نے آج رات ہی سرحد پار کرنی ہے' اب جاؤ تیاری کرو۔'' اس نے اٹھتے ہوئے کہا تو ہم بھی اٹھ گئے۔

ذہن میں ایک دم سے نجانے کتنے سوال گونج اٹھے تھے۔ میں جب وہاں سے نکلا تو مجھے یوں لگا جیسے میں کوئی دنیا تسخیر کرنے وہاں سے نکلا ہوں۔

بقیہ واقعات حصہ دوم میں ملاحظہ فرمائیں۔